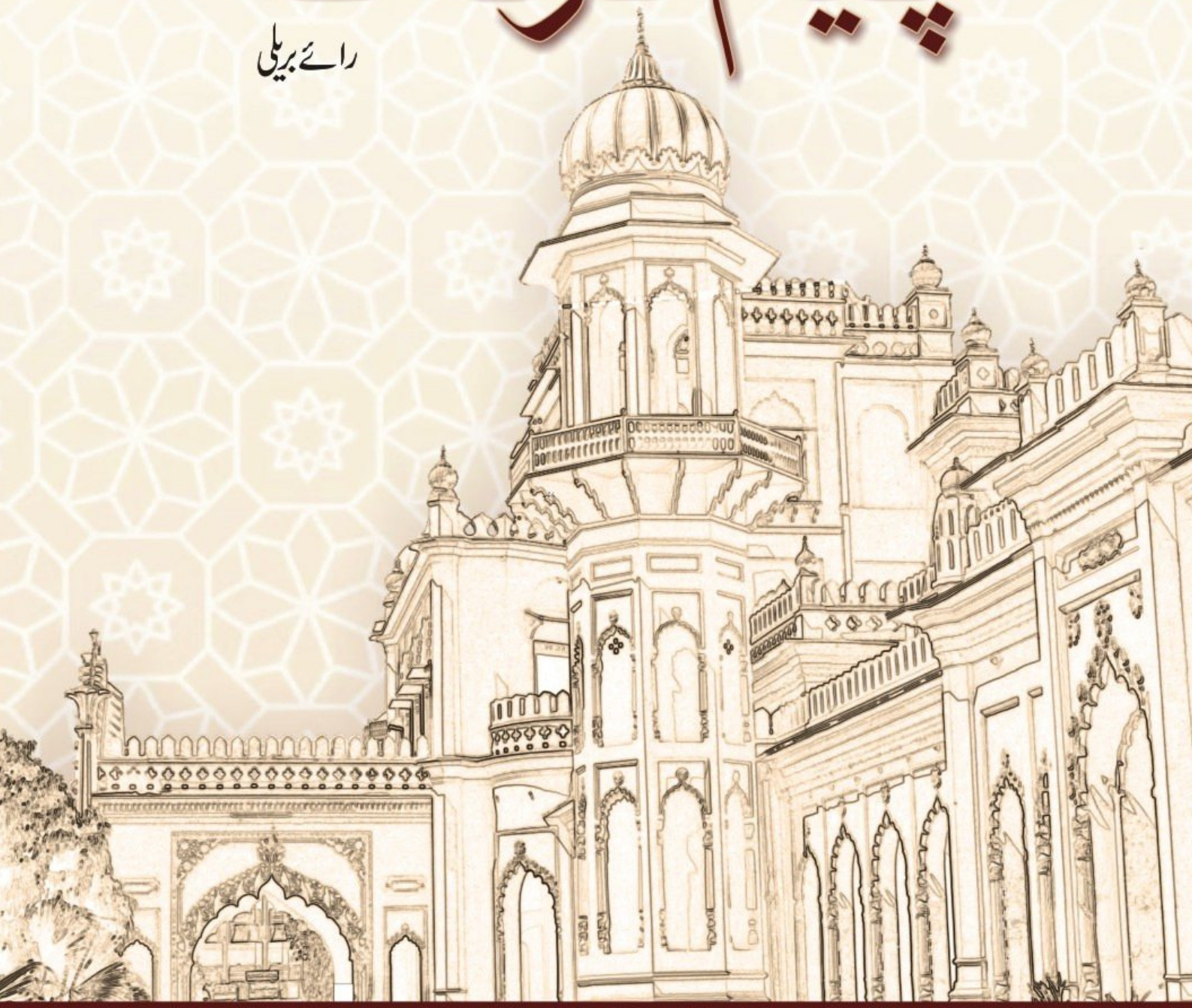
خصوصی اشاعت بیاد حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی



مرکز الإمام أبی الحسن الندوي

دارعرفات، تکیہ کلاں، رائے بریلی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

اردو اور ہندی میں ایک ساتھ شائع ہونے والا

ماہنامہ

پیام عرفات

رائے بریلی

مرکز الامام أبی الحسن الندوی
دارعرفات تکیہ کلاں رائے بریلی (یوپی)
www.abulhasanalinadwi.org

خصوصی اشاعت بیاد حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی رحمہ اللہ

شمارہ: ۲-۴ جلد: ۱۱

انقلابی شخصیات کی ضرورت

”عالم اسلام کے درد کی دوا آج وہ گروہ ہے، جو خواہشات سے بلند اور داعیانہ بے غرضی کا پیکر ہو، جو مراسلات اور گفتگو کے ذریعہ، دعوتی اسفار کے ذریعہ، پُر اثر اسلامی ادب کے ذریعہ، شخصی روابط کے ذریعہ، پاکیزگی کردار اور علو اخلاقی کے ذریعہ، زہد و استغنا اور پیغمبرانہ اخلاق کی پُر اثر نمائندگی کے ذریعہ، ان نفسیاتی اور عقلی گرہوں کو کھول دے جو مغربی علوم نے پیدا کی ہوں یا دینی طبقے کی بے تدبیری سے پڑی ہوں، یا کم فہمی، کم نظری اور اسلام اور اس کے صحیح ماحول سے بُعد ان کا سبب ہوا ہو۔“

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمۃ اللہ علیہ

(نیا طوفان اور اس کا مقابلہ: ۳۶)

سرپرست

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ

(صدر دارِ عرفات)

مدیر

بلال عبدالحی حسنی ندوی

مجلس ادارت

مفتی راشد حسین ندوی ❁ عبدالسبحان ناخدا ندوی

محمود حسن حسنی ندوی ❁ محمد حسن ندوی

معاون ادارت

محمد نفیس خاں ندوی

محمد ارمغان بدایونی ندوی

فروری-اپریل ۲۰۱۹ء مطابق جمادی الاخری-شعبان ۱۴۴۰ھ

اس شمارہ کی قیمت -/Rs. 80

پرنٹر پبلشر محمد حسن ندوی نے ایس، اے، آفسٹ پرنٹرس، مسجد کے پیچھے، پھاٹک عبداللہ خاں، سبزی منڈی، اسٹیشن روڈ، رائے بریلی سے طبع کرا کر دفتر ”پیام عرفات“ مرکز الامام أبی الحسن الندوي، دارِ عرفات، تکیہ کلاں رائے بریلی سے شائع کیا۔

www.abulhasanalinadwi.org

فی شمارہ: -/Rs.10 E-Mail: markazulimam@gmail.com سالانہ زرتعاون: -/Rs.100

Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi Samiti (Punjab National Bank) A/c No. 6127002100000339 (IFSC: PUNB0612700)

آئینۂ مضامین

مضمون	مضمون نگار	صفحہ
مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی رحمہ اللہ نے ایک نسل کو تیار کیا.....	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم	۵
شانِ خط.....	حضرت مولانا سید محمد واضح رشید ندوی نور اللہ مرقدہ	۶
فکرِ اسلامی کے نقیب.....	بلال عبدالحی حسنی ندوی	۷
اسلام ایک مکمل اور جامع نظامِ زندگی.....	حضرت مولانا سید محمد واضح رشید ندوی نور اللہ مرقدہ	۱۲
علم و ادب کا مہرِ تاباں.....	مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری	۱۵
ایک روشن دماغ تھا نہ رہا.....	مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی	۱۷
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے.....	حضرت مولانا عزیز الحسن صدیقی	۱۸
ساٹھ سالہ رفاقت اور مخلصانہ تعلق کا اختتام.....	حضرت مولانا محمد برہان الدین سنبھلی	۱۹
زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے.....	حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی مدظلہ	۲۰
سراپا دعوت و عزیمت.....	مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری	۲۴
چند یادیں- چند باتیں.....	پروفیسر سید احتشام احمد ندوی	۲۶
رخصت ہوئے جہان سے واضح رشید بھی.....	مولانا سید ہاشم نظام ندوی	۳۰
یادوں کے آئینے میں.....	جناب انیس چشتی	۳۳
اعلی اللہ مقامہ.....	جناب حفیظ نعمانی	۳۶
خاطرات شیریں.....	مولانا مفتی محمد قاسم قاسمی	۳۷
تعزیتی مکتوب.....	مولانا محمد سعد صاحب کاندھلوی	۳۹
ایک منفرد اور ممتاز شخصیت.....	ڈاکٹر شاہ عباد الرحمن نشاط صاحب	۴۳
زیبِ لوح و قلم.....	مولانا محمد عمیر الصدیق ندوی	۴۷
مشاہدات و تاثرات.....	مولانا عبدالقادر عارفی	۴۹
ایک پاک دل و پاک باز انسان.....	مولانا محمد ناظم ندوی	۵۷
علم، تواضع اور شرافت کا پیکر.....	ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی	۶۲
ذکر اس رشک کروبیاں کا.....	ڈاکٹر محمد اکرم ندوی	۶۴
بے نفس و بے ضرر انسان.....	مولانا فخر الحسن خاں ندوی	۶۷
رفتید و لے نہ از دلِ ما.....	مولانا ڈاکٹر نذیر احمد ندوی	۶۹

محسن انسانیت (ﷺ) کا اسلوب نگارش- چند نمونے ..... مولانا نعیم الرحمن صدیقی ندوی	۷۳
کچھ یادیں- کچھ باتیں ..... جناب شارق علوی	۷۹
اٹھ کر گیا ہے کون یہ رت سی بدل گئی ..... محمد عرفان ندوی	۸۰
کمالات، اوصاف وتاثرات ..... مولانا خالد رشید فرنگی محلی	۸۱
ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم ..... ڈاکٹر تابش مہدی	۸۳
جامع اور متوازن شخصیت ..... ڈاکٹر محمد انور حفیظ ندوی	۸۶
علم، تدبر اور قربانی کا نادر نمونہ ..... مولانا عبد المتین منیری	۸۸
پیکر علم وادب ..... مولانا رضوان احمد ندوی	۹۴
تاریخ ساز مرد مجاہد نہیں رہا ..... مولانا محمد مرتضی راغب	۹۶
وہ رشک صد بہار گلستاں چلا گیا ..... مولانا ممتاد علی قاسمی	۹۹
ایک فرشتہ صفت انسان کی رحلت ..... مولانا مفتی راشد حسین ندوی	۱۰۲
آئینہ ذات وصفات ..... مولانا عبد السبحان ناخدا ندوی مدنی	۱۰۴
اعلی اسلامی روایات کے نقیب وامین ..... مولانا محمد حبیب الرحمن ندوی	۱۰۷
یادوں کے دریچے سے ..... مولانا سید ولی حسن قادری ندوی	۱۱۳
علم وادب کی آبرو، سادگی وتواضع کا پیکر ..... مولانا سعود الحسن ندوی	۱۱۵
نہ جانے کتنے تارے بجھ گئی ہے سحر ..... مولانا محمد شاہد خان ندوی	۱۱۸
مدتوں رویا کریں گے جام وپیمانہ تجھے ..... مولانا فیصل احمد ندوی	۱۲۳
پاکیزہ زندگی- پاکیزہ موت ..... مولانا عبید القادر ندوی	۱۲۵
شخصیت کے نمایاں پہلو ..... ڈاکٹر محمد مبین سلیم ندوی	۱۲۸
عالمی سطح پر فکر اسلامی کی حامل شخصیت ..... مولانا محمد وثیق ندوی	۱۳۰
سرمایۂ ملت کا پاسباں ..... ڈاکٹر شاکر فرخ ندوی	۱۳۵
غم یہ کیسا چھوڑ گئے ..... ڈاکٹر محمد یاسین ذکی	۱۳۸
افراد ساز شخصیت ..... مولانا ڈاکٹر محمد فرمان ندوی	۱۴۱
علم اٹھتا ہے اہل علم کی رحلت سے ..... ڈاکٹر محمد علی ندوی	۱۴۴
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا ..... مولانا محمد اسعد ندوی	۱۴۶
وصال الی المولی ..... محمد زاہد حسین ندوی جمشید پوری	۱۴۷
ایک دیا اور بجھا اور بڑھی تاریکی ..... جناب ابو فہد	۱۴۸
فلک کا ستارہ چراغ زمیں وہ ..... سیدہ زہرہ حسنی	۱۵۳

وہ پتھروں کے شہر میں ہیرے کی کان تھا ..... مولانا سید ہاشم نظام الدین ندوی	۱۵۴
مردم گرو مردم ساز ..... مولانا محمد سمعان خلیفہ ندوی	۱۵۹
جانے والے! تو ہمیں یاد بہت آئے گا ..... شاہ اجمل فاروق ندوی	۱۶۲
علم وادب کا درخشاں ستارہ ..... مولانا اظہر الدین اظہر ندوی	۱۶۶
وہ رحمت میں اللہ کی سو گیا ہے ..... سید ابوالحسن علی حسنی	۱۶۹
صاحب قلب ونظر عالم ربانی ..... مولانا محمد خالد باندوی ندوی	۱۷۰
قائدانہ تربیتی نظام کے رہنما خطوط ..... ڈاکٹر محمد حاذق ندوی	۱۷۲
وسعتیں- خاموشیاں- گہرائیاں ..... مولانا محمد اعظم ندوی	۱۷۴
ہر لمحہ تیری یاد کا تاباں درخشاں ..... ڈاکٹر قمر شعبان ندوی	۱۷۹
بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی ..... مولانا شرف الدین عظیم قاسمی اعظمی	۱۸۱
جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں ..... مولانا سید آصف ندوی	۱۸۵
خانوادۂ حسنی کا چشم وچراغ ..... مفتی محمد ثناء الہدیٰ قاسمی ندوی	۱۸۸
گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان ..... مولانا عبدالباسط محمد شرف الدین ندوی	۱۹۰
ستودہ صفات شخصیت ..... مولانا سید محمد مکی حسنی ندوی	۱۹۳
پیارے ابا کی پیاری باتیں ..... مولانا خلیل احمد حسنی ندوی	۱۹۷
صاحب فکر ونظر عالم دین ..... مولانا محمد نجم الدین ندوی	۲۰۲
ہمت افزائی کے پیکر ..... مولانا محمد بن یوسف ندوی	۲۰۶
کچھ یادیں- کچھ باتیں ابا کی ..... مولانا محمد امین حسنی ندوی	۲۱۰
یاد آتی ہیں تری باتیں ترے جانے کے بعد ..... مولانا عبدالسمیع ندوی	۲۱۴
میری محسن شخصیت ..... مولانا فراز کوثر ندوی	۲۱۸
ایک مثالی معلم کی وفات- ایک عہد کا خاتمہ ..... مولانا اعظم شرقی ندوی	۲۲۳
میرے محسن ومربی ..... مولانا سید شعیب حسینی ندوی	۲۲۶
زمین کی تہوں میں آفتاب ڈھونڈتا ہوں میں ..... مولانا طارق اکرمی ندوی	۲۲۸
وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے ..... مولانا ابوسفیان ندوی علیگ	۲۳۲
پیکر زہد وعمل ..... محمد عرفان حنیف ندوی	۲۳۷
کہکشاں فکر ونظر کے بدر منیر ..... محمد ارمغان بدایونی ندوی	۲۳۹
لوح وقلم جس کے لیے نوحہ کناں ہیں ..... محمد نفیس خاں ندوی	۲۴۲
الوداع اے عالم آب وگل الوداع! ..... مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی	۲۴۶
تعزیت نامے ..... ادارہ	۲۵۱

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی رحمہ اللہ نے ایک نسل کو تیار کیا

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم (ناظم ندوۃ العلماء)

میرے حقیقی بھائی محمد واضح رشید حسنی ندوی جن کا اصل موضوع ادب عربی، تاریخ، مغربی تہذیب، فکر اسلامی، غزو فکری، مغربی ایڈیالوجی تھا، ان کی عالمی منظر نامہ پر گہری نظر تھی، وہ اس میدان سے خوب واقف تھے، قارئین ان کی تحریروں سے فائدہ اٹھاتے تھے اور اس کی خوب قدر کرتے تھے ان کے ذریعہ ایک نسل تیار ہوئی جس نے صحیح اسلامی فکر کی آبیاری کی۔

انہوں نے اسلامی بیداری پیدا کرنے میں بڑا اہم کردار ادا کیا اور ایک نسل کو تیار کیا، انہوں نے مسلمانوں کو صحیح فکر سے واقف کرانے کا کام کیا، اسلامی تحریکوں اور اسلامی کاز کو پیش کیا اور مغربی دسیسہ کاریوں سے پردہ اٹھایا اور اپنی کتابوں، تحریروں اور مقالات اور اپنی صحیح فکر کے ذریعہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف عالمی سازشوں کا پردہ فاش کیا، لیکن اللہ کو کچھ اور ہی منظور تھا، ایک مختصر بیماری کے بعد یہ مسافر اپنے مالک حقیقی سے جاملا {يَا أَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ ★ ارْجِعِي إِلَى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً ★ فَادْخُلِي فِي عِبَادِي ★ وَادْخُلِي جَنَّتِي (الفجر/ ۲۷۔۳۰)} اے وہ جان جو (اللہ کی اطاعت میں) چین پا چکی ہے، اپنے پروردگار کی طرف اس طرح لوٹ کر آجا کہ تو اس سے راضی ہو اور وہ تجھ سے راضی، اور شامل ہو جا میرے (نیک) بندوں میں، اور داخل ہو جا میری جنت میں۔

ان کی وفات بہت بڑا خسارہ ہے، اور ان سے استفادہ کرنے والوں، ان کے افکار و نظریات اور ان کی تحریروں سے خوب فائدہ اٹھانے والوں نے اپنے مضامین و خطوط کے ذریعہ اپنے جذبات کا اظہار کیا، ان کی وفات سے ان لوگوں کا بڑا نقصان ہوا جو ان سے وابستہ تھے اور اس پرچہ کا اور خاص کر میرا اس لیے کہ وہ میرے حقیقی بھائی تھے، ان کا میرا تعلق قلبی بھی تھا علمی بھی، ذہنی بھی تھا فکری بھی۔

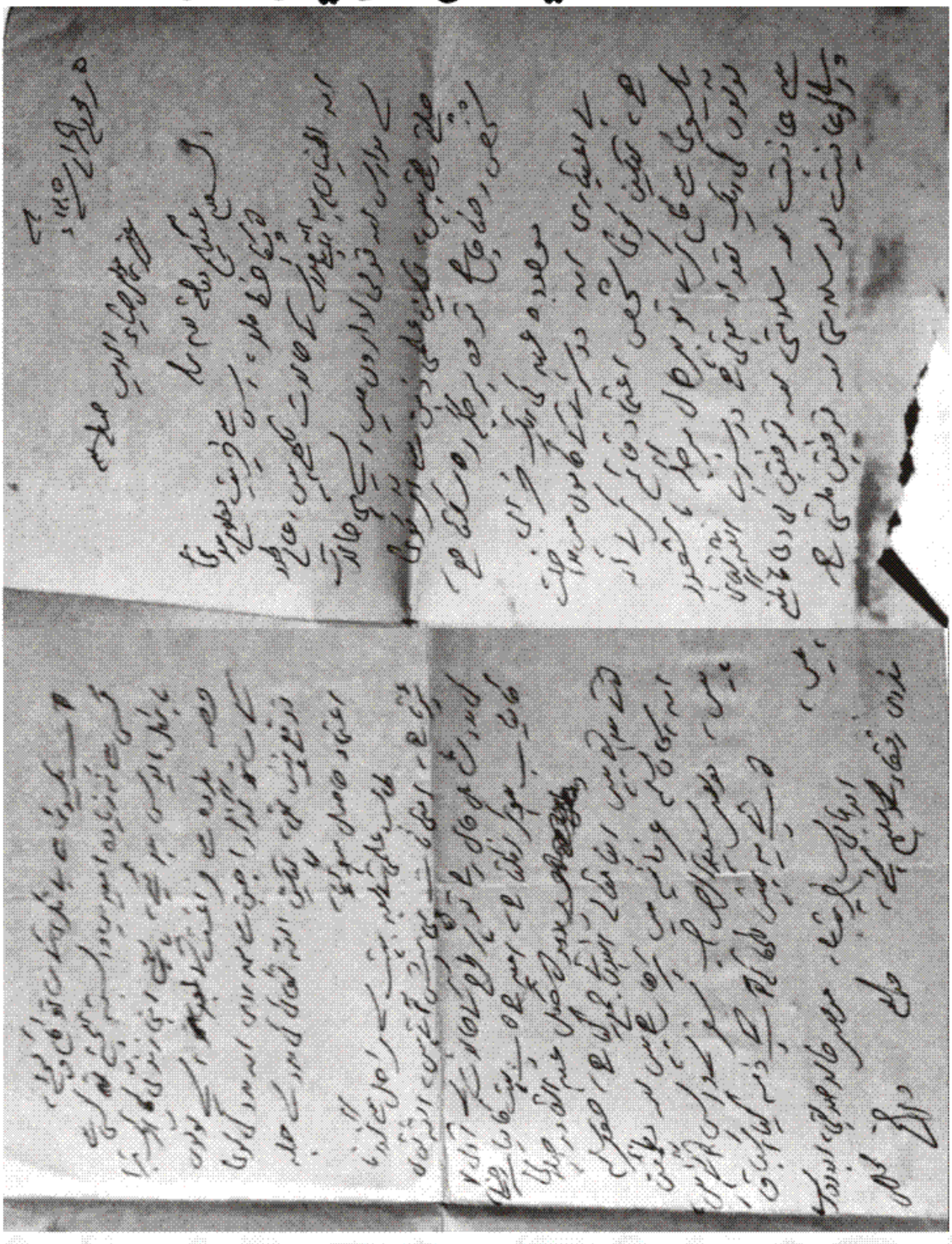
مرحوم جہاں ایک عالم و مفکر تھے وہیں ایک مربی تھے، ایک معلم تھے، ایک ادیب تھے، ایک ذہن ساز تھے، ایک بہترین تجزیہ نگار تھے، اور علمی حلقوں میں اپنی رائے کی پختگی اور اپنے قیمتی تجزیات کی وجہ سے ایک معروف صحافی تھے، ان کے ذریعہ سے تعلیم و تربیت، صحافت، فکر و ثقافت اور ادب و تاریخ کا بہت بڑا فائدہ محسوس ہو رہا تھا کہ اچانک ان کی وفات کا وقت آگیا جس سے پوری علمی دنیا سوگوار ہے۔ انا للہ و انا الیہ راجعون۔

انشاء اللہ اس پرچہ کے ذریعہ ان کی علمی شخصیت کے مختلف پہلوؤں پر جو کچھ ان کے قدردانوں نے لکھا ہے وہ سامنے آئے گا اللہ تعالیٰ ان کو آخرت میں اس کا اجر عظیم عطا فرمائے اور ان کے پسماندگان اور ان کے ساتھیوں کو اور ان کے شاگردوں کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین!

(ترجمہ: سید محمد امین حسنی ندوی)

شانِ خط

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ



مدیر کے قلم سے

فکر اسلامی کے نقیب

بلال عبدالحی حسنی ندوی

"پیام عرفات" کا شمارہ پریس جانے کو تیار تھا کہ اچانک دار عرفات کے ناظم، ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیم، رابطہ ادب اسلامی عالمی کے جنرل سکریٹری، فکر اسلامی کے نقیب وعلم بردار حضرت مولانا واضح رشید ندوی کا سانحہ ارتحال پیش آیا، ان کی زندگی روح قرآنی سے سرشار تھی، خود تلاوت کرتے تو سراپا تدبر بن جاتے اور جب بینائی کمزور ہوئی تو سننے کا مستقل معمول بن گیا، کبھی کبھی پارے روزانہ سن لیتے، لیکن اسی ذوق وشوق اور فکر وتدبر کے ساتھ نمازوں میں بھی تلاوت کے دوران ان پر ایک کیفیت ومحویت طاری ہو جاتی اور وہ اس کی گہرائیوں میں کھو جاتے۔ مولانا کو قرآن مجید سے غیر معمولی شغف تھا اور اس میں ان کو وہ ژرف نگاہی حاصل تھی جو بہت کم لوگوں کو حاصل ہوتی ہے، اس کا سبب یہ ہے کہ مولانا کو عربی زبان وادب کا جو اعلیٰ ذوق تھا، اس میں کم لوگ مولانا کے شریک ہوں گے، اور قرآن مجید کے فہم میں اس ذوق کو بڑا حصہ حاصل ہے، اس گنہ گار نے "آسان معانی قرآن" کے کام میں مولانا سے بار بار استفادہ کیا، اور بہت سے وہ حقائق سامنے آئے جو شاید بڑی بڑی تفسیروں کے مطالعہ کے بعد بھی سامنے نہ آتے، مجھے ان حقائق وعلمی نکات سے کام کے دوران بڑی مدد ملی۔

مولانا حکیم سید عبدالحی صاحب نے اپنی بڑی صاحبزادی کا نکاح پھوپھی زاد بھائی کے فرزند جناب سید رشید احمد صاحب سے کیا، اللہ تعالیٰ نے بھی صاحبزادے عطا فرمائے، جن میں بھی کم عمری میں فوت ہو گئے اور ان میں تین آفتاب وماہتاب بن کر چمکے، حضرت مولانا واضح رشید ندویؒ ان تینوں میں سب سے چھوٹے تھے، ان میں سب سے بڑے حضرت مولانا محمد ثانی حسنی صاحبؒ، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ کے مجاز بیعت وارشاد ہوئے، بڑے مصنف، مصلح اور شاعر تھے، گوناگوں صفات وکمالات کے حامل تھے، خواتین کے لیے ماہنامہ "رضوان" اس وقت جاری کیا جب پرچہ نکالنا جان جوکھم میں ڈالنے سے کم نہ تھا، اپنے باکمال نانا کی طرح عمر کی صرف ۵۴ بہاریں دیکھیں، دوسرے بھائی حضرت مولانا محمد رابع صاحب مدظلہ "واسطۃ العقد" ہیں، مفکر اسلام رحمۃ اللہ علیہ کے جانشین اور اس وقت ملت اسلامیہ کی آبرو ہیں، مسلم پرسنل لا بورڈ کے صدر نشین، ندوۃ العلماء کے ناظم اور سیکڑوں اداروں کے سرپرست ہیں، اللہ تعالیٰ صحت وعافیت کے ساتھ ان کے سایہ عاطفت کو دراز فرمائے کہ ان کا وجود دنیا کے لیے باعث خیر وبرکت ہے۔

ان میں سب سے چھوٹے ہمارے چچا جان تھے، والد ماجد مولانا سید محمد الحسنی رحمۃ اللہ علیہ سے دو سال بڑے، پھوپھی زاد بھائی تھے مگر سگے بھائیوں سے بڑھ کر، تینوں بھائیوں کا معاملہ ایسا ہی تھا، مولانا حکیم سید عبدالعلی صاحبؒ سب کے مربی وسرپرست تھے، ان کی ہمشیرہ نے اپنے تینوں بیٹوں کو تعلیم وتربیت کے لیے اپنے بھائیوں کے سپرد کیا تھا، چچا جان عمر میں والد ماجد صاحب کے قریب تھے، اس لیے بچپن کی دوستی تھی، ساتھ کھیلنا ساتھ پڑھنا، دادا صاحب نے والد صاحب کو گھریلو میں تعلیم دی، ان کی تاکید تھی کہ واضح جو ندوہ میں پڑھ کر آئیں، محمد میاں کے ساتھ مذاکرہ کر لیا کریں، اسی زمانہ کا یہ لطیفہ قابل ذکر ہے کہ "قصص النبیین اول" چھپ کر آئی، اس میں حضرت مولانا نے والد صاحب کو شروع میں خطاب کیا ہے، چچا جان نے والد صاحب سے کہا کہ ماموں جی نے تمہارا نام لکھا، ہمارا نہیں لکھا، یہ دونوں کی نوعمری کا زمانہ تھا، والد صاحب نے کتاب کھولی، ایک جگہ عبارت میں "واضحۃ سھلۃ" لکھا ہوا تھا، فرمایا: دیکھو تمہارا نام بھی ہے۔

مولانا ندوہ سے فارغ ہوئے تو عربی زبان ان کے لیے مادری زبان کی طرح تھی، اس میں بڑا حصہ ان کے ابتدائی دور کے اساتذہ کا تھا جو تازہ تازہ مصر سے پڑھ کر آئے تھے اور وہ عربی کو زندہ زبان کی طرح براہ راست (Direct Method) پڑھاتے تھے، ان میں

مولانا محبوب الرحمن صاحب ازہری بھی تھے، مولانا عبد الحفیظ صاحب بلیاوی سے بھی مولانا کا خاص تعلق تھا، مولانا کی قابلیت اور صلاح کا اثر اساتذہ پر بھی تھا، بارہا ایسا ہوا کہ مولانا اسباط صاحبؒ جو نابینا تھے سبق نہ پڑھا سکے تو مولانا واضح صاحب کو اپنی جگہ بٹھا گئے، اس زمانہ میں مولانا نے انگریزی پڑھنی شروع کی، بعد میں علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے باقاعدہ انہوں نے بی اے انگریزی میں کیا، پھر گھر کی شدید ضروریات کو دیکھتے ہوئے وہ دہلی چلے گئے، اور تقریباً بیس سال وہاں ریڈیو سے منسلک رہے، اس زمانہ میں وہ ہر طرح کے لوگوں سے ملے، مطالعہ میں مزید وسعت پیدا ہوئی، ہر طرح کا ماحول ان کو ملا، مگر وہ جس ثابت قدمی کے ساتھ پھول چنتے ہوئے آگے بڑھتے گئے، یہ انہیں کی خصوصیت ہے، کبھی کانٹوں میں دامن الجھنے نہ دیا، سخت سے سخت حالات آئے مگر ان کی قوت ایمانی میں ذرا جنبش نہ آئی، حضرت مولانا نے ان کو تاکید کی تھی کہ نظام الدین سے تعلق رکھنا، انہوں نے اس کو پوری طرح نبھایا، حضرت مولانا یوسف صاحب اور حضرت مولانا انعام الحسن صاحب کے ساتھ وقت لگانے کا بھی موقع ملا، یہ حضرات بھی انتہائی محبت فرماتے تھے، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمہ اللہ سے بڑا گہرا تعلق تھا اور حضرت شیخ کی بھی خاص توجہ اور عنایت تھی، دہلی کے قیام میں مسلسل سہارنپور بھی حاضری کا معمول رہا اور بارہا رائے پور حضرت رائے پوری کی خدمت میں بھی حاضری کی سعادت ملی۔

دہلی قیام کا اصل مقصد والدین کی خدمت و راحت کی فکر تھی، وہ زمانہ سخت عسرت کا تھا، مولانا کے قیام دہلی سے گھر والوں کو بڑی راحت ہوئی، ہماری سب سے چھوٹی پھوپھی سے مولانا کا عقد ہو چکا تھا، وہ بھی بڑی صاحب فکر اور دین دار خاتون تھیں، ذکر و تلاوت کا بڑا اہتمام تھا، امر بالمعروف و نہی عن المنکر پر پورا عمل تھا، مجھے یاد ہے دونوں میں دیر دیر تک حالات حاضرہ پر گفتگو ہوتی، بزرگوں کا تذکرہ ہوتا، تاریخ کے اوراق الٹے جاتے اور بڑی فکر انگیز باتیں سامنے آتیں۔

مولانا دہلی میں تھے لیکن ان کے طائر فکر کا نشیمن ندوہ تھا، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو خاندانی تعلق کی وجہ سے کچھ تردد تھا، لیکن حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا رحمۃ اللہ علیہ کے اصرار پر ندوۃ العلماء میں ان کا تقرر ہوا، خود انہوں نے جس طرح شروع سے دینی تعلیم پائی تھی اور پھر مصر کے سفر اور عربی سے براہ راست گہرے تعلق کی وجہ سے مولانا نے تدریس کے لیے نئے نئے طریقے اختیار کیے، ان کے اندر شوق تھا کہ طلبہ میں صلاحیت منتقل کی جائے، وہ لگے بندھے طریقے پر پڑھانے کے قائل نہ تھے، انہوں نے نئے تجربات سے طلبہ کو فائدہ پہنچایا، ندوہ کی فضا پر اس کا اثر پڑا، اور اس دور کے ان کے شاگرد خاص طور پر اس دور کو یاد کرتے ہیں، یہ سلسلہ آخر تک رہا، نہ جانے کتنے طلبہ جو مایوسی کا شکار ہو جاتے وہ مولانا کی فکر و توجہ اور شفقت و محبت سے اپنے اندر ایک امنگ محسوس کرتے، ان میں نہ جانے کتنے علم و فکر کے میدان میں چمکے اور وہ آج تک مولانا کے لیے رطب اللسان ہیں۔

ہمت افزائی چچا جان کی ایک خاص صفت تھی، بہت معمولی استعداد والے طلبہ عربی میں ترجمہ کر کے لاتے، بعض مرتبہ پوری پوری عبارت بدلنی پڑتی، مگر اس کے باوجود وہ قدر فرماتے اور اکثر "الرائد" میں اس کو جگہ دیتے، اس سے لکھنے والے میں حوصلہ پیدا ہو جاتا، اسی طرح فکری رہنمائی فرماتے، کتابوں کے مطالعہ کا مشورہ دیتے اور اپنی مجلسوں میں کتابوں کا نچوڑ پیش کرتے، سچی بات یہ ہے کہ سیکڑوں کتابوں کے مطالعہ کا وہ فائدہ نہیں ہو سکتا تھا جو ان کی مجلسوں سے ہوتا تھا، فکر کے نئے نئے زوایے کھلتے، تاریخ ادب کے وہ جواہر پارے سامنے آتے جو شاید ہزاروں صفحات پڑھنے کے بعد بھی سمجھ میں نہ آئیں، ان کی مجلسوں سے نہ جانے کتنے مفکر و مصنف پیدا ہوئے، رجال سازی میں اس وقت ان کی نظیر ملنی مشکل ہے، اپنی شخصیت ان کے سامنے کچھ نہ تھی، فنائیت کی جو اصطلاح تصوف میں پڑھی، مولانا اس کی زندہ مثال تھے، ہر جگہ اپنی نفی فرماتے، نام و نمود سے نفرت تھی، اپنی ابتدائی زندگی میں انہوں نے مساجد میں تبلیغی اجتماعات میں بہت تقریریں کیں لیکن پھر وہ تقریر کے نام سے گھبرانے لگے، وہ اسٹیج کے آدمی نہیں تھے، مگر نہ جانے کتنوں کو انہوں نے اسٹیج کے قابل بنا دیا، ادھر چند سالوں سے

شدید اصرار پر وہ تقریر کرتے تو مغز ہی مغز سامنے آتا، معلوم ہوتا تھا کہ کتابوں کے صفحات ان کے سامنے ہیں، قوت حفظ میں ان کو امتیاز تھا، جب بات کرتے تو حوالہ کے ساتھ کرتے، ان کو روح کی ذہانت حاصل تھی، اللہ تعالیٰ نے بہت شفاف دل دیا تھا، معلوم ہوتا تھا کہ ان پر دلوں کا عکس پڑتا ہے، متعدد مواقع پر ایسے واقعات سامنے آئے کہ ان کو تصوف کی اصطلاح میں کشف سے ہی تعبیر کیا جاسکتا ہے، ان کا دل ہر طرح کے کینہ وکپٹ سے پاک تھا جو کرتے اللہ کے لیے کرتے۔

طبیعت بڑی حساس تھی، اپنا کام خود کرتے، خدمت لینا نفس پر بہت شاق تھا، مزاج میں نفاست تھی، بے ترتیبی پسند نہ تھی، گھر میں داخل ہوتے کوئی چیز بے ترتیب ہوتی تو خود ٹھیک کرنے لگتے، اور اس میں بھی اتباع رسول کا جذبہ ہوتا، مشیخت سے کوسوں دور اظہار علم اور خود نمائی سے دور دور کا واسطہ نہ تھا، مگر باتوں سے علم ابلتا تھا۔

والد مرحوم مولانا سید محمد الحسنیؒ اور مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ کی وفات حضرت مولانا کی زندگی ہی میں ہوئی، حضرت مولانا کی وفات کے بعد یہی دونوں بھائی حضرت مولانا کے جانشین اور ان کے فکر وعمل کے سچے امین رہے، حضرت مولانا کو بھی ان دونوں پر جو اعتماد بلکہ ناز تھا وہ دنیا جانتی ہے، محبت کا حال یہ تھا کہ حضرت کو ان کی جدائی برداشت نہیں تھی، ایک مرتبہ کچھ اہل تعلق دونوں کو کسی پروگرام کے لیے کانپور لے گئے، آنے میں کچھ تاخیر ہوئی، وہ فون کا زمانہ نہیں تھا، حضرت ندوہ میں مہمان خانہ سے باہر آکر بیٹھ گئے اور انتہائی بے چین ہوئے، دیر رات میں جب وہ دونوں تشریف لے آئے تو اندر تشریف لے گئے، اور فرمایا کہ تم دونوں رات کو کہیں مت جایا کرو، حضرت مولانا نے اپنے متعدد کاموں کی تکمیل مولانا واضح صاحب سے کرائی، "الصراع بین الفکرۃ الاسلامیۃ والفکرۃ الغربیۃ فی الأقطار الاسلامیۃ" (مسلم ممالک میں اسلامیت ومغربیت کی کشمکش) کے بارے میں بھی حضرت مولانا کی بڑی خواہش تھی کہ وہ اس کام کو آگے بڑھائیں، مولانا واضح صاحبؒ کا یہ خاص موضوع تھا، رائے بریلی میں فضیلت کے طلباء کے سامنے اس کتاب پر مولانا ہی کا محاضرہ ہوتا تھا، محاضرہ کیا ہوتا تھا عالم اسلام کی تازہ صورت حال سامنے آجاتی، جغرافیائی خصوصیات، اقتصادی حالات، سیاسی اتار چڑھاؤ، معلوم ہوتا تھا کہ سب اوراق مولانا کے سامنے کھلے ہوئے ہیں، اس پر فکر کی بلندی، واقعیت اور درد دل مستزاد، مولانا اس پر خون کے آنسو روتے اور رلاتے، طلبہ ان کو سننے کے لیے مشتاق رہتے، مگر دو ایک محاضرات کے علاوہ آگے وہ تیار نہ ہوتے اور اصرار کرتے کہ چھوٹے بھیا ہی کے محاضرات ہونے چاہئیں۔

ان دونوں بھائیوں کی رفاقت ومحبت، ہر وقت کی یکجائی، آپس کے مشورے، ایک دوسرے کے لیے بے چین ہوجانا، یہ وہ صفات ہیں کہ اس مادی دور میں عنقا نظر آتی ہیں، عمر میں صرف چار سال کا فرق تھا، بے تکلفی تھی مگر مولانا ہمیشہ ادب ملحوظ رکھتے، لوگ مصافحہ کرنے لگتے تو فرماتے چھوٹے بھیا ادھر ہیں، کوئی سوال کرتا تو اکثر انہیں کی طرف محول کردیتے، ان کو خطاب کرکے کبھی کہہ دیتے کہ آپ تو ہمارے شیخ ہیں، سفروں میں بھی رفیق اور مشیر کی طرح ساتھ رہتے، علمی وفکری ودینی بلند مقام کے باوجود ہر جگہ پیچھے رہتے، یہ فنائیت بھی اس دور میں نایاب ہے۔

ان کی یہی صفات تھیں کہ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے راقم کے سامنے فرمایا تھا کہ واضح خلافت کے اہل ہیں، ہم ان کو بھی خلافت دیں گے، ان کی وفات کے بعد ان کے جانشین حضرت مولانا رابع صاحب نے باقاعدہ ان کی طرف سے مولانا کو اجازت بیعت وارشاد بھی دی، لیکن کبھی کہیں اس کا اظہار تک نہ ہوا، ایک انتہائی چاہنے والے شاگرد نے بیعت کے لیے بہت اصرار کیا تو زبردستی حضرت مولانا رابع صاحب مدظلہ کے پاس لے جاکر بیعت کروایا، اور فرمایا کہ "امیر ایک ہی ہوتا ہے"۔

انہوں نے دین بھی دیکھا اور دنیا بھی دیکھی، وہ مشائخ سے بھی ملے اور دنیا کے باکمال اور صاحب اقتدار افراد سے بھی، دین میں ان کا تصلب بڑھتا گیا، آل انڈیا ریڈیو میں ملازمت کے دوران ان کو موقع ملا، انہوں نے پنڈت نہرو سے بھی انٹرویو لیا اور صدر ناصر سے بھی، وہ

ملک سعود سے بھی ملے اور مولانا آزاد سے ملنے کا موقع بھی ملا، حضرت مولانا کے ساتھ وہ شاہان عرب کے یہاں بھی گئے لیکن وہ اپنے ماموں کا پرتو تھے، نہ وہ ان کے جاہ وجلال سے متاثر ہوئے اور نہ ان کی آنکھیں خیرہ ہوئیں، انہوں نے جماعت اسلامی کا پورا لٹریچر پڑھا تھا، لیکن پوری بصیرت کے ساتھ اس کے حسن وقبح کو وہ جتنا سمجھتے تھے، شاید کم لوگوں کو اس کا اندازہ ہو، گہرے مطالعہ کے بعد وہ اس نتیجہ پر پہنچے تھے کہ عالم اسلام کے لیے وہی راستہ کامیابی کا ہے جو امام سرہندیؒ نے اختیار کیا تھا، بکراؤ کی پالیسی کو وہ سخت مضر سمجھتے تھے اور عالم اسلام کی موجودہ خونریزی کو وہ اسی غلط پالیسی کا نتیجہ گردانتے تھے۔

مولانا نے مغرب کا گہرا مطالعہ کیا تھا اور براہ راست ان مصادر کو پڑھا تھا جو عام طور پر علما کے سامنے نہیں آتے، پھر وہ اپنے مطالعہ کو مستقل تازہ کرتے رہتے تھے، مولانا اپنی نگاہ بصیرت سے یورپ وامریکہ کی اندرون خانہ سازشوں کو بھانپ لیتے تھے، کبھی کبھی وہ ان گہرائیوں تک پہنچتے تھے کہ ان کی راتوں کی نیند اڑ جاتی تھی، وہ عالم اسلام کے مسائل پر بے چین ہوجاتے تھے، اکثر وہ کہتے تھے کہ لوگوں کو دشمنوں کی سازشوں کا علم نہیں، اسلام پر جو فکری حملے کیے جارہے ہیں اور خود مسلمانوں میں دین پر اعتماد ختم کرنے کے لیے جو لٹریچر تیار کیا جارہا ہے، مولانا چاہتے تھے کہ علماء اس کا مطالعہ کریں اور اس کا جواب دیں، ندوۃ العلماء کی فکر وتحریک کا بڑا مقصد یہی تھا، وہ اپنی تحریروں اور محاضرات میں اپنا درد دل نکال کر رکھ دیتے اور اہل علم وفکر کو توجہ دلاتے، اپنی نجی مجلسوں میں بھی وہ علماء اور منتہی طلبہ کو ان خطرات سے آگاہ کرتے اور ان کا مقابلہ کرنے کی طرف توجہ دلاتے، غزو فکری کی تاریخ مولانا کے سامنے تھی، اس کے ساتھ وہ یورپ کی کمزوریوں سے بھی خوب واقف تھے، بارہا ایسا ہوا کہ اہل فکر ونظر کے مجمع میں مولانا نے گفتگو کی تو لوگ دنگ رہ گئے، "البعث الاسلامی" میں "صور وأوضاع" کے نام سے ان کا مستقل کالم ہوتا تھا، جس میں وہ عالم اسلام کا نقشہ کھینچ دیتے، اہل فکر واہل علم کو آگاہ کرتے، اہل نظر کی بڑی تعداد اس کالم کے لیے "البعث" کی منتظر رہتی، اس میں اس کو اپنے درد کا مداوا ملتا، کام کے راستے ملتے اور فکر کی وہ باریکیاں ملتیں جو اس دور انحطاط میں نایاب ہوتی جارہی ہیں، اپنے آخری مضمون میں جو "البعث الاسلامی" کے لیے لکھا گیا تھا، وہ بڑے درد کے ساتھ مصلحین ودعاۃ کو خطاب کرکے فرماتے ہیں کہ

"اسلامی سوسائٹی کو اسلامی اصولوں پر کھڑا کرنا کسی بھی دوسرے عمل سے زیادہ ضروری ہے، اس لیے کہ یہ ہر کوشش کی بنیاد بھی ہے اور اس کو آگے لے جانے کا بھی راستہ ہے اور اسلامی سوسائٹی کو بنائے بغیر کوئی کوشش کامیاب نہیں ہوسکتی اور نہ کسی قربانی کے بہتر نتائج نکل سکتے ہیں، خواہ اس سے کیسی ہی امیدیں لگائی جائیں۔

ان سماجی بیماریوں کا مقابلہ کرنے کے لیے تحریک چلانے کی ضرورت ہے، جو خرابیاں روح اسلام اور تعلیمات دین کے بالکل منافی ہیں اور حدیثوں میں بڑی اہمیت کے ساتھ ان کو دور کرنے کا جو حکم دیا گیا ہے، سماج کی یہ اصلاح کہیں سے بھی کسی بڑی عبادت سے کم نہیں ہے۔"

پھر آگے فرماتے ہیں:

"اس اصلاحی کام کے لیے کسی حکومت کی ضرورت نہیں، اس کے لیے علماء ومصلحین کے موقف میں تبدیلی لانے کی ضرورت ہے، وہ اس کی اہمیت کو سمجھیں اور خالص ایجابی طریقہ پر خیر خواہانہ انداز میں اپنی دعوت پیش کریں۔"

مولانا نے اس کے آگے اخوان کے مرشد عام شیخ حسن ہضیبی کی بات بھی نقل کی ہے کہ داعیوں کو خیر خواہانہ جذبہ کے ساتھ دعوت کا کام کرنا چاہیے، معاند بن کر نہیں۔

"تحریک پیام انسانیت" سے مولانا کا گہرا تعلق رہا ہے، عربی میں مولانا نے اس کا تعارف کرایا ہے، اور وہ اس کی ضرورت وافادیت کو بھی اچھی طرح سمجھتے تھے، اور اس کی باریکیوں سے بھی خوب واقف تھے، نومبر کے شروع میں ہونے والے رائے بریلی کے سالانہ پیام

انسانیت کے اجلاس میں مولانا نے کلیدی خطاب فرمایا تھا جو خالص الہامی معلوم ہوتا تھا، مولانا نے تقریر کے شروع میں "کنتم خیر أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنکر وتؤمنون بالله" تلاوت فرمانے کے بعد بڑے نکتہ کی بات فرمائی تھی کہ پہلا مرحلہ امر بالمعروف ونہی عن المنکر کا ہے، اچھائیوں کو عام کرنا اور برائیوں کو مٹانا اس سے ایمان بنتا ہے اور دعوت ایمانی کے لیے پہلا مرحلہ انہیں معاشرتی اصلاحات کا ہے۔ مولانا بہت کم بولتے تھے مگر جو بولتے تھے لگتا تھا کہ لعل وجواہر لٹا رہے ہوں، حشو وزوائد سے پاک ان کی ہر ہر بات مغز ہی مغز ہوتی تھی۔

وفات سے ایک روز پہلے راقم سطور اجین کے ایک سفر سے واپس ہوا، مولانا نے وہاں کی کارگزاری دریافت فرمائی، جب وہاں کے بعض مفید پروگراموں کا ذکر ہوا تو مولانا نے انتہائی خوشی ظاہر فرمائی اور کام کی اہمیت مزید واضح فرمائی اور رات کو جب دو ایک اہم مسلمان قائدین حضرت مولانا رابع صاحب مدظلہ سے ملنے کے لیے آئے اور مولانا سے بھی ملے تو مولانا نے ان کو پیام انسانیت کے کام کی طرف توجہ دلائی۔

فکری وعلمی مشاغل کے ساتھ مولانا کو عام لوگوں کے لیے تعلیم وتربیت اور اصلاح کی کوششوں کی بھی بڑی فکر رہتی تھی، مدرسہ فلاح المسلمین کے وہ ناظم تھے اور وہ اس کو صرف ایک تعلیمی مرکز ہی نہیں بلکہ پورے علاقہ کے لیے اصلاح وتربیت کے مرکز کے طور پر دیکھنا چاہتے تھے۔ مکاتب کے سلسلہ کو پھیلانے کی ان کو بڑی فکر رہتی، خود دورے فرماتے، وہاں کی ضروریات سے واقف ہوتے اور ان کو پورا کرنے کی تدبیریں فرماتے، سماجی اصلاحات کی طرف کام کرنے والوں کو متوجہ کرتے۔

اللہ کے رسول ﷺ کے بارے میں راوی کا بیان ہے: "طويل السكت، دائم الفكرة، ليست له راحة" اکثر خاموش فکر میں ڈوبے ہوئے، آپ ﷺ کو کبھی کل چین نہیں تھا۔ مولانا واضح صاحبؒ کی زندگی میں ان ہی اوصاف کا عکس نظر آتا تھا، امت کے لیے بے چین، حالات کی فکر، درد میں ڈوبا ہوا دل، لبوں پر سکوت، تول تول کر بولنے والے، پھر جود وسخا کا پیکر، ہر ایک کو فائدہ پہنچانے کی فکر کرنے والے، اپنے لیے دنیا کے ہر طرح کے فائدہ سے بے نیاز!

حرمین شریفین سے ان کو گہرا لگاؤ تھا، اخیر دور میں اپنی صحت اور اعصاب کی کمزوری کے باعث شدید خواہش کے باوجود حاضری نہیں ہو پا رہی تھی، مگر ہر جانے والے کو بڑے شوق سے رخصت کرتے، ایک معمولی شاگرد وعزیز نے مدینہ طیبہ سے فون کیا تو بے خود ہو گئے اور یہ شعر پڑھا ؎

هنيئا لأرباب النعيم نعيمهم ... وللعاشق المسكين مايتجرع

وہ ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیم رہے، رابطہ ادب اسلامی کے جنرل سکریٹری رہے، لیکن سامنے آنا ان کو کبھی پسند نہ تھا، عہدوں کے اظہار سے بھی ان کو کوئی سروکار نہ تھا۔

بزرگوں کی محبت ان کے خمیر میں تھی، مجلسوں میں ان کا تذکرہ کرتے، اپنے چھوٹوں کو ان کے واقعات سناتے، منکر دیکھتے تو نکیر فرماتے اور کبھی ضرورت ہوتی تو بڑی صاف گوئی کے ساتھ بات کہہ دیتے۔

مولانا کی شخصیت وہ تھی جو سب کے لیے ایک نمونہ تھی، ان پر بہت کچھ لکھا جائے گا، عزیز القدر مولوی محمود حسن حسنی ندوی سلمہ کو بہت ساتھ رہنے کا موقع ملا، وہ سوانح نگاری کا اچھا ذوق رکھتے ہیں، وہ انشاء اللہ بہت کچھ لکھیں گے، یہ "پیام عرفات" کا شمارہ ان مضامین کے ساتھ قارئین کے سامنے ہے جو فوری طور پر مل سکے، "تعمیر حیات" کا نمبر انشاء اللہ اہتمام کے ساتھ سامنے آئے گا، یہ تو حق تھا "دار عرفات" پر اور اس کے آرگن "پیام عرفات" پر جس کے وہ نگراں تھے، اور پوری رہنمائی فرماتے تھے، حق تو کیا ادا ہوگا لیکن شاید بہت سے راستہ چلنے والوں کو راستہ مل جائے اور اہل فکر ونظر کو بصیرت کا سامان ہاتھ آئے۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز

اسلام ایک مکمل اور جامع نظام زندگی

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی نور اللہ مرقدہٗ

اسلام ایک مکمل اور جامع نظام حیات ہے جو انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں کو محیط ہے، یہ ولادت سے لے کر زندگی کی آخری سانس تک انسانی ضروریات اور معاشرتی تقاضوں کو پورا ہی نہیں کرتا، بلکہ اس کے لیے صحیح اور واضح رہنمائی بھی پیش کرتا ہے، اسلام کا جامع نظام زندگی مختلف شعبوں پر مشتمل ہے جو آپس میں اس قدر مربوط ہیں کہ ان میں سے کسی ایک کو دوسرے سے اگر جدا کر دیا جائے تو مکمل اسلامی نظام حیات کا تصور باقی نہیں رہ سکتا، بالکل اسی طرح جیسے کسی عمارت کی تشکیل میں کتنا ہی مضبوط، ٹھوس اور مفید تعمیراتی سامان استعمال کیا جائے، لیکن اس عمارت کو کسی تعمیری منصوبہ اور پلان کے تحت اور اس کے مختلف اجزاء کو آپس میں کوئی مضبوطی پیدا کرنے والی شیے جوڑ کر نہ بنایا جائے تو یہ تعمیری ڈھانچہ کھڑا تو ہو سکتا ہے، لیکن پائیداری کے ساتھ قائم نہیں رہ سکتا اور ہر آن اس کے گرنے کا خطرہ لاحق رہتا ہے۔

کچھ اسی طرح کی صورت حال موجودہ اسلامی معاشرہ کی ہے، جہاں بہت سے افراد، تحریکیں اور جماعتیں ہیں جو اسلام اور مسلمانوں کی دینی، ملی، سماجی اور معاشرتی طور پر خدمات انجام دے رہی ہیں، اسلام اور مسلمانوں کی ترقی و کامیابی کے لیے جد و جہد کر رہی ہیں، سب کا اپنا ایک الگ لائحہ عمل اور جدا طریقہ کار ہے، منہج اور طریقہ کار کا الگ ہونا کوئی اہم مسئلہ نہیں، یہ ایک فطری چیز ہے، لیکن کسی خاص طریقہ کار اور فکر کو مضبوطی سے پکڑ لینا، اسی پر جم جانا، اسی کو دین کی اہم خدمت بلکہ عین اسلام سمجھ لینا اور دیگر افراد و جماعتوں کے ساتھ تعاون و اتفاق نہ کرنا بعض دفعہ ایسے سنگین حالات پیدا کر دیتا ہے کہ اصل مقصد فوت ہو جاتا ہے اور اسلام سے کلی تعلق اور اس کی دعوت کے بجائے جماعتی اور گروہی رجحان اور اس کی حمیت زیادہ پیدا ہو جاتی ہے، اس طرح یہ کوششیں خالص اسلام کی طرف پہنچنے اور اس کی صحیح تعلیمات کو سمجھنے میں حائل ہو جاتی ہیں اور رفتہ رفتہ شدت و بے اعتدالی پر مبنی اختلافات اسلام کی صاف ستھری شکل کو بگاڑ دیتی ہیں۔

اس قسم کا انتشار اور اختلافات خاص وجوہات کی بنا پر پیدا ہوئے، اور اسلامی کاز کے میدان میں کام کرنے والوں نے کسی ایک پہلو کو اختیار کر لیا اور اسی پر جم گئے، مثال کے طور پر کچھ لوگوں نے اصلاحی مراکز قائم کیے اور بس اسی پر قانع ہو کر رہ گئے، کہیں لوگوں نے مسلمانوں کی اجتماعی خدمت کو ہی دین سمجھ لیا، کچھ لوگوں نے صرف دینی تعلیم ہی کے ساتھ اپنے کو خاص کر لیا تو کہیں عصری تعلیم کو ہی ترقی و کامیابی کا واحد راستہ سمجھ لیا گیا، اس کے نتیجہ میں مسلمانوں کی کوششیں سود مند ثابت نہیں ہو رہی ہیں۔

اس وقت عالم اسلام میں بہت سی جماعتیں اور تنظیمیں ہیں جو زندگی کے مختلف شعبوں میں اپنے اپنے طریقہ پر اسلام اور مسلمانوں کے لیے کام کر رہی ہیں، لیکن ان کی تمام تر کوششیں انفرادی نوعیت کی ہیں جن میں باہم ایک دوسرے سے کوئی تعلق اور اتفاق نہیں، بلکہ بہت سی ایسی تحریکات ہیں جو محض نقطۂ نظر اور منہج کے اختلاف کی وجہ سے ایک دوسرے کی سخت مخالف ہیں، بلکہ ایک دوسرے کو منحرف سمجھتی ہیں، یہ ایسے افراد اور جامع شخصیات کے فقدان کی وجہ سے ہے جو دین اسلام کو اصل بنیاد اور جامع نظام زندگی کی حیثیت سے پیش کریں اور منتشر

کوششوں میں ربط و ہم آہنگی اور اتحاد و اتفاق پیدا کریں تاکہ مسلمانوں کی توانائیاں اور صلاحیتیں ضائع نہ ہوں۔

مسلمانوں کی پریشانی یہ نہیں کہ اسلام ان کی زندگی میں بالکلیہ نظر نہیں آتا اور اسلامی تعلیمات کے عملی نمونے پائے نہیں جاتے، صاف اور صحیح عقیدہ کے ماننے والے اور اس پر مضبوطی سے قائم رہنے والے افراد بھی ہیں، عبادات، اخلاق اور معاملات کی درستگی پر بھی توجہ دی جارہی ہے، دعوت الی اللہ اور تبلیغ اسلام کی کوششیں بھی ہورہی ہیں، اسلام کی سربلندی کے لیے اپنا سب کچھ (جان ومال) قربان کرنے کا جذبہ بھی مسلمانوں میں موجزن نظر آتا ہے، غرضیکہ معاصر زندگی میں اسلامی زندگی کے ہر شعبہ کی نمائندگی موجود ہے، لیکن پریشانی کا باعث یہ ہے کہ مسلمانوں کی بہتر صورت حال کے لیے ان سب کوششوں کے باوجود کوئی قابلِ قدر نتیجہ ظاہر نہیں ہورہا ہے، جس کی ایک وجہ یہ ہے کہ یہ کوششیں ایک دوسرے سے بالکل جداگانہ اور منتشر ہیں، بلکہ کہیں کہیں ٹکراؤ کی صورتحال ہے، ہر تحریک اور جماعت اپنے ہی دائرہ کار میں محدود اور اسی سے کلی طور پر منسلک ہے، ان کے پاس اتنی بھی فرصت نہیں یا وہ چاہتے ہی نہیں کہ دوسرے کام کرنے والوں اور ان کے طریقۂ کار کو سمجھیں، ان کی طرف اتفاق وتعاون کا ہاتھ بڑھائیں، مثال کے طور پر کوئی تنظیم یا جماعت مسلمانوں میں تعلیم وتربیت کے لیے سرگرم ہے تو وہ اسی کو سب سے اہم ضرورت اور اسلام کی خدمت سمجھتی ہے، اگرچہ اسی علاقہ یا دنیا کے کسی خطہ کے مسلمانوں میں ارتداد پھیل رہا ہے تو وہ اپنے آپ کو غیر ذمہ دار سمجھتی ہے، کچھ افراد دعوت وتبلیغ میں مشغول ہیں، مگر اسی علاقہ کے مسلمانوں میں جہالت یا غربت عام ہے، لیکن انہیں اس سے بالکل سروکار نہیں کہ وہ مسلمانوں کی تعلیم وتربیت کی فکر کریں، بالآخر وہ مسلمان غیروں کا سہارا لینے پر مجبور ہوجاتے ہیں، کچھ افراد اگر عوامی ورفاہی خدمت، سماجی اور معاشی مسائل حل کرنے کی فکر میں ہیں تو وہ اصلاح نفس، تعلق مع اللہ، اسلامی اخلاق، دعوت وتبلیغ، آپسی بھائی چارہ جیسے اہم امور کی طرف متوجہ نہیں ہوتے۔ نتیجۃً بہت سے مسائل اور مشکلات ایسی ہیں جن سے اسلامی معاشرہ مسلسل دوچار ہے لیکن ان کی طرف کسی کی توجہ نہیں ہوتی، اس لیے کہ سب اپنے اپنے میدان عمل میں محدود ہیں، بہرحال مسلمانوں کے مسائل حل کرنے کی جو بھی کوششیں ہورہی ہیں وہ تمام مسلمانوں کے لیے ناکافی ہیں، صرف انہیں کوششوں اور سرگرمیوں پر اکتفا کرتے ہوئے عمومی تبدیلی اور بیداری کی امید کرنا محال ہے۔

اس وقت اسلام اور مسلمانوں کی ترقی وفلاح کے لیے جو کوششیں ہورہی ہیں اور جن کے غیر معمولی نتائج ہمارے سامنے ہیں، وہ لائق قدر وستائش ہیں اور جو لوگ ان کو انجام دے رہے ہیں وہ قابل مبارک باد ہیں، وہ اپنے اس عمل ومحنت پر عنداللہ ماجور ہوں گے، لیکن پوری امت اسلامیہ کی ترقی وکامیابی کی فکر مشترکہ تعاون اور آپسی اتفاق کے بغیر بہت دشوار ہے، بحیثیت مجموعی امت کہ یہ فکر اور کوششیں اسوقت بارآور اور نتیجہ خیز ہوسکتی ہیں جب مسلمانوں کی تمام جماعتیں اور تنظیمیں جو مختلف میدانوں میں دین کا کام کررہی ہیں، آپسی تعاون اور ہم آہنگی کے ساتھ کام کریں، اگرچہ شروع میں محدود پیمانہ پر ہی یہ کوششیں جاری ہوں، مگر اس طور پر ہوں کہ دین کے تمام شعبے، عبادات، اخلاق، معاملات، تعلیم وتربیت، خدمت خلق اور دعوت وتبلیغ سب ایک ساتھ جمع ہوجائیں اور مسلمانوں میں خاص طور سے دین کا کام کرنے والے افراد میں ایسے لوگ ہوں جو ان خصوصیات کے جامع ہوں، تاکہ امت کے تمام افراد اسلام اور مسلمانوں کی عزت ونصرت کے لیے ایک طاقت کے طور پر متحد ہوجائیں، دشمن کے فریب اور خطرات سے واقف ہوں اور اس کے لیے مناسب حکمت عملی اختیار کریں۔

اسلام نے مسلمانوں میں اختلاف وتفریق کو بہت ناپسند کیا ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے امت کو بڑی تاکید کے ساتھ اتحاد

اور باہم مل جل کر رہنے کا حکم فرمایا ہے، اور مثال دے کر اس کی اہمیت وضرورت کو اجاگر کیا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد گرامی ہے:-"المؤمن للمؤمن كالبنيان يشد بعضه بعضاً" مومن اپنے بھائی کے لیے اس عمارت کی طرح ہے جس کی اینٹیں ایک دوسرے کو مضبوط رکھتی ہیں۔ (متفق علیہ)

رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے:-"المسلم أخو المسلم لايخونه ولا يكذبه ولا يخذله كل المسلم على المسلم حرام عرضه وماله ودمه، التقوى ههنا" مسلمان، مسلمان کا بھائی ہے، نہ اس کے ساتھ خیانت کرے، نہ اس سے جھوٹ بولے اور نہ اس کو رسوا اور شرمندہ کرے، مسلمان کی ہر چیز مسلمان پر حرام ہے، اس کی عزت وآبرو، اس کا مال اور اس کا خون، تقوی اس جگہ ہے۔ (اور اپنے سینہ کی طرف اشارہ فرمایا۔) (ترمذی)

ایک دوسری حدیث میں ہے:"لا تحاسدوا ولا تناجشوا ولا تباغضوا ولاتدابروا ولا يبيع بعضكم على بيع بعض وكونوا عباد الله إخواناً" باہم ایک دوسرے سے حسد نہ کرو اور کسی کے سودے پر سودا نہ کرو، اور ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو اور ایک دوسرے سے اعراض کر کے اس کو نہ چھوڑو اور بعض کی بیع پر تم میں سے کوئی دوسرے کو رغبت دلانے کے لیے قیمت نہ بڑھائے اور اللہ کے بندے بھائی بھائی بن کر رہو۔ (مسلم)

"لا يؤمن أحدكم حتى يحب لأخيه ما يحب لنفسه" رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ تم میں کوئی اس وقت تک کامل مومن نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہی چیز پسند نہ کرلے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

"والله لا يؤمن والله لا يؤمن والله لا يؤمن، قيل ومن يا رسول الله؟ قال: الذي لا يأمن جاره بوائقه" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ خدا کی قسم وہ مومن نہیں، خدا کی قسم وہ مومن نہیں، خدا کی قسم وہ مومن نہیں، صحابہ نے دریافت کیا: کون یا رسول اللہ؟ آپ نے فرمایا: وہ شخص جس کا پڑوسی اس کی ایذا رسانی سے محفوظ نہ ہو۔ (متفق علیہ)

"لا يؤمن أحدكم حتى أكون أحب إليه من والده وولده والناس أجمعين" آنحضرت ﷺ نے فرمایا: تم میں کوئی اس وقت تک مومن نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ میں اس کے نزدیک اس کے والدین، اس کی اولاد اور تمام لوگوں سے محبوب نہ ہوجاؤں۔

غور کرنے کی بات ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم فرمارہے ہیں کہ ان تعلیمات پر عمل نہ کرنے والے کا ایمان مکمل ہو ہی نہیں سکتا۔

اسی طرح مسلمانوں کے باہمی اتحاد کی اہمیت کو انسانی جسم سے تشبیہ دے کر سمجھایا:"مثل المؤمن في توادهم وتراحمهم وتعاطفهم مثل الجسد إذا اشتكى منه عضو تداعى له سائر الجسد بالسهر والحمى" رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کی مثال آپس میں محبت کرنے، رحم کرنے اور مہربانی کرنے میں جسم کی ہے کہ جب اس کے کسی عضو (حصہ) میں کوئی تکلیف ہوتی ہے تو سارا جسم اس کا اس درد میں شریک ہوجاتا ہے۔

اسلام ایک زندہ اور تندرست انسانی جسم کے مانند ہے، جس کی تمام مؤثر کارکردگیاں اور صلاحیتیں اسی وقت ظاہر ہوں گی جب اس کے تمام شعبوں کا لحاظ رکھتے ہوئے دین کا کام کیا جائے اور یہی پوری امت مسلمہ کے لیے دعوت دین کی ذمہ داری ہے، اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ ہم معاصر مادہ پرست تحریکوں کی پیروی اور نقالی کرنے کے بجائے اپنے ماضی کے بے مثال تجربوں اور واقعات سے فائدہ اٹھائیں اور ان کو سامنے رکھ کر دین کا کام کریں، اسلام اور مسلمانوں کے غلبہ کا راز اسی میں ہے کہ مسلمان مکمل طور سے اسلام کو اپنائیں، اس لیے کہ قرآن کریم مکمل اسلام چاہتا ہے:{ادخلوا في السلم كافة}

علم وادب کا مہرِ تاباں

مولانا ڈاکٹر تقی الدین ندوی مظاہری (سابق پروفیسر العین یونیورسٹی-ابوظبی)

جس نے نصف صدی تک دار العلوم ندوۃ العلماء اور عالم اسلامی کو اپنی ضیاپاشیوں سے منور کر رکھا تھا، آج صبح ۱۶ر جنوری ۲۰۱۹ء-۱۰ر جمادی الاولی ۱۴۴۰ھ کو فجر کی اذان سے پہلے ابوظبی کے وقت کے مطابق فون کی گھنٹی بجی، اس وقت یہ ناچیز تلاوت قرآن پاک کر رہا تھا، اچانک آواز سن کر تشویش پیدا ہوئی اور مجھے یہ اطلاع دی گئی کہ آپ کے رفیق اور دوست حضرت مولانا محمد واضح صاحب حسنی ندوی (معتمد تعلیم دار العلوم ندوۃ العلماء) اس دار فانی سے آج ہندوستانی وقت کے مطابق فجر کی اذان کے وقت کلمہ پڑھتے ہوئے دار بقاء کی طرف روانہ ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

یہ خبر بجلی بن کر میرے قلب وجگر پر گری، ابھی ایک ماہ پیشتر یہ ناچیز ہندوستان میں دار العلوم ندوۃ العلماء میں حضرت مولانا محمد رابع صاحب ندوی دامت برکاتہم اور صدیق محترم مولانا محمد واضح صاحب نور اللہ مرقدہ اور دار العلوم کے مہتمم ڈاکٹر سعید الرحمن صاحب ندوی سے ملاقات کر کے واپس ہوا تھا، مولانا واضح صاحب کو بہت ہی ہشاش بشاش خوش طبع پایا، مزاحیہ جملے بھی کچھ فرمائے جس کا اس ناچیز نے جواب بھی دیا، اس پر وہ مسکرائے اور ہنسے، لیکن قضاو قدر کے فیصلے اٹل ہوتے ہیں، موت وحیات کے وقت مقرر ہے، مگر یہ اللہ تعالی کا غیبی نظام ہے کہ کسی حادثہ کے پیش آنے سے پہلے ان کے اعزہ واقرباء کے لیے صبر وتحمل کا مادہ عطا فرما دیتا ہے، ورنہ انسان کے بس کی بات نہیں کہ حادثے کو برداشت کر سکے، یہ بھی حقیقت ہے

ع دیتے ہیں بادہ ظرف قدح خوار دیکھ کر

اس موقع پر مجھے اس بدوی کا شعر یاد آرہا ہے جس نے حضرت عبداللہ بن عباس ؓ کی ان کے والد حضرت عباس ؓ کی وفات پر تعزیت پیش کرتے ہوئے کہے تھے؛

اصبر نکن بک صابرین فانما
صبر الرعیة عند صبر الرأس
خیر من العباس صبرک بعده
واللہ خیر منک للعباس

بے شک یہ حادثہ حسنی خاندان اور دار العلوم ندوۃ العلماء اور حضرت مولانا محمد واضح صاحب کے دوستوں اور ہندوستان کے مدارس، علماء اور عالم عربی میں فکر اسلامی کے حاملین کے لیے غیر معمولی ہے، جس پر اس وقت کچھ لکھنے کے لیے قلم میں طاقت نہیں، دماغ میں قوت نہیں، خاص طور سے یہ تصور کر کے کہ حضرت مولانا محمد رابع صاحب دامت برکاتہم جو ہم سب کے بزرگ اور استاذ ہیں، ان پر کیا گذر رہی ہوگی، اس ناچیز کا ان سے اور پورے گھرانے سے ساٹھ سال سے تعلق ہے، یہ سوچ سوچ کر اور بھی قلب وذہن متاثر ہے۔

حضرت مولانا محمد واضح صاحب نور اللہ مرقدہ پر تو مقالہ مستقل آئے گا، لیکن اس وقت یہ تحریر فقط ایک قلبی تاثر ہے اور اس پر اپنے جامعہ اسلامیہ کے اساتذہ وطلبہ اور متعلقین ودوستوں کو متوجہ کرنے کے لیے لکھ رہا ہوں، یہ دعا اور ایصال ثواب کا وقت ہے۔

حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمہ اللہ کا پورا گھرانہ جن میں مولانا محمد واضح صاحب کے بڑے بھائی حضرت مولانا محمد ثانی حسنی مرحوم اور حضرت مولانا محمد رابع صاحب دامت برکاتہم اور خود مولانا محمد واضح صاحب شامل ہیں، ان لوگوں کا اپنے اکابر حضرت مولانا شاہ عبد القادر صاحب رائے پوری ؒ، شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنی ؒ اور ہمارے استاد شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب نور اللہ مرقدہ سے جو تعلق رہا ہے وہ آنکھوں دیکھا حال ہے؛

شنیدہ کے بود مانند دیدہ

مولانا محمد واضح صاحب ؒ کی دار العلوم ندوۃ العلماء میں آمد

حضرت شیخ الحدیث نوراللہ مرقدہ کے شدید اصرار پر ہوئی تھی، جب کہ حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کسی قریبی عزیز کو لانے کے لیے تیار نہیں تھے، حضرت شیخ نے فرمایا:

"یہ دارالعلوم کے لیے مفید ہیں، اور اگر چاہو تو بغیر تنخواہ کے پڑھائیں گے۔" الحمدللہ انہوں نے اس پر عمل کر کے دکھلا دیا، تواضع وخاکساری، استغناء وزہد، توکل وسادگی، حلم وبردباری اور جو صفات حسنی خاندان کو اللہ تعالیٰ نے عطا ہیں، ان سب کے وہ حامل تھے، بالکل اس شعر کے مصداق تھے۔

رہیں دنیا میں اور دنیا سے بالکل بے تعلق ہوں
پھریں دریا میں اور ہرگز نہ کپڑوں میں لگے پانی
خدا یاد آئے جن کو دیکھ کر وہ نور کے پتلے
نبوت کے یہ وارث ہیں یہی ہیں ظل رحمانی
یہی ہیں جن کے سونے کو فضیلت ہے عبادت پر
انہیں کے اتقاء پر ناز کرتی ہے مسلمانی

مغربی تہذیب کی حقیقت

تہذیب جدید میں بعض ایسے عناصر پائے جاتے ہیں جو ایک طرف جدید ہیں تو دوسری طرف قدیم۔ مثلاً قدیم یونانی مکتب فکر سے اختلاف کے دعوے کے باوجود اس کے بہت سے اصول و ضوابط، افکار ونظریات کو برابر گلے لگائے ہوئے ہے، عالمی فکر کے باوجود قومی عصبیت اور دین سے علاحدگی کے دعوے کے باوجود مسیحیت سے اس کی وابستگی ناقابل تردید واقعہ ہے اور اس کا اظہار ہوتا رہتا ہے، کالے اور گورے کے درمیان امتیاز وتفریق، گورے کو کالے پر امتیازی تفوق، اس کا بھی مظاہرہ اکثر ہوتا رہتا ہے، یہاں تک کہ کھیلوں اور تفریحات میں بھی اس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے، غلبہ کی ہوس، اسباب ووسائل زندگی سے لطف اندوزی، تعیش وتفریحی سامان کا ضرورت سے زیادہ اہتمام اس کا شعار بن گیا ہے، اس کو ہر مفکر، مصنف، ادیب وانشاء پرداز اپنی فکر ارسطو سے جوڑنے کی کوشش کرتا ہے اور اسے اپنی معاشرت ومعیشت، تعلیم وتربیت اور اخلاق کے جدید نظریات، افکار وخیالات کی بنیاد قرار دیتا ہے۔

اسی طرح موجودہ مغربی تہذیب کا مسیحیت سے معاشرتی، فکری اور قلبی لگاؤ ہے اور اس میں اس کا انداز سلبی اور معاندانہ ہے، حالانکہ وہ دہریت اور الحاد کا دعویدار اور دین کے خلاف بغاوت کا علم بردار ہے۔ نصرانیت کی ایک طرفہ جانبداری کے تمام گوشے اس تہذیب کے دور سیادت وقیادت میں پوری دنیا کے سامنے ظاہر ہو چکے ہیں، اور اس نشر واشاعت، دعوت وتبلیغ کا اہتمام بھی واضح ہو چکا ہے۔ مسیحی مشنریوں پر بے تحاشہ خرچ، افریقہ اور ایشیا کے دور دراز علاقوں کو مسیحیت میں تبدیل کرنے کی چاہت وخواہش دو دو چار کی طرح واضح ہو چکی ہے، اور صلیبی جنگیں جو خود اس نے چھیڑی تھیں اب تک یورپ کے ہر مفکر کے ذہن پر چھائی ہوئی ہیں۔ غیر مسیحیوں سے انتقامی احساسات وجذبات تجربے کی اس تلخی کو جلا دے رہے ہیں۔

اسلامی ملکوں کے ساتھ اس کے سلوک سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ اسلامی ملکوں کو اپنے دباؤ میں لینے کے اسلامی تحریکوں وتنظیموں کا خاتمہ کرنا، شرعی قوانین کے نفاذ پر پابندی عائد کرنا اور اسلامی ملکوں میں مسیحیوں کے حق میں کسی قسم کی زیادتی پر حد سے زیادہ تاثر کا اظہار کرنا اسی قبیل کی مثالیں اور ثبوت ہیں۔

شخصی آزادی کے دعوے کے باوجود اپنی تہذیبی قدروں کو چاہے وہ عریانی وبے حیائی ہو یا غیر اخلاقی، دوسروں کو اس کا پابند بنانے کا اعلان مغربی ملکوں کے قائدین کرتے رہتے ہیں۔

لسانی عصبیت بھی پوری قوت کے ساتھ پائی جاتی ہے۔ ان تمام باتوں کی روشنی میں یہ حقیقت کھل کر سامنے آچکی ہے کہ یورپین تہذیب نہ سیکولر مزاج ہے اور نہ ہی خالص علمی یا موضوعی یا ترقی پسند!!

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی ﷺ

ایک روشن دماغ تھا نہ رہا

مولانا ڈاکٹر سعید الرحمٰن اعظمی ندوی مدظلہ
(مہتمم دارالعلوم ندوۃ العلماء۔لکھنؤ)

بڑے افسوس کے ساتھ یہ خبر اندوہ گیں سنی گئی کہ مشہور عالم دین، عربی زبان کے بے مثال ادیب، ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیم، پندرہ روزہ عربی رسالہ کے چیف ایڈیٹر، عالمی رابطہ ادب اسلامی کے جنرل سکریٹری، میرے مخلص اور وفا شعار رفیق جناب مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی ۹/ ۵/ ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۶/ جنوری ۲۰۱۹ء کو طلوع صبح صادق کے آخری لمحات میں دار آخرت کی طرف روانہ ہو گئے، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا واضح رشید حسنی ندوی خانوادۂ علم اللہی کے اہم فرد تھے، میرے مرشد ومربی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی ؒ کے حقیقی بھانجہ اور استاذ گرامی قدر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے چھوٹے بھائی تھے، ان کی پیدائش ۱۹۳۲ء میں ہوئی، وہ مجھ سے درجہ میں دو سال آگے تھے، فراغت کے بعد وہ آل انڈیا ریڈیو اسٹیشن میں ملازم ہو گئے، اور ۱۹۷۳ء تک وہاں رہے، اس درمیان بھی ان کی ندوہ آمد ورفت رہتی، میرے دوست اور مخلص رفیق مولانا محمد الحسنی ؒ ان کے برادر نسبتی تھے، اس لیے دونوں میں بڑی بے تکلفی تھی، وہ ہم دونوں کی مجلس میں شریک ہوتے، اور علمی و ادبی موضوعات پر اچھی گفتگو ہوتی تھی، ۱۹۷۳ء میں وہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تدریس کے لیے آئے اور اسی وقت سے اخیر تک تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، پھر علمی اور ادبی مجالس کا لطف دوبالا ہو گیا، وہ پندرہ روزہ "الرائد" کے ایڈیٹر بنائے گئے، اور "البعث" میں بھی شریک ادارت رہے، اور حالات حاضرہ پر ان کے مضامین بڑے تجزیاتی اور مدلل ہوتے تھے، وہ اردو، انگریزی اور عربی کی زبانوں میں مہارت رکھتے تھے، اس لیے تینوں زبانوں کی صحافت پر گہری نظر تھی، عالمی حالات پر ان کا مطالعہ بڑا گہرا تھا، وہ درجنوں کتابوں کے مصنف تھے، فکری موضوعات پر ان کی کئی کتابیں ہیں، یورپ کے تعلیمی نظریات سے واقف تھے اور اس کے عروج وزوال کی تاریخ کا انہوں نے خوب مطالعہ کیا تھا، جس کی جھلک ان کی گفتگو میں نمایاں تھی۔ وہ کسی مسئلہ پر بحث کرتے تو اس کے مالہ وماعلیہ کو پیش نظر رکھتے۔ عام طور پر وہ تقریر نہیں کرتے تھے، لیکن جب بھی تقریر کی مواد سے بھرپور تقریر کی، وہ اعلیٰ علمی ذوق کے حامل، یکسوئی کے عادی، انفرادیت پسند اور گوشہ گیر اور بے لوث تھے۔

مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی ؒ قلم کے مجاہد تھے، انہوں نے ایک طویل زمانہ تک قلم سے جہاد کیا اور ایوان باطل کو للکارا، مداہنت اور دوہری پالیسی کے قائل نہیں تھے، بہت صاف دل اور اعلیٰ دماغ کے مالک تھے، عہدہ ومنصب سے دور رہتے تھے، مال ومنال کی ذرا بھی پرواہ نہ تھی، ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیم کا عہدہ جب سنبھالا تو اپنی تنخواہ سے بھی دستبردار ہو گئے، اور رضائے الٰہی کے ساتھ اس خدمت کو انجام دیتے رہے۔ دارالعلوم کے تعلیمی نظام کو مستحکم بنانے میں ان کے مشورے بڑے قیمتی اور مفید ہوتے، اساتذہ کو بھی انفرادی ملاقاتوں میں مقصدیت کے ساتھ تدریسی فریضہ انجام دینے کی تاکید کی، ان پر افراد سازی کی فکر غالب تھی، انہوں نے کئی نسلوں کی تربیت کی، اور ان کو عربی کا اچھا انشاء پرداز بنایا، اللہ تعالیٰ نے ان کو اس فن میں کمال عطا فرمایا تھا، عربی زبان وادب کی تدریس ان کا شروع ہی سے موضوع تھا، وہ زبان کے رموز سے آشنا تھے، اور اسی کے مطابق تربیت کرتے تھے، وہ کم گو تھے لیکن ان کی گفتگو میں بڑی معنویت ہوتی تھی۔

ان کی وفات سے ندوۃ العلماء میں ایک بڑا خلا پیدا ہو گیا ہے، ندوہ اپنے ایک علمی اور تعلیمی محسن سے محروم ہو گیا، وہ دنیا سے تو چلے گئے لیکن جریدۂ عالم پر اپنے نقوش ثبت کر گئے، جس پر ان کی تصنیفات گواہ ہیں۔ انہوں نے اپنے پیچھے علمی ودینی صلاحیتوں سے بھرپور ایک کنبہ چھوڑا، ان کے صاحبزادے مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی ہیں، ان کی کئی اولادیں ہیں، جو ماشاء اللہ بہت ذی استعداد اور باصلاحیت ہیں۔ ان کے علاوہ شاگردوں کی بڑی تعداد ان کی وفات پر گریہ کناں ہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی بال بال مغفرت فرمائیں۔ آمین!

مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے

حضرت مولانا عزیز الحسن صدیقی مدظلہ (مہتمم مدرسہ دینیہ، غازی پور)

کون کہہ سکتا تھا کہ خانوادۂ علم اللّٰہی کے فرد فرید، دارالعلوم ندوۃ العلماء کے مایہ ناز فرزند، بلند پایہ عالم دین، مفکر و داعی اور ادیب شہیر حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی رحمۃ اللہ علیہ اس طرح جھٹ پٹ اپنے بھرے پرے خاندان، شاگردوں اور ارادت مندوں کو چھوڑ کر اللہ کے حضور حاضر ہو جائیں گے۔

۱۶؍جنوری کو صبح صبح مولانا کی رحلت کی خبر سن کر دل دھک سے ہو کر رہ گیا۔ خبر کیا تھی ایک صاعقہ تھی جس نے ہمارے وجود کو ہلا کر رکھ دیا۔ گزشتہ شب حضرت مولانا کا ایک مضمون ہماری نظر سے گزرا تھا، مضمون کیا تھا ملت اسلامیہ کے لیے ایک حیات بخش پیغام تھا، کسے معلوم تھا کہ اگلی صبح ایسی المناک خبر سننے کو ملے گی۔

اس وقت مولانا کی یاد میں چند سطریں لکھنے بیٹھا ہوں لیکن اپنی علمی بے بضاعتی اور صحت کی خرابی آڑے آرہی ہے۔ مولانا کی شخصیت اور کردار پر لکھنے کا حق اسی کو پہنچتا ہے جو ان کا ہم پلہ ہو لیکن مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے مقدمہ مکتوبات شیخ الاسلامؒ جلد دوم کے درج ذیل اقتباس نے مجھے یہ حوصلہ دیا کہ میں حضرت مولانا سید محمد واضح رشیدؒ کی شخصیت اور کمالات پر مختصر طور پر اپنے تاثرات قلم بند کر سکوں اقتباس ملاحظہ فرمائیں۔

"کسی صاحب کمال ہستی کے کمالات و خصوصیات، شخصیت وصفات کا تعارف کرانا اہل نظر کا کام ہے لیکن کسی صاحب کمال شخصیت کے متعلق اپنے ذاتی مشاہدات، نقوش و تاثرات کے اظہار کے لیے خود صاحب نظر ہونا قطعاً ضروری نہیں۔"

بلاشبہ مولانا علیہ الرحمہ خانوادۂ علم اللّٰہی کی متاع گراں مایہ اور اس کی روایات کے امین تھے، خلوت پسندی، قناعت اور اخفائے حال کی صفت سے متصف تھے۔ مولانا سید عبداللہ عباس ندویؒ "خانوادۂ علم اللّٰہی (مصنفہ مولانا سید محمد ثانیؒ)" کے مقدمہ میں تحریر فرماتے ہیں:

"اس خاندان کا حق تھا کہ اس کے روحانی تسلسل کو باقی رکھنے والے افراد کو دنیا یاد رکھے اور اس حقیقت کو سمجھے کہ اللہ کے جس بندے نے رشتۂ عبودیت کو مستحکم کیا، اس کو زوال نہیں ہے، چہرے اور نقشے بدلتے رہے کہ یہ سنت الٰہی ہے مگر اللہ کے نام کی گرمی آج بھی اس خطے میں سانس لیتی ہوئی محسوس ہوتی ہے" (خانوادہ علم اللّٰہی، ص: ۳)

ہم بلا جھجھک کہہ سکتے ہیں کہ مولانا علیہ الرحمہ ان تمام صفات کے حامل تھے جن کا ذکر مذکورہ بالا سطور میں کیا گیا ہے۔ راقم نے ان کو رائے بریلی کے چھوٹے سے گاؤں (۱) تکیہ کلاں میں جو سئی ندی کے کنارے آباد ہے دیکھا ہے، لکھنؤ میں ندوۃ العلماء میں بھی بار بار زیارت سے مشرف ہوا ہوں اور غازی پور میں مدرسہ دینیہ کے احاطے میں ہونے والے مختلف اجتماعات کے موقع پر بھی بہت قریب سے دیکھا ہے۔ آپ اپنے برادر بزرگ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے ساتھ ساتھ رہتے تھے گویا کہ یک جان دو قالب کی حیثیت رکھتے تھے۔ آپ کے یہاں اخفائے

---

(۱) تکیہ کلاں گو کہ بہت چھوٹی سی آبادی ہے لیکن یہاں خانوادۂ علم اللّٰہی میں ایک بہت بڑا مجاہد (حضرت سید احمد شہیدؒ) پیدا ہوا جس نے سرزمین بالاکوٹ میں اللہ کی راہ میں جان دی۔ اس مرد مجاہد نے اس وقت انگریزی سامراج سے ٹکر لی جب اس کا تصور بھی محال تھا۔ جس وقت اس اللہ کے برگزیدہ بندے نے بالاکوٹ میں جام شہادت نوش کیا بہ ظاہر معلوم ہو رہا تھا کہ ملک کی آزادی کی لڑائی ناکام ہو چکی ہے لیکن فی الحقیقت وہ چنگاری سرد نہیں ہوئی تھی بلکہ اس نے شعلۂ جوالہ بن کر برطانوی استعمار کو جلا کر خاک کر دیا۔ بلاشبہ آج ملک و قوم بالخصوص ملت اسلامیہ کو سخت حالات سے نبرد آزما ہونا پڑ رہا ہے لیکن ہمارے اکابر نے جو راہ متعین کر دی ہے اس پر چل کر ہم منزل مقصود پر پہنچ کر رہیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

حال بہت تھا۔ سادگی، حلم وتواضع کے تو آپ پیکر ہی تھے۔ عبادات کا اہتمام، تلاوت قرآن سے شغف بے مثال تھا۔ آپ کی خاموشی وکم سخنی پر ہزاروں تکلم قربان!!

ہم جب مولانا علیہ الرحمہ کی بلند پایہ شخصیت اور دینی وعلمی خدمات کا جائزہ لیتے ہیں تو مولانا سید عبداللہ عباس ندویؒ کا قول "ہر دور میں کوئی نہ کوئی اللہ والا فرشتہ صفت مرشد یہاں (تکیہ کلاں) سے اٹھا اور اس نے دین کا چراغ روشن رکھا" یاد آجاتا ہے۔ مولانا علیہ الرحمہ عربی اردو اور انگلش تینوں زبانوں کے ادب پر پورا عبور رکھتے تھے اور ان سبھی زبانوں میں آپ نے سیکڑوں مضامین اور درجنوں علمی وتحقیقی کتابیں تصنیف کیں۔ آپ کے مضامین نہ صرف ہندوستان بلکہ پوری دنیا میں پڑھے گیے اور ان سے فائدہ اٹھایا گیا۔ آپ نے اپنے قلم کے ذریعہ معاندین اسلام (مستشرقین یورپ اور یہودی ونصرانی اہل قلم) کی سازشوں اور مکروفریب کے تار وپود بکھیر کر دکھ دیے۔ ملک وبیرون ملک کے حالات پر آپ کی بے لاگ تحریریں رہ نمائی کا حق ادا کرتی ہیں اور آپ کے مختصر مختصر جملے کتنی ہی الجھی ہوئی گتھیوں کو سلجھا دیتے ہیں۔

آپ رابطہ ادب اسلامی کے روح رواں تھے۔ اس کے سیمیناروں کے پروگرام اور مقالات کے موضوعات کی تعیین میں یدطولیٰ رکھتے تھے۔ اب تک کے سارے سیمینار آپ ہی کی سرپرستی ونگرانی میں ہوئے۔ کارکنوں اور مقالہ نگاروں کی تعریف وتوصیف بڑی فیاضی سے کیا کرتے تھے۔ اس سے ان کی حوصلہ افزائی ہوتی تھی اور صلاحیتوں کو جلا ملتی تھی۔

افسوس کہ ایسے نازک موڑ پر جب کہ ملت اسلامیہ کو نباض، مخلص اور بافیض رہنماؤں کی سخت ضرورت تھی، آپ نے ہمیں داغ مفارقت دیا۔ یہ ایک ایسا سانحہ اور ایسا خسارہ ہے جس کی تلافی کبھی نہ ہوسکے گی۔ خم خانۂ علم الٰہی کے جرعہ کش مولانا سید محمد واضح حسنی رحمۃ اللہ علیہ کے اٹھ جانے سے جو خلا پیدا ہوا ہے وہ کبھی پُر نہ ہوگا۔

جان کر منجملۂ خاصان مے خانہ تجھے
مدتوں رویا کریں گے جام وپیمانہ تجھے

ساٹھ سالہ رفاقت اور مخلصانہ تعلق کا اختتام

حضرت مولانا محمد برہان الدین سنبھلی مدظلہ
(ناظم مجلس تحقیقات شرعیہ، ندوۃ العلماء۔ لکھنؤ)

ادیب لبیب اور صدیق حمیم حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی (جنہیں اب بحسرت تمام رحمۃ اللہ علیہ لکھنا پڑ رہا ہے) سے راقم کے روابط سنہ ۱۹۶۰ء سے (جبکہ مرحوم دہلی کے اندر آل انڈیا ریڈیو میں عربی کے اناؤنسر تھے اور راقم دہلی ہی میں ایک عربی مدرسہ میں استاد تھا) اور اس پوری مدت میں پہلے دہلی کے اندر بعد میں سنہ ۱۹۷۰ء میں احقر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی دعوت پر ندوۃ العلماء لکھنؤ آگیا اور مرحوم بھی سنہ ۱۹۷۴ء میں اسی ادارے کے اندر تشریف لے آئے تو روابط اور زیادہ مضبوط اور مستحکم ہوگئے، بلکہ قرب مکانی بڑھ گیا، جس نے گویا ہم دونوں کو یک جان دو قالب کا مصداق بنا دیا، اور ربط وتعلق میں غیر معمولی اضافہ ہوتا گیا، اور ان کے علمی کمالات اور دور بینی، عربی زبان پر غیر معمولی قدرت، حالات کا تجزیہ کرنے کی بے پناہ صلاحیت اور ذہنی بلندی کا ایسا تجربہ ہوا کہ پھر ان میدانوں میں ان کا کوئی ہمسر نہیں معلوم ہوا، اور ان سب خوبیوں کے ساتھ ان کی اخلاقی رفعت، ایثار پسندی، سادگی اور بے نفسی ہمیشہ قابل رشک بنی رہی، زندگی بھر تو وہ قابل رشک رہے ہی، موت بھی ایسی آئی جس پر رشک کرنے کا جی چاہے کہ دیکھتے ہی دیکھتے وہ عالم اسفل سے عالم بالا کو سدھار گئے (اللھم اغفرلہ وارحمہ) بظاہر وہ رخصت ہوگئے لیکن دل سے نہیں، دل میں ہمیشہ سمائے رہیں گے۔ ع رفتید ولے نہ از دلِ ما

سوگوار
محمد برہان الدین سنبھلی
(دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ)

زمیں کھا گئی آسماں کیسے کیسے

حضرت مولانا سید محمد ولی رحمانی مدظلہ (سجادہ نشیں خانقاہ رحمانی، مونگیر، بہار)

عزیزم احتشام سلمہ نے صبح نو بجے خبر دی کہ مولانا واضح رشید ندوی صاحبؒ اللہ کے دربار حاضر ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون بے اختیار زبان سے نکلا، آگے کچھ کہنے کی گنجائش نہیں تھی، دماغ جیسے ایک نقطہ پر ٹھہر گیا، بحمداللہ مولانا نے عمر پچاسی کے آس پاس پائی، اس عمر کو بڑھاپے کا اگلا مرحلہ کہنا چاہئے، اس عمر میں بوڑھا جن مصائب ومشاکل میں گھر جاتا ہے ان سے ہمارے مولانا واضح رشید ندویؒ صاحب دور تھے، کہا جاسکتا ہے کہ وہ اپنے ارادہ کی زندگی گذار رہے تھے، اس عمر میں اعذاری، بیماری ساتھی بن جاتے ہیں، مگر اللہ کا فضل خاص تھا وہ معذوری اور مجبوری کی زندگی سے دور تھے بس موت کا وقت آچکا تھا، دیکھتے دیکھتے چلے گئے۔ ۱۵؍جنوری کی رات کو کھا پی کر ٹھیک ٹھاک بستر پر گئے، تہجد کیلئے جاگے وضو کیا، مصلیٰ کی طرف جانے لگے کہ پیٹ میں تیز درد اٹھا اتنا کہ بستر پر بیٹھ گئے، پھر بے قابو ہو کر لیٹ گئے، ایک طرف درد بڑھتا رہا دوسری طرف اللہ کی یاد تیز تر ہوتی گئی آدھے گھنٹہ کی کشمکش کے بعد جان دینے والے کو جان دیدی۔

غدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

مولانا کے سفر آخرت کے بعد بھی نہ جانے کیوں یہ احساس ذہن کے پردہ پر ابھرتا رہا ڈوبتا رہا کہ کچھ دنوں اور جی لیے ہوتے۔ پہلے تو چاروں قل پڑھ کر ایصال ثواب کیا پھر مونگیر فون کیا تاکہ جامعہ رحمانی میں ختم قرآن اور ایصال ثواب کیا جائے، وہاں یہ خبر کسی طرف سے پہنچ چکی تھی۔ دیر تک یادوں کی یاد آتی رہی، وہ یاد آیا مولانا سے پہلے پہل کی ملاقات، ندوہ کا مہمان خانہ، حضرت مولانا علی میاںؒ مہمان خانہ کے ہال میں جلوہ افروز، بریف کیس کھلا ہوا، ایک صاحب قلم کاغذ کے ساتھ تیار، خط لکھایا جارہا تھا، میں ملاقات کرکے نکلا دوسری طرف سے مولانا واضح رشید صاحبؒ برآمد ہوئے، شکل وصورت سے سمجھا کہ یہ حسنی خاندان کے فرد ہیں، سفید وسرخ رنگت، سیاہ داڑھی، اچھی سلی شیروانی زیب تن، اٹھائیس تیس کے رہے ہونگے، سلام ومصافحہ کے بعد انہوں نے پوچھا "آپ حضرت مونگیریؒ کے پوتے ہیں؟" سمجھ گیا کہ ابھی اندران تک خبر پہنچی ہے، میں نے نیاز مندانہ "جی" کہا، "محنت سے پڑھئے" انہوں نے کہا اور آگے بڑھ گئے، معلوم ہوا کہ یہ مولانا واضح رشید ندوی صاحب ہیں، میری طالب علمی کا زمانہ تھا اور یہ پہلی ملاقات تھی، اچٹتی ہوئی۔

پھر مولانا سے دہلی میں ملاقات ہوئی، وہ فراش خانہ میں رہا کرتے تھے، میں مسجد فتحپوری کے ایک کمرہ میں ٹھہرا ہوا تھا، اب یہ یاد نہیں کہ شان نزول کیا تھا مگر میں مولانا عمید الزماں صاحب کے ہمراہ ان کے گھر نازل ہوا تھا، پھر دو چار ملاقاتیں اور ہوئیں، سرراہے گاہے گاہے۔ وہ آل انڈیا ریڈیو سے وابستہ تھے اور کسی معیاری منصب پر تھے، شعبہ عربی سے وابستہ تھے، اس زمانہ میں مرکز تبلیغ بستی حضرت نظام الدین اکثر جمعرات کو جایا کرتے تھے، یہ انکے اندر سے مسلمان ہونیکی علامت تھی، پھر حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ سے ارادت وعقیدت بڑھتی رہی اور انکے اندر کا مسلمان ریڈیو کی نوکری کے ساتھ ساتھ اللہ اللہ کرنے لگا اور آہستہ آہستہ ان کا مزاج ذکر واذکار، تسبیح ووظیفہ کا بن گیا، تصوف سے خاص مناسبت ہوگئی، تجربہ کی بات ہے یہ کافر جب منہ کو لگ جاتی ہے تو پھر چھوٹتی نہیں۔ ہوتے ہوتے یہ ہوا کہ نوکری سے دل اچاٹ ہوگیا، حالانکہ اچھی خاصی تنخواہ تھی، اور ذمہ داری ہلکی پھلکی، لیکن ریڈیو کی ملازمت کو ہمیشہ کیلئے الوداع کہہ دیا، اور دہلی کو بھی خیرباد کہہ گئے۔

کچھ دنوں غور وفکر میں گذارا ہوگا، پھر علم دین کی خدمت کے جذبہ نے دارالعلوم ندوہ میں طلبہ کو پڑھانے، انکو بنانے سنوارنے، ان کی تربیت کرنے میں لگ گئے، ہزاروں سے سیکڑوں تنخواہ پر

آگئے، یہ ۱۹۷۳ء کی بات ہے۔ انہیں زبان وادب سے بڑی مناسبت تھی، عمر کا بڑا حصہ عربی اور عالم عرب کو پڑھنے میں گذارا، عربی گویا مادری زبان بن گئی تھی، زبان کے زیر وبم سے واقف، الفاظ کو سجانے اور برتنے سے آگاہ، مترادفات کا بھرا پُرا سرمایہ کے مالک تھے، مگر سادگی ایسی کہ یہ سارے ہنر، پیمانہ علم میں چھلکتے نہ تھے، بس کبھی کبھار لکھنے اور طلبہ کی کاپیوں پر اصلاح دینے میں برتے جاتے تھے، اس لیے خموشی اور استقامت کے ساتھ طلبۂ دارالعلوم ندوہ کی طرح طرح سے تربیت کرتے رہے اور اپنی آخرت سنوارتے رہے۔ طلبہ کے مضامین پر بڑی دلچسپی کے ساتھ اصلاح کیا کرتے تھے۔ ندوہ سے نکلنے والے "الرائد" کے نگراں اور سرپرست تھے، "البعث الاسلامی" کے شریک مدیر تھے، اور دونوں میں آپکے مضامین آتے رہتے تھے۔ اردو تو مادری زبان تھی اسمیں مضامین لکھتے جو "تعمیر حیات" اور "راشٹریہ سہارا" (روزنامہ) میں چھپتے رہے ہیں۔ عربی زبان وادب میں مہارت کے ساتھ عرب ممالک کی تاریخ، جغرافیہ، عربوں کے فکری رجحانات، سیاسی اتار چڑھاؤ پر گہری نظر تھی، مگر وہ کم لکھتے تھے، بولتے بھی اسی تناسب سے تھے، مگر طلبہ کے سامنے کھل جاتے تھے، یا پھر اک ذرا چھڑیئے پھر دیکھئے کیا ہوتا ہے، سوال پر سوال کیجئے تو وہ کھلتے تھے، ورنہ ان کی ردائے علم پر برف کی چادر پڑی رہتی تھی، انکا اندرون بہت ٹھہرا ہوا تھا، نمایاں ہونے اور اپنے آپکو ظاہر کرنے کی کوئی رمق دل میں نہ تھی، یہ کہا جاسکتا ہے کہ ذکر وفکر نے ان کے جی کو نفس مطمئنہ بنادیا تھا، وہ اظہار کی ہر قسم سے بے نیاز تھے، ورنہ مشاہدہ یہ ہے کہ ہم لوگوں کا کبر باناز تواضع ہوا کرتا ہے، اور "اظہار" کے نت نئے طریقہ اپناتا ہے۔

اتنی باصلاحیت زندگی کے گذر جانے سے دل پر کیا گذری، کیسے کہا جائے، سوچتا ہوں کہ حضرت مولانا محمد رابع صاحب مدظلہ پر کیا گذری ہوگی، وہ نہ صرف حضرت مولانا کے چھوٹے بھائی تھے بلکہ ان کے دن رات کے ساتھی، دکھ سکھ کے شریک، بیدار مغز مشیر اور سرد وگرم کے رفیق تھے، قوم وملت کے مسائل پر حضرت مولانا کو ان پر بڑا اعتماد تھا، بڑھاپے میں انسان کو اچھا ساتھی، عمدہ رفیق اور بہتر مشیر کی زیادہ ضرورت ہوتی ہے۔ حضرت مولانا بحمد اللہ عمر کے جس مرحلہ میں ہیں، اچھے رفیق، عمدہ ساتھی اور بالغ نظر مشیر کی ضرورت بھی جوان سے پوری ہوتی تھی۔

احساس کا یہ سفر دیر تک جاری رہا جب ٹوٹا، تو خیال آیا کہ جنازہ کی نماز میں شرکت کی جائے، میاں احتشام نے بتایا کہ ان دنوں پٹنہ سے لکھنؤ کیلئے صرف ایک فلائٹ ہے، وہ بھی رات کے سوا آٹھ بجے، معلوم ہوا کہ جنازہ کی دوسری نماز بعد مغرب رائے بریلی میں ہوگی مگر پہنچنے کی کوئی راہ نہیں تھی، نہ براہ راست لکھنؤ اور نہ براہ دہلی، پھر بھی فیصلہ یہی ہوا کہ چلا جائے۔ اور رات کے ساڑھے نو بجے لکھنو پہنچا، ایرپورٹ پر امیر خالد خان صاحب (سکریٹری جنرل ملی کونسل یوپی) کے بڑے بھائی ندیم خانصاحب منتظر تھے، انکے ہمراہ یہ چھوٹا سا قافلہ ندوہ پہنچ گیا۔ رات مہمان خانہ میں جاگتے سوتے گذری، ۱۷ جنوری کو دن اُٹھتے کچھ لوگ آگئے، قصہ مختصر دن کے ساڑھے گیارہ بجے تکیہ کلاں (رائے بریلی) پہنچے۔ حضرت مولانا محمد رابع صاحب زید مجدہم اور افراد خاندان سے تعزیت کی، تعزیت بھی کیا کی جاتی، حادثہ جانکاہ اور الفاظ کے دامن چھوٹے، بس دو چار جملے حضرت مولانا سے کہے اور خاموش بیٹھا رہا، پھر مقبرہ شاہ علم اللہ میں فاتحہ پڑھی۔

لمبے عرصہ کے بعد "تکیہ" آنا ہوا، یہ تکیہ حضرت شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ (۱۰۳۳ھ-۱۰۹۶ھ) کا آباد کیا ہوا ہے، حضرت شاہ صاحب، حضرت سید آدم بنوری رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۵۳ھ) سے بیعت تھے، انہوں نے ہجرت اختیار کی، کہا جاتا ہے کہ حضرت شاہ علم اللہ اپنے مرشد کے ہمراہ جانے کا عزم رکھتے تھے، مگر مرشد نے کہا کہ اگر کوئی اللہ والا رو کے تو رک جانا، وہیں دریا کے کنارہ شاہ عبد الشکور مجذوب کی کٹیا تھی، انہوں نے حضرت شاہ علم اللہ کو سفر ہجرت سے روکا، حضرت شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ نے استخارہ کیا اور سفر کا ارادہ ختم کردیا، وہ شاہِ مجذوب" حضرت شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ کو قریب ہی سامنے لے گئے، اور لکیر کھینچ کر بتایا کہ یہاں آپ کی مسجد بنے گی، پھر اس کے پورب گئے اور نشان لگایا اور کہا کہ یہاں آپ کی قبر بنے گی، پھر مسجد

کے نشان کے سامنے پورب جانب کچھ فاصلہ پر گئے، لکیر کھینچی اور شاہ مجذوب نے نشان کھینچ کر بتایا کہ یہاں آپ کا مکان بنے گا—— اللہ تعالیٰ کی مرضی یہ سامنے آئی کہ شاہ مجذوب کی باتیں بعد میں حقیقت بن گئیں، حضرت شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ ۱۰۸۳ھ میں سفر حج سے واپس تشریف لائے، تو اپنے صاحبزادوں کے ہمراہ مسجد کی تعمیر فرمائی، یہ مسجد وہیں بنی جہاں لکیر کھینچی گئی تھی، یہ یادگار مسجد حضرت شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت سید احمد شہیدؒ اور کئی اولیاء اللہ کی عبادتوں کی گواہ ہے۔

یہ مسجد اس زمانہ کے لحاظ سے پختہ تھی، اور عام مسجدوں سے الگ چوکور تھی، حضرت شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ تازہ تازہ حج کر کے آئے تھے، انہوں نے سوچا کہ کچھ تو خانہ کعبہ سے مشابہت ہونی چاہئے، اسی ذہن کی وجہ سے مسجد چوکھٹی بنائی، اب اس مسجد کے اتر اور دکھن چھت دار حصہ کا اضافہ ہوگیا ہے، اور صحن بھی پختہ پلاسٹر کر دیا گیا ہے——ایک دفعہ والد ماجد حضرت مولانا منت اللہ رحمانی صاحب رحمۃ اللہ علیہ تکیہ پہنچے، جمعہ کا دن تھا، حضرت مولانا علی میاں صاحب موجود تھے، انہوں نے جمعہ کی امامت پر اصرار کیا اور فرمایا کہ امیر شرعی کا حق ہے کہ وہ امامت کرے اور موجود حاضرین پر اقتدا کی ذمہ داری ہے۔

اس مسجد کے پورب کچھ فاصلہ پر رہائش گاہ بنی جو شاہ عبد الشکور مجذوب کے نشان پر تھی، اس رہائش گاہ میں زمانہ کے لحاظ سے تبدیلی آتی رہی، ابھی یہ عمارت پرانی مگر پختہ ہے، اس مکان میں کئی اللہ والے اور اصحاب علم وکمال نے آنکھیں کھولیں، یہی وہ مکان ہے، جس میں مشہور عالم، اللہ والے اور دین کے لیے جان نچھاور کرنے والے حضرت سید احمد شہیدؒ (۱۲۰۱ھ-۱۲۴۶ھ) پیدا ہوئے، جن کا شوق جہاد، دینی حمیت وغیرت اور مستقبل کی فکرمندی اور پلاننگ نہ بھلائی جانیوالی ہے، حضرت سید صاحب، حضرت شاہ علم اللہ کے پوتے مولانا سید محمد نور بن سید محمد ہدیٰؒ کے پوتے ہیں، اسی مکان کا مقدر تھا کہ وہ حضرت مولانا عبد الحئی حسنیؒ اور حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ (۱۳۳۳ھ-۱۴۲۰ھ روز جمعہ/ ۵ر دسمبر ۱۹۱۳ء ۳۱ر دسمبر ۱۹۹۹ء) کا مولد بنے، کئی صاحبان دل کی زندگیاں اس مکان سے وابستہ ہیں، ضرورت کے مطابق مکان میں اتر جانب اضافے ہوتے رہے ہیں، اور الحمد للہ چار صدیوں سے یہ جگہ آباد ہے۔

مسجد شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے پورب دکھن کونہ پر صحن کی انتہاء کے ساتھ مقبرہ شاہ علم اللہ ہے، مسجد کی زمین سے مقبرہ کی زمین تین فٹ اونچی ہوگی، اب چہار دیواری کے اندر مقبرہ ہے، اور پچھم جانب اس کا دروازہ ہے، وہ بھی تین فٹ اونچا ہوگا، مقبرہ کے اندر جائیے تو سب سے پہلے حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ (علی میاں صاحب) کی قبر ہے، ان کے بعد پورب جانب حضرت شاہ علم اللہ کے بڑے صاحبزادے حضرت شاہ آیت اللہؒ (۱۱۱۶ھ) کا مزار ہے، ان کی سیدھ میں پورب جانب حضرت شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ آرام فرما ہیں، اُن کے پہلو میں ان کی اہلیہ محترمہ ہیں، اور ان کے بعد سلسلہ نقشبندیہ مجددیہ کے صاحب سلسلہ بزرگ شاہ محمد عدل صاحب (شاہ لعل-۱۱۹۳ھ) آرام کر رہے ہیں، حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کے سرہانہ مولانا محمد ثانی حسنی (۱۴۰۲ھ) آرام فرما ہیں، ماہنامہ رضوان، لکھنؤ کے ایڈیٹر، آسان اردو نثر لکھنے کے ماہر، مزاج میں یک گونہ بیخودی اور وارفتگی تھی، بہت ڈوب کر کہتے اور احساس دل کو شعر کے قالب میں ڈھال دیتے تھے، ہم لوگوں کے دیکھتے دیکھتے وہ بھی چلے گئے۔

مولانا محمد ثانی حسنیؒ کے پورب مولانا محمد الحسنی صاحبؒ محو استراحت ہیں، وہ عربی زبان وادب کے ماہر، اونچے درجہ کے انشاء پرداز، عرب کے پایہ کے ادیبوں کی طرح عربی لکھتے تھے، رواں دواں زبان، اس پر قرآن وحدیث کے نگینے خوبصورتی سے ٹانک دیتے تھے، ماہنامہ "البعث الاسلامی" کے رئیس التحریر تھے، نہ جانے کیا ہوا جلد چلے گئے، دادا جان حضرت مولانا محمد علی مونگیریؒ کی سوانح انہوں نے لکھی ہے—ان کے پورب ڈاکٹر عبد العلی صاحبؒ (۱۳۸۱ھ) (حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کے بڑے بھائی اور مربی) حضرت شاہ علم اللہ کے ٹھیک سرہانہ آرام فرما ہیں، ان کے پورب سید احمد سعیدؒ ابن شاہ ضیاء النبیؒ (۱۳۷۳ھ) لیٹے ہیں، جو حضرت مولانا علی میاں صاحب کے ماموں اور خسر تھے اور ان کے

بعد بجانب پورب شاہ ضیاء النبی کی صاحبزادی (۱۳۲۳ھ) ہیں، جو حضرت مولانا علی میاں کی خالہ ہیں، خاندان حسنی کی مشہور شخصیت مولانا ابو بکر حسنیؒ کے والد ماجد مولانا عزیز الرحمن صاحب (۱۳۷۷ھ) کی قبر حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کے ٹھیک دکھن میں ہے، ان کے بعد حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کی ہمشیرہ امۃ العزیز صاحبہ آرام فرما ہیں، آپ کے بعد پورب جانب حضرت شاہ علم اللہ کے ٹھیک دکھن پائینتی میں حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کے والد اور مشہور مصنف حضرت مولانا عبد الحئی حسنیؒ (۱۳۴۱ھ) محو استراحت ہیں، اُن کی اہلیہ خیر النساء بہتر صاحبہ ۱۳۸۱ھ (والدہ حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ) کا مرقد ہے، اور ان کے پورب ان کی مشہور عالمہ صاحبزادی، زادِ سفر اور بچوں کے لیے "قصص الانبیاء" لکھنے والی جنابہ امۃ اللہ نسیم صاحب (۱۳۹۵ھ) آرام کر رہی ہیں۔ مسجد کے پورب اتر کونہ پر ڈھائی فٹ کی دیوار کے اندر دو قبریں ہیں، ایک حضرت شاہ علم اللہ کے صاحبزادہ سید ابو حنیفہؒ کی اور دوسری حضرت سید احمد شہید کے والد ماجد مولانا سید عرفان کی۔

مسجد کے پچھم اتر حصہ میں خاندان حسنی کے بعض دوسرے بزرگ آرام فرما ہیں، جن میں مولانا سید قطب الہدیٰؒ علمی دنیا کا مشہور نام ہے اور ان کے ہاتھ کا لکھا ترمذی شریف کا نسخہ کتب خانہ ندوۃ العلماء لکھنؤ میں محفوظ ہے، ان کے والد ماجد مولانا واضح حسنیؒ (۱۲۰۰ھ) تھے، جنہیں سلسلہ قادریہ کی اجازت حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی سے حاصل تھی، وہ بھی یہیں آرام فرما ہیں، حضرت سید احمد شہید کے خلیفہ مولانا محمد ظاہر حسنیؒ بھی یہیں محوِ خواب ہیں، مشہور مؤرخ اور مصنف مولانا فخر الدین حسنیؒ اور حضرت شاہ ضیاء النبی حسنیؒ بھی اسی قبرستان میں لیٹے ہوئے ہیں، حال کے لوگوں میں مولانا ابو بکر حسنیؒ کی آخری جگہ یہی قبرستان ہے، مسجد کے پچھم دکھن سمت میں مولسری کے سایہ میں حضرت شاہ علم اللہ کے ایک صاحبزادہ حضرت سید محمد جی آرام فرما ہیں، اسی درخت کی چھاؤں تلے حضرت مولانا علی میاں صاحب کے کئی رفقاء اور خدام لیٹے ہوئے ہیں، جن میں مولانا اسحاق جلیس ندوی (مدیر تعمیر حیات لکھنؤ) (ولادت ۱۹۳۴ء بمقام پونا وفات ۱۳۹۹ھ ۱۹۷۹ء) مولانا انوار ندوی، مولانا نثار احمد ندوی، بھائی عبد الرزاق صاحب اور مولانا نثار الحق ندوی صاحب ہیں، مولانا نثار الحق ندوی بڑی خوبیوں کے مخلص انسان تھے، بہادر پور، میوان بہار کے رہنے والے، حضرت مولانا علی میاں صاحب کے کاتب تھے، حضرت مولانا اور ان کا شان خط بہت ملتا تھا، تکیہ پر جو لوگ تعویذ کی فرمائش کرتے ان کی یہ ضرورت وہی پوری کرتے تھے، تکیہ اور خانقاہ کو تعویذ سے چھٹی نہیں ہوتی۔

مسجد کے ٹھیک اتر تھوڑے فاصلہ پر شکستہ چہار دیواری دو ڈھائی فٹ اونچی ہے، جس میں حضرت شاہ علم اللہ کے صاحبزادہ مولانا سید محمد ہدیٰ اور اسی خاندان کے مولانا سید محمد نثارؒ کی مٹی مٹی سی قبریں ہیں، مولانا عبد اللہ حسنی صاحب کی آخری آرام گاہ یہیں بنی، جو دار العلوم ندوۃ العلماء کے اونچے درجہ کے استاذ اور تقوی وطہارت میں ممتاز تھے، ان کے پورب مولانا واضح رشید ندوی (۱۴۴۰ھ) کے لیے جگہ چنی گئی اور چند گھنٹوں قبل وہ پیوند زمین ہو گئے۔

رحمہم اللہ علیہم جمیعا وتقبل جہودہم لصالح الاسلام والمسلمین وأدخلہم فسیح جنانہ وأرزقہم ثمار الجنۃ ونعیمہا آمین!

خاک میں کیا صورتیں ہوں گی کہ پنہاں ہو گئیں

ساری قبریں کچی ہیں، بس مٹی کے ڈھیر، نہ لوح تربت، نہ پختہ مزار، نہ حاشیہ مزار، نہ گنبد وقبہ، سادگی ہی سادگی، خاموشی ہی خاموشی، مٹی کے ڈھیر میں بھی لعل وگہر دفن ہیں ؎

بعد از وفات تربت ما در زمیں مجو
در سینہائے مردم عارف مزار ماست

اب روانگی کا وقت تھا حضرت مولانا محمد رابع صاحب مدظلہ نے بار بار کھانے کے لیے کہا، مگر خواہش بالکل نہ تھی، دوپہر ہی میں تھکے قدموں، شکستہ دل اور بوجھل دماغ کے ساتھ کار پر آبیٹھا، دیر ہو چکی تھی، اب چودھری چرن سنگھ ایرپورٹ لکھنؤ پہنچنا تھا، روانہ ہو گیا، منزل آئی تو معلوم ہوا کہ جہاز ڈھائی گھنٹہ تاخیر سے آرہا ہے، وقت کا اچھا مصرف تھا کہ مولانا واضح رشید ندوی پر کچھ لکھ دیا جائے، اور ایرپورٹ کی ہماہمی کے درمیان یہ سطریں پوری ہو رہی ہیں۔

سراپا دعوت و عزیمت

مولانا نذر الحفیظ ندوی ازہری (عمید کلیۃ اللغۃ العربیۃ، دار العلوم ندوۃ العلماء)

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے بارے میں کسی ایک مجلس میں کچھ کہنا سننا بہت ہی مشکل ہے، تقریباً ۲۷ء سے لے کر اس وقت تک۔ سوائے چند سالوں کے جو ہمارے باہر گذرے ہیں۔ مولانا سے برابر تعلق و ربط رہا، ان کی فکر سے، ان کی سیرت و کردار سے ہم برابر سیکھتے رہے، اور آخر تک سیکھتے رہے۔

آج کل یہ عمومی تشویش کی بات ہے نظام تعلیم میں تربیت کا فقدان ہے، تعلیم تو ہوتی ہے لیکن تربیت نہیں ہوتی، لیکن جب ہم اس خانوادہ حسنی کو دیکھتے ہیں تو اس کے یہاں ہمیں یہ جوہر ملتا ہے کہ تعلیم کے ساتھ اعلیٰ درجہ کی تربیت بھی ہوتی ہے، اس کی مثال میں ہم پورے خاندان کو پیش کر سکتے ہیں کہ ع ایں خانہ تمام آفتاب است

مولانا واضح رشید حسنی ندوی کا بھی معاملہ یہی تھا، انہوں نے تعلیم حاصل کی اور اسی کے ساتھ ان کی تربیت بھی ہوئی اور پھر وہ تربیت کے ساتھ ایک مواج سمندر میں ڈال دیے گئے، وہ سمندر تھا آل انڈیا ریڈیو کی ملازمت کا، جہاں مغربی تہذیب پورے عروج، سرگرمی اور پوری گرم جوشی کے ساتھ موجزن تھی، مولانا اس سمندر میں تقریباً بائیس (۲۲) سال تک رہے، اس طویل مدت میں ان کا دامن تر تو کیا ہوتا وہ علامہ اقبال کی طرح کہ وہاں سے صحیح سالم واپس آگئے۔ حضرت ابراہیم کو نار نمرود میں ڈالا گیا تھا، جس طرح وہ صحیح سالم نکلے، اسی طرح مولانا واضح صاحب مغربی تہذیب کے اس سمندر سے سالم نکلے، اس کی گواہی ہمارے استاذ الاساتذہ حضرت مولانا قاری برہان الدین صاحب (استاد تفسیر و حدیث) بھی دیں گے جن کا مشاہدہ ہے، جو وہاں بھی مولانا کے ساتھ رہیں ہیں اور پھر یہاں بھی ان سے بہت گہرا تعلق رہا ہے، یہ معمولی بات نہیں ہے کہ مولانا وہاں اس حالت میں رہے کہ ہر طبقہ سے خلا ملا رہا ہے، مردوں سے بھی اور صنف نازک سے بھی، اور مولانا نہ صرف یہ کہ اپنا ایمان بچالائے بلکہ وہاں سے صحیح سالم واپس آئے، دامن پر ایک چھینٹ تک نہ پڑنے دی، بلکہ وہاں سے بہت کچھ حاصل کر کے آئے۔

مولانا نے مغربی تہذیب کے اندر رہتے ہوئے وہاں کی مفید چیزوں سے فایدہ اٹھایا، وہاں بہترین کتب خانہ تھا، انگریزی میں بہترین کتابیں تھیں، یورپ و امریکہ کو سمجھنے کے بہترین مواقع تھے، مولانا نے ان مواقع سے پورا فائدہ اٹھایا اور جو کچھ وہاں سے حاصل کر سکتے تھے، وہ حاصل کیا، ان کو وہاں انٹرویو لینا پڑتا تھا، سیاسی شخصیتوں سے، سماجی اور علمی و دینی شخصیتوں سے، اس میں عیسائی بھی ہوتے تھے، ہندو بھی ہوتے تھے، سکھ بھی ہوتے تھے، مسلمان بھی ہوتے تھے، لیکن سب میں ان کا ایمان غالب رہا اور سب کچھ سیکھ کر واپس ہوئے، گویا اس زمانہ کو ہم کہہ سکتے ہیں کہ ”من بین فرث و دم لبنا خالصا سائغا للشاربین۔“

اور پھر اللہ تعالیٰ نے مقدر کیا مولانا ندوہ تشریف لائیں، تو ہوا یوں کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب کاندھلوی ؒ اللہ تعالیٰ ان کو کروٹ کروٹ جنت نصیب کرے کہ وہ حضرت مولانا علی میاں صاحب ؒ سے کہتے تھے کہ آپ کے خاندان کے لیے مناسب نہیں ہے کہ کوئی سرکاری ملازمت کرے، اور واضح کے بارے میں ہماری رائے یہ ہے کہ ان کو ندوہ آنا چاہیے۔ حضرت مولانا ؒ اس خیال سے ان کو ندوہ نہیں لانا چاہتے تھے کہ لوگ کہیں گے کہ اپنے عزیز و اقارب کو یہاں رکھتے ہیں۔ حضرت شیخ الحدیث نے فرمایا کہ اس کی کوئی پرواہ نہیں کیجیے، آپ کا معاملہ اللہ کے ساتھ خاص ہے، ان کو جو تعلق ہوگا اس ادارہ سے وہ تعلق کسی اور کو نہیں ہوگا کہ اسی خانوادہ نے اس کو پروان چڑھایا ہے۔

چنانچہ حضرت شیخ الحدیث کی پیشین گوئی صحیح ثابت ہوئی، اور وہ یہاں مجاہدین کی اس جماعت کے ساتھ رہے، جس کو حضرت مولانا

رحمۃ اللہ علیہ نے تیار کیا تھا، اس جماعت میں مولانا محمد الحسنیؒ، مولانا محمد رابع حسنی ندوی، مولانا سعید الرحمن الاعظمی ندوی، اور مولانا واضح رشید حسنی ندویؒ سرفہرست ہیں، جنہوں نے فکری راہ کے انحراف میں بہت زبردست کام کیا، ان کی کتابیں آپ پڑھیے، کتنی خاموشی سے انہوں نے تیس چالیس کتابیں لکھ دیں اور اس منہج کے مطابق لکھی ہیں، جس کا حضرت مولاناؒ نے ان کو مکلف کیا تھا، آپ ان کی کتابیں پڑھئے اور دیکھئے کہ کس طرح انہوں نے استقامت کا ثبوت دیا، اور کبھی اس پورے دور میں انہوں نے اس زمانہ کو یاد نہیں کیا جب کہ ان کی ہزاروں میں تنخواہ تھی، اور یہاں آکر انہوں نے سینکڑوں میں بسر کیا، جاننے والے جانتے ہیں کہ دلی میں مولانا کی کیسی سادہ زندگی تھی اور یہاں کی زندگی کیسی سادہ تھی، چاہے پیسہ ملے یا نہ ملے، ان کا زہد اختیاری تھا، وہ اعلیٰ سے اعلیٰ درجہ کی زندگی گذار سکتے تھے، لیکن اس سے کوئی تعلق نہیں، دین ان کے پیش نظر تھا۔

مولانا سید محمد واضح رشید ندویؒ کے تین بڑے کارنامے ہیں جو ان کے لیے صدقہ جاریہ کا کام دیں گے۔

● مولانا نے بڑی خاموشی سے نئی نسل کو فکری انحراف سے بچانے کے لیے ایسا طاقتور لٹریچر تیار کر دیا ہے، جو بحر ظلمات میں منارۂ نور کا کام دیتا رہے گا، ایسا صالح اور پر مغز لٹریچر جس کو پڑھ کر نئی نسل کا اسلام پر از سر نو اعتماد بحال ہوگا، اور مغربی تہذیب و ثقافت اور فکر و فلسفہ سے مرعوبیت ختم ہو جائے گی۔

● مولانا نے اپنی زندگی ہی میں ایسی سکنڈ لائن تیار کر دی ہے جو ان کے بتائے ہوئے راستہ پر گامزن رہ کر شاہ راہ حیات کا سراغ لگاتی رہے گی، مولانا کی وفات کے بعد دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ان کے ہزاروں شاگردوں نے اس کا اعتراف کیا کہ ان کی شخصیت اور سیرت کی تشکیل میں مولانا کا کردار ناقابل فراموش ہے۔

● مولانا محمد واضح نے اپنے نفس گرم اور اعلیٰ سیرت و کردار سے جہاں دوسرے خاندانوں کے چراغوں کو تیل بتی فراہم کی، وہیں اپنے فرزند اور پوتوں کو بھی اپنی زندگی میں تیار کر کے {مَا تَعْبُدُونَ مِن بَعْدِي} کے سوال کا جواب بھی دے دیا، اسی لیے وہ جب اس دنیا سے رخصت ہوئے تو نفس مطمئنہ اور راضیۃ مرضیۃ کے ساتھ رخصت ہوئے۔

بلا شبہ مولانا نے جو کارنامہ انجام دیا ہے وہ اپنی جگہ پر منفرد ہے، اللہ کے راستہ میں استقامت اور دین کی حفاظت اور سمندر میں رہتے ہوئے اپنے کو بچانا اور محفوظ رکھنا اور ہر قیمت پر دین کی دعوت اور اللہ کی رضا کو سامنے رکھنا یہی ان کا شیوہ تھا، اور اسی پر انہوں نے جان دی اور اللہ تعالیٰ نے ان کو اس حالت میں بلایا۔

نشان مرد مومن با تو گویم چوں مرگ آید تبسم بر لب اوست

اس طرح موت آئی کہ جیسے آنکھ بند ہو رہی ہو، اور مومن سو رہا ہو "نم کنومۃ العروس" اس طرح دنیا سے تشریف لے گئے، اور آپ نے دیکھا کہ کیا مقبولیت و محبوبیت تھی، یہ ایسی نہیں کہ وہ بہت بڑے صحافی تھے اس لیے مقبول ہو گئے، بلکہ اس کے پیچھے ان کا اخلاص تھا، ان کی شجاعت و جرات تھی، اور اللہ کے ساتھ تعلق تھا، اور قرآن مجید سے ان کا شغف تھا، یہ سب چیزیں ان کی بنیادیں ہیں، وہ ہمیشہ اسی حالت میں رہے، خاموشی کے ساتھ انہوں نے یہ کام انجام دیا، اللہ تعالیٰ ان کے درجات کو بلند فرمائے اور ہمیں توفیق دے کہ ان کے بتائے ہوئے راستہ کو اپنے لیے نمونہ سمجھیں، کہ یہی اس وقت کامیابی کا ایک معیار ہے جو ہمارے لیے وہ چھوڑ کر گئے ہیں۔ (تعزیتی خطاب پر مبنی)

مادہ پرستانہ نظام تعلیم

"آج تعلیم یافتہ طبقہ میں جو خرابیاں اور اخلاقی و فکری انحطاط پایا جاتا ہے اس کا سب سے بڑا سبب یہ ہے کہ تعلیم و تربیت کا مقصد غلط سمجھ لیا گیا ہے، تعلیمی و تربیتی کردار کی غلط تشریح کی گئی، اور سب سے بنیادی سبب تعلیم کا ملحدانہ اور مادی فلسفہ ہے جو مادہ پرست اور ملحد مغربی تہذیب کی دین ہے، بدقسمتی سے عالم اسلام نے بھی مغرب کے اسی مادی اور ملحدانہ نظام تعلیم و تربیت اور گمراہ کن تصور حیات کو اپنا رکھا ہے۔"

● حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

چند یادیں - چند باتیں

پروفیسر سید احتشام احمد ندوی (علی گڑھ)

اس حیات ناپائیدار میں انسان کو کیا کیا کام کرنے پڑتے ہیں، حضرت مولانا واضح رشید میرے بہت گہرے دوست تھے، اور ندوہ کی طالب علمی کے زمانہ میں کئی بار میں تکیہ کلاں جا کر ان کے گھر پر قیام کیا، دو بار ایک ایک ہفتہ ان کے گھر میں رہا، اس وقت ان کے والد محترم رشید احمد حسنیؒ زندہ تھے، وہ بھی بڑی شفقت فرماتے، کبھی یہ خیال نہ آیا کہ ایک دن وہ بھی آئے گا کہ ان کی تعزیت پر مجھے کچھ لکھنا پڑے گا، حق یہ ہے کہ ان کی شخصیت کے جواہر چھپے ہوئے تھے اور علمائے قدیم کے انداز پر وہ شہرت سے بچتے تھے، ان کی اعلیٰ عربی کی صلاحیت بے نظیر تھی، خصوصاً ان کی گہری نظر عربی ادب کے نصوص پر عالمانہ تھی، انہوں نے اپنے اندر دو صلاحیتیں پیدا کیں، پہلی صلاحیت ان کو بیس برس تک آل انڈیا ریڈیو اسٹیشن پر عربوں کے لیے ہندوستانی اخباروں کو نشر کرنے سے پیدا ہوئی، ان کی زبان جدید ترین زبان اور جدید ترین عربوں کے انداز تعبیر پر منحصر تھی، وہ عمدہ رواں عربی لکھتے اور بولتے تھے اور عربوں کو مخاطب کرتے تھے، اور عربوں کے سوالات کے جوابات ریڈیو سے نشر کرتے تھے، یہ خبریں عموماً رات میں نشر کی جاتی ہیں، الغرض اس صلاحیت کو جو اصلاً ریڈیو کے ذریعہ ان کو حاصل ہوئی، انہوں نے اس سے دار العلوم ندوۃ العلماء کو نفع پہنچایا اور ندوہ میں جو زبان جدید عربی "الرائد" کے مقالات، خبروں اور معلومات میں استعمال ہوتی ہے وہ بہت جدید زبان ہے، میں ایم-اے اور پی-ایچ-ڈی کے طلبہ کو نصیحت کرتا تھا کہ تم لوگ "الرائد" جاری کرالو، وہ تمہاری عربی زبان کو جدید تعبیرات اور جدید اظہار خیال میں مدد کرے گا، اس کی وجہ یہ ہے کہ "البعث الاسلامی" تو ایک اعلیٰ قسم کا علمی مجلہ ہے، مگر "الرائد" پندرہ روزہ ہے تو اس میں عالم اسلامی کی خبریں، روزمرہ کی زبان میں چھپتی ہیں، اور طلبہ کو نئی معلومات نئی عربی زبان میں آسانی سے مل جاتی ہیں۔ حضرت مولانا نے بیس برس کا تجربہ آل انڈیا ریڈیو کا لا کر ندوہ کی خدمت میں پیش کر دیا، پہلے تو خیر کچھ تنخواہ بھی مل جاتی تھی، اب جب سے وہ معتمد تعلیمات بن گئے تو وہ مشاہرہ بھی بند ہو گیا اور سارا کام اور ساری خدمت فی سبیل اللہ کرنے لگے، اس کی وجہ یہ ہے کہ معتمد تعلیمات اور ناظم ندوۃ العلماء دونوں اعلیٰ ترین عہدے اعزازی ہیں، ان کو کوئی تنخواہ نہیں ملتی۔

حضرت مولانا محمد واضح ندویؒ کی دوسری صلاحیت عالم اسلام پر ان کی نظر تھی، اور مغربی ممالک میں جو اسلام کے خلاف سازش کے نئے نئے طریقے نکالے جاتے تھے، ان پر ان کی مفکرانہ نظر تھی، حق یہ ہے کہ انہوں نے "صور و أوضاع" کے سلسلہ سے "البعث الاسلامی" میں لکھ کر عالم اسلام پر اور مغرب کی اسلام کے خلاف ریشہ دوانیوں پر ایک مفکرانہ اور دانشورانہ نظر ڈالی ہے، اور اس میں استنتاج کیا ہے۔ میری رائے میں ۶۰ ربرس کے اس ذخیرہ کو متعدد جلدوں میں مرتب کر کے شائع کر دیا جانا چاہیے مختصر نوٹس کے ساتھ، عالم اسلام پر یہ ایک بڑا ذخیرہ ہے جو اسلامی نقطۂ نظر سے لکھا گیا ہے۔

اہل علم خوب جانتے ہیں کہ ادھر برسوں سے حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ کے اسلام پر مقالات روز نامہ سہارا میں برابر شائع ہوتے تھے، یہ مقالات مفکرانہ انداز کے ترجمان ہیں۔

ان کاموں کے علاوہ حضرت مولانا واضح صاحب نے جو کچھ تاریخ ادب عربی پر لکھا ہے، وہ ایک مستقل ان کا موضوع رہا ہے اور جدید ادیبوں پر ان کی ایک پوری کتاب ہے، اور عجیب بات ہے کہ میں نے بھی عربی میں ایک کتاب ۴۴۰ صفحات پر مشتمل لکھی ہے، اور اس کو "أعلام الأدب عند العرب" کے نام سے شائع کیا ہے، میں نے اس کتاب پر مقدمہ لکھنے کے لیے پروفیسر محمد

اجتباء ندوی" سے درخواست کی تو وہ بولے کہ اس کتاب پر حق مولانا محمد واضح رشید ندوی" کو ہے کہ ان کی نظر عربی ادب کے نصوص پر بہت گہری ہے، شکر ہے کہ اس کی ایک کاپی مرتب کر کے میں نے خود حضرت مولانا محمد واضح رشید ندوی" کی خدمت میں پیش کر دی ہے، مقدمہ تو خود میں نے بحیثیت مصنف کے لکھ لیا تھا۔ دوسری کتاب میں نے عربی میں "وحی الخاطر" کے نام سے مرتب کی ہے اور میں مارچ ۲۰۱۹ء میں مجلس شوریٰ میں ان کی خدمت میں پیش کرنا چاہتا تھا کہ ان کا وقت موعود آپہنچا، اور میری تمنا پوری نہ ہو سکی، یہ خواطر میں نے عربی زبان میں لکھے ہیں۔

سب سے پہلے تو یہ عرض کر دوں کہ مولانا واضح رشید" کے نام میں رشید انہوں نے اپنے والد کے نام سے مستعار لیا تھا، میرا گھر تھولینڈی تکیہ کلاں دارعرفات سے تقریباً چالیس کلو میٹر دور ہے، ہم ایک گھنٹہ میں رائے بریلی پہنچ جاتے ہیں، حضرت مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی" ہر عید اور بقرعید کے دوسرے دن حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی" سے ملنے جاتے تھے، اور از راہ مہربانی مجھ کو ساتھ لے لیتے تھے، جب حضرت سید احمد شہید" نے اپنی تحریک جہاد شروع کی تو وہ تھولینڈی تشریف لائے چھ سو مجاہدین کے ساتھ، اور مسجد میں قیام فرمایا جو بھی نظم رہا ہو، مولانا عبدالسلام قدوائی" فرماتے تھے کہ کھانا مسجد کے صحن میں کھایا گیا، ہمارے آباء واجداد حضرت سید احمد شہید" کے مرید تھے جس کے اثرات سے ہمارے یہاں بدعات و خرافات کا بالکل رواج نہ تھا۔

ندوہ میں طلبہ پورے ہندوستان کے تھے، اس زمانہ میں ندوہ ٹوٹ رہا تھا، آٹھ یا دس اساتذہ تھے اور سو کے قریب طلباء ہوں گے، فضیلت کی دو قسمیں تھیں، فضیلت ادب اور فضیلت دینیات، میں نے مولانا عبدالسلام قدوائی کے مشورہ سے فضیلت ادب میں داخلہ لیا، فرمایا: عمر کم ہونے کی وجہ سے تم مسائل کو نہ سمجھ پاؤ گے، لہٰذا تم فضیلت ادب میں داخل ہو جاؤ، اس کلاس میں چار طالب علم تھے، ایک میں، دوسرے مولانا سعید الرحمن اعظمی، تیسرے محمد ایوب بستوی اور چوتھے مسیح الزماں (بہاری)۔ مگر ہماری شان یہ تھی کہ محمد ایوب بستوی اور مسیح الزماں دونوں باری باری سے "الاصلاح" کے ناظم منتخب ہو گئے، مولانا سعید الرحمن اعظمی "النادی العربی" کے سکریٹری منتخب ہوئے اور ان سے پہلے مولانا محمد واضح صاحب" سکریٹری تھے، اور ان کے زمانہ میں پابندی سے جمعرات کو عربی میں ایک تقریر کرتا تھا یا عربی میں مضمون پڑھتا تھا، ان جلسوں میں مولانا عبدالحفیظ صاحب" شرکت فرماتے تھے، مگر وہ بولتے کچھ نہ تھے، الغرض اس مجلس کی وجہ سے میرا تعارف ہوا اور تعلقات بڑھنے لگے، تو میں گوئن روڈ واضح رشید صاحب کے گھر جانے لگا، اس گھر کے آخر میں ایک آفس تھا، جس میں لکھا تھا "دفتر دارالعلوم ندوۃ العلماء" اسی کے اوپر ایک کمرہ تھا، اس میں ایک بار میں رات کو سویا اور واضح رشید صاحب بھی وہیں سوئے۔ چونکہ مولانا واضح رشید صاحب کی عربی بہت اچھی تھی، مجھے ایک استاد کے الوداعی جلسہ میں تقریر کرنی تھی، میں نے مولانا واضح صاحب سے کہا کہ آپ تقریر لکھ دیجیے، عربی میں یاد کر کے تقریر کروں گا، مگر ہوا یہ کہ مولانا واضح رشید صاحب کی عربی سخت تھی، میں تقریر صحیح نہ کر پایا، کچھ بھول بھی گیا، جب سے میں خود اپنی عربی لکھ کر مولانا عبدالماجد عظیم آبادی" مصنف "معلم الانشاء" سے تصحیح کرا لیتا۔

میں "النادی العربی" کا نائب سکریٹری تھا اور مولانا سعید الرحمن صاحب چھٹی پر تھے، جلسہ کی صدارت میں کر رہا تھا کہ اتنے میں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی"، مولانا عبداللہ عباس ندوی" اور مہتمم مدرسہ رائے پور آ گئے، اب مولانا عبداللہ عباس ندوی" نے فرمایا کہ حضرت مولانا علی میاں کے استقبال میں تقریر کیجیے، تقریر تو ٹھیک کی مگر ایک غلطی شروع ہی میں کر دی، اور میں "انا لمسرورین" کہہ گیا، جبکہ یہ "ل" تاکید کا ہے، "لمسرورون" کہنا چاہیے تھا، مگر اب تیر کمان سے نکل چکا تھا، باقی تقریر ٹھیک تھی، اس کے بعد جو مقررہ عنوان تھا، اس پر میں نے تقریر کی، وہ تیار تھی، رٹی ہوئی تھی، عمدہ تھی، حتی کہ مولانا عبداللہ عباس ندوی" نے فرمایا: "أحسنت"۔

مولانا واضح صاحب کو میں نے تھولینڈی مدعو کیا، وہ تشریف

لائے اور ایک ہفتہ ہمارے گھر میں رہے، ہم روز کہیں نہ کہیں اس پاس گھومنے چلے جاتے، تھولینڈی میں عیدگاہ خوبصورت ہے اور اس کے سامنے میدان پڑا ہے، اسی میدان میں تبلیغ کا بڑا اجلسہ ہوا، جس میں حضرت مولانا محمد رابع صاحب ندوی مدظلہ العالی نے ایک بڑا مؤثر اور بڑا اہم خطبہ دیا، میں بھی روتا رہا اور جو لوگ اسٹیج پر تھے، سب کے آنسو بہہ رہے تھے، ایسی مؤثر اور جاندار تقریریں میں نے کم سنی ہیں۔ اس عیدگاہ کے سامنے ذرا سی دور پر ایک تالاب ہے، اس تالاب کو کم اونچی پہاڑیاں چاروں طرف سے گھیرے ہوئے ہیں، بڑا خوبصورت منظر ہے، درمیان میں تالاب کا پانی بھرا ہوا ہے، اکثر نجم الدین شکیبؔ فرماتے کہ یہاں مکان بنا کر رہنا چاہیے، یہ قدرت کا کرشمہ دیکھئے کہ وہاں چاروں طرف مسلمانوں نے جا کر مکانات بنائے ہیں مگر مسجد وہاں کوئی نہیں، میری تمنا وہاں مسجد بنانے کی ہے، گورنمنٹ نے بھی وہاں "سندری کرن" کے نام سے کچھ بنایا ہے، مگر میں نے اس کو دیکھا نہیں۔ مولانا واضح رشید صاحب نے یہ منظر دکھ کر تعجب سے فرمایا اور بولے کہ تھولینڈی خوبصورت جگہ ہے۔ پھر ایک دن میں ان کو قصبہ کے دوسری طرف لے گیا، وہاں "مرزا کا تالاب" ہے، بہت بڑا ہے، مگر وہاں کوئی پانی میں نہیں گھستا، مشہور ہے کہ وہاں ایسی گھاس ہے جو انسان کو اپنی طرف گھسیٹ لیتی ہے اور انسان ڈوب جاتا ہے، وہ تالاب بھی خوبصورت ہے اور اس کے پاس سے ایک چوڑی نہر گذرتی ہے۔ پھر ایک دن مولانا واضح رشید ندوی کو تھولینڈی کی پہاڑی پر لے گیا، گاؤں سے ملحق ایک اونچا علاقہ ہے، پہاڑ کی طرح پھر وہ ڈھالو ہو کر کھیتوں کی طرف چلا گیا ہے، یہ علاقہ ایک عمدہ کالج بنانے کے لیے نہایت موزوں ہے۔ ان مناظر کو دیکھ کر مولانا واضح رشید صاحب بہت خوش ہوئے اور ایک ہفتہ تھولینڈی میں رہ گئے۔

مولانا واضح رشید ندویؒ کی محبت اور تعلق کی وجہ سے میں دو بار تکیہ میں جا کر ایک ایک ہفتہ قیام پذیر رہا، اس وقت تکیہ بہت غیر آباد تھا، وہاں چند مکانات تھے، موجودہ تکیہ کی رونق حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی عظمت سے مستعار ہے، مولانا عبدالسلام قدوائی فرمایا کرتے تھے کہ جب کوئی شخص حضرت علی میاں سے تکیہ جا کر ملتا تھا تو حضرت مولانا بہت خوش ہوتے تھے، اس لیے وہ ہر عید اور ہر بقرعید کے بعد دوسرے دن تکیہ تشریف لے جاتے تھے، میں موجود ہوتا تو میں بھی ساتھ ہو جاتا، کئی بار ان ملاقاتوں میں پورا پورا وقت حضرت مولانا علی میاںؒ کی خدمت میں گذر گیا۔

حضرت مولانا سید واضح رشید صاحب ندویؒ ساری زندگی درس وتدریس اور تصنیف وتالیف میں مشغول رہے، علم وفن سے بڑا ربط تھا، عربی واردو دونوں زبانوں میں آپ کی تصنیفات کا ایک بڑا ذخیرہ ہے، سیرت، تاریخ، عربی ادب اور علم وفن تمام موضوعات پر آپ نے اچھی روشنی ڈالی ہے۔

حضرت مولانا واضح صاحب دور طالب علمی سے موٹا چشمہ لگاتے تھے، سات یا آٹھ نمبر تو دورِ طالب علمی میں تھا، بعد میں نمبر بڑھتا رہا اور روشنی کم ہوتی گئی، مگر چلنے پھرنے میں دشواری نہ تھی، البتہ لکھنے پڑھنے میں دشواری تھی، اس میں مولانا محمد وثیق ندوی زید لطفہ تعاون کرتے تھے۔ ادھر مدت سے انہوں نے اردو لکھنا تقریباً بند کر دیا تھا، صرف عربی لکھتے تھے، "صور وأوضاع" کے نام سے "البعث الاسلامی" میں مضامین کا ایک سلسلہ شروع کیا اور اس میں مضامین لکھے، یہ یورپ اور امریکہ کی اسلام کے خلاف سازشوں اور ریشہ دوانیوں کی مکمل داستان ہے، اور ان صلیبی اور اینٹی اسلام چال بازیوں کا مکمل نقشہ ہے، جس کو حضرت مولانا واضح رشید نے بڑی عمیق نظر سے پیش کیا ہے اور اپنی دانشوری سے استنتاج کیا ہے، اس سلسلہ کو مجموعہ کی شکل میں شائع ہونا چاہیے، اور اس کا اردو ترجمہ بھی عام افادیت کے لیے شائع ہونا چاہیے۔ وہ ایک خاموش مفکر تھے، باتیں زیادہ نہیں کرتے تھے، بلکہ عمل کرتے تھے، وہ ایک عملی انسان تھے جو کام کرتے تھے، مکمل کرتے تھے۔

حضرت مولانا واضح صاحب الرائے تھے، وہ دانشور تھے، معاملات اور مشکلات میں بھی وہ بڑے دانش مندانہ مشورے دیتے تھے، عربوں نے کہا ہے کہ انسان تین قسم کے ہوتے ہیں؛ "رجل" ایک ایسا آدمی جو صاحب الرائے ہو، قائد ہو، اور اپنی فکر رکھتا ہو، اور اپنا زاویہ نظر رکھتا ہو، دوسری قسم ان انسانوں کی ہے جو

اپنا نظریہ تو نہیں رکھتا مگر دوسرے کی عمدہ تقلید کرتا ہو، عمدہ مقلد ہو، وہ ''نصف رجل'' آدھا انسان ہے، تیسری قسم وہ ہے جو نہ قائد ہو اور نہ مقلد ہو، وہ ''لا رجل'' کہلاتا ہے، وہ مرد نہیں ہے، پس حضرت مولانا واضح رشید اصل میں دانشور اور قائد تھے، بڑے عمدہ منتظم تھے، جس محکمہ کو سنبھالتے تھے اس کا عمدہ انتظام کرتے تھے۔

حضرت مولانا واضح رشید ندوی حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ کے حقیقی بھانجے تھے، یہاں یہ ملحوظ رہے کہ مولانا واضح کے دو ماموں تھے، ایک ماموں عمر میں بڑے تھے، حضرت علی میاںؒ سے ڈاکٹر سید عبد العلی حسنیؒ سے وہ مولانا سید عبد الحی کے پہلے محل سے تھے، پھر دوسرے محل سے دو لڑکیاں اور پیدا ہوئیں، محترمہ امۃ العزیز اور امۃ اللہ تسنیم عائشہ بی، حضرت مولانا محمد ثانی، حضرت مولانا محمد رابع ندوی مدظلہ اور حضرت مولانا واضح، حضرت مولانا سید عبد الحی کی بڑی صاحبزادی محترمہ سیدہ امۃ العزیز ان تینوں بھائیوں کی والدہ تھیں، اور حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی کی بڑی بہن تھیں، ڈاکٹر سید عبد العلی حسنیؒ کی پانچ بیٹیوں میں سے سب سے چھوٹی صاحبزادی سیدہ سکینہ سے حضرت مولانا واضح رشید ندوی کی شادی ہوئی، الحمد للہ مولانا محمد واضح رشید ندوی کے ایک لائق فائق صاحبزادے مولانا جعفر مسعود ندوی ہیں جو دار العلوم ندوۃ العلماء کے عالم و فاضل ہیں، اگرچہ مولانا واضح رشید کے صرف ایک صاحبزادے ہیں، مگر ماشاء اللہ مولانا جعفر مسعود ندوی کے تین بیٹے ہیں اور سب عالم و فاضل ہیں، رابطہ ادب اسلامی کے سیمینار علی گڑھ میں مولانا واضح صاحب ایک پوتے کو لے کر آئے تھے، ان سے میرا تعارف کرایا، بڑی خوشی ہوئی کہ اولاد میں تو ان کے صرف ایک بیٹا ہے، مگر ان تین پوتوں سے ان کے خاندان میں علم و فضل روشن رہے گا، جو اس بابرکت خاندان کی صدیوں سے خصوصیت رہی ہے۔

حضرت مولانا محمد رابع مدظلہ کی نظامت کے بعد مولانا محمد واضح اور مولانا محمد رابع دونوں مہمان خانہ میں قیام پذیر ہو گئے اور ایک کمرہ میں رہنے لگے اور دونوں ندوۃ العلماء کے اعلیٰ ترین عہدوں پر فائز تھے، اگر حضرت مولانا محمد رابع مدظلہ ناظم ندوۃ العلماء ہیں تو حضرت مولانا محمد واضح رشید صاحب جانشین شبلی و سلیمان تھے، یہ دونوں بھائی مہمان خانے میں رہ کر چوبیس گھنٹے دار العلوم ندوۃ العلماء کی خدمت میں مشغول رہے اور ان دونوں نے حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ کی کمی کو محسوس نہیں ہونے دیا اور پورے خلوص اور پوری جد و جہد سے امت اسلامیہ ہندیہ کی خدمت کی، اس وقت پوری امت اسلامیہ کی نگاہیں حضرت مولانا محمد رابع مدظلہ کی طرف ہیں، مگر کم لوگوں کو معلوم ہے کہ جس طرح حضرت علی میاںؒ مولانا محمد رابع سے مشورہ کرتے تھے، اسی طرح مولانا محمد واضح سے حضرت مولانا محمد رابع مدظلہ مشورہ لیتے تھے اور مولانا واضح صاحب مفکر اور دانشور تھے، اور وہ صاحب مشورہ تھے۔

اب میں سوچتا ہوں کہ ایسے عزیز عالم و فاضل بھائی کے اچانک اٹھ جانے سے حضرت مولانا محمد رابع مدظلہ پر کیا گذری ہوگی، یہ تو اجتماع قران السعدین تھا، جس سے ندوۃ العلماء کو نفع پہنچ رہا تھا، میر انیس کا ایک شعر برمحل ہے کہ ؎

یا رب جہاں میں بھائی سے بھائی جدا نہ ہو
دشمن بھی کوئی اس بلا میں مبتلا نہ ہو

تاریخ یورپ سے واقفیت

''موجودہ دور کے حالات، خاص طور سے عالم اسلام کو جو مسائل درپیش ہیں ان کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم یورپ یا مغرب کی تاریخ، قومی مزاج اور اس کے اور عالم اسلام کے درمیان اس طویل تاریخ میں جو راو بط رہے ہیں ان سے واقفیت حاصل کریں، سوائے تاتاری فتنہ کے مسلمانوں کا اصل ٹکراؤ مسیحی دنیا سے رہا ہے۔

اسلامی ملکوں میں جو انقلابات آتے رہے، اگر ان کی تحقیق کی جائے یا جو حوادث پیش آتے رہے اگر ان کی تہہ میں جایا جائے تو مغربی طاقتوں کا اس میں دخل اور تحریک کو تلاش کرنا مشکل نہیں۔

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

رخصت ہوئے جہان سے واضح رشید بھی

تجزیۂ فکر:- مولانا سید ہاشم نظام ندوی

رخصت ہوئے جہان سے واضح رشید بھی
علم و عمل سے بہرہ ور تھی ذات آپ کی

بخشی تھی رب نے آپ کو کیا نسبت بلند
دونوں طرف ہیں نسبتیں سادات سے جڑی

حاصل جہادِ حرف و قلم کا رہا شرف
تبلیغ دین میں رہا انداز دلبری

جودت کے تیرے ہوگئے قائل امام فن
کیا خوب تھی بھی آپ کی وہ علم پروری

تھی حسن طبع آپ کی، تھے سب کے خیرخواہ
مدنظر تھی آپ کے ہر اک کی بہتری

کم گو و کم سخن تھے وہ خوددار و بے غرض
چہرے سے آپ کے عیاں آثار بندگی

قدرت سے آپ کو ملا وہ ذہن نکتہ رس
فیصل تھا جس کا مشورہ تھی خوب رہبری

سلجھائی عقل نے تری مغرب کا فلسفہ
اسلامی فکر کے رہے وہ ترجمان بھی

ندوہ کے آپ کے ناظم تعلیم بھی رہے
زیبا تھا آپ کے لیے یہ تاج خسروی

وہ اہل دل تھے باصفا تقوی سے بہرہ ور
پیش نظر تھا آپ کے بھی اسوۂ نبی

شیریں بیانیوں کے اگر آپ کا ہو ذکر
جیسے وہ موتیوں کی یا پھولوں کی ہو لڑی

اوصاف میں رہے سدا اسلاف کی مثال
لاریب تھے وہ متقی اللہ کے ولی

ہر ہر قدم پہ کامراں ہر گام شاد تھے
بخشی تھی رب نے ہر طرح عزت و برتری

ضامن ہیں کامیابیاں ان کے لیے سدا
قسمت میں جن کو صحبت صالح بھی مل گئی

یوم جزا ملے گا اسے مرتبہ بلند
خدمت کی جس نے دین کی امت کی رہبری

فردوس کی ہوں منزلیں یارب اسے نصیب
جس نے فنا کی راہ میں تیری یہ زندگی

ہاشمؔ سے ہو سکے گا کہاں ان کا حق ادا
لکھے اگر وہ مدح میں واضح رشید کی

کارواں سے کیسے کیسے لوگ رخصت ہوگئے ❁ کچھ فرشتے چل رہے تھے جیسے انسانوں کے ساتھ

پیامِ عرفات کے فخر العلماء نمبر پر دلی مبارکباد

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام، لکھنؤ

Academy of Islamic Research & Publications
Nadwatul Ulama, Lucknow.

تفسیرِ ماجدی (جلد:۱-۷)	حضرت مولانا عبدالماجد دریابادیؒ	4000/-
تاریخ دعوت وعزیمت (جلد:۱-۹)	حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ	2800/-
نبیٔ رحمت (اردو)	//	400/-
کاروانِ ایمانِ عزیمت	//	100/-
میرِ کارواں	حضرت مولانا عبداللہ عباس ندویؒ	400/-
قرآن مجید انسانی زندگی کا رہبرِ کامل	حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	260/-
رہبرِ انسانیت	//	300/-
مکتوبات حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ (جلد:۱-۳)	مولانا سید حمزہ حسنی ندوی	500/-
سوانح مفکرِ اسلام	مولانا سید بلال عبدالحی ندوی	350/-
سوانح حضرت مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ	مولانا محمود حسن حسنی ندوی	350/-
سیرت داعیٔ اسلام	//	350/-
تاریخ اصلاح وتربیت	//	400/-
تذکرہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ	جناب انیس چشتی صاحب	100/-
کل میزان		**10310/-**
خصوصی رعایت وڈاک خرچ کے بعد صرف		**5000/-**

مجلس تحقیقات ونشریات اسلام سے حاصل کرسکتے ہیں۔

Academy of Islamic Research & Publications
Nadwatul Ulama, Lucknow.
Ph. : 0522-2741539, Mob. : 9889378176, E-mail : info@airp.org.in
A/c. No. : 10863759700, State Bank of India
Main Branch Lucknow. IFS Code: SBIN0000125

پیامِ عرفات کے فخر العلماء نمبر پر دلی مبارکباد

مطبوعات دار الرشید، لکھنؤ

کتاب	مصنف	قیمت
رجال الفكر والدعوة في الإسلام (اول)	مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی	۲۵۰
قرآن مجید: انسانی زندگی کا رہبر کامل	مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۲۶۰
رہبر انسانیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم (اردو)	مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۳۰۰
رہبر انسانیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم (ہندی)	مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۲۵۰
رہبر انسانیت محمد صلی اللہ علیہ وسلم (انگریزی)	مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۲۵۰
مسلم سماج: ذمہ داریاں اور تقاضے	مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی	۱۴۰
أعلام الأدب العربي في العصر الحديث	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی	۳۰۰
أدب أهل القلوب	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی	۱۸۰
الشيخ أبوالحسن قائدا حكيما	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی	۱۸۰
لحات من السيرة النبوية والأدب النبوي	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی	۱۱۰
الدعوة الاسلامية ومناهجها في الهند	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی	۵۰
ادب الصحوة الاسلامية	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی	۵۰
مختصر تاريخ الثقافة الاسلامية	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی	۱۵۰
مصادر الادب العربي	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی	۱۵۰
محسن انسانیت	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی	۱۲۰
مسئلہ فلسطین، سامراج اور عالم اسلام	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی	۲۵
نظام تعلیم وتربیت: اندیشے مسائل اور حل	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی	۱۰۰
دعوت فکر ونظر	مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی	۱۵۰
اسلام مکمل نظام زندگی حدیث نبوی کی روشنی میں	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی	۴۰
نقوش فکر وادب	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی	۱۴۰
مولانا سید ابوالحسن علی ندوی فکر عمل کے آئینہ میں	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی	۱۵۰
ابوالحسن علی الحسنی الندوی منابع فکرہ ومنہجہ	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی	۱۰۰
الرحلات الحجازية ومناهج كتابها في العصر الحديث	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی	۸۰
انسانی حقوق قرآن، حدیث اور سیرت کی روشنی میں	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی	۱۲۰
موجودہ تہذیب وتمدن اور عالم اسلام	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی	۱۸۰
صحابہ کرام کی مثالی زندگی	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی	۴۰
اسوہ نبوی شمائل کی روشنی میں	مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی	۴۰

DAR AL-RASHEED
164/106 Khatoon Manzil, Haider Mirza Road, Golaganj, Lucknow

یادوں کے آئینے میں

جناب انیس چشتی (رکن مجلس انتظامیہ، ندوۃ العلماء۔لکھنؤ)

آج بدھ ۱۶؍جنوری ۲۰۱۹ء صبح سے شام ہونے کو آئی۔ نہ ٹیلیفون کا سلسلہ رکتا ہے، نہ پیغامات آنے بند ہوتے ہیں۔ یہ سارے سلسلے عربی زبان و ادب اور لفظ و معانی کے ترجمان، حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ کے سانحۂ ارتحال کے تعلق سے ہیں۔ ابھی پرسوں کی ہی بات ہے ۱۴؍جنوری کو میں نے ٹیلیفون پر مذاقاً کہا تھا کہ ”ہم باوضو ہو کر ممبئی کے پلیٹ فارم پر آپ کے استقبال کے لیے دست بستہ کھڑے ہیں؛ بہ امید آں کہ روزے بہ شکار خواہی آمد“ بہت دیر تک پُرلطف گفتگو ہوتی رہی۔ پوچھا کہ ”آپ کے ہاں ٹھنڈ کا کیا عالم ہے؟“ کہا گیا کہ ”کمرے میں انگیٹھی لگا کر بیٹھا ہوں“ میرے جملوں کو رابع صاحب کو مخاطب کر کے بلند آواز سے دہراتے رہے اور میری اس بات پر مسرور اور مطمئن ہوئے کہ ”اِس وقت ہمارے نزدیک آپ کی صحت مقدم ہے۔ کوئی بات نہیں، سفر تو اِن شاء اللہ ہوتے رہیں گے۔“ فون رابع صاحب تک منتقل ہونے تک میرا یہ جملہ دہراتے رہے۔ اصل میں بھائی اسمٰعیل بھولا نے میرے مشورے سے سفر کا یہ زائچہ بنایا تھا کہ ٹرین میں ٹھنڈے پانی سے بچنے کے لیے تھرماس میں اُبلتا ہوا پانی اور ایک بالٹی مع مگ کے، سامان کے ساتھ رکھ دی جائے اور ہر اسٹیشن پر تازہ دم آدمی گرم پانی فراہم کرتا رہے۔

خلاؤں سے آواز:

مجھے اس بات کا علم نہیں تھا کہ اُن سے ہونے والی یہ گفتگو عالم فانی میں آخری گفتگو قرار پائے گی۔ یہ گفتگو اُن کے وصال سے صرف چھتیس گھنٹے پہلے ہوئی تھی۔ اس سے ایک دو روز پہلے بھی اُن سے بات ہوئی تھی۔ پتہ نہیں اِس دوران اُن لوگوں نے ٹیلی فون پر بات کی یا نہیں لیکن دورانِ گفتگو ایسا لگتا تھا کہ وہ فضاؤں میں بلند کسی اور مقام سے بول رہے ہیں۔ اُن کی آواز خلاؤں سے آتی ہوئی محسوس ہوتی تھی۔ میں دل ہی دِل میں یہ تصوّر کرتا رہا کہ مولاناؒ ریڈیو اسٹیشن والا حربہ مجھ پر آزما رہے ہیں، لیکن اب احساس ہوتا ہے کہ وہ بلند مقام حاصل کر چکے تھے۔ جب انھوں نے جتا جتا کر یہ کہا کہ ”ارے! ہم واضح بول رہے ہیں۔ آپ کو کیا ہو گیا ہے؟ کیا آپ ہماری آواز نہیں پہچان رہے ہیں؟“ مولاناؒ کی گفتگو میں مایوسی اور قنوطیت نام کو نہیں تھی، لیکن بار بار اس بات کا اِدراک ہوتا تھا کہ اب وہ دنیا سے اُوب چکے ہیں اور اپنے آخری مسکن کی جانب وہ جلد از جلد لوٹنا چاہتے ہیں۔ اِس دوران وہ اس قدر کھل کر اور بے تکلف ہو کر بات کرتے تھے کہ اُن سے بولتے رہنے کو جی چاہتا تھا۔

مثالی بے نفسی:

مولانا واضح صاحبؒ جیسا بے نفس انسان میں نے زندگی میں نہیں دیکھا۔ وہ سچ مچ میں بے نفس تھے۔ اُن کے مقاصد جلیل، لیکن امیدیں قلیل تھیں۔ لیکن اِس بے نفسی کے عالم میں بھی انھیں اپنی عزتِ نفس کا پورا خیال رہتا تھا۔ کبھی اپنے اِدراک کی سطح سے نیچے اتر کر وہ کوئی سمجھوتا کرنا نہیں چاہتے تھے۔ پھر چاہے وہ اسلامی اداروں کی مالیات کا معاملہ ہو یا نصاب کا یا طریقۂ تدریس اور انصرام کا، مولاناؒ اس بات کی پرواہ کیے بغیر کہ لوگ کیا کہیں گے، اپنی بات نہایت واضح اور بے باک انداز میں سماج کے سامنے رکھ دیا کرتے تھے۔

ایک دن مجھ سے فرمانے لگے، ”آپ کے نصاب پر بڑی تنقیدیں ہو رہی ہیں۔“ میں دم بخود کہ الٰہی یہ ماجرا کیا ہے؟ ”مولانا! کون سا نصاب؟ کیسی تنقیدیں؟ کون کر رہا ہے تنقیدیں؟“

”ارے وہی فارغین مدارس والا نصاب۔ لوگوں کو آپ کی سوچ تک پہنچنے میں ابھی دیر لگے گی۔ خیر! چھوڑیے ان باتوں کو۔ آپ اپنا کام کرتے رہیے۔“

خاندانِ حسنی میں وہ بہت اہم فرد تھے۔ ندوۃ العلماء کی تعلیمی سرپرستی، "الرائد" "البعث الاسلامی" اور "تعمیر حیات" جیسے آفاقی پرچوں کی صحافتی بالیدگی میں ان کے صحافیانہ کردار سے کون انکار کر سکتا ہے۔ میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا ہے کہ عرب اور اسلامی ملکوں کے نوجوانوں کو اُن کی تحریروں کا انتظار رہتا تھا۔ ۱۹۹۱ء میں لیے گئے ایک سروے کے مطابق بھارت میں ہر سال تقریباً دو ہزار دو سو کروڑ روپے صرف ترجمہ کاری پر خرچ ہوتے ہیں۔ مولاناؒ کی عربی دانی اور انگریزی فہم بین الاقوامی معیار کی تھی۔ مولاناؒ چاہتے تو اپنے آپ کو اِن زبانوں کے عوض سونے میں تلوا سکتے تھے۔ لیکن انھوں نے زبان کے صلے میں کبھی ضروریاتِ زندگی فراہم کرنے کا کام نہیں لیا۔ ندوۃ العلماء کے مہمان خانے کے ایک کونے میں لگی چھوٹی سی چارپائی اور اپنے دفتر میں لگی ایک کرسی اُن کا کل سرمایۂ حیات تھی۔ وہیں پر طلباء، سُفَراء، بین الاقوامی وفود، وزراء یہاں تک کہ بھارت کے نائب صدر حامد انصاری بھی اُن سے نیاز حاصل کرتے اور اپنی خوش بختی پر ناز کرتے کہ انھوں نے ایک زندہ ولی کو دیکھ لیا ہے۔

جب تک اُن کے ماموں مفکرِ اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ حیات رہے، لوگوں کو مولاناؒ کی طرف رجوع کروانا اُن کا معمول بنا رہا۔ ماموں کے وصال کے بعد ان کی پوری توجہ اپنے برادرِ بزرگ مولانا سید رابع حسنی کی طرف لگی رہی۔ مولانا واضح صاحب سے بے تکلفی میرا معمول رہا ہے۔ ہم باہر کے بڑے کمرے میں اُن سے گفتگو کر رہے ہوتے اور رابع صاحب اندر ہوتے تو بار بار ہم سے کہتے کہ "جائیے اُن کے پاس بیٹھیے۔" مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی حیات میں بھی اور بعد میں بھی انھوں نے اپنے آپ کو ہزار پردوں میں چھُپائے رکھا، ورنہ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے کہ دونوں بزرگوں کے مراسم سے لوگوں نے بڑے بڑے عہدے حاصل کر لیے، کروڑ پتی نہیں بلکہ اربوں پتی بن گئے، تاہم پورے وثوق کے ساتھ یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ سرکاری دفتروں میں مولاناؒ کے نام ایک سائیکل کی بھی رجسٹری نہیں ملے گی۔

کوئی اُن کی خدمت کے لیے آگے بڑھتا تو وہ اُسے برابر والی چارپائی پر اپنے بڑے بھائی کی طرف بڑھا دیتے۔ کوئی انھیں مقوی خوراک اور حیات بخش دوا فراہم کرتا تو وہ اسے بھی اپنے ہم جلیسوں اور رفقاء کی طرف بڑھا دیتے۔ انھوں نے اپنے وجود کو ملت کے بڑوں اور ہم جیسے چھوٹوں کی فلاح کے لیے وقف کر رکھا تھا۔

ایک متحرک فلسفی:

بڑے کاموں کو سَر کرنے کے لیے نظریہ سازی کی ضرورت پیش آتی ہے۔ جب نظریہ میسر آجاتا ہے تو اس کی مدد سے کام اور مسئلے کی جڑ میں فلسفے کے سہارے اترنا پڑتا ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ مولاناؒ پیدائشی فلسفی اور گہری سوچ رکھنے والے انسان تھے۔ اُن کا اپنا فلسفۂ تعلیم و تدریس، فلسفۂ اِشکال و معلومات، فلسفۂ ادب و تاریخ، فلسفۂ سیاست و صحافت اور فلسفۂ قانون و حکمرانی تھا۔ وہ کسی خبر اور نظریے کو اس وقت تک قبول نہیں کرتے تھے جب تک دو یا دو سے زیادہ جگہوں سے اس کی تائید و حمایت حاصل نہ ہو جاتی۔

جہاں تک عصری فلسفے کا تعلق ہے، انھوں نے مفکرِ اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے فکر و فلسفے کو گھول کر پی لیا تھا۔ بلکہ یوں کہنا زیادہ صحیح ہوگا کہ انھوں نے اِس فلسفے کو اپنی زندگی میں برتا تھا۔ انھوں نے اپنی زندگی میں اردو، عربی اور انگریزی ادب اور اس کے فلسفے کو کھنگال ڈالا تھا۔ انھوں نے ابن رُشد اور فارابی کو اس کی اور بجنل زبان میں پڑھا تھا۔ اسی طرح غزالیؒ اور ابن تیمیہؒ کے رشحات اُن کے درس و تدریس کی نعمتیں تھیں۔ اخوان المسلمون اور اسی طرح کی دوسری تحریکیں اور اُن کے بانیوں کے حالاتِ زندگی ان کی نوکِ زبان پر تھے۔ اِن تمام علمی و فکری نعمتوں کے ہوتے ہوئے انھوں نے مفکرِ اسلام کے فلسفۂ حیات اور اسلوبِ دعوت کو قندِ مکرر کے طور پر چکھا تھا۔ یہ فلسفہ ان کی تحریروں اور تقریروں سے ترشح پذیر ہے۔ اِس میں نہ افراط ہے اور نہ تفریط۔ ایک میانہ روی ہے جو زندگی کو لایعنی خس و خاشاک سے پاک رکھ کر گویا۔

کانٹوں میں اُلجھ کر زندگی کرنے کی خو کر لے
والا پیغام سناتی ہے۔

زندگی کی آخری تقریر:

۲۰ر دسمبر ۲۰۱۸ء کو میری ہلکی پھلکی تصنیف "تذکرہ سید ابوالحسن

علی ندوی ؒ'' کی رسمِ اجراء تھی۔ اس پروگرام کا علم خود مجھے تقریباً نصف گھنٹے پہلے ہوا تھا۔ میں اُس وقت مولانا واضح صاحب ؒ کے دفتر میں ہی موجود تھا۔ جب ہم چلنے کو ہوئے تو انھوں نے نہایت واضح الفاظ میں جتا جتا کر کہا کہ ''دیکھیے ہم تقریر بالکل نہیں کریں گے۔ ہمارا نام نہیں پکارنا۔'' ہم نے کہا کہ ''نہیں آپ تقریر بالکل نہیں کریں گے، صرف بات چیت کریں گے۔'' اور پھر یہی ہوا کہ ان کا نام ندر الحفیظ صاحب نے تقریر کے لیے پکار ہی لیا۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ اُن کی زندگی کی آخری تقریر ہے۔ مولانا ؒ دھیما اور کم بولنے والوں میں سے تھے، لیکن اُس دِن وہ گرجے، ان کی آواز میں بلا کا جوش اور الفاظ میں پہاڑی آبشار کا بہاؤ تھا۔ وہ بغیر رُکے نفسِ مضمون کی طرف پہنچے اور ندوہ سے ہوتے ہوئے شبلی اسلوب کا احاطہ کیا اور روم و یونان کے فلسفوں کا ذکر کر کے مغرب کی ریشہ دوانیوں اور جھوٹی تاریخ کی مجسمہ سازی کو بے نقاب کیا۔ انھوں نے بتایا کہ مغرب نے کس طرح عربوں کے فلاسفہ کو ترجمہ کر کے اپنے یافت بنا کر پیش کیا ہے اور اس میں بھی ترجمہ کاری کی لاتعداد غلطیاں کر بیٹھے ہیں۔ پھر اس کے بعد مفکرِ اسلام کی فکر کو بیان کرتے ہوئے بتایا کہ کس طرح انھوں نے اخوان المسلمون کو متنبہ کیا تھا کہ نبوی طریقہ اختیار کیجیے۔ مولانا ؒ نے جتایا کہ اگر اخوان اس وقت یہ طریقہ اختیار کر لیتے تو آج یہ حادثہ پیش نہ آتا جو اخوانیوں کے ساتھ ہو رہا ہے۔

اِس تقریر میں مولانا ؒ نے دم بخود مجمع کے سامنے اپنا دل کھول کر رکھ دیا اور تحریک پیامِ انسانیت اور اس کے کارپردازان کا خوب خوب ذکر کیا۔ چالیس منٹ تک برپا ہونے والے اس جلسے میں میں نے ایسی نورانیت اور سکینت دیکھی جو اِس سے پہلے کبھی دیکھنے میں نہیں آئی تھی۔ جلسہ ختم ہونے کے بعد جب ہم لوٹے ہیں تو مولانا رابع صاحب نے سب سے پہلے یہ کہا کہ ''کتاب کے اگلے ایڈیشن میں واضح کی یہ تقریر دیباچے کے طور پر شامل کی جانی چاہیے۔''

بدیہی صفات:

مولانا کو اللہ نے زبردست قوتِ حافظہ اور قوت مشاہدہ عطا کی تھی۔ نجی مجلسوں میں پرانے واقعات کو جو ہمارے اور ان کے درمیان مشترکہ طور پر وارد ہوئے تھے، اس طرح بیان کرتے کہ پورا منظر آنکھوں میں گھوم جاتا۔ مجھے ان کے ساتھ ملک اور بیرونِ ملک کے متعدد اسفار میں ہمراہی کا موقع ملا تھا۔ ترکی، حجاز، مصر میں راقم کو ان کی ہمرکابی کا شرف حاصل ہے۔ ایک مرتبہ کسی سفر میں جہاز لیٹ ہو جانے کی وجہ سے کویت میں ہمیں ہوٹل الاٹ کیا گیا تھا۔ اتفاقاً مجھے بھی ان کے کمرے کا ساتھی بننا پڑا۔ بس پھر کیا تھا، انواع و اقسام کی نعمتیں کھاتے اور باتیں کرتے۔ پتہ چلا کہ رات کا بڑا حصہ باتوں میں بسر ہو گیا۔

آخری ملاقات کے دنوں میں ایک بھولی بسری یاد کا بار بار ذکر کرتے رہے۔ فرمانے لگے: ''چشتی صاحب! آپ کو یاد ہے وہ واقعہ جب کسی سفر سے واپسی کے وقت ممبئی ایئر پورٹ پر امیگریشن کے دوران حضرت کو تین گھنٹوں تک رکنا پڑا تھا اور آپ نے سارے اخبارات میں اپنا بیان شائع کروایا تھا کہ یہ سسٹم کی کیسی ناکامی ہے کہ بوڑھے مسافروں کے ساتھ ایسا برتاؤ کیا جائے جیسے کوئی اپنے دشمنوں کے ساتھ کرتا ہے۔ نہ تھکے ہارے مسافروں کے بیٹھنے کا انتظام ہے اور نہ ہی استنجا خانے کا کوئی نظم۔'' میں اس واقعے کو بھول چکا تھا لیکن واضح صاحب ؒ نے مجھے یاد دلایا۔ اور واقعی اس خبر کا حکومت نے نوٹس لیا تھا۔ آج آپ جو منٹوں میں امیگریشن اور سیکنڈوں میں کسٹم کلیرنس دیکھ رہے ہیں، میں نہیں کہتا کہ یہ اسی خبر کا اثر ہو، لیکن اُس کا بھی اثر ہو سکتا ہے۔ واضح صاحب نے بتایا کہ ''حضرت ؒ اس تعلق سے آپ کا بہت ذکر کرتے تھے اور بہت دعائیں دیتے تھے۔''

واضح صاحب ؒ کے تعلق سے بے شمار یادیں اور لاتعداد باتیں ہیں، اس مختصر ترین مضمون میں، ظاہر ہے ہر بات کا احاطہ نہیں ہو سکتا۔ اپنی گوناگوں یادوں کے درمیان یہ بات ضرور دل کو کچوکے دیتی رہے گی کہ اب ہم اپنی وہ طفلانہ باتیں اور سوالات بے تکلفی کے ساتھ کس کے ساتھ شیئر کر سکیں گے اور وہ مشورے کس سے طلب کر سکیں گے جن کے استفسار میں اور بطورِ خاص رابع صاحب کے احترام اور اکرام کی وجہ سے ان سے دریافت کرنے میں حجاب مانع رہتا ہے۔ اللہ کرے یہ تحریر راقم کے حق میں باعثِ نجات ثابت ہو اور ہم بھی اُس کشتیٔ نوحؑ میں سوار ہو جائیں، جس میں بیٹھ کر واضح صاحب ؒ جا چکے۔

أعلی اللہ مقامہ

جناب حفیظ نعمانی (لکھنؤ)

علی کا گھر بھی کیا گھر ہے کہ اس کے گھر کا ہر بچہ
جہاں پیدا ہوا شیر خدا معلوم ہوتا ہے

۱۹۵۴ء میں جب والد ماجد بریلی سے ہمیں لے کر ندوہ میں داخل کرانے کے لیے آئے تو ندوہ میں ہی مولانا علی میاں کے ساتھ مہمان خانہ میں قیام ہوا، اس وقت دار العلوم ندوہ کے مہتمم مولانا محمد عمران خان صاحب تھے، اور ناظم مولانا علی میاں کے بڑے بھائی ڈاکٹر سید عبد العلی تھے، ہمارا داخلہ عربی کے تیسرے درجہ میں ہوا، اور شبلی ہاسٹل میں رہنے کے لیے کمرہ ملا، درجہ میں پہلے دن آئے تو ان لڑکوں سے تعارف ہوا جو شہر میں رہتے تھے، اور ان میں ہی واضح رشید بھی تھے جو بعد میں معلوم ہوا کہ وہ مولانا علی میاں کے بھانجہ ہیں اور مولوی رابع صاحب کے (جو اپنے ماموں جان کے ساتھ بریلی آئے تھے) ان کے چھوٹے بھائی ہیں، دو سال ہم دونوں نے ساتھ پڑھا، وہ جتنے سنجیدہ اب تھے، اتنے ہی کم سخن، کم گو اور سنجیدہ ان دو برسوں میں رہے، ہمارے ساتھ ٹوٹ کر محبت کرتے اور اسباق میں مدد کرنے کے باوجود ان کی سنجیدگی میں فرق نہیں آیا، ان کے بڑے بھائیوں میں اس وقت مولانا محمد ثانی اور مولانا محمد رابع دونوں تھے، اور کوئی اتنا خاموش نہیں تھا، دو سال ساتھ رہنے کے بعد ہم دیوبند چلے گئے اور وہ ندوہ میں ہی پڑھتے رہے، اس کے بعد جب رمضان کی چھٹی میں ہم آتے تھے تو وہ رائے بریلی جا چکے ہوتے تھے، اس طرح کئی برس ایسے گذرے کہ کہیں کہیں سامنا ہو گیا، پھر ہماری بھی عملی زندگی شروع ہو گئی، اور مولوی واضح کے بارے میں معلوم ہوا کہ وہ دہلی آل انڈیا ریڈیو کے عربی شعبہ سے وابستہ ہو گئے ہیں، یہ معلوم ہو چکا تھا کہ دہلی میں لال کنواں پر وہ اپنے عزیز کے یہاں مقیم ہیں، ایک دفعہ دہلی میں ان کے گھر کے قریب ہی جانا ہوا تو ملنے کے لیے چلے گئے، گھر کے اوپر کے حصہ میں قیام تھا، وہاں گئے تو دروازہ پر کالے رنگ کی چمچماتی ایمبیسڈر گاڑی کھڑی تھی، اوپر گئے تو مردانہ کمرے میں بلا لیے گئے، چند منٹ کے بعد شیروانی پہنے واضح میاں نکلے اور دو منٹ کے بعد معذرت کی کہ میں ریڈیو اسٹیشن جا رہا ہوں، آپ دہلی میں ہیں تو دوپہر کے بعد چاہے جس دن آجائیں، ظاہر ہے وہ کسی بڑے عہدہ پر تھے جو ان کو لانے اور پہنچانے کے لیے گاڑی آتی تھی، کسی نے بتایا تھا کہ وہ پندرہ برس یا زیادہ وہاں رہے اور پروگراموں کی نگرانی کرتے رہے۔

پھر اچانک معلوم ہوا کہ وہ تعلق ختم کر کے ندوہ میں آگئے، تحقیق کی تو پتہ چلا کہ شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا صاحبؒ نے مولانا علی میاںؒ سے فرمایا کہ اس خاندان کے بچوں کو سرکاری نوکری نہیں زیب دیتی، اور مولوی واضح ہزاروں روپے کی ملازمت پر لات مار کر ندوہ کے سیکڑوں میں گزر بسر کرنے لگے، شاید یہ بات غلط نہ ہوگی کہ وہ اپنے خاندان میں علمی اعتبار سے سب سے فائق تھے، وہ سر سے پاؤں تک صرف علم تھے، یہ ان کی کم سخنی اور کم گوئی تھی کہ ملک کے ان معاملات میں، جن میں مٹھی بھر علم والے بھی بولنا ضروری سمجھتے ہیں وہ خاموش رہتے تھے، کبھی کبھی سہارا میں مضمون لکھ دیتے تھے، ان کے والد ماجد عبد الرشید صاحب بولنے سے معذور تھے، اس کا اثر نہ مولانا ثانی میں آیا، نہ مولانا رابع میں، سب سے چھوٹے مولوی واضح شاید اسی اثر سے متاثر تھے، وہ آخر میں ناظم تعلیمات بنا دیے گئے تھے، جس کے لیے ان سے زیادہ موزوں کوئی نہیں تھا، وہ انتہائی کامیاب استاد تھے اور جس نے ان سے پڑھا وہ ان کا عاشق ہو گیا، فطرت کے اعتبار سے وہ فرشتہ تھے اور محفوظ عن الخطا تھے، یہ ان کی ولایت ہی تھی کہ انہیں اس دنیا سے اس دنیا میں جانے کے لیے نرسنگ ہوم کی سیڑھیاں چڑھنا نہیں پڑیں، اور نہ اپنی انتہائی حلال کمائی کا کوئی روپیہ ڈاکٹر کو دینا پڑا، مجھے واضح سے للہی محبت تھی، وہ جب ملتے تھے تو یہی محسوس ہوتا تھا کہ کسی فرشتہ سے مل رہے ہیں، دعا ہے کہ وہ شیخ الحدیث مولانا زکریا کے پڑوس کے محل میں ملیں۔ آمین

خاطراتِ شیریں

مولانا مفتی محمد قاسم قاسمی (دارالعلوم زاہدان-ایران)

دارالعلوم کراچی کا طالب علم تھا، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ کی تصنیفات و مقالات سے شدید دلچسپی، عشق و محبت اور والہانہ تعلق پیدا ہوگیا تھا۔ اسی لیے دارالعلوم ندوۃ العلماء سے آنے والے رسالوں اور مجلات کے انتظار میں رہتا تھا؛ "تعمیرِ حیات" "الرائد" اور "البعث" ہمیشہ زیرِ مطالعہ رہتے تھے۔ حضرت والا مفکرِ اسلام کے مضامین بڑے شوق سے پڑھتا ہی تھا، اسی اثنا میں مولانا سید محمد واضحؒ کے قلم اور مضامین سے بھی تعارف ہوگیا۔ جب یہ معلوم ہوا کہ موصوف حضرت مولانا سید ابوالحسنؒ کے برخوردار بھانجے اور تربیت یافتہ ہیں، مزید دلچسپی پیدا ہوگئی اور ربط و تعلق کی رسی مضبوط ہوتی چلی گئی۔ خاص طور پر حالاتِ حاضرہ کے بارے میں مولانا سید محمد واضحؒ کے "صور و اوضاع" کے عنوان سے بے لاگ تجزیے اور تبصرے غور طلب اور قابل دید تھے۔

۱۴۰۷ ہجری میں جب پہلی بار حضرت مولانا سید ابوالحسنؒ کی زیارت کے لیے ہندوستان کا سفر ہوا، حضرتؒ کی مجلسِ پرنور میں مولانا سید محمد رابع دامت برکاتہم اور مولانا سید محمد واضحؒ سے ملاقات ہوئی۔ اس سفر میں دونوں حضرات کی خصوصی توجہات سے سرفراز ہوا۔

راقم نے حضرت مولانا سید ابوالحسن سے عرض کیا کہ ہماری تعلیم قدیم نہج پر ہوتی ہے، جدید عربی میں مہارت پیدا کرنے کا بہتر طریقہ کیا ہے؟ حضرت نے فرمایا کہ اس کے لیے عربی رسائل اور مجلات کا مطالعہ بہت ضروری اور کارگر ہے۔ پھر فرمایا یہاں "الرائد" کے دفتر میں کافی رسالے آتے ہیں، انہیں ضرور دیکھ لیں۔ بندہ "الرائد" کے دفتر میں حاضر ہوا جہاں مولانا سید محمد واضح سے ملاقات ہوئی۔ بہت ہی محبت و عنایت سے نوازا اور عربی مجلات و رسائل کا تعارف کرایا۔ آپؒ نے لکھنے، مطالعہ کرنے اور ذوق پیدا کرنے کے سلسلے میں بہت اہم ہدایات اور نکتے بیان فرمائے۔ ان کا یہ عجیب نکتہ آج بھی یاد آرہا ہے: صرف مطالعہ اور لکھنا کافی نہیں، جب تک عشق اور تڑپ نہ ہو، سامنے اہم مقصد نہ ہو، لکھنے میں روح اور جان پیدا نہیں ہوتی۔ پھر حضرت مولانا سید ابوالحسن رحمہ اللہ کے سوز و گداز اور تڑپ سے بھری تحاریر کی مثال پیش کی۔

اسی ملاقات میں مولانا سید محمد واضحؒ نے مجھے تجویز دی کہ اپنے یہاں عربی کا ماحول بنائیں، طلبہ میں ذوق پیدا کریں، خود بھی لکھیں اور اپنے مضامین کو روزنامچوں میں چھپوا کر دیواروں پر چسپاں کردیں۔ مجھے یاد ہے کہ اسی سال ہندوستان سے واپس ہوتے ہی دارالعلوم زاہدان میں عربی لکھنے لکھانے کی سرگرمیاں شروع ہوگئیں اور الحمدللہ یہ مبارک سلسلہ مزید قوت و ترقی کے ساتھ جاری ہے، بلکہ بہت سارے مدارس کے لیے ایک مثال قائم ہے۔

جب مولانا سید ابوالحسن ندوی رحمہ اللہ کے وصال کا سانحہ جانکاہ پیش آیا، مولانا سید محمد رابع مدظلہ اور حضرت مولانا سید محمد واضحؒ کے زندہ اور جاندار مضامین اور تبصروں ہی سے پیاس بجھاتے رہے۔ حضرت رحمہ اللہ کے انتقال کے بعد جب ہمارا لکھنؤ جانا ہوا، ہم لوگ بڑے پریشان تھے کہ پتہ نہیں حضرتؒ کے بعد وہاں کیا صورت حال ہوگی۔ لیکن جب دونوں عظیم اور باہمت بھائیوں کی زیارت نصیب ہوئی، دو وجہ سے ہماری خوشی اور مسرت کی انتہا نہ رہی؛ ایک یہ کہ ہمارے حضرتؒ کو اللہ تعالی نے صحیح اور قابل جانشین عطا فرمایا ہے۔ دوسری وجہ یہ تھی کہ ماشاءاللہ سید برادران ایک ہی راہ، سوچ، مشن اور جہت پر چلتے ہیں اور بخوبی حضرتؒ کی خالی جگہ سنبھالے ہوئے ہیں۔ آج کے مادیت زدہ ماحول اور گوناگوں مصروفیتوں کے زمانے میں اس طرح ساتھ ہونا، ساتھ رہنا، ساتھ سوچنا اور ساتھ کھانا اگر عنقا نہیں، کمیاب تو ضرور ہے۔

جب حضرت واضح کے انتقال پرملال کی خبر ملی، بے اختیار

متمم بن نویرہ یربوعی کے اشعار یاد آگئے جن کو اُم المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے اپنے بھائی عبدالرحمن کے انتقال کے بعد پڑھی تھیں:

فلمَّا تَفَرَّقْنَا كأنِّي و مَالِكاً
لِطُولِ اجْتِماعٍ لم نَبِتْ لَيلَةً مَعَا
وكُنَّا كَنَدْمَانَيْ جَذِيمةَ حِقْبَةً
مِنَ الدَّهْرِ حَتَّى قِيلَ لَنْ يَتَصَدَّعَا

جب یہ اشعار پڑھ رہا ہوں، بے ساختہ حضرت مولانا سید محمد رابع مدظلہ کا چہرہ ذہن میں آتا ہے؛ اللہ ہی بہتر جانتا ہے اپنے پیارے بھائی کے فراق میں ان پر کیا گزر رہا ہوگا۔ مگر اللہ تعالی کی ذات عالی سے یہی امید کرتے ہیں کہ ضرور حضرت والا کو رضا بالقضا کے عظیم مقام سے نوازا ہوگا۔

حضرت مولانا سید محمد واضح سے ہماری آخری ملاقات دو سال پہلے رائے بریلی میں ہوئی جب بندہ اور عزیزم مفتی عبدالقادر عارفی نے وہاں حاضری دی۔ دونوں بھائیوں کی مجالس سے اور ان کی بے پناہ محبتوں اور شفقتوں سے لطف اندوز اور محظوظ ہوتے رہے۔ اگرچہ مولانا سید محمد واضح کم گو تھے اور اکثر خاموش ہی رہتے تھے، لیکن جب بات کرتے تو ان کے مختصر جملے پُر اثر ہوتے اور دل پر نقش ہوتے تھے۔ رائے بریلی کی ملاقات میں فرمایا: آئندہ آپ سے رابطہ رہے گا۔ کیا معلوم تھا کہ اس فانی دنیا میں یہ ہماری ان سے آخری ملاقات ہوگی۔

دل سے دعا ہے اللہ تعالی ان کے درجات بلند فرمائے اور ان کے آثار جلیلہ و جمیلہ سے امت کو زیادہ سے زیادہ نفع پہنچائے اور ان کی تمام نیک تمناؤں کو جامہ عمل پہنائے۔ آمین!

مغربی میڈیا کی اسلام دشمنی

”مغربی میڈیا کا یہ ہمیشہ کا رویہ رہا ہے کہ اس نے مسلمانوں کی نمائندہ شخصیات کو مجروح کرنے کی کوشش کی اور اسلامی تاریخ کو مسخ کرنے کا کام کیا، اور اس نے کبھی اس کے نتائج پر غور نہیں کیا، نہ صحیح غلط کی اس نے تحقیق کی، نہ صحافت کے اصول وشرائط کا پاس رکھا، بلکہ ایسی خبروں کو مزید مرچ مسالہ لگا کر اولین صفحات پر شائع کیا۔

مغربی میڈیا کی جانب داری اور اس کی اسلام دشمنی اس وقت کھل کر سامنے آجاتی ہے جب کوئی اسلامی شخصیت کسی غلط رجحان کے خلاف یا سماج میں پھیلی بے حیائی کے خلاف اپنی رائے کا اظہار کرتی ہے، اور اس سے نبٹنے کا طریقہ بھی بتلاتی ہے، میڈیا اسے عوام کے سامنے ایک منفی عنصر کی طرح پیش کرتا ہے، اس کے خلاف محاذ قائم کرتا ہے، اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے ریڈیو اور ٹیلی ویژن کے ذریعہ یہ موضوع عالمی موضوع بنا دیا جاتا ہے، بلکہ یہ موضوع ایک فیصلہ کن موضوع قرار دے دیا جاتا ہے، جس پر ہر شخص اپنی رائے دینے کو ضروری سمجھتا ہے، اور جس کو اس موضوع سے جتنی واقفیت ہوتی ہے، علمی حلقہ میں جتنا مقام حاصل ہوتا ہے، اسلام دشمنی میں جتنا معروف ہوتا ہے، اتنے ہی اس کے مضامین شائع کیے جاتے ہیں، اس کی رائے کو عوام کی رائے قرار دے دیا جاتا ہے، اس کے افکار کو عوام کے افکار سے تعبیر کیا جاتا ہے، اور طویل گرما گرم بحث کے بعد یہ رائے سامنے آتی ہے کہ مسلمان جہاں بھی رہتے ہیں انتشار پیدا کر کے رہتے ہیں، اور ہمیشہ مغربی افکار وخیالات پر تنقید کرتے ہیں جن کے بغیر آج کے دور میں ترقی ناممکن ہے۔ ایسے منفی نظریات اور بیّن حقائق کے خلاف باتوں پر اگر مسلمان احتجاج بھی کرتے ہیں تو اس کا پیمانہ نہایت محدود ہوتا ہے، کیونکہ میڈیا کی طاقت ان کے پاس نہیں ہے۔“

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی ﷺ

تعزیتی مکتوب

مولانا محمد سعد صاحب کاندھلوی (مرکز نظام الدین، دہلی)

مخدوم گرامی مرتبت، عالم ربانی، قدوۃ موہوبہ، صاحب الفضیلۃ والسماحۃ، ریحانۃ سلالۃ النبوۃ العظمی حضرت مولانا محمد الرابع الحسنی حفظکم اللہ ورعاکم وأمتع بکم وأولاکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

حادثۂ جانکاہ کی خبر سن کر دل پر کیا گذری، دل پر میرے ہی نہیں اہل وعیال کے، اہل خاندان کے اور تکیمین بنگلہ والی مسجد کے۔

وقت کا ایک بڑا عالم، حضرت محمد ﷺ کی فوج کا ایک وفادار جنرل اپنے رفیق اعلیٰ سے جاملا۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون، أعظم اللہ لکم ولنا الأجر وألھمکم وایانا بالصبر۔

آنجناب کی خدمت میں تعزیت مسنون کے طور پر یہ تحریر پیش کی جارہی ہے اور خدا ہی کو معلوم ہے کہ کتنے لوگ آج خود مستحق تعزیت ہیں، اللہ رب العزت آپ کو اور نعمت الٰہیہ، عاریہ مستودعہ، حضرت مرحوم کے جملہ پسماندگان قریب وبعید، نسلی وروحانی سبھی کو صبر جمیل اور اجر عظیم عطا فرمائے۔ آمین!

ان فی اللہ عزاء من کل مصیبۃ وعوضا من کل فائت وخلفا من کل ھالک فالی اللہ فأنیبوا والی اللہ فارغبوا ونظرہ الیکم فی البلاء فانظروا فانما المصاب من لم یجبر

تاریخ کا وہ ورق جس کی ابتداء حضرت سید احمد الشہیدؒ سے ہوتی ہے، غیر منقسم ہندوستان ہی نہیں، عالم اسلام بلکہ عالم انسانیت کا ان عصور متاخرہ میں وہ انتہائی تاب ناک وروشن ورق ہی نہیں بلکہ ایک ایسا سلسلہ ذہبیہ ہے جس نے مجدد الف ثانی، شیخ احمد السرہندی کے بعد، شاہ ولی اللہ الفقیہ المحدث الدھلوی رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے مبارک خانوادہ کی تعلیمات وتفہیمات کی تعمیلات میں علی الاخص اسلامیان ہند کا رشتہ ان کے اپنے رب اللہ جل شانہ اور ان کے اپنے پیغمبر حضرت محمد ﷺ سے ازسرنو استوار کیا ہے اور کررہا ہے۔

متذکرہ بالا امر کا اندازہ اسی سے لگایا جاسکتا ہے کہ مجدد الملۃ حکیم الامۃ حضرت تھانوی قدس سرہ العزیز اعلیٰ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ وبرکاتہ کے حوالہ سے۔ علی ما نعرف۔ سب سے بلند بات یہی فرماتے تھے کہ: ”حاجی صاحب مثل حضرت سید احمد الشہید کے ہیں“ اور حضرت جی اول حضرت مولانا محمد الیاس صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا ابوالحسن علی الندوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ سے فرمایا تھا: ”ہم لوگ حضرت سید احمد الشہید کی تجدید کے سایہ میں ہیں۔“

سید احمد الشہیدؒ کے لگائے ہوئے شجرۂ طوبیٰ کے ذریعہ جو مختلف الجہات والاماکنہ غصون خیر وجود میں آئیں، اور ان کے ذریعہ جو بے پناہ ثمرات حسنہ انسانیت کے لیے مہیا ہوئے، حضرت مولانا ابوالحسن علی الندوی رحمۃ اللہ علیہ بلاشبہ ان کے مقتنین میں ایک انتہائی عظیم ہستی کے مالک اور بمعنی الکلمہ ”الداعیہ“ اور ”القدوۃ“ کے مصداق ہیں۔

حضرت مولانا کے ہمشیر زاد اور ایسے عظیم الشان سلسلے اور ایسی نرالی تعلیم وتربیت کے ایک لذیذ ترین مبارک پھل، صاحب فکر وقلم عالم، عالم النفس اور خود بے نفس واضح رشید الندوی المرحوم اپنے وقت مقررہ پر اپنے رب کریم سے جاملے۔

اللھم اغفر لہ وارحمہ واعف عنہ وأکرم نزلہ ووسع مدخلہ واغسلہ بالماء والثلج والبرد ونقہ من الخطایا کما ینقی الثوب الأبیض من الدنس وأبدلہ دارا خیرا من دارہ وأھلا خیرا من أھلہ وزوجا خیرا من زوجہ وأدخلہ الجنۃ وأعذہ من عذاب القبر وعذاب النار۔

اس دور قحط الرجال میں۔ واقعہ یہی ہے کہ۔ کسی عالم ربانی کا اٹھ جانا ایسا فراغ اور ایسا ثلمہ ہے جس کا پُر ہونا اگر ناممکن نہیں تو از

حد مشکل ضرور ہے، خدانہ کردہ وہ زمانہ آگیا ہو جس کی حدیث میں پیش گوئی فرمائی گئی ہے کہ: "الا یقبض العلم بقبض العلماء"

حضرت مرحوم - جہاں تک اس عاجز کے احساسات اور معلومات کا تعلق ہے- اللہ کے ان مخلص و مخلص بندوں میں سے تھے جو مجبول علی الخمول ہوتے ہیں، مظاہر سے غائب مکارہ میں موجود، غالباً حضرت مرحوم نے بالقصد والعزم اسی راہ کو پسند فرمایا تھا کہ شور اور ہنگاموں سے دور اپنے لیے کام کا دوسرا مخفی میدان منتخب کیا جائے۔

بااستعداد اور کامل لوگ بسا اوقات اپنے کو بظاہر پیچھے رکھ کر بڑی بڑی پشت پناہیوں کا کام کرتے ہیں اور ہنگاموں سے نبرد آزما مصلحین و مجددین اور مجاہدین کے لیے بڑا سرمایہ بلکہ بڑی چٹان بن جاتے ہیں، ایسی چٹان جس کا نفس وجود فتنوں کے لیے سدباب اور کام کرنے والوں کے لیے جائے پناہ ہوتی ہے۔ وما یعلم جنود ربک الا ھو۔

حضرت مرحوم کا دعوت الی اللہ اس مبارک عمل اور اس کے مرکز مسجد بنگلے والی سے بھی ایک پشت پناہی اور سرپرستی کا احسانی رشتہ قائم تھا، حضرت جی ثانی حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے سے ہی آں مرحوم کا گہرا ارتباط معلوم ہوتا ہے، چنانچہ حضرت مولانا ابوالحسن علی الندوی رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ اور حضرت مولانا محمد الرابع الحسنی ندوی دامت برکاتہم کے ساتھ نظام الدین تشریف آوری کا ہمیشہ اہتمام تھا، خصوصاً دہلی کے قیام کے زمانے میں - جو ایک طویل عرصہ ہے- ہمیشہ شب جمعہ میں شرکت کے ذریعہ احسان فرماتے رہے، نیز عملاً تائید کے سوا تحریراً اس کام کی تقویت کا سامان فراہم فرمایا۔

آں مرحوم کو اس کام پر کتنا انشراح تھا اور اس کام کی اساس اور حقیقت سے کس درجہ واقفیت تھی؟ اس کا اندازہ ان کی بعض تحریروں سے ہوتا ہے، چنانچہ ایک جگہ لکھتے ہیں:

"مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی نے منتخب احادیث اور حیاۃ الصحابہ کے ذریعہ دعوت کے کام کو خالص سنت نبوی کے نہج پر تقویت پہنچائی اور بیانات کے ذریعہ ایمان و یقین اور توحید و اخلاص کی ایسی پرزور دعوت دی جس کی نظیر نہیں ملتی اور جماعتوں کے نکلنے کا سلسلہ دنیا میں عام ہوگیا۔"

اور حقیقت بھی یہی ہے کہ اس کام کی حقیقت تک رسائی اور اساس دعوت تک پہنچنا حیاۃ الصحابہ، منتخب احادیث اور بیانات حضرت مولانا محمد یوسف صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے بغیر قریب قریب ناممکن ہے۔ فجزاہ اللہ خیر اعنا وعن المسلمین أجمعین۔

اللھم أنت ربه وأنت خلقته وأنت ھدیته للاسلام وأنت قبضت روحه وأنت أعلم بسره وعلانیته کنا شفعا فاغفر له.

آنجناب اور جملہ پسماندگان حضرت مرحوم و مغفور کی خدمت میں مکرر تعزیت مسنون اور التماس دعوات صالحہ پیش ہے۔ میری، بچوں اور مقیمین بنگلے والی مسجد سب کی طرف سے۔

والسلام

بندہ محمد سعد غفرلہ

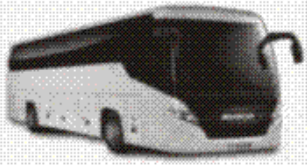
افضل ترین نسل

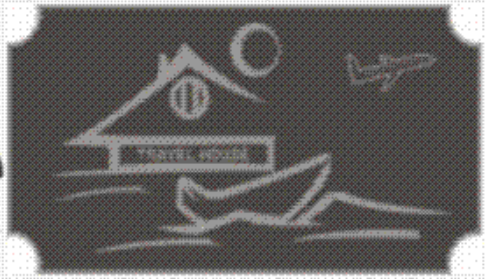
"صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اجمعین کی نسل ممتاز ترین اور افضل ترین نسل ہے جس کی اسلامی دعوت کی تاریخ میں مثال نہیں ملتی، بلکہ انبیاءؑ کی تاریخ میں ایسا نمونہ نظر نہیں آتا۔ صحابہ کرامؓ کے فضل و احسان کا انکار ہٹ دھرم اور سرکش شخص ہی کرسکتا ہے۔ تمام صدیوں میں اس امت پر ان کے احسانات ہیں اور وہ بغیر کسی تفریق و امتیاز کے قیامت تک نمونہ اور معیار ہیں۔ بلاشبہ تمام صحابہ کرامؓ نبوی مدرسہ کے فیض یافتہ ہیں اور شجر نبوی کے پھل ہیں اور ابتلاء و آزمائش کے مختلف مراحل سے گزر کر پروانہ الٰہی رضی اللہ عنہم سے سرفراز ہوئے۔ اس قدسی جماعت پر جس سے اللہ اور اس کا رسول راضی ہوا، اگر کوئی کیچڑ اچھالتا ہے تو وہ درحقیقت نبوی تعلیم و تربیت اور شجر نبوی پر کیچڑ اچھالتا ہے۔"

● حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی ؒ



بھٹکل ٹراول ہاوس





BHATKAL TRAVEL HOUSE

Travel without boundaries

Mob:+91 9740838666 / +91 9731017116

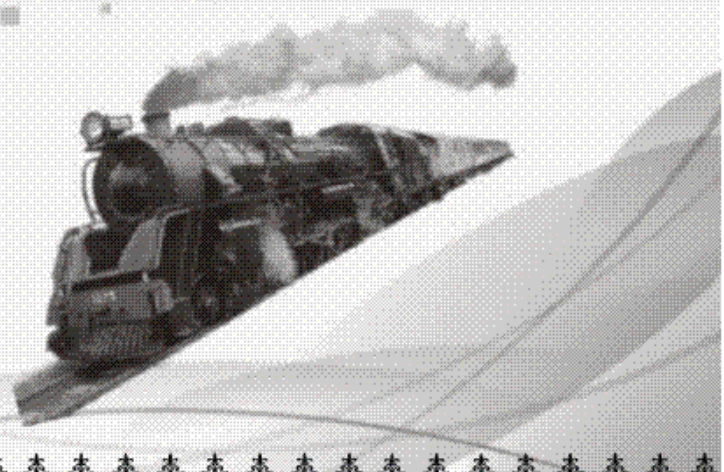
Saudi No. : +966592856802

Veekay Complex, Near Kamakshi Petrol Pump,

Bhatkal - 581 320 Karnataka (India)

الوداع اے فخر قلم و قرطاس!

فخر العلماء حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ کی وفات ملت اسلامیہ ہندیہ کے لیے ایک عظیم خسارہ ہے، آپ کے کارنامے اور اشاعت حق کے لیے آپ کی تڑپ وکڑھن اصحاب علم ودعوت کے لیے لیے مشعل راہ ہے، اللہ تعالیٰ آپ کے طریقۂ کار کو اختیار کرنے اور اس پر قائم رہنے کی توفیق عطا فرمائے۔



Budget Travel House

TRAVEL WITHIN YOUR REACH

Mob:+91 9845762662 / +91 7348966610

Saudi No. : +966592856802

No.: 3755/B, Opp. Tableegh Markaz,

Baghban Galli, Belgaum - 590 001

اعلیٰ تعلیم
یعنی اسلامی تعلیم



آؤ اور پڑھو
جاؤ اور قیادت کرو!

مدرسہ دار القلم ککرالہ، بدایوں

نئی نسل کو خالص اسلامی ماحول میں دینی و دنیوی تعلیم دلانے کا ایک مثالی انگریزی میڈیم اسکول!

☆ قرآن مجید کی تعلیم کا بہتر نظم اور درجہ پنجم تک قرآن مجید کی تکمیل۔
☆ تمام درجات میں عربی زبان اور دینیات کی لازمی تعلیم۔
☆ ظہر کے بعد قرآن مجید کی تعلیم کا انتظام۔
☆ دلچسپی رکھنے والے طلبہ کے لیے حفظ قرآن کا مستقل اہتمام۔
☆ بچوں کو وظیفہ کی مکمل سہولت۔

☆ لڑکیوں کی تعلیم معلمات کے ذریعہ پردے کے معقول انتظام کے ساتھ۔
☆ مختلف ذہنی اور جسمانی ورزش کا مکمل انتظام۔
☆ پندرہ دن میں ایک مرتبہ تمام اساتذہ کی عصری و دینی تربیت کا اہتمام۔
☆ تمام جدید اور اعلیٰ سہولیات سے لیس تعلیمی کیمپس۔
☆ قصبہ ککرالہ کے قلب میں عصری و دینی تعلیم کا مثالی مرکز۔

سرپرست
داعی احسان، خادم قرآن، رہبر قوم و ملت
حضرت مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی مدظلہ العالی

ناظم
حضرت مولانا فخر الحسن خاں ندوی مدظلہ
(ناظر شعبۂ تعمیر و ترقی، ندوۃ العلماء۔ لکھنؤ)

بانی و مہتمم
حافظ محمد آصف بلالی (صوفی جی)
7830046186

پتہ:- کامل خاں منزل، چار مینار کے پاس، وارڈ نمبر ۱۲ ککرالہ، بدایوں (یوپی)

ایک منفرد اور ممتاز شخصیت

ڈاکٹر شاہ عباد الرحمن نشاط صاحب (دہلی)

۱۶؍جنوری ۲۰۱۹ء بروز بدھ تقریباً سات بجے صبح کو رائے بریلی سے برادرم افتخار احمد ندوی صاحب کا ٹیلیفون میرے پاس دلی آیا، انہوں نے اچانک یہ اطلاع دی کہ حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کا لکھنؤ میں انتقال ہوگیا، خبر سنتے ہی دل بیٹھ گیا، نہ ان کی علالت کی کوئی اطلاع تھی اور نہ ہی گرتی صحت کے کچھ ایسے آثار تھے، جس سے محبت کرنے والوں کو تشویش ہوتی، پچھلی بار جب نیاز حاصل ہوا تھا تو معمول کے مطابق اپنی ذمہ داریوں کو خوش خوش اور چاق و چوبند طور پر پورا فرما رہے تھے، ایسے حادثے کا ذہن و دل کو دور دور تک کوئی ڈر نہ تھا، لیکن جس طرح وہ دنیا میں کم سے کم ملوث ہو کر زندگی گذار رہے تھے، اسی شان بے نیازی کے ساتھ انہوں نے اچانک سفر آخرت اختیار کیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

حضرت مولانا محمد واضح صاحبؒ کی شخصیت میں چند ایسی خوبصورت صفات جمع ہوگئی تھیں، جن کی وجہ سے ان کی شخصیت میں ایک انفرادی شان پیدا ہوگئی تھی، وہ بہت مضبوط عالم دین تھے، لیکن اس کے ساتھ ہی وہ مغربی تہذیب کے مزاج، اٹھان اور اسلام کے خلاف اس کے عزائم سے بہت گہری واقفیت رکھتے تھے، وہ بہت زیادہ جاننے والے تھے، لیکن نہایت کم گفتگو فرماتے تھے، وہ بہت پڑھتے تھے، لیکن ان کا پڑھنا بس سرسری مطالعہ کی غرض سے نہ تھا، وہ جو کچھ پڑھتے تھے، اس پر گھنٹوں غور و فکر کیا کرتے تھے، حتی کہ وہ تدبر سے چھن کر ان کی فکر کا حصہ بن جاتا، وہ غور و فکر کو بہت اہمیت دیتے تھے، لیکن اس کے ساتھ ہی ذکر اور دیگر معمولات کو جن میں تلاوت قرآن کا بڑا حصہ تھا، بہت مضبوطی سے نباہتے تھے، وہ اپنے اوقات کو بہت محفوظ رکھتے تھے، لیکن حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کی خدمت میں آنے جانے والوں کی ضروریات اور ان کے حقوق کا پورا خیال رکھتے تھے اور طلباء کو اس سے زیادہ وقت دینے کے لیے ہمیشہ خوشی خوشی تیار رہتے تھے جتنا ان کا حق تھا، وہ بہت بڑے تھے لیکن تواضع اور انکساری میں ان جیسا بے نفس کم از کم میری آنکھوں نے تو نہیں دیکھا۔ انہوں نے خصوصاً مخدومنا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ اور حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب مدظلہ کو اپنا بڑا مان کر جس طرح زندگی گزاری وہ ہمارے لیے ایک معیار ہے۔

مولانا محمد واضح صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر بہت کچھ لکھا جائے گا اور وہ سارے پہلو جو ان کی تصنیف و تالیف، عربی زبان پر قدرت یا ان کی شخصیت کی دوسری صفات سے متعلق ہیں، ان سب پر مضامین جلد ہی ضرور سامنے آئیں گے، اس لیے میں ان سب کو زیادہ اہل حضرات کے لیے چھوڑتا ہوں اور صفحات کے محدود ہونے کا لحاظ کرتے ہوئے صرف ان چند باتوں کے تذکرے تک اپنے آپ کو محدود رکھتا ہوں جن کی قدر خاص طور پر میرے دل میں رہی ہے۔

مولاناؒ بہ حیثیت استاد نہایت فائق اور منفرد مقام رکھتے تھے، پڑھانے کے ساتھ ہی ان کے سامنے ایک دینی مشن بھی تھا، جو ان کی فکر میں رچ بس گیا تھا، اردو، عربی اور انگریزی مطبوعات پر غائر نظر رکھنے کی وجہ سے وہ نہ صرف اپنوں اور غیروں کی علمی کاوشوں اور ارادوں سے پوری طرح واقف تھے، بلکہ فکری میدان میں اسلام کی نمائندگی میں جو کمی نظر آرہی تھی، اسے بہت محسوس بھی کرتے تھے اور کوشش کرتے تھے کہ یہ احساس ان کے طلباء میں بھی پیدا ہوجائے، ایک بار ندوۃ العلماء کے دو فارغ طلباء سے میری دلی میں ملاقات ہوئی، میری خواہش تھی کہ میں انہیں متوجہ کروں کہ اب وہ مغربی تہذیب کے ذریعہ اسلام کو درپیش چیلنج کو سمجھنے کے لیے مغربی مصنفین کی کچھ کتابیں بھی پڑھیں (جن کا اب اردو میں ترجمہ

ہو چکا ہے) تا کہ ان کی سوچ کا دائرہ وسیع ہو، جب بات اس طرف مڑ گئی تو میں نے خوش گوار حیرت کے ساتھ یہ محسوس کیا کہ وہ دونوں اس موضوع پر اچھی خاصی واقفیت رکھتے ہیں، میں نے جب ان سے دریافت کیا کہ انہوں نے اس سلسلہ میں کون کون سی کتابیں پڑھی ہیں تو ان کا جواب تھا کہ انہیں ان باتوں کا علم حضرت مولانا سید محمد واضح صاحبؒ کی کلاسز سے حاصل ہوا ہے، مولاناؒ اس سلسلہ میں بڑے غیر مقلد تھے، طلباء میں علمی بالیدگی اور تحقیقی شعور پیدا کرنے کے لیے وہ جو بھی مناسب سمجھتے، اسے کرنے میں بالکل جھجک محسوس نہیں کرتے تھے، ایک بار جب میں ندوہ حاضر ہوا تو انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ ان کی ایک کلاس میں پڑھاؤں، انہوں نے موضوع کا تعین بھی فرمایا، میری معذرت کے بعد بھی جب وہ مصر رہے تو میں نے ان کا حکم مان لیا اور ادباً یہ بھی عرض کیا کہ اگر ان کے فرمائے ہوئے موضوع سے ایک اور علمی پہلو جوڑ دیا جائے تو اس کی افادیت بڑھ سکتی ہے، انہوں نے میری رائے سے فوراً اتفاق کر لیا لیکن یہ فرمایا کہ وہ اس پہلو پر اگلی کلاس میں گفتگو کرنا چاہتے ہیں، گویا ہر بات منضبط طور پر ان کے ذہن میں تھی، انہوں نے مزید اس بات کا اہتمام بھی فرمایا کہ میری کلاس کی گفتگو ٹیپ کر لی جائے اور اس کے لیے ایک صاحب کو مقرر فرمایا اور مجھے یہ بات بتا بھی دی، مقصود یہ تھا کہ وہ اس ٹیپ کو بعد میں سنیں گے تا کہ وہ پوری طرح اس سے واقف رہیں کہ میری کلاس میں موضوع پر بات کہاں تک پڑھائی گئی ہے اور آئندہ کلاس میں گفتگو کہاں سے شروع کرنی چاہیے، ضمنی طور پر یہ بات یہاں عرض کر دینے کی ہے کہ کلاس میں کسی گیسٹ ٹیچر (Guest Teacher) کو مدعو کرنے کا رواج مغربی ممالک میں مقبول ہے، جس کے ذریعہ اس بات کی کوشش کی جاتی ہے کہ طلباء کے سامنے ایک سے زیادہ استاد کے ذریعہ نئے تجربات اور نئی علمی سوچ پیش کی جا سکے۔

مولانا ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیم تھے، اس حساس عہدے کا حق ادا کرنے کے لیے جن خصوصی صلاحیتوں کی ضرورت تھی، وہ صلاحیتیں اللہ تعالیٰ نے بھرپور طور پر انہیں عطا فرمائی تھیں، میرا احساس ہے کہ شاید عام طور پر لوگوں کو اس بات کا اندازہ بھی نہ ہو کہ وہ اس سلسلہ میں کتنے فکر مند رہتے تھے کہ طلباء حریت فکر اور ذوق وشوق کے ساتھ علم سے جڑیں، ایک بار میرا ان کے اور مخدومی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کے ساتھ ایک مدرسہ کا سفر ہوا جو ندوہ سے ملحق تھا، وہاں طلباء سے خطاب کرنے کی ذمہ داری مجھ پر ڈال دی گئی، مذکورہ بالا دونوں بزرگ اس مدرسہ کے مہمان خانہ میں ہی ٹھہر گئے، جب میں واپس آیا تو حضرت مولانا سید محمد واضح صاحبؒ نے طلباء سے میری گفتگو کی یہ کہہ کر توصیف فرمائی کہ تم نے طلباء کو مفید تعلیمی مشورے دیے، میں نے جب اس بات پر حیرت کا اظہار کیا کہ وہ تو میری مجلس میں شریک نہیں تھے تو انہوں نے وضاحت فرمائی کہ وہ مہمان خانے کے ایک دوسرے کمرے میں چلے گئے تھے، جہاں سے مائک پر وہ میری گفتگو سن رہے تھے، انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ تم نے طلباء کو ایسے صحت مندانہ تعلیمی مشورے دیے جو ان کی عمر سے میل کھاتے ہیں، بعض لوگ تو انہیں تقوی کی تلقین کرنے لگتے ہیں۔

ایک بار جب میں ندوہ حاضر ہوا تو انہوں نے مجھے ذمہ داری دی کہ میں ندوہ کے اونچے درجوں کے طلباء، خصوصاً بیرونی ممالک سے آئے ہوئے طلباء سے ملوں اور سمجھنے کی کوشش کروں کہ ندوہ کے نظام تعلیم میں انہیں کہاں اور کس طرح کی دشواری پیش آرہی ہے، چنانچہ اس کا انتظام کیا گیا، انہوں نے اس بات کا بھی اہتمام کیا کہ اس نشست میں ندوہ کا کوئی استاد موجود نہ ہو، تا کہ طلباء کھل کر اظہار خیال کر سکیں، میں نے یہ خدمت انجام دی اور ایک تحریری رپورٹ بھی پیش کی جو میرے تجزیے اور مشوروں پر مشتمل تھی۔

مولانا اس بات کے بھی خواہش مند تھے کہ ندوہ میں موقع بہ موقع ایسے افراد کے لکچرز کا بھی اہتمام کیا جائے جو طلباء کو روایتی تعلیم سے ہٹ کر بھی زمانے کے نئے رجحانات اور بدلتے ہوئے دینی تقاضوں کے سمجھنے میں مددگار ہو سکیں اور ان کے اندر ملت اسلامیہ کی نمائندگی کی صلاحیت پیدا کر سکیں، اس کا اہتمام تو الحمد للہ ندوہ میں ہوتا ہی ہے، لیکن وہ مجھ سے بھی (شاید میرے بیرون ملک میں تعلیم حاصل کرنے اور پڑھانے کے پیشے سے منسلک

ہونے کی وجہ سے) کہا کرتے تھے کہ میں اس کے لیے وقت دوں، یہ بات حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب مدظلہ العالی کے علم میں بھی لائی گئی اور ان کی تائید بھی حاصل کی گئی، میں بھی حکم برداری کے لیے بہ سروچشم حاضر تھا، افسوس کہ اس پر عمل میں تاخیر ہوئی اور ہمارا ساتھ چھوڑ گئے۔ طلباء کی ہمت افزائی، ان کی دشواریوں سے واقفیت کرنا اور علم کو مختلف جہتوں سے ان کے سامنے پیش کرنا ندوہ کے معتمد تعلیم ہونے کی حیثیت سے ان کی فکر کا اہم حصہ تھیں، لیکن وہ یہ سب اس خاموشی کے ساتھ کرتے تھے کہ بہت سے لوگوں کو اس کا احساس بھی نہیں ہوتا تھا۔

مولانا کو اسلام کے خلاف مغرب کی فکری یلغار کا بڑا احساس تھا، ان کی کتابوں اور مضامین میں ان کی یہ فکر بہت نمایاں تھی، بلکہ ادھر کے مضامین میں انہوں نے یہ بات کھل کر فرمائی تھی کہ مسلمان مفکرین اس پر توجہ دیں اور اسلام کے خلاف فکری حملے کا دفاع کریں، انہوں نے مجھ بے صلاحیت سے بھی ایک بار یہ بات اس طرح فرمائی تھی کہ تم سے شکایت ہے کہ تم انگریزی لکھ سکتے ہو لیکن لکھتے نہیں ہو، ایک بار جب وہ دلی تشریف لائے تھے تو بات عرب ممالک پر مغربی تہذیب کے غیر معمولی اثر اور اس سے اسلام کے نقصان پر چل پڑی، اس صورت حال پر انہوں نے اپنی فکر کا اظہار کیا اور سوال اٹھایا کہ اس سلسلہ میں کیا کیا جاسکتا ہے، میں نے موقع دیکھ کر انہیں یاد دلایا کہ مخدومنا حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے جب اپنی عملی زندگی کے آغاز میں اسی سوال کو سامنے رکھ کر ایک بار مختلف عرب ممالک کا دورہ کیا تھا تو انہوں نے وہاں سے اپنے شیخ محترم حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ کو ایک عریضے میں یہ لکھا تھا کہ عرب ممالک پر مغربی ممالک کی گرفت اتنی مکمل ہے کہ وہاں احیاء اسلام کی کوشش کا کامیاب ہونا نہایت مشکل ہے، برسوں کی کوشش ان مغربی طاقتوں کی معمولی سی دخل اندازی سے بے کار ہوجاتی ہے، اس لیے اگر ان عرب ممالک میں احیاء اسلام کی کوشش کو کامیابی سے ہم کنار کرنا ہے تو مسلمان مفکرین کو اپنی جدوجہد کا میدان مغرب کو بنانا ہوگا اور وہاں خاطر خواہ تبدیلی لانی ہوگی، حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوریؒ نے اس تجزیے کی بہت تصویب فرمائی تھی، حضرت مولانا واضح صاحبؒ نے بھی اس نکتے کی بہت قدر کی اور ایسا لگا کہ انہیں ان کے سوال کا جواب مل گیا ہو۔

حضرت مولانا محمد واضح صاحبؒ کے اس دنیا سے تشریف لے جانے کے بعد بھی یہ سوال زندہ ہے اور ضرورت ہے کہ اس سوال کو ہمارے مفکرین غور وفکر کا موضوع بنائیں، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے انتقال کے بعد صورت حال میں جو تبدیلی آئی ہے وہ حقیقتاً مسلمانوں کے حق میں ہے، اب خود مغرب میں مسلمان نوجوانوں کی ایک ایسی نسل تیار ہوچکی ہے جو سو فی صدی مغربی ہے اور پوری طرح مسلمان بھی، ایسے ممالک جہاں اسلام صدیوں سے موجود ہے، ان کا فکری تعلق اور باہمی استفادہ کا رشتہ اگر ان مغربی ممالک کے صحیح الفکر مسلمانوں سے قائم کیا جائے جہاں اسلام اب قدم جما رہا ہے تو بہت مفید نتائج برآمد ہونے کا امکان ہے، دونوں کے پاس لینے اور دینے کے لیے بہت کچھ ہے، دنیا کے سامنے اسلام کو مؤثر انداز سے پیش کرنے کے لیے جس قدیم قابل اعتماد علم اور جدید تہذیبی وسائل کی ضرورت ہے، وہ اسی طرح پوری ہوسکتی ہے۔

مولانا سید محمد واضح صاحبؒ کا ذاتی تعلق اللہ تعالیٰ سے کتنا مضبوط تھا، اس کا اندازہ بھلا کسی کو کیا ہوسکتا تھا، جب وہ سامنے کی چیزوں پر بھی کم سے کم گفتگو فرماتے تھے تو ایسے اعلیٰ وارفع موضوع پر کسی سے کیا کہتے، لیکن اب خیال ہوتا ہے کہ بعض باتیں جو وہ کبھی کبھی کہہ جاتے تھے، وہ عمومی نہیں خود ان کے دل کی کسی خاص کیفیت کی غماز ہوتی تھیں، میں ایک بار ان کے اور حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب مدظلہ کے ساتھ کار سے تکیہ سے لکھنؤ جارہا تھا تو حاجی عبدالرزاق صاحب نصیر آبادی کا ٹیلیفون آگیا، ان دنوں وہ بیمار تھے اور نفسیاتی طور پر گھبراہٹ کا شکار رہتے تھے، انہوں نے شاید اپنی تکالیف کا ذکر کیا تو مولاناؒ بشاشت کے لہجہ میں فرمانے لگے: ”عبدالرزاق صاحب! چھوڑیے ان دنیاوی بیماریوں کے قصوں کو، کیا اللہ پاک سے ملنے کے لیے نہیں چلنا ہے؟ کیا اللہ تعالیٰ سے ملنے کی خوشی حاصل نہیں کرنی ہے؟“ میں نے سوچا کہ مولاناؒ شاید عبدالرزاق صاحب کی دلجوئی کے لیے یہ سب فرمارہے ہیں، لیکن خود ان کی کسی

تقریر کا ایک مختصر کلپ جو انہوں نے اپنے انتقال سے شاید چند دن ہی قبل کی تھی، کسی نے انٹرنیٹ پر ڈال دیا ہے جو میں نے بھی سنا، اس میں وہ نہایت جوش کے ساتھ فرمارہے تھے کہ زندگی تو جان دینے کی آرزو اور تمنا کے ساتھ جینی چاہیے تاکہ اللہ تعالیٰ سے ملاقات کے اشتیاق کا حق ادا ہو، وہ کلپ جب میں نے سنی تو مجھے ان کی وہ بات یاد آگئی جو انہوں نے حاجی عبدالرزاق صاحب سے اس رات فرمائی تھی، کیا پتہ تھا کہ وہ جو کچھ کہہ رہے ہیں، وہ ایک بیمار کی دلجوئی ہی نہیں، خود ان کے دل کی آواز ہے۔

میرے لیے یہ ناممکن ہے کہ میں اپنی ذات پر ان کی محسنانہ شفقت کا ذکر کیے بغیر اس مضمون کو ختم کردوں، وہ مجھ سے عمر میں بڑے تھے اور میں ان کے لیے اپنے دل میں احترام کے ساتھ ساتھ محبت بھی محسوس کرتا تھا، یوں تو ان سے میرا ذاتی تعلق اتنا ہی پرانا تھا جتنا میرا تعلق حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے تھا کہ جب میں حضرتؒ کی خدمت میں حاضر ہوتا تھا تو ان سے بھی نیاز حاصل ہوتا تھا، لیکن وہ اپنے آپ کو اتنا سمیٹے ہوئے تھے کہ شروع میں مجھے ان سے بے تکلفی کا شرف حاصل نہیں ہوسکا، البتہ جب ان کا مکہ مکرمہ کا سفر ان دنوں ہونے لگا جب میں ملازمت کے سلسلہ میں وہاں آگیا تھا تو مجھے ان سے قریب ہونے کا زیادہ موقع ملنے لگا، پھر وقت کے ساتھ ان کی جانب سے شفقت کا اظہار بھی ہونے لگا، ایک دن صبح کی نماز کی تھوڑی دیر کے بعد ہی مکہ مکرمہ میں میرے مکان کی گھنٹی بجی، دروازہ کھولتے ہی خوشگوار حیرت کا احساس ہوا، بھائی مصلح الدین حیدرآبادی کے ساتھ حضرت مولانا واضح صاحبؒ کھڑے تھے، اندر تشریف لانے کے بعد فرمایا کہ میں رات کو مکہ مکرمہ آیا ہوں، ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ کے یہاں قیام ہے، صبح کی نماز حرم شریف میں پڑھ کر جی چاہا کہ تم سے ملاقات کروں، میں نے اصرار کیا کہ حضرت میں اب آپ کو ناشتہ کیے بغیر نہیں جانے دوں گا، انہوں نے درخواست قبول فرمائی، ناشتہ میں ٹیونا مچھلی بھی تھی، خدا جانے وہ مچھلی مولاناؒ کو سچ مچ پسند آگئی یا میری دلجوئی مقصود تھی کہ اس کا ذکر بعد میں بھی کئی بار پسندیدگی کے ساتھ فرمایا، ایک بار کہیں سے ہندوستان واپس ہوتے ہوئے انہوں نے عمرہ کا ارادہ کرلیا، میں ایرپورٹ پر پہنچ گیا، رات کی فلائٹ تھی، خوش ہوئے اور اس سفر میں میرے غریب خانہ پر ہی قیام فرمایا، ایک بار جب حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب مدظلہ العالی کے ساتھ ان کا مکہ مکرمہ کا سفر ہوا تو میں بھی ابہا سے جہاں میں ان دنوں نوکری کے سلسلہ میں مکہ سے منتقل ہوگیا تھا، ملاقات کے لیے حاضر ہوا، میں جب ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ کے یہاں جہاں ان بزرگوں کا قیام تھا پہنچا تو انہوں نے فوراً ہی مجھ سے مخاطب ہوکر فرمایا کہ تم یہیں ہمارے ساتھ ٹھہروگے۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے انتقال کے بعد ان کی شفقت مجھ پر بڑھ گئی تھی، حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب مدظلہ کی خدمت میں جن سے میں نے اب بیعت وارادت کا تعلق قائم کرلیا ہے، میں جب حاضر ہوتا تو توجہ فرماتے اور ایسی باتیں فرماتے جن سے انسیت کا اظہار ہوتا، اکثر فرماتے کہ تمہیں دیکھ کر مکہ مکرمہ کی یاد تازہ ہوجاتی ہے، ماموں جی (مخدومنا حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ) تمہارے یہاں ایک دن کھانے پر ضرور تشریف لے جاتے تھے، موقع ہوتا تو ندوہ کی میری حاضری کے موقع پر بھی اپنے گھر پر ساتھ کھانا کھانے کو بلالیتے، ندوہ کی حاضری کے موقع پر جب میں تکیہ رائے بریلی کا سفر کرتا تو وہاں اپنے اعزہ کو ٹیلیفون کرکے کھانے کے سلسلہ میں متوجہ فرمادیتے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے انتقال کے بعد میں نے ان پر ایک کتاب ''نقوش حیات'' لکھی تو مولاناؒ نے ٹیلیفون پر فرمایا کہ کتاب کا مسودہ میرے پاس بھیج دو، وہ کتاب یہاں سے چھپ جائے گی، میری دوسری تصانیف کے بارے میں بھی ان کا رویہ ہمت افزائی کا رہا، جب حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب مدظلہ کے ساتھ ان کا دلی کا سفر ہوتا (جو ادھر کئی برسوں سے رک گیا تھا) تو ان کے ساتھ غریب خانہ پر ضرور تشریف لاتے اور خوشی کا اظہار فرماتے۔ ان کا انتقال میرے لیے ایک ذاتی محرومی ہے، ایسی محرومی جو بہت دل توڑنے والی ہے۔ اللہ تعالیٰ ان پر اپنی رحمتیں نازل فرمائے اور ان کے پس ماندگان کو ہمت کے ساتھ دین کی خدمت کے لیے قبول فرمائے اور ان سب اداروں کو ترقی عطا فرمائے جن کی وہ اپنی زندگی میں سرپرستی کررہے تھے۔ آمین!

زیبِ لوح و قلم

مولانا محمد عمیر الصدیق ندوی (دار المصنفین شبلی اکیڈمی، اعظم گڑھ)

آہ مولانا سید واضح رشید ندوی! ٹھیک فجر کی اذان کے وقت اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے، تہجد کے لیے اٹھے، وضو کیا، نماز پڑھی، سپیدۂ صبح کا انتظار تھا کہ ایک ابدی نورانی چادر نے ان کو آغوش رحمت میں ڈھانک لیا، ۱۶ر جنوری بروز چہار شنبہ۔ کچھ ہی دیر میں یہ خبر عام ہوئی اور زندگی کی ناپائیداری اور اجل مسمّیٰ پر اعتقاد رکھنے والے بھی کچھ دیر کے لیے یقین نہ کر پائے مگر بالآخر زبان کے ساتھ دل کو اقرار کرنا پڑا کہ سب اللہ کے لیے ہیں تو اللہ ہی کی طرف جانا بھی طے ہے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

مولانا سید واضح رشید ندوی رائے بریلی کے اس خانوادۂ حسنی کے نمایندہ تھے جس کے تعارف کی ضرورت نہیں، ''معارف'' کے صاحب علم و دل مدیر اول نے کبھی لکھا تھا کہ مجدد سرہندی اور مجدد دہلوی کے فضل و کمال اور مجاہدہ و حال کے دو آتشہ سے ایک اور سہ آتشہ تیار ہوا اور وہ یہی رائے بریلی کے سادات حسنی کا خاندان تھا، جس میں ان دونوں بزرگوں کی تعلیمات کا فیض آکر مل گیا تھا، اس خاندان کے آسمان فضل و کمال پر حضرت سید احمد شہید اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی جیسے آفتاب و ماہتاب چمکے۔ مولانا واضح رشید ندوی بھی ایسے ہی ستارے تھے، قطب تارے کی طرح سب سے الگ، لیکن روشنی میں کم نہیں۔

مولانا مرحوم ۱۹۳۵ء میں تکیہ رائے بریلی میں پیدا ہوئے، تاریخ ۱۰ر اکتوبر تھی، ان کے والد ماجد سید محمد رشید حسنی، مولانا حکیم سید عبد الحی حسنی کے خویش یعنی ڈاکٹر سید عبد العلی اور مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے بہنوئی تھے۔ ایں خانہ ہمہ آفتاب است، زبان پر آ کر رہتا ہے۔

واضح صاحب نے ندوہ میں اعلیٰ تعلیم حاصل کی، یہ ایک روایت کی توسیع تھی لیکن انہوں نے عصری تعلیم کے لحاظ سے جب مسلم یونیورسٹی سے انگریزی میں ایم اے کیا تو یہ بھی گویا ایک خاندانی روایت کی پاس داری تھی، دیکھا جائے تو ان کی پوری زندگی میں روایتوں کی ایک بڑی دل کش و دل نواز جامعیت نظر آتی ہے، شروع میں وہ آل انڈیا ریڈیو کی عربی سروس کے ذمہ دار رہے اور یہ ان کی جدید عربی زبان پر مہارت کا گویا اعتراف تھا، صرف خبریں ہی نہیں، متنوع پروگراموں کی ترتیب و پیش کش ان کے ذمہ رہی، لیکن اصل ذمہ داری تو کچھ اور مقدر میں تھی، شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلویؒ نے اشارہ کیا اور ایک پرکشش اور منفعت عہدہ کو انہوں نے یک لخت ترک کر کے ندوہ کی تعلیمی خدمت کو قبول کر لیا۔ ۱۹۷۳ء میں وہ ندوہ میں عربی زبان و ادب و انشاء کے استاد ہوئے اور تب سے اب تک قریب چھیالیس سال کا عرصہ ندوہ کے لیے وقف ہو گیا، ان کے ہزاروں شاگرد ہوئے اور ہر شاگرد کو یہی احساس کہ مولانا سب سے زیادہ اس سے محبت کرتے تھے، یہ احساس بجائے خود مولانا کے کمال درس کے ساتھ کمال توجہ و تربیت کی ایک داستان سناتا نظر آتا ہے، ان کے شاگردوں کا عام تاثر یہی ہے کہ مولانا نے عربی زبان خواہ وہ کلاسیک ہو یا جدید ترین ادب، ان دونوں میں عربی مضمون نگاری کا شوق مولانا کے انداز درس میں عجب طرح سے نکھرا۔ فن تعلیم و تربیت پر ان کی گہری نگاہ تھی اور یہی مولانا عبد اللہ عباس ندوی کی رحلت کے بعد ان کے معتمد تعلیم ہونے کی وجہ رہی۔ اور معتمد تعلیم ہی کیا ان کو علماء، مشائخ، اہل دانش اور صاحبان فکر و نظر کا اعتماد جس طرح حاصل رہا، اس کا اندازہ ظاہری طور پر کرنا مشکل ہے۔ خاموشی، تنہائی، گوشہ گیری، حیا و خفا یہ وہ صفات یا علامات ہیں جو نام و نمود سے دوری اور شہرت طلبی سے بے زاری کا اظہار ہیں، اس کے باوجود مولانا لوگوں کے دلوں میں بستے چلے گئے۔ ''البعث الاسلامی'' ''الرائد'' میں ان کی عربی

تحریروں کا شمار آسان نہیں، اسی طرح اردو میں وہ برابر قلم وقرطاس سے رشتہ قائم کیے رہے۔ ان کی تصنیفات بھی کم نہیں، ادب جاہلی پر ان کی "تاریخ الادب العربی" کو نصابی ضرورت کے تحت لکھی گئی لیکن یہ عصر جاہلی کا ایک بہترین تنقیدی جائزہ بھی ہے۔ عربی زبان کی خصوصیات اور عربی بولنے والوں کے طبعی و عقلی احوال، ادبی ذوق جیسے موضوعات پر مولانا کے مطالعہ کے نتائج نے اس کتاب کو عربی ادب کی تاریخ کے ساتھ تنقیدی لحاظ سے بھی بہت مفید بنا دیا۔ عربی میں متعدد کتابیں جیسے: فضائل القرآن الکریم، فضائل الصلوۃ علی النبیؐ، الدین والعلوم العقلیۃ، ادب الصحوۃ الاسلامیۃ، حرکۃ التعلیم الاسلامی، الی نظام عالمی جدید، من صناعۃ الموت الی صناعۃ القرارات، حرکۃ رسالۃ الانسانیۃ، الشیخ ابو الحسن قائدا حکیما وغیرہ ہیں۔ اسی طرح اردو میں کئی کتابیں ہیں جو اسلام، تعلیم، تہذیب، فلسطین اور ٹیپو سلطان جیسے موضوعات پر ہیں اور یہ سب مولانا کی گہری نظر اور فکر کی شاہد ہیں۔ مغربی تہذیب وثقافت کی تباہ کن حقیقتوں کا ادراک، ان کی نشان دہی اور ان کے ازالہ کا سامان مولانا کی نمایاں ترین فکری متاع تھی۔ مستشرقین کا رد ہو یا مغربی سیاست کی دسیسہ کاریاں، مولانا کا قلم ہمیشہ ان کے تعاقب میں رہا، جدید عالم عرب کے فکری وسیاسی مسائل پر اظہار خیال کرنے میں شاید ہی کوئی ان کا ہم سر ہو، ان کی ایک کتاب "تاریخ الثقافۃ الاسلامیۃ" میں مسلمانوں کی تہذیبی و ثقافتی عظمت کی بحث ان کے وسیع مطالعہ کا بہترین نظارہ ہے۔ برادرم ڈاکٹر طارق ایوبی نے اس کو اردو قالب عطا کیا تو مولانا مرحوم کے ایک شاگرد سے کچھ لکھوانے کی کوشش کی، قریب چھ سات سال پہلے جو لکھا گیا وہ آج پھر سامنے ہے کہ:

"عجیب بات ہے کہ قریب ایک صدی قبل رائے بریلی کے صاحب احترام خانوادۂ حسنی کی ایک شخصیت نے عربی زبان میں ہندوستان کی اسلامی ثقافت کے سارے نقوش یکجا کر کے اسلامی ہند کی تاریخ کو تاب دار کیا تھا، حکیم حسنیؒ کے عادات وصفات میں آتا ہے کہ ان کی طبیعت میں خلوت پسندی، وقار، کم گوئی، حیا اور سلامت طبع تھی، نہایت خود دار اور کم آمیز تھے، لیکن ساتھ ہی نہایت خلیق، خندہ جبیں اور شگفتہ طبع تھے، سو برس بعد اسی خانوادہ کے ایک فرزند (مولانا واضح رشید ندوی) نے پورے عالم اسلام کی تہذیب داستان "تاریخ الثقافۃ الاسلامیۃ" میں پیش کر دی..... یہ اتفاق شاید اس لیے بھی کہ مولانا کی سیرت بھی مولانا عبد الحی کی سیرت کی واقعی توسیع ہے، وہی خلوت پسندی، وہی کم آمیزی، وہی کم گوئی اور اس کے ساتھ وہی درد مندی اور اسلامی وانسانی تاریخ پر وہی نظر کی گہرائی۔"

مولانا ایک کارواں تھے، ایسے کہ ستارے اس کی گرد راہ بنے، لیکن اس کارواں میں اخوت کی جہاں گیری کا منظر شاید سب سے اثر آفریں رہا، مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی جیسے بھائی کی شخصیت میں انہوں نے خود کو جس طرح ضم یا گم کیا، اس کو اسی محبت کی فراوانی سے تعبیر کیا جانا چاہیے۔ تعزیت حضرت مولانا مدظلہ اور صاحبزادہ مولوی جعفر مسعود حسنی ندوی ہی سے نہیں، ہم سب تعزیت کے مستحق ہیں۔ اللھم اغفرلہ وارحمہ

وقت کی اہم ضرورت

"آج ضرورت اس بات کی ہے کہ اصحاب رسولؐ کے منہج اور طریقہ کار کو بیان کیا جائے، ان کے مقام ومرتبے کو بیان کیا جائے، اللہ کی خوش نودی کے حصول کے راستے میں ان کی قربانی، خلوص، امانت داری، خوف خدا، جنت اور آخرت کا شوق اور رسولؐ سے ان کے عشق ومحبت، اتباع رسولؐ میں ان کی فدائیت، جاں نثاری، وفاداری اور اشاعت اسلام اور اسلامی خلافت کے قیام کے راستے میں ان کے کردار اور مثالی خدمات کو نئی نسل کے سامنے پیش کیا جائے۔ ان میں انصار اور مہاجرین کی کوئی تفریق نہیں، بلکہ جسے بھی صحبت رسولؐ کا شرف حاصل ہوا اور صحابہؓ کی صف میں شامل ہوا، وہ سب قابل احترام ہی نہیں، قابل تقلید نمونہ ہیں۔ قرآن کریم میں اس کا اشارہ موجود ہے۔"

• حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی ﷺ

مشاہدات وتاثرات

مولانا عبدالقادر عارفی (استاذ جامعہ دارالعلوم زاہدان-ایران)

اللہ تعالیٰ نے سرزمین برصغیر کو ایسی سرزمین بنایا ہے جو سرسبز وشادابی کے ساتھ آدم خیز بھی ہے، خاص طور پر ہندوستان کا خطہ جو مختلف وجوہات کی بناء پر کئی ملکوں میں تقسیم ہوا، اس سرزمین سے ایسی عظیم ہستیاں پیدا ہوئیں، جو ہر ایک اپنے اور بعد کے زمانوں کے امام اور پیشوا قرار پائیں۔اسی زرخیز سرزمین کے ایک کونے میں گمنام علاقہ بھی ہے کہ اس کی طرف کسی بھی زمانے میں مؤرخین نے توجہ دینے کی ضرورت ہی نہیں سمجھی ہے، لیکن وہ گمنام علاقہ ایسا زرخیز اور آباد ہوا کہ نہ صرف ہندوستان بلکہ پوری دنیا میں مشہور ومعروف ہوا اور یہ شہرت ان داعیانِ حق اور مردانِ خدا کی آہِ سحرگاہی، شب بیداری، توکل، عزیمت اور زہد کی صفت سے مزین ہونے کی وجہ سے اس کو نصیب ہوئی، اس علاقہ کو اب "تکیہ شاہ علم اللہ" کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔کیا خوب لکھا ہے کسی اہلِ قلم نے کہ جب حکیم الامت مجدد ملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی ؒ کا اس علاقہ کے اسٹیشن سے گذرنا ہوا جو "تکیہ علم اللہ" سے شاید پانچ چھ کلو میٹر دور واقع ہے تو حضرت نے فرمایا: "تکیہ کے انوار و برکات یہاں بھی نظر آرہے ہیں۔"

اس علاقہ سے وہ مردِ خدا بھی اسلام کی سربلندی اور استحکام اور اعلائے کلمۃ اللہ کے لیے اٹھ کھڑے ہوئے جن کو عالم اسلام نے "امام ابوالحسن علی الندوی رحمہ اللہ" کے نام اور لقب سے پکارا ہے، جن کے بارے میں لکھنے والوں نے اتنا لکھا ہے کہ شاید تاریخ اسلام میں شخصیات عباقرہ کے باب میں بہت کم ایسے عباقرہ گذرے ہیں۔ جن کا تذکرہ اتنی تفصیل اور تنوع سے قلمبند کیا گیا ہے اور بولنے والوں کا تو اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی کو معلوم ہی نہیں ہے۔انہیں کے خاندان کے افراد اور اسی سلسلے کے چشم وچراغ ایسے آگے بڑھے کہ ہر ایک نے مینارۂ نور بن کر دنیا کو روشن کیا، اور مسلمانوں کی ضمیروں کو جھنجوڑا۔

حضرت امام سید ابوالحسن علی ندوی ؒ کے خاص خاندان اوان کی محترمہ ہمشیرہ کے گھر میں ایسی شخصیات پیدا ہوئیں، جنہوں نے اسلام کی آبیاری میں ذرہ برابر کوتاہی نہیں کی ہے، اور قرآن عظیم الشان کی آیت مبارکہ:

"من المؤمنين رجال صدقوا ما عاهدوا الله عليه فمنهم من قضى نحبه ومنهم من ينتظر وما بدّلوا تبديلا"

کے مصداق بن گئے ہیں۔

حضرت مولانا سید واضح رشید ندوي رحمہ اللہ اسی برخوردار اور فاضلہ بہن (امۃ العزیز) کے فرزندوں میں ایک فرزند تھے۔جن کی تزکیہ وتربیت، نشوونما اور راہِ حق پر گامزن ہونے کے لیے والدہ نے کمال کیا، اور ایسی تربیت کی کہ یہ معصوم بچہ اس حدیث کا مصداق بنا جس میں ارشاد ہے: "كل مولود يولَد على الفطرة"

اس خاندان کی خصوصیات، اس عظیم ماں کی حسن تربیت، اور ماحول کے بارے میں اس خاندان کے صاحبانِ قلم اور محبین و مخلصین تفصیل سے روشنی ڈالیں گے انشاء اللہ! اور احقر جیسے کم علم اور نادان اور فراق زدہ کے لیے نہ زیادہ لکھنا مناسب ہے اور نہ ہی اس کی ہمت ہے، بس اتنا کہوں کہ اس خاندان کے ایسے افراد سے میری ملاقات اور تعارف ہوا جن کی صفات اور خصوصیات میں آج تک ذہن حیران اور ششدر ہے۔

بندہ ایران میں رہتا ہے اور میرا تعلق ایران ہی سے ہے، اعلی تعلیم کے لیے جب پاکستان جانا ہوا، جو ہمارے پڑوس میں ہے، خوش قسمتی سے میرا داخلہ دارالعلوم کراچی میں ہوا، الحمدللہ وہاں پانچ سال پڑھ کر دورۂ حدیث سے فارغ ہوا، وہاں کبھی کبھی حضرت علی میاں رحمہ اللہ تعالیٰ کا مبارک نام سنتا تھا، اور ان کی تعریف میں اساتذۂ کرام، بالاخص شیخ الاسلام مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ سے کئی

مرتبہ اونچے کلمات سننے میں آئے، اور ان کی کتابوں خاص طور پر "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" کے بارے میں بہت کچھ سنتا تھا، مگر کتابیں ہر جگہ نہیں ملتی تھیں، خاص طور پر عربی کی کتابیں ناپید تھیں، کراچی میں دوران تعلیم "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" کا شوق اور تلاش رہا، صرف ایک دن عصر سے مغرب تک ایک مہمان کے ہاتھ میں دیکھ کر کچھ ورق گردانی کی اور بس۔

اس کے بعد اپنے ملک واپس آ کر "جامعہ دارالعلوم زاہدان ایران" جو اہل سنت والجماعت کا بڑا مرکز ہے، اس میں تقرری ہوئی، زاہدان میں عربی کا بہت اچھا ماحول تھا، استاذ محترم حضرت شیخ الاسلام مولانا عبدالحمید (صدر و مہتمم دارالعلوم زاہدان) اور استاذ محترم مولانا مفتی محمد قاسم مدظلہ (استاذ حدیث جامعہ ہذا) کی محنتوں اور جدوجہد سے حضرت علی میاں رحمہ اللہ کا تعارف پہلے سے یہاں ہوا تھا اور ان کی بہت ساری کتابیں دستیاب تھیں اور استفادہ آسان تھا، اس لیے حضرت مولانا علی میاں رحمہ اللہ سے ملنے کا شوق بڑھ گیا، اور بہت خواہش تھی کہ سفر ہو جائے، مگر بہت سارے اعذار کی وجہ سے سفر سے پہلے حضرت اس دنیا سے کوچ کر گئے، چند سالوں کے بعد سنہ ۱۴۲۳ ہجری میں ہندوستان کا پہلا سفر ہوا۔

اس سفر میں دل شکستہ بندہ دہلی سے لکھنؤ کی طرف روانہ ہوا، صرف حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کے بارے میں سنا تھا کہ حضرت مولانا علی میاں رحمہ اللہ کے جانشین ہیں، ان کے علاوہ اور کسی کو نہیں جانتا تھا، صبح کا وقت تھا جب لکھنؤ پہنچ کر ندوۃ العلماء کی طرف روانہ ہوا، نہ کسی سے کوئی تعارف، نہ رابطہ اور تعلق، بس حضرت علی میاں رحمہ اللہ کے دیار کا شوق اور ان کے خاندان کے افراد سے ملنے کا ارادہ لے کر کئی ہزار کلو میٹر ہائے روڈ سفر کی مشقت اٹھائی، اور ایران سے پاکستان ہوتے ہوئے لکھنؤ پہنچ گیا۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل ہونے کے بعد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کے بارے میں کسی سے معلوم کیا، پتہ چلا کہ حضرت تشریف رکھتے ہیں، ان سے ملاقات کے بعد حضرت مولانا مفتی محمد قاسم صاحب مدظلہ (استاذ حدیث) اور مفتی دارالعلوم زاہدان کا خط پیش کیا۔

ایک ادنیٰ مسکین طالب علم، ایک عظیم الشان انسان کے سامنے کیا کہہ سکتا ہے، اور کیسے اپنے عشق و عقیدت کا اظہار کر سکتا ہے، مگر اس عظیم انسان کو اللہ تعالیٰ نے ایسی صفات سے نوازا ہے، جن کی مثال عام مسلمانوں میں تو کیا، خواص میں بھی مشکل سے نظر آتی ہے

انتہائی محبت اور خندہ پیشانی سے پیش آئے، احقر نے عرض کیا کہ میں تین دن کے لیے آیا ہوں، حضرت نے فرمایا: "ہم تو شام کو تین دن کے سفر کے لیے غازی پور کسی جلسہ میں جا رہے ہیں" احقر نے افسوس کا اظہار کرتے ہوئے عرض کیا: "کیا ممکن ہے بندہ بھی ساتھ چلے اور اپنا کرایہ خود دیدے؟" حضرت نے فرمایا: "معلوم کر کے بتادوں گا" اللہ تعالیٰ بہتر جانتے ہیں کہ میں کتنا پریشان ہوا اور دعا میں مصروف رہا۔ عصر کے بعد مہمان خانے کے سامنے حضرت مولانا سید محمد رابع ندوی مدظلہ جلوہ افروز ہوئے اور چائے پینے کی مجلس تھی، چند اور احباب بھی تھے، حضرت مدظلہ نے احقر سے سرگوشی کر کے فرمایا: "آپ کا بھی ٹکٹ ہوا ہے، آپ ہمارے ساتھ غازی پور جائیں گے" اور یہ بھی فرمایا: "کرایہ ہم خود دیدیں گے۔"

یہ سن کر احقر اتنا خوش ہوا کہ آج تک اس خوشی کی لذت کا احساس ہو رہا ہے، مغرب کے بعد روانگی ہوئی، حضرت کے ساتھ چند ساتھی اور بھی تھے، جن میں حضرت مولانا سید واضح رشید ندوی، مولانا سید اسحاق حسینی ندوی (برادر حضرت مولانا سید سلمان حسینی ندوی مدظلہ) حاجی عبدالرزاق (خادم خاص) رحمہم اللہ تعالیٰ اور مولانا شاہد ندوی اور ایک باوقار بزرگ - شاید ڈاکٹر قریشی کے نام سے - شامل تھے

ان بزرگوں سے بندہ کے تعارف سے ایک دن بھی نہیں گذرا تھا، مگر ان کی طرف سے ایسی خوردنوازی اور محبت و بے تکلفی جس کا میں تصور بھی نہیں کر سکتا تھا، یہ احقر کا مولانا سید واضح رشید ندوی رحمہ اللہ سے پہلا تعارف اور ان کے ساتھ سب سے پہلا سفر تھا، جس کو احقر اپنے لیے سعادتِ دارین سمجھتا ہے۔

حضرات شیخین بہت محبت سے پیش آئے اور بہت ہی اکرام فرمایا، پوری رات ٹرین میں گذری اور دن کو غازی پور پہنچ کر آرام کیا، رات کو جلسہ ہوا اور دوسرے دن شام کو پھر واپس ہوئے، تیسرے دن کی صبح کو ندوۃ العلماء پہنچ کر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا، یہ ایسا تاریخی سفر

تھا جس کی حلاوت اور شیرینی آج تک دل و دماغ پر چھائی ہوئی ہے، مہمان کا اکرام، محبین کی محبت کی قدر دانی، حالات کا جائزہ لینا، سفر میں ذکر اور اذکار میں مشغول رہنا، غازی پور کے لوگوں کو جب معلوم ہوا کہ ایران سے ایک مہمان ساتھ ہے تو انہوں نے پروگرام میں باقاعدہ اعلان کرنے کا پروگرام بنایا تھا کہ احقر کا بیان ہو جائے، مگر حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب مدظلہ کو جب اطلاع ملی تو انہوں نے سختی سے منع فرمایا کہ یہ جلسہ ملکی حالات کے جائزہ لینے کے لیے منعقد ہوا ہے، اس میں غیر ملکی مہمان کا بیان مناسب نہیں ہے، احقر کو اس بارے میں کچھ علم نہیں تھا، مگر حضرت نے بعد میں احقر سے فرمایا جس پر بہت خوشی ہوئی، بندہ نے ان کا شکریہ ادا کیا۔

یہ سفر اگرچہ بہت مختصر تھا، مگر اس لحاظ سے بہت اہم تھا کہ اس میں احقر کو بزرگوں کے ساتھ رہنے کا موقع مل گیا، اس دن سے ایک بات ذہن میں آرہی تھی کہ حضرت مولانا واضح رشید حسنی ندوی رحمہ اللہ اگرچہ عمر میں چند سال ہمارے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ سے چھوٹے ہیں، لیکن اپنے زمانے کے مشاہیر علماء اور محققین میں سے ہیں، آپ ایک زبردست، اور کامیاب مدرس و مؤلف ہیں، لیکن ہمیشہ پیچھے پیچھے چلتے ہیں، بغیر ضرورت کوئی بات نہیں کرتے ہیں، جب حضرت کسی سے بات فرمارہے ہیں تو حضرت مولانا واضح رشیدؒ کسی کونے میں خاموش رہ کر سنتے ہیں یا ذکر میں مشغول رہتے ہیں، برخلاف بعض جگہوں کے کبھی کبھی دیکھا جاتا ہے کہ شیخ کسی سے گفتگو کرتے ہیں تو مریدین بھی ساتھ ہو کر ان کی مدد کرتے ہیں یا اپنی طرف سے کوئی جواب دیتے ہیں۔

اس لیے مولانا مرحوم کو اللہ تعالیٰ نے جہاں بہت ساری اچھی صفات سے نوازا تھا، وہیں یہ خصوصیت بھی نمایاں تھی، یہ صفت کہنے میں تو آسان اور ایک معمولی بات لگتی ہے، ایک مختصر مدت کے لیے شاید اس پر عمل دشوار بھی نہ ہو، لیکن ایک لمبے عرصے کے لیے اس پر عمل اور اس کا خیال رکھنا بہت مشکل کام ہے، مگر اس کے لیے جس کو اللہ تعالیٰ اس مقام تک پہنچائے، اس کے لیے آسان ہے، اور یہ خصوصیت خاص صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صفات میں سے ہے۔

اس سفر کے بعد پھر اللہ تعالیٰ نے اس حقیر پر بڑا احسان فرمایا کہ چند سالوں میں کئی مرتبہ شیخین کی خدمت میں حاضری کا موقع دیا اور ساتھ رہنے کا شرف ملا، حضرت مولانا واضح رشیدؒ بندہ سے بہت محبت فرماتے، اور جب بھی ملاقات ہوتی تو تفصیلی طور پر حالات معلوم فرماتے تھے۔

یہ محبت اور والہانہ تعلق صرف احقر سے نہیں تھا، بلکہ کوئی بھی شخص جب ان سے ملتا تو یہی سوچتا کہ حضرت کو سب سے زیادہ مجھ ہی سے محبت ہے، ان مختلف اسفار میں لکھنؤ، رائے بریلی، حیدرآباد اور بھٹکل میں ساتھ رہنے کا موقع ملا، اس خاندان کے افراد میں اللہ تعالیٰ نے اس قدر خوبیاں اور خصوصیات رکھی ہیں جن کا شمار مجھ جیسے فقیر اور کمزور کے لیے مشکل ہے، ان اچھائیوں میں زہد اور اکرام کی صفات سب سے بڑھ کر نمایاں تھیں، جاننے والے اس میں شک و شبہ نہیں کریں گے۔

حضرت شیخ مکرم مولانا سید محمد رابع ندوی مدظلہ چند سالوں سے اپنے ضعف اور ادھیڑ عمری کی وجہ سے کبھی کھانا تناول فرمانے کے لیے کرسی پر تشریف رکھتے، کبھی احقر نے نہیں دیکھا کہ مولانا واضحؒ ان کے ساتھ ہوں، بلکہ وہ دوسرے مہمانوں کے ساتھ فرش پر بیٹھ کر کھانا تناول فرماتے اور جب احقر آجاتا اور کبھی دیر سے آتا کہ فرش پر بیٹھ جاؤں، لیکن داخل ہوتے ہی مولانا واضح رشیدؒ اشارہ فرماتے کہ: ”عبدالقادر! آپ مولانا کے ساتھ کرسی پر بیٹھ جائیں“ حضرت شیخ بھی حکم فرماتے جس کا انکار ممکن نہیں تھا۔

ایک مرتبہ احقر نے عرض کیا کہ مجھ کو ڈاکٹر کے پاس آنکھ دکھانے کے لیے جانا ہے، اگر لکھنؤ میں کوئی اچھا ڈاکٹر ہو؟ مقصد صرف معلومات کا حصول تھا، اچانک حضرت شیخ نے فرمایا: ”میں خود ساتھ جاؤں گا“ مجھے بہت شرم آئی تو حضرت مولانا واضح صاحب نے فرمایا: ”آپ کو جانے نہیں دیں گے، ہم خود ساتھ جائیں گے“ پھر حضرت مولانا واضح صاحبؒ خود ساتھ تشریف لائے۔ اس پیار اور محبت کا اثر آج تک بھی محسوس کر رہا ہوں، کبھی گھنٹے ساتھ رہنے کا موقع ملا، شرم کا احساس بھی ہے کہ اس فقیر کی کیا حیثیت ہے کہ مولانا واضح رشید صاحبؒ جیسی عظیم ہستی اتنا ساتھ رہے کہ اس میں کبھی گھنٹے لگ گئے، ایک مرتبہ حضرت مولانا واضح صاحب رحمہ اللہ کی خدمت میں

ڈاکٹر عبدالحیٔ عارفی صاحب رحمہ اللہ کی مقبول کتاب "اسوۃ الرسول ﷺ" کے عربی نسخہ کے بارے میں بات ہوئی تو حضرت نے فرمایا: "جب حضرت مولانا علی میاں رحمہ اللہ کے ساتھ کراچی کا سفر ہوا تو ڈاکٹر عارفی صاحب رحمہ اللہ سے ملنے کے لیے ان کے گھر جانا ہوا، تو حضرت عارفی رحمہ اللہ نے "اسوۃ الرسول ﷺ" کے عربی نسخہ کا مسودہ حضرت رحمہ اللہ کی خدمت میں پیش کر کے فرمایا کہ آپ اس پر تقریظ لکھیں۔ حضرت مولانا رحمہ اللہ نے فرمایا: ہم پہلے اس کی عربی کو دیکھیں گے، تو اس کو میرے (مولانا واضح") حوالہ فرمایا، میں نے اس کی عربی دیکھی، بہت غلط تھی، ایک ہفتہ کے اندر اس کی تصحیح کرلی پھر فرمایا: "اس کتاب میں اتنی نورانیت اور انوار کا مجھ کو احساس ہوا جس کو آج تک میں محسوس کر رہا ہوں، اور یہ حالت کسی اور کتاب میں نہیں دیکھی ہے، اس لیے یہ بہت مبارک کتاب ہے۔"

ہمارے شیخ الاسلام مولانا عبدالحمید مدظلہ (مہتمم جامعہ دار العلوم زاہدان-ایران) اور ایران میں سنی برادری کے معروف، مایہ ناز اور باوقار شخصیت، مرکز الامام الندوی رائے بریلی لکھنؤ کے افتتاح کے لیے تشریف لائے تھے، احقر بھی ساتھ تھا، ایک رات میں حضرت شیخ الاسلام مدظلہ، حضرت مولانا سید محمد رابع ندوی مدظلہ سے بات چیت فرما رہے تھے، اور بندہ حضرت مولانا واضح رشید" کے ساتھ ایک کونے میں بیٹھ کر باتیں کر رہا تھا کہ مولانا واضح" نے حضرت شیخ الاسلام کے بارے میں عجیب جملہ فرمایا، شیخ الاسلام کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: "ان کا دل زندہ ہے، اس میں کشش بہت ہے" میں نے بھی اثبات میں جواب دیا کہ جی اہل اللہ میں سے ہیں اور معمولات اور اعمال کے بہت پابند ہیں، اللہ تعالی نے ان سے بہت کام لیا ہے۔

حضرت مولانا واضح صاحب رحمہ اللہ تعالی کا قرآن سے شغف اور محبت اور ان سے عشق وعلاقہ سب کا زد تھا، کبھی مسجد کے ایک گوشہ میں اور کبھی مہمان خانے میں تلاوت میں اتنے مصروف رہتے تھے کہ لوگوں کا آنا جانا ہوتا اور بہت رش بھی، لیکن حضرت اپنی تلاوت میں جان ودل سے مصروف رہتے، اور آخر عمر میں قریب سے دیکھنا اور پڑھنا مشکل تھا تو حضرت رحمہ اللہ دوسروں سے سنتے تھے، کبھی اپنے پوتوں سے اور کبھی کسی طالب علم سے، یہ ان کی خصوصیت تھی، اس لیے کہ بہت سارے لوگ جب تلاوت کرنے سے معذور ہوتے ہیں تو تلاوت کو چھوڑ دیتے ہیں اور یہی عذر پیش کرتے ہیں کہ جب تک معذوری نہیں تھی تو ہم روزانہ تلاوت کرتے، اب تو عذر کی وجہ سے تلاوت نہیں کر سکتے، لیکن ہمارے حضرت رحمہ اللہ نے تلاوت نہ کر سکنے کی وجہ سے قرآن کی سماعت اور غور وخوض کو نہیں چھوڑا، بلکہ اس میں بھی کبھی معمول سے زیادہ سنتے تھے، جیسے ان کے پوتے نے لکھا ہے کہ آخری دن میں وہ سناتے تھے، اور وفات سے ایک دن پہلے سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران پورا سنایا ہے۔

جب احقر کا لکھنؤ کا سفر ہوتا تو حضرات شیخین کو قریب سے دیکھنے کی نوبت بار بار پیش آتی، اس میں مجھ کو ان کی بہت ساری ادائیں پسند آتی تھیں، خاص طور سے جب کبھی مسجد کے ایک طرف کرسی یا زمین پر بیٹھ کر دعا میں مصروف نظر آتے تو احقر کے دل میں ہمیشہ یہ خیال آتا کہ ہمارے اکابر کس طرح سے اپنے مولائے کریم سے راز ونیاز کرتے ہیں، اور ان کو اس میں کتنی لذت آتی ہے۔

دو سال پہلے جب لکھنؤ کا سفر ہوا، تین دن قیام کے بعد احقر ان سے ملنے اور الوداع کہنے کے لیے حاضر ہوا تو بڑی محبت سے گلے ملایا اور فرمایا: "آپ کے آنے سے ہم بہت خوش ہوتے ہیں" یہ بھی فرمایا: "مگر تین دن کافی نہیں، کم سے کم ایک ہفتہ رہیں"، اس پر احقر بہت شرمندہ ہوا اور ان کی محبت کو اپنے لیے سعادت دارین سمجھتے ہوئے یہ ارادہ کیا کہ آئندہ جتنا زیادہ وقت میسر ہو، یہیں مشائخ کی کفش برداری اور خدمت میں گذاروں گا۔ اسی لیے احقر کا آخری سفر جو اسی سال ربیع الاول ۱۴۴۰ھ میں ہوا، پانچ دن لکھنؤ میں قیام کی نیت سے حاضر ہوا اور اللہ تعالی نے بڑا احسان فرمایا کہ پانچ دن اور رات شیخین کی خدمت میں گذارنے کی توفیق ہوئی۔ (تین دن لکھنؤ، دو دن رائے بریلی میں)

اسی آخری سفر میں رائے بریلی کے قیام کے دوران ناشتہ حضرت مولانا جعفر صاحب مدظلہ وسلمہ اللہ (جو ہمارے حضرت کے فرزند ارجمند اور ہمارے شیخ حضرت مولانا سید محمد رابع ندوی مدظلہ کے داماد ہیں) کے گھر میں ہوا، عجیب منظر تھا، ایک دو مہمان آئے تھے،

ناشتہ ان کے ساتھ ہوا، ان کے جانے کے بعد شیخین گھر کے صحن میں کرسی پر تشریف فرما تھے، حضرت مولانا جعفر مدظلہ سے بہت سارے ضروری موضوعات پر بات ہوئی، پھر گھر کے صحن میں جا کر شیخین کے ساتھ بیٹھنے کی سعادت حاصل ہوئی، اور مولانا جعفر نے بہت محبت اور پیار سے پورے گھر کا نقشہ اندر سے دکھایا اور تفصیل بتادی کہ شروع میں کتنے کمرے تھے، اب کتنے ہیں، ایک حصہ میں باغ تھا، وہ دکھایا اور بہت محبت فرمائی، گویا اپنے گھر کے کسی آدمی کو دکھا رہے ہیں اور ان سے بات کر رہے ہیں۔ یہ منظر اتنا دلنشیں اور دلربا تھا کہ شاید زندگی بھر اس کے اثرات باقی رہ جائیں۔

اس تفصیل کا مقصد یہ تھا کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے جو فرمایا ہے: "من کان یؤمن باللہ والیوم الآخر فلیکرم ضیفہ" یہ حضرات اس پر ایسا عمل کرتے ہیں، جس کا تصور دوسروں کے لیے غیر ممکن ہے۔

جب بندہ کا سفر ہوتا اور حضرت سے ملاقات ہوتی، تو نئی کتاب کا ذکر فرماتے اور سوال فرماتے کہ آپ کے پاس ہے یا نہیں؟ جب جواب نفی میں ہوتا تو فوراً منگواتے اور جتنے نسخوں کی ضرورت ہوتی ہدیہ فرماتے۔ ان کی ہر کتاب ایک کتب خانہ ہے، زندگی بھر کے مطالعہ کا نچوڑ ہے، ہر طالب حق کے لیے ہدایت کا مینار اور صراط مستقیم پر چلنے کے لیے نور ہے، حضرت سے فون پر آخری مکالمہ کا شرف جمادی الاولی ۱۴۴۰ھ کے شروع میں حاصل ہوا، جب احقر کی والدہ وفات پائیں، اسی وقت محب محترم مولانا سبحان ثاقب ندوی حفظہ اللہ (خادم خاص حضرت مولانا سید محمد رابع مدظلہ) نے واٹس اپ سے رابطہ کر کے فرمایا: "شیخین تعزیت کے لیے بات کرنا چاہتے ہیں" احقر کے لیے سعادت اور اس عظیم حادثہ کے وقت ایک سہارا معلوم ہوا، پہلے حضرت مولانا سید محمد رابع ندوی مدظلہ سے بات ہوئی، اور انہوں نے ایسے کلمات سے تعزیت کی کہ الحمد للہ غم بہت ہلکا ہوا، اس کے بعد حضرت مولانا واضح رشید ندوی رحمہ اللہ نے بات کی، ان کا ایک جملہ آج تک یاد ہے کہ فرمایا: "والدہ کی وفات بہت سخت ہے" اور فرمایا کہ: "ہم کو آج تک ہماری والدہ کی وفات کی تلخی کا احساس ہے" پھر چند مبارک جملوں میں دعا فرمائی، یہ احقر کی آخری گفتگو تھی۔

یہ چند پراگندہ یادیں تھیں جو احقر کو یاد ہیں، ان کو اس کاغذ پر منتقل کر رہا ہوں، شاید دل کے غم اور ذہن کی پریشانی اور قلب کے لیے جو ان کے جانے سے تاثر اور زخم ہوا ہے مرہم ہو جائے۔

حضرت مولانا رحمہ اللہ اپنے ماموں حضرت مولانا علی میاں رحمہ اللہ کی طرح ایک اونچے درجہ کے مفکر اور صاحب ذوق مؤرخ تھے، ان کی تحریری اور تقریری باتیں مختصر مگر پرمغز اور بقول معروف: "دریا کو کوزہ میں بند کرنا" کے مرادف تھیں، اس لیے احقر مناسب سمجھتا ہے کہ آخر میں ان کے افکار اور آراء کے جاننے کے لیے ان کی تقریر کا ایک اقتباس پیش کر لوں، جس میں انہوں نے پٹنہ کے ایک سیمینار میں علماء، فقہاء، اصحاب افتاء اور طلباء کو مخاطب کر کے پیش فرمایا ہے، میرے خیال میں جس انداز سے انہوں نے اس تقریر میں اپنے افکار کی تلخیص اور آراء کا نچوڑ اور علماء کی ذمہ داری کے موضوع پر پیش فرمایا ہے، شاید کہیں اور اتنے مختصر اور جامع الفاظ میں کم مل پائے، وہ فرماتے ہیں:

"وقت کم ہے، زیادہ تفصیل سے بات نہیں کی جا سکتی، آپ کی پوری توجہ فقہ کی طرف ہے، جیسا کہ اس ادارہ کا مقصد ہے کہ اس میں فقیہ پیدا کیے جائیں، فقہ ایک اہم موضوع اور وقت کی اہم ضرورت ہے، ہر دور میں اس کی ضرورت ہے، ہر ماحول میں اس کی ضرورت ہے، جہاں بھی مسلمان رہتے ہیں، وہاں اس کی ضرورت ہے، اس دور میں فقہ کی اہمیت بڑھ گئی ہے، دوسرے موضوعات سے اس کی اہمیت بڑھ گئی ہے، اس وقت اسلام پر ہر طرف سے حملہ ہو رہا ہے، وہ حملہ مختلف نوعیت کا ہے، وہ سیاسی بھی ہے، عسکری بھی ہے، ثقافتی بھی ہے، وہ فکری بھی ہے، وہ اسلام پر بھی ہے، وہ عالم اسلام پر بھی ہے، وہ مسلمانوں پر بھی ہے، یہ تلخ حقیقت ہے، جو لوگ حالات سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ حقیقت میں اس وقت اسلام اور مسلمان حالت حرب میں ہیں، ان پر الزام لگایا جاتا ہے دہشت گردی کا، لیکن وہ خود دہشت گردی کا شکار ہیں، ان پر دہشت گردی تھوپ دی گئی ہے، اسلام کو دہشت گرد مذہب ثابت کیا جاتا ہے، جو اسلام "دین سلام" لے کر آیا، "ادخلوا فی السلم کافۃ" لیکن انہوں

نے جان بوجھ کر یہ جنگ چھیڑی ہے، صلیبی جنگوں کی ناکامی کے بعد یورپ نے یہ طے کیا، اس کے ایک مصنف نے لکھا بھی ہے کہ ہم جنگ کر کے ناکام ہو گئے، اس لیے کہ جنگ سے مسلمانوں میں ایک نئی طاقت پیدا ہو جاتی ہے، وہ طاقت پیدا ہوتی ہے شہادت کے شوق سے، جو قرآن وحدیث اور تاریخ سے شوق پیدا ہوتا ہے، جان دینے کا شوق، جان لینے کا شوق نہیں، بلکہ جان دینے کا شوق، ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ لوگ مریض سے ملنے گئے اور شفا کی دعا دی تو انہوں نے کہا کہ ایسی دعائیں مت دو، ہم تو محمد ﷺ اور ان کے اصحاب سے ملنے کا شوق رکھتے ہیں، شہادت کے طور پر مرنے کا شوق، اس کا لوگوں نے اعتراف کیا ہے، تو انہوں نے طے کیا کہ ہم جنگ کے ذریعہ ان کو شکست نہیں دے سکتے ہیں، اس کا ایک راستہ ہے، تاریخ پڑھیں، آپ کو تاریخ میں یہ چیزیں ملیں گی۔ وہ راستہ یہ ہے؛

انہوں نے اسلامی علوم کو موضوع بنایا، اسلامی تاریخ کو موضوع بنایا، سیرت کو موضوع بنایا، اور پھر اس کی سرپرستی کی، مصنفین کی تعداد پیدا کی کہ وہ اسلام کے خلاف تصور پیش کریں، یہ علمی جنگ ہے، فکری جنگ ہے، باقی جنگ کر کے ملکوں پر حملہ کرنا یہ الگ ہے۔

علمی وفکری جنگ زیادہ تیز ہو گئی ہے، اس میں ایک دوسری بات بھی پیدا ہو گئی کہ مسلمان دانشور، نام نہاد مسلمان دانشور، اسلام کی تحریف میں لگے ہوئے ہیں، آپ لوگ پڑھتے ہوں گے، ایک تعبیر چلی ہے "معتدل اسلام" کی، "لیبرل اسلام" کی، لیبرل کے معنی آزاد کے ہیں، آدمی آزاد ہو، جائز وناجائز، حلال وحرام، ان چیزوں کی فکر نہ ہو، ایک "سیکولر اسلام" ہے، سیکولر کے معنی ہیں مذہب اور حکومت و سیاست میں جوڑ نہ ہو، مذہب ایک شخصی معاملہ ہو، جو کلیسا کے ساتھ ہوا کہ کلیسا الگ رہے، حکومت الگ رہے، دین دین والوں کے لیے اور دنیا دنیا والوں کے لیے، تو اسلام میں بھی مذہب کو حکومت سے الگ کر دیا جائے اور مذہب شخصی معاملہ ہو، تو مذہب جب شخصی معاملہ ہے تو پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ختم ہو جاتا ہے، اسلام جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مذہب ہے؛ "أدع الی سبیل ربک بالحکمة والموعظة الحسنة" اور "الدین النصیحة" اسلام کی بنیاد ہے، دوسرے مذہب میں یہ بات نہیں ہے، دوسرے مذاہب میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں ہے، جب شخصی معاملہ ہو گا، تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ختم ہو جائے گا، کسی شخص کو ٹوکا نہ جائے گا، چاہے وہ کسی طرح کی بھی برائی میں مبتلا ہو، اس لیے کہ یہ اس کی شخصی زندگی میں مداخلت ہو گی۔

یہ تعبیرات سب یورپ نے ایجاد کی ہیں، مسلمان جو جدید تعلیم حاصل کرتے ہیں، دینی تعلیم حاصل نہیں کرتے ہیں، جو اسلام کو صحیح طور پر نہیں جانتے ہیں، جنہیں علماء کی صحبت حاصل نہیں رہتی ہے، دینی کتابوں کو نہیں پڑھا ہے، صرف مغربی لٹریچر پڑھا ہے، ان میں بہت سے اسی طرح کی فکر کو پیش کر رہے ہیں، اور اسے اسلامی فکر کہا جا رہا ہے، یہ داخلی خطرہ ہے، ہمارے لیے یہ زیادہ خطرناک ہے کہ جو اسلامی لباس اور مسلمانوں کے نام سے اسلام کو غلط انداز میں پیش کر رہا ہے، ہمیں اس سے واقف ہونا چاہیے، فقہ کے اشتغال کے ساتھ ان چیزوں سے واقفیت رہنی چاہیے، آپ اس سے واقف ہوں، آپ مفکر بننے کی کوشش کریں، غلط قسم کے جو مفکر بن رہے ہیں، ان کے مقابلہ کے لیے ایسے لوگوں کی ضرورت ہے، جو ان کی زبان میں، ان کے اسلوب میں، ان کے غلط فکر کی تردید کر سکیں، وضاحت کر سکیں، اور اس وقت کوشش کی جا رہی ہے کہ عوام کو علماء سے کاٹ دیا جائے، اسلام کو علماء سے کاٹ دیا جائے، اور خود ان نصوص کو پڑھ کر جو مفہوم سمجھ میں آئے، اس کو پیش کیا جائے، ایسے کئی مفکر پیدا ہو گئے ہیں، ان کو علماء سے انقباض ہے، وہ علماء سے واقف نہیں ہیں، میری بات کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ میں فقہ کے ساتھ اسلام کی فکر، ملت کی فکر، دین کی فکر پیدا ہو، آپ اسی لحاظ سے مطالعہ کریں تیاری کریں۔" (اقتباس از مقالہ؛ مولانا مفتی عبدالباسط ندوی پٹنہ)

اللہ تعالیٰ سے عاجزانہ دعا ہے حضرت مولانا واضح رشید حسنی ندوی رحمہ اللہ کی مغفرت فرمائیں، اسلام اور ملت اسلامیہ کی طرف سے ان کو اجر جزیل عطا فرمادیں، ان کے اہل وعیال اور متعلقین اور منتسبین کی حفاظت فرمادیں، خاص طور پر شیخ المشائخ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کے سایہ مبارک کو عافیت اور سلامتی سے ہمارے لیے تادیر قائم رکھے۔ آمین!

مدرسة سيدنا ابو بكر الصديقؓ و جامعة أسماء للبنات

ایک نظر میں

☆ بچیوں کی تعلیم فراغت تک ہوتی ہے

☆ چوبیس کمرے ہیں، جن میں سات پر چھت باقی ہے۔

☆ دس کمرے پلاسٹر کے لیے باقی ہیں۔

☆ بچیوں کا نصاب مدرسہ عائشہ للبنات، رائے بریلی کا ہے۔

☆ پچاس بچے کھانے والے اور انیس آدمی کام کرنے والے۔

☆ ماہانہ خرچ ایک لاکھ روپے تقریباً۔

☆ ساٹھ بچے حفظ قرآن مجید کی تکمیل کر چکے ہیں۔

☆ ستر طالبات عالمیت سے تکمیل کر چکی ہیں۔

☆ ناظم مدرسہ حضرت مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی

☆ نائب ناظم مدرسہ مولانا اسداللہ ندوی

☆ بانی و مہتمم حافظ خالد سیف اللہ سلطان پوری

☆ ۱۹۹۸ میں مسجد کا سنگ بنیاد مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے دست مبارک سے رکھا گیا تھا۔

☆ علاقہ کے تعاون سے مدرسہ چل رہا ہے، مدرسہ مخیّر حضرات اور اہل دل کی توجہ کا محتاج ہے۔

مقام: کمال پور، پوسٹ: کروار، ضلع: سلطان پور Mobile: 9935184721

کس قدر غم ناک ہے یہ سانحہ جرعہ جرعہ زہر غم کو پیجئے

فخر العلماء حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ کی وفات نہ صرف اہل خانہ کے لیے بلکہ پوری امت محمدیہ کے لیے عظیم ایک خسارہ ہے، آپ کا وجود سراپا خیر وبرکت تھا، اللہ تعالی ہم سب کو آپ کے ادھورے کاموں کی تکمیل کا حوصلہ اور جزبہ عطا فرمائے اور ہمیں آپ کو نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین!

محمد اسامہ یوسف ندوی

مدینہ میڈیکل اسٹور

Alwal Deoria, Baggi Road, Gonda

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ کی وفات سے دینی علمی ودعوتی تحریکات وسرگرمیوں میں ناقابل تلافی نقصان پہنچا ہے، اللہ تعالیٰ اس خلا کو پُر فرمائے اور امت کو آپ کا نعم البدل عطا فرمائے۔

(بانی و سابق ناظم) مولانا نیاز احمد ندویؒ

ناظم: مولانا مسعود احمد ندوی

مدرسہ طیبۃ الاسلامیۃ للبنات

(بچیوں کی دینی وفکری تعلیم وتربیت کا قابل اعتماد مرکز)

شیخواڑہ، قلعہ بازار، رائے بریلی

ایک پاک دل و پاک باز انسان

مولانا محمد ناظم ندوی (رئیس المعہد الاسلامی-مانک منو)

بے وقت جب فون آتا ہے تو نبض کی حرکت رکنے لگتی ہے اور دل کی دھڑکن تیز ہو جاتی ہے، ایسے وقت میں کسی اہم حادثہ کی خبر ہوتی ہے یا کسی خوشی و مسرت کی، فون کرنے والا بے قابو ہو جاتا ہے، وہ اپنے بے تابانہ جذبات پر کنٹرول نہیں کر سکتا، نماز فجر کے وقت ایسا ہی فون آیا، بھرائی ہوئی آواز میں ہمارے کرم فرما دوست اور اردو و عربی کے سحر طراز ادیب مولانا علاؤ الدین ندوی نے جانکاہ خبر سنائی جسے سننے کے لیے قلب و جگر آمادہ نہ تھے، لیکن قضا و قدر اور مشیت ایزدی کے فیصلہ کے آگے سر خم کرنا پڑتا ہے، پھر تصدیق کے لیے برادرم جناب مولانا محمد اقبال صاحب ندوی غازی پوری کو فون کیا، انہوں نے بھی کہا کہ مولانا محمد واضح رشید ندوی اللہ کو پیارے ہو گئے۔ إنا للہ و إنا إلیہ راجعون۔ نماز فجر کے بعد احباب و رفقاء نے قرآن پڑھ کر ایصال ثواب کیا۔ إن للہ ما أخذ و لہ ما أعطی و لکل شیء عندہ أجل مسمی۔

● موت ایک امر یقینی ہے، کسی بھی فرد بشر کو اس سے انکار کی طاقت نہیں، صبح و شام اس حلقۂ زنجیر سے انسانوں کو آزاد ہوتا ہوا دیکھتے ہیں، لیکن جن کی زندگی ماہتاب سے بھی تابندہ تر ہوتی ہے، جن کی خدمات کا دائرہ آسمان کی جولان گاہ تک پہنچ جاتا ہے، اور جس کے شجر سایہ دار میں تھکے ہاروں کو تسکین ملتی ہے ان کے جانے سے انسانیت سسکتی ہے، تڑپتی ہے، اور دیدۂ انسان سے اشک پیہم رواں ہو جاتے ہیں، وہ تاب شکیبائی سے محروم ہو جاتا ہے۔ آج اس شجر سایہ دار کے اٹھنے سے ہزاروں نغمے خاموش اور طائران سرمست اداس ہیں، ہزاروں آپ سے فیض اٹھانے والے محبین و مخلصین، غم زدہ و نم دیدہ ہیں، یہ سانحہ آپ کے گھر، آل اولاد، حسنی خاندان، ندوۃ العلماء یا مربی و مرشد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی ہی کا نہیں بلکہ پوری ملت اسلامیہ اور پوری انسانیت کا خسارہ ہے، وہ نسل جو آپ کے علوم و افکار کی امین اور آپ کے خوان فکر سے جرعہ نوشیں کر رہی تھی، وہ آج بھی بہت نڈھال ہے، اور وہ افراد جو آپ کے طرز زندگی، اخلاق و کردار اور عمل و اخلاص سے اپنے دل کی سرد انگیٹھیوں کو گرما رہے تھے ان کا بھی خون دل بہہ رہا ہے، اور وہ سب خاموش زبان میں کہہ رہے ہیں:

ع کہاں جاؤں، کدھر دیکھوں، کسے آواز دوں

آپ کے انتقال سے جو خلا پیدا ہوا ہے، اللہ تعالی ہی اسے پر کر سکتے ہیں، اور اس زخم فرقت کو آہستہ آہستہ وقت کا مرہم ہی بھرے گا

● مولانا واضح رشید ندوی جنہیں اب قلم رحمۃ اللہ علیہ لکھتے وقت لرزتا ہے، یقیناً عربی زبان و ادب کے مزاج شناس اور اس کی نوک و پلک سے واقف تھے، بلکہ اردو زبان کی لطافت و باریکیوں پر بھی گہری نظر رکھتے تھے، وہ انگریزی زبان کی حلاوت و چاشنی بھی محسوس کرتے، ان زبانوں کے مصادر و مراجع سے آگہی حاصل کرتے، آپ کا مطالعہ صحرائی بگولوں اور سمندر کی پر پیچ موجوں کی طرح طویل و عریض اور عمیق تھا، اس پر زبان کی سلاست و رعنائی، شگفتگی و پاکیزگی، اس کے حسن معیار اور اس کی نزاکت و نزاہت کا شعور رکھتے تھے، آپ کا زبان و ادب کی حیثیت سے ادیبوں و نثر نگاروں کا تقابلی مطالعہ تھا، آپ نے قدیم جاہلی ادب کو بھی کھنگالا، اور جدید شعراء و مصنفین کے بھی اسالیب و معیار کو جانچا و پرکھا، آپ کی کتابیں اس کی شاہد عدل ہیں۔ مولانا مرحوم عربی اردو کی تشبیہات، تعبیرات، رموز و کنایات اور لفظوں کی نزاکت اور ان کے وزن و ٹمپریچر کو خوب جانتے تھے، وہ فن کی لطافت اور اسلوب کی ندرت کو پہنچانتے تھے، اس لیے آپ کی تحریروں میں نہ تعبیرات کے تاج محل ہیں نہ شوکت الفاظ کے قلعے، نہ بھاری بھرکم الفاظ ٹھونسنے کا ادنی شائبہ، نہ وہ کسی منحنی و چھوٹے جسم پر بڑی قبا چڑھاتے، نہ بڑے

جسموں کو تنگ و چست کرتا پہناتے، بلکہ سادہ و دل کش اسلوب میں ایسے الفاظ کے نگینے جڑتے چلے جاتے جن میں فکر و معانی کا ایک مواج و متلاطم سمندر ہوتا، برصغیر بلکہ عالم اسلام میں آپ کے افتتاحیے اور مضامین بڑے شوق سے پڑھے جاتے اور وقعت کی نگاہ سے دیکھے جاتے تھے، اب بھی کتاب دل کی تفسیریں لکھی جائیں گی، لیکن دل پر تیر کون مارے گا۔ اقبال مرحوم نے کہا تھا:

لکھی جائے گی کتاب دل کی تفسیریں بہت
ہوں گی اے خواب جوانی! تیری تعبیریں بہت
ہو بہو کھینچے گا لیکن عشق کی تصویر کون
اٹھ گیا ناوک فگن، مارے گا دل پر تیر کون

● یہ بھی صحیح ہے کہ مولانا صاحب الرائے بلکہ صائب الرائے انسان تھے، ان کی فہم و فراست میں نورِ الٰہی کا عکس جھلملاتا تھا، وہ بے لوث محقق تھے، مخلصانہ مشوروں سے نوازتے، تنظیموں، تحریکوں میں خاموش طریقہ سے جان ڈالتے، دارالعلوم ندوۃ العلماء کی تعمیر و ترقی میں، عالمی رابطہ ادب اسلامی کے علمی، ادبی پروگراموں میں، مسلم پرسنل لا بورڈ کی مؤثر نمائندگی و ترجمانی میں، بے شمار مدارس و مکاتب کے فروغ و استحکام میں، نوخیز نسل میں بھی اور پختہ کار قلمکاروں کی تحریروں میں بھی آپ کی نگاہ دوربیں اور تعمیری اصابت رائے کو نظر انداز نہیں کیا جاسکتا، خلوص و محبت سے انگلی پکڑ کر چلانا اور قدم قدم پر اپنی رائے سے نوازنا اور بڑے اہم امور میں خود اعتمادی کے ساتھ بروقت فیصلہ کا ہنر آپ کا طرۂ امتیاز تھا

ع جی ڈھونڈتا ہے بزم طرب میں انہیں، مگر

● اس میں بھی کوئی دو رائے نہیں کہ تعلیم و تربیت آپ کا پسندیدہ موضوع تھا، فرد کی تعلیم، سماج کی تعلیم، مکاتب و مدارس کی تعلیم، کالجز و یونیورسٹیوں کی تعلیم، مشرقی تعلیم، مغربی تعلیم، بچوں کی تعلیم، بچیوں کی تعلیم اور اس کے اہداف و مقاصد پر آپ کی بڑی نگاہ تھی، پوری دنیا کے نصاب تعلیم، نظام تعلیم اور طریقہ تعلیم پر آپ کے ناقدانہ مضامین اور تجزیاتی تبصرے منظر عام پر آتے رہتے تھے، آپ جانتے تھے کہ تعلیم کے راستے سے اخلاقیات کے شفاف چہرے کو کیسے گدلا کیا جارہا ہے اور تعلیم کے نام پر اباحیت و لذتیت کا راستہ صاف اور عقیدہ و فکر کے جیب و گریباں کو کیسے تار تار کیا جارہا ہے، اور کس طرح خطرناک رجحانات چور دروازوں سے انسانیت کو تباہ کر رہے ہیں، آپ نے بڑی جگر سوزی سے ان کے دفاع کی کامیاب کوششیں کی ہیں، اور بین الاقوامی ادارہ دار العلوم ندوۃ العلماء کے اسٹیج سے اس کی مؤثر و مثبت تدابیر اختیار کی ہیں، اور تعلیم کے حقیقی مفہوم و مقصد سے ملت کو آگاہ کیا اور انہیں جوہر علم اور جوہر زندگی کا راستہ دکھایا ہے، اور صاف بتلادیا ؎

اس قوم میں ہے شوخیٔ اندیشہ خطرناک
جس قوم کے افراد ہوں ہر بند سے آزاد

● اس میں بھی شک نہیں کہ سامراج کی چیرہ دستیوں، یورپ و امریکہ کی سازشوں، مغربی تمدن و ثقافت کی ریشہ دوانیوں اور دنیا میں اسلام کے خلاف اٹھنے والے نت نئے فتنوں سے مولانا واضح رشید صاحب ندوی نہ صرف واقف تھے بلکہ ان مصادر و مآخذ پر آپ کی گہری نگاہ تھی، وہ صہیونی و استعماری نظر و فکر پر ضرب لگاتے، انہوں نے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی قدس سرہ کے افکار و نظریات کو ہضم کرلیا تھا، اور اپنے مطالعہ و مشاہدہ سے اس پر نئی تعمیر کی، اور زمانہ کو بتلایا کہ تہذیب حاضر کی چمک جھوٹے نگوں کی ریزہ کاری ہے، آپ نے اس کے سمندر میں غواصی کر کے گوہر آبدار نکالے اور تدبر کی قلموں کاری پر قدغن لگائی، تہذیب کے پردے میں چھپے ہوئے خطروں کو بے نقاب کیا اور بڑے منطقی دلائل و سائنٹفک انداز سے اس پر نقد و تبصرہ کیا، آپ کی ہر تحریر میں کسی نہ کسی زاویے سے مغربی تمدن کے اخلاق سوز و انسانیت سوز فتنہ کا پردہ چاک کیا گیا ہے اور آپ کے نوک قلم نے ان کے غبارہ کی ہوا نکالی ہے۔

● علم و فن، تاریخ اور تحریکات کے نشیب و فراز سے ادنی وابستگی رکھنے والے شہادت دیں گے کہ عالم اسلام کے حالات، تغیرات، انقلابات، مختلف تنظیموں و تحریکوں کی یلغار، تاریخ کا مد و جزر اور عالمی حالات کا پس منظر یہ آپ کا پسندیدہ موضوع تھا، اسی تناظر میں وہ لکھتے، بولتے اور افراد تیار کرتے، یہ ان کی وسعت فکر کی جولان گاہ تھی، آپ کے اشہب تیز گام نے اس پر بارہا تیر و نشتر چلائے ہیں،

بڑی بڑی عبقری شخصیتیں ان کی جودت طبع اور فکری کاوشوں سے محظوظ ہوتی تھیں۔ محدث وقت حضرت مولانا محمد یونس صاحب مرحوم آپ کی تحریروں کو بہت سراہتے تھے، آپ کے مضامین کا ترجمہ "تعمیر حیات" میں برابر شائع ہوتا رہتا تھا، اگر کبھی یہ سلسلہ منقطع ہوجاتا تو شیخ الحدیث اس پر افسوس کرتے تھے۔ ایک دفعہ مجلس میں فرمایا کہ تم مولانا معین اللہ صاحب (اس وقت آپ باحیات تھے) سے میرا یہ پیغام پہنچادینا کہ تم نے "تعمیر حیات" صرف تصوف کا پرچہ بنادیا ہے، واضح رشید اور نذر الحفیظ سے کہو کہ وہ اس میں ضرور لکھیں اور عالم اسلام کی جو نازک صورت حال ہے اور اس پر جو فکری یلغاریں ہورہی ہیں، ان کا پردہ چاک کرتے رہیں، ہوسکتا ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ ان کے دام تزویر میں پھنسنے سے بچ جائے۔

● اس کی شہادت دینے والے بھی بے شمار ہیں کہ آپ قرآنی آدمی تھے، اور قرآن وسنت سے آپ کو کمال درجہ کا شغف و انہماک تھا، روزانہ تلاوت قرآن کا معمول تھا، قرآن میں تدبر اور غور کرتے، گھنٹوں گھنٹوں متن قرآن اور اس کی ایک ایک آیت، ایک ایک لفظ وترکیب پر غور فرماتے، اس کے اعجاز وبلاغت پر سر دھنتے، رموز ونکات اور معانی ومطالب کا ایک جہاں آباد کرتے، شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی کی طرح قرآن کے اسرار، نادر اسلوب، صوتی ہم آہنگی اور اس کی موشگافیوں سے قلب و روح کو تسکین دیتے، اس کے عالمی وآفاقی پیغام کو اخذ کرتے، اس پیغام وفکر نے آپ کو بھی عالمی وآفاقی بنادیا تھا، آپ نے یہ ذوق بہت سے دلوں میں منتقل کیا اور انہیں قرآن کے دامن سے وابستہ کردیا۔ مخلص داعی محترم مولانا سید عبداللہ حسنی ندوی مرحوم فرماتے تھے کہ مولانا نے مجھ سے بارہا کہا قرآن کا مطالعہ کرو، اس میں انفس وآفاق کا مشاہدہ کرو اور باصرار مجھے قرآن کا گھنٹہ دیا، اور بہت سے اصول بتائے، بہت سی تفسیروں کی نشان دہی کی جس سے مجھے بہت فائدہ ہوا، میں آپ کا ممنون کرم ہوں۔

● سینکڑوں شاگرد یہ بھی اعتراف کرتے ہیں اور ان کی بات میں صداقت ہے کہ مولانا کے درس میں ہمیں ذہن سازی و کردار سازی کے ساتھ ساتھ فکر ونظر کی تابانی اور تخیلات کی جولانی بھی ملتی تھی، عالمی حالات کے تناظر میں بہت سی تحریکات کے عروج وزوال کی تاریخ اور ان کا پس منظر معلوم ہوجاتا تھا، ادب عربی کے اسباق میں، شعراء وادباء کا علمی وادبی مذاق ومزاج اور ان کی علمی وفکری سطح کا بھی اندازہ ہوجاتا تھا، مختلف ادوار کے زبان وادب کے اسلوب، لہجے اور ان کے معیار سے اجمالی طور پر شناسائی ہوجاتی تھی، یہ مولانا کی عربی ادب کی قدیم وجدید نثر پر کمال قدرت کی دلیل تھی۔ "باب الحماسہ" وانشاء کا ہمارا سبق مولانا کے یہاں تھا، آپ اس انداز سے پڑھاتے کہ اشعار بھی یاد ہوجاتے اور شعراء کے ذوق ومزاج کے اعتبار سے اشعار کے مدح وذم کے پہلو سے بھی آشنائی ہوجاتی، انشاء میں خود اعتمادی کی جوت جگاتے، ہم جیسے عربی زبان سے نابلد بھی یہ محسوس کرنے لگتے کہ ہم بھی اچھی عربی لکھ سکتے ہیں۔

● یقیناً مولانا بہت سی خوبیوں کے مالک تھے، وہ عربی زبان وادب کے بے مثال ادیب ونقاد تھے، اردو وانگریزی پر بھی انہیں قدرت تھی، عالم اسلام کے علمی وفکری اضمحلال اور تحریکوں کے عروج وزوال کا ان کا وسیع مطالعہ ومشاہدہ تھا، صہیونی وسامراجی ریشہ دوانیوں اور ان کے نتائج وعواقب کا شعور رکھتے تھے، تاریخ کے نشیب وفراز سے واقف تھے، دارالعلوم ندوۃ العلماء کی منتظمہ کے رکن رکین، اور اس مؤقر وبین الاقوامی ادارہ کے معتمد تعلیم، عالمی رابطہ ادب اسلامی کی زلف گرہ کو سلجھانے اور جدت پسند ادیبوں کو تیکھے لہجہ میں جواب دینے والے، مسلم پرسنل لا بورڈ اور اس کے نازک و پر پیچ مسائل کی حکمتوں و مصلحتوں کو سمجھنے والے، مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندوی قدس سرہ کی دعوت وفکر کے سچے جانشین و امین، قرآن وسنت کے مخلص ترجمان، الرائد والبعث الاسلامی کے وقار ومعیار کو بلند کرنے والے، تحریک پیام انسانیت میں اپنے مشوروں سے جان ڈالنے والے، ایک درجن سے زیادہ کتابوں کے مصنف، بہت سی انجمنوں اور مکاتب ومدارس کے مربی وسرپرست، علم وفضل میں اختصاص کا درجہ رکھنے والے اور اس طرح کی متنوع وبے شمار خوبیاں حضرت مولانا کی ذات میں تھیں.....

لیکن ان خصوصیات وامتیازات کے ساتھ مولانا ایک پاک

طینت، پاک دل و پاکباز انسان تھے، ان میں قلندرانہ ادائیں تھیں، درد وسوز ہی ان کے لیے زندگی کا ساز تھا، وہ ربانی انسان تھے، ان کی سادگی، چشم پوشی، تواضع، علم، شرافت ومروت، توکل و انابت، قناعت و رضا، صبر و استقامت، عزیمت و مجاہدہ، ایثار وخلوص، عبادات میں شغف وانہماک، تلاوت قرآن کا ذوق، تہجد و اوابین، اشراق و چاشت، ادائیگی حقوق، انفاق فی سبیل اللہ، معاملات کی صفائی، بڑوں کی توقیر، چھوٹوں پر شفقت، ہر کام میں صالح نیت، ہر عمل میں استحضار الٰہی، خلوتوں میں نیاز، شبوں میں گداز، یہ سب ربانی انسانوں کی خصوصیات ہی تو ہیں۔ بہت سے حضرات کے نزدیک حضرت مولانا کی یہ شان قلندری ہی دوام زندگی کا راز ہے، اور یہی امتیازی خصوصیت ہے، علم وفضل کی دنیا میں کبھی کمی نہیں رہی، لیکن اخلاص، دین کی سچی تڑپ اور بے لوث زندگی وہ جنس گراں مایہ ہے جو کہیں خال خال ہی ملتی ہے۔

حضرت مولانا اس شب تاریک میں قندیل رہبانی تھے، خانقاہی مزاج ومذاق کے خوگر تھے اور معرفت ربانی کی شراب طہور سے سرشار، آپ نے مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندویؒ جیسے صاحب قلب ونظر کے سایۂ تربیت میں زندگی گذاری اور ان کی سینہ سوز نواؤں سے دل کی انگیٹھی کو گرمایا، اور آپ کی وجہ سے نہ معلوم کتنے اہل اللہ کے دربار میں حاضری ہوئی اور پھر خضر راہ مربی ومرشد حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی (اللہ تعالیٰ صحت وعافیت کے ساتھ انسانیت پر ان کا سایہ رکھے، آمین) کے ساتھ جلوت وخلوت سے مستفید ہوتے رہے، اور انہیں سے نسبت کا انتقال بھی ہوا، اور اس احسان وتصوف کا خلاصہ وماحصل یہی تو ہے کہ ہر وقت اپنے خالق ومالک کا استحضار رہے، اور ہر عمل میں دل ونگاہ کے سامنے یہ رہے کہ میرا مولیٰ مجھے دیکھ رہا ہے، وہ میری شہ رگ سے بھی زیادہ قریب ہے، وہ میری نبض کی گردش ہے، دل کی دھڑکن ہے، وہ آنکھ کی روشنی ہے، کان کی آواز ہے، سانسوں پر اس کے پہرے ہیں، سوچ وتخیل پر اس کی اجارہ داری ہے۔ مولانا ان سب باتوں پر عمل پیرا تھے، بلکہ امور شریعت بلاتکلف آپ کی ذات سے صادر ہوتے تھے۔ وہ اپنے مالک کی طرف متوجہ ہو کر کہتے۔

تیری ہر نظر نوازش میرا ہر نفس گذارش
تیرے پاس دونوں عالم، میرے پاس صرف دامن

اور اسی استحضار واخلاص کا درس اپنوں کو بھی دیا کرتے تھے۔

یوں تو مولانا سے ملاقات برابر ہوتی رہتی تھی، لیکن آپ کی افتاد طبع، عزلت گزینی، اخفا کا مزاج۔

اللہ اللہ یہ سلیقہ تیرا اے شعلۂ طور
کس طرح چھپا ہے تو نے نمایاں ہونا

اس کی وجہ سے تفصیلی گفتگو کے مواقع کم ہی میسر آئے۔ المعہد الاسلامی میں عالمی رابطہ ادب اسلامی کے پروگرام کے موقع پر آپ مہمان خانہ میں تنہا تشریف فرما تھے، میں کسی کام سے مہمان خانہ میں گیا، اس وقت آپ نے مجھ سے فرمایا: بیٹھو، پھر فرمانے لگے، ماشاء اللہ ادارہ تو تم نے اللہ کے فضل سے بڑا بنالیا ہے، طلبہ بھی کافی تعداد میں ہے، اور عوام کا رجحان بھی ماشاء اللہ خوب ہے، تعلیم پر بھی توجہ ہے، ہمیں عبد اللہ کے ذریعہ سب باتیں معلوم ہوتی رہتی ہیں، ہم تمہارے کام سے خوش ہیں، لیکن یاد رکھو! کاموں میں برکت اخلاص اور تصحیح نیت کے ذریعہ ہوتی ہے، حضرت مولانا ہمیں بار بار یہی نصیحت فرماتے تھے کہ ہر عمل کے وقت نیت کو ٹٹولو، نیت صحیح کرو، اللہ سے تعلق پیدا کرو، وہی کاموں میں جان ڈالتا ہے، اور ان میں مقبولیت پیدا کرتا ہے..... پھر آپ نے فرمایا: ہر مکتبۂ فکر کا احترام کرو، کاموں میں اعتدال وتوازن باقی رکھو، افراط وتفریط نہیں ہونی چاہئے، اور جو بھی عمل شروع کرو اس سے پہلے قرآن کی تلاوت کرلیا کرو، اس سے نور پیدا ہوتا ہے، ہر وقت اللہ تعالیٰ کا استحضار رہنا چاہیے، احسان وتزکیہ سے قلب مجلی ہوتا ہے، اور قلب ہی سے اعمال کا صدور ہوتا ہے، حضرت مولانا کی دیگر کتابوں کے ساتھ "دستور حیات" بھی برابر پڑھتے رہا کرو، آپ نصیحتیں فرمارہے تھے، اسی دوران کچھ اور حضرات تشریف لائے، اس وقت دل چاہ رہا تھا کہ یہ سلسلہ دراز رہتا۔ یقیناً آپ صاحب دل تھے، علم وفضل کے ساتھ قلب کا سوز وگداز بھی حاصل تھا، اللہ تعالیٰ نے سیال قلم کے ساتھ پرسوز دل بھی عطا کیا تھا، جس سے آپ کی تحریروں میں حلاوت کے ساتھ نافعیت وتاثیر تھی،

ہم جیسے نااہلوں کے لیے ان کے امتیازات کا ادراک بہت مشکل ہے، ان کی محبوبیت و مقبولیت کا اندازہ جنازہ میں شریک افراد کے ہجوم اور ان مغموم و اداس چہروں سے ہوتا ہے۔ ان کی غائبانہ نماز جنازہ پڑھی گئی، مسجد نبوی میں کھوکھا افراد نے آپ کی نماز پڑھی اور سب نے آپ کو ایصال ثواب کیا۔ اے بارالہ! اس اخلاص و وفا کے پیکر اور اس بھٹکے مسافر کو اپنی آغوش رحمت میں لے لے، اسے قدسیوں کی تسبیح خواں فوج کے حوالہ کردے، وہ اسے جھولا جھلائیں، اس کے خاکی شبستاں پر نور کی رم جھم برسادے۔ اے بارالہ! مولانا کی تربت پر شآبیب رحمت کا نزول فرما..... اور جو اس کی یاد کے اسیر ہیں انہیں صبر و سکون عطا فرما!

● رہے ان کے اہل خاندان مرشدی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی، برادرم مولانا جعفر حسنی ندوی، مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی، مولانا سید بلال عبدالحی حسنی ندوی، مولانا محمود حسنی و دیگر تمام گھر والے۔ انہیں دیکھ کر تو عزم و حوصلہ جوان ہوتا ہے، اس خاندان نے تو پوری دنیا کو عقیدہ و استقامت کا درس دیا ہے، خالص فکر و عقیدہ کے ذریعہ ملت اسلامیہ کی رہنمائی کی ہے، چٹان سے زیادہ مضبوط عقیدہ رکھنے والوں پر ہزار طوفاں آئیں، برق و باد سے انہیں واسطہ پڑے، وہ قضا و قدر کے فیصلہ کو صبر و رضا کے ساتھ برداشت کرتے ہیں۔ ان آنکھوں نے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن ندویؒ کے وصال پر دیکھا ہے کہ اتنا زبردست خلا پیدا ہوگیا تھا، لیکن رائے بریلی کی خانقاہ میں اگلے روز ہی تمام معمولات اسی طرح چلتے رہے..... مولانا کی تدفین کے بعد بھی ہمارے رفقاء و احباب میں اسی تعلق سے چہ می گوئیاں ہوتی رہیں، فون بھی آتے رہے، ہمارے محسن کرم جناب مولانا محمد جمال صاحب اعظمی جنہیں حال ہی میں ندوۃ العلماء کی مجلس منتظمہ کا رکن بھی منتخب کیا گیا، جو بہت قابل قدر انتخاب ہے، ان سے بھی ہم نے عرض کیا کہ عقیدہ و فکر کی صلابت غم و الم پر غالب آجاتی ہے، حسنی خاندان کو حق تعالی شانہ نے اس نعمت عظمی سے نوازا ہے، ہم نے بارہا اس کا مشاہدہ کیا ہے۔ حق تعالی اس نعمت کا اور وافر حصہ عطا فرمائے اور امت مسلمہ کو عقیدہ و فکر کی سلامتی سے نوازے، آمین!

علم نافع اور علم غیر نافع

”اسلام کی یہ خصوصیت ہے کہ اس نے دوسرے مذاہب کے مقابلہ میں علم کے حصول پر سب سے زیادہ زور دیا اور اس کو اپنی مذہبی تعلیمات میں شامل کر کے اہل علم کو ایک بڑا مقام عطا کیا ہے، لیکن اسلام نے علم کو دو حصوں میں تقسیم کیا، علم نافع اور علم غیر نافع، آج کے دور میں اس علم نافع اور علم غیر نافع کا سب سے زیادہ تجربہ ہو رہا ہے، یہ دور علم کی ترقی اور علم کے رواج کا ہے، اس دور میں اہل علم کا تناسب ہر دور سے بڑھا ہوا ہے، آج تعلیم و تربیت کے مراکز گاؤں گاؤں قائم ہیں، ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ علم کے یہ مراکز مساوات کا درس دیتے، انسانیت کا سبق پڑھاتے، اخلاقی قدروں کو فروغ دیتے، مل جل کر رہنے کے آداب بتاتے، بھلائی اور خیر خواہی کے جذبہ کو عام کرتے، اور سوسائٹی کی تعمیر و ترقی میں اپنا رول نبھاتے، لیکن ہوا اس کے بالکل برعکس۔ آج علم انتحصال کے طریقے بتانے اور ذاتی فوائد حاصل کرنے کے گر سکھانے کا کام کر رہا ہے، اور یہی رجحان موجودہ دور کے انسان کی محرومی اور اس کی بدبختی کا سبب ہے، اسی وجہ سے انسان آپس میں جھگڑ رہا ہے، اور ایک دوسرے کے خون کا پیاسا بنا ہوا ہے، خاندان خاندان اور حکومت حکومت سے ٹکرا رہی ہے، اسکی وجہ مقاصد کا اختلاف اور اپنے مقاصد پر اصرار ہے، علم آج گمراہ کرنے کا وسیلہ بن گیا ہے، اب علم کے سایہ میں مکر و فریب کا جال بُنا جاتا ہے، اور علم کے مراکز خوف و دہشت کا ماحول پیدا کرتے ہیں، جو ممالک علم میں ترقی یافتہ ہیں وہیں انسانوں کو قتل کرنے کے مہلک ہتھیار بنائے جاتے ہیں، وہیں علم کے ذریعہ ان مجرموں کے جرائم کو چھپانے اور بے قصوروں کو ملزم قرار دینے کا کام کیا جاتا ہے، یہ وہ حکومتیں ہیں جو علم میں ممتاز اور تہذیب و تمدن میں سب سے زیادہ ترقی یافتہ سمجھی جاتی ہیں۔“

● حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

علم، تواضع اور شرافت کا پیکر

ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی (سکریٹری تصنیفی اکیڈمی جماعت اسلامی ہند)

صبح دور کسی مسجد کے مائک سے یہ اعلان کیا جارہا تھا کہ سورج طلوع ہوگیا ہے، اسی لمحے ایک دوست نے ایک دوسرے سورج کے غروب ہوجانے کی اطلاع دی، یہ سورج تھا علم وفضل کا، شرافت ومروّت کا، تواضع وخاکساری کا اور شفقت ومحبت کا، کیسے لکھوں کہ یہ خبر تھی میرے انتہائی مشفق اور کرم فرما استاذ مولانا واضح رشید ندوی کی وفات کی، یہ سنتے ہی میری زبان پر یہ کلمات جاری ہوگئے جن کے ذریعے بھی اللہ کے رسول ﷺ نے اپنے رنج وغم کا اظہار کیا تھا "إِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ وَلَا نَقُولُ إِلَّا مَا يَرْضَى بِهِ رَبُّنَا وَإِنَّا بِفِرَاقِكَ لَمَحْزُونُونَ" (بخاری: ۱۳۰۳) (آنکھ اشک بار ہے اور دل رنجیدہ ہے لیکن ہم وہی کہیں گے جس میں ہمارے رب کی مرضی ہے، ہم آپ کی جدائی پر غم گین ہیں۔)

صبح سے تعزیتی کلمات اور تاثرات کا تانتا بندھا ہوا ہے، واٹس ایپ پر، فیس بک پر، سوشل میڈیا کے دیگر ذرائع پر، تعزیتی نشستیں منعقد ہونے لگی ہیں، جن کا سلسلہ آئندہ کچھ دنوں تک جاری رہے گا، ہونا بھی چاہیے، مولانا کے ہزاروں شاگرد پوری دنیا میں پھیلے ہوئے ہیں، ان کا فرض ہے اور مولانا کا حق ہے کہ احسان شناسی پر مبنی تاثرات کا اظہار کریں، مولانا نے علم، ادب اور صحافت کے میدانوں میں جو خدمات انجام دی ہیں، ضروری ہے کہ ان کا اعتراف کیا جائے اور ان کا ذکر خیر ہو، اس موقع پر میں بھی اپنے اوپر لازم سمجھتا ہوں کہ چند آنسوؤں کی سوغات پیش کروں، تاکہ اس سے احسان شناسی کا اظہار ہو: "مَنْ لَمْ يَشكرِ الناسَ لَم يَشْكُرِ اللهَ" (صحیح الترغیب: ۹۷۶)

ندوۃ العلماء میں میں نے آٹھ برس (۱۹۷۵-۸۳ء) گزارے، اپنی بعض کمیوں کی وجہ سے اساتذہ سے میرا رابطہ صرف کلاس کی حد تک رہتا تھا، جن اساتذہ نے خود آگے بڑھ کر مجھے اپنے سے قریب کیا، شفقت نچھاور کی اور تربیت کی، ان میں سے ایک استاذ گرامی مولانا واضح صاحب بھی تھے، کلاس میں استفادہ کے علاوہ الگ سے بھی ان سے خوب فیض اٹھانے کا موقع ملا، ان کے چند اوصاف کا تذکرہ ذیل میں کرنا چاہتا ہوں:

تربیت:

مولانا حقیقت میں بہترین مربّی تھے، انھوں نے بے شمار طالب علموں کو لکھنا اور ترجمہ کرنا سکھایا، وہ ندوہ کے پندرہ روزہ عربی جریدہ "الرائد" کے ایڈیٹر تھے، انگریزی اور اردو اخبارات میں اہم خبروں کو نشان زد کرکے وہ ہمیں عربی ترجمہ کرنے کے لیے دیتے، ہم جیسا بھی ترجمہ کرتے، مولانا اسے اشاعت کے قابل بنادیتے، وہ ترجمہ ہمارے ہی نام سے شائع ہوتا چاہے اس میں ایک بھی لفظ ہمارا نہ بچا ہو، اسی تربیت کا فیض تھا کہ بعد میں میں نے کئی کتابوں کا اردو سے عربی میں اور خاصی کتابوں کا عربی سے اردو میں ترجمہ کیا۔

اسلوب اور اندازِ تحریر:

ندوۃ العلماء کے عربی ماہ نامہ "البعث الاسلامی" میں "صورو أوضاع" کے نام سے ایک کالم مولانا کے ذمہ تھا، وہ ہر ماہ اس کے لیے ایک مضمون لکھتے تھے، یہ میرا پسندیدہ کالم تھا، جسے میں بہت شوق سے پڑھتا تھا، اس کے الفاظ حل کرتا اور اس کی تعبیرات کو ذہن نشین کرنے کی کوشش کرتا تھا، مولانا اپنے ہر مضمون میں کوئی ایشو اٹھاتے، اسلام کے مخالفین کی سازشوں کو بے نقاب کرتے، اسلام پر کیے جانے والے اعتراضات کا جواب دیتے، وہ لفاظی اور تکرار سے بچتے تھے، انہوں نے ہمیں سکھایا کہ عبارت آرائی، بھاری بھرکم الفاظ کا استعمال کرنے، تشبیہات و استعارات کا طومار باندھنے اور ایک ہی بات کو الفاظ بدل بدل کر اور گھما پھرا کر پیش کرنے کے بجائے فکر پر توجہ دینی چاہیے، الفاظ

خود بخود نوکِ قلم پر آجاتے ہیں، آئندہ زندگی میں میں نے زبان اور اسلوب کو سادہ اور عام فہم بنانے کی کوشش کی، یہ مولانا کی ہی تربیت کا اثر ہے۔

خاموشی:

مولانا کا ایک نمایاں وصف خاموشی تھا، وہ بس کام سے کام رکھتے تھے، بلا ضرورت بہت کم بولتے تھے، کسی کی برائی اور عیب جوئی سے کوسوں دور رہتے تھے، ان کی تحریریں بھی بے جا نقد سے بالکل پاک ہیں، انھوں نے ہمیں سکھایا کہ زیادہ بولنا خوبی کی بات نہیں ہے، خاموشی شخصیت کا حسن ہے، اس سے آدمی بہت سی مجلسی برائیوں سے محفوظ رہتا ہے۔

اخفاء:

مولانا کو میں نے ہمیشہ اسٹیج سے دور دیکھا، اپنی طالب علمی کے آٹھ سالہ دور میں کبھی انھیں تقریر کرتے ہوئے نہیں دیکھا، وہ پردے کے پیچھے رہ کر کام کرنے کے عادی تھے، کم علم اپنے علم کی نمائش کے لیے کوشاں رہتے ہیں، اس کے لیے طرح طرح کے ہتھکنڈے استعمال کرتے ہیں، اپنے آپ کو نمایاں کرنے کے مواقع ڈھونڈتے رہتے ہیں، مولانا علم کا سمندر تھے، لیکن ان سب چیزوں سے بالکل بے نیاز تھے، انہوں نے ہمیں سکھایا کہ خود نمائی سے دور رہ کر آدمی کو علمی کاموں میں مصروف رہنا چاہیے۔

تواضع:

تواضع اور سادگی مولانا کی پہچان تھی، ان کا رہن سہن، نشست و برخاست، کھانا پینا، لباس، بہت سادہ تھا، کر وفر اور طمطراق سے بہت دور رہتے تھے، مولانا نے ہمیں سکھایا کہ جس طرح پھل دار درخت کی ٹہنیاں اوپر نہیں اٹھتیں، بلکہ نیچے جھکتی ہیں، اسی طرح علم سے فروتنی آنی چاہیے، نہ کہ اس کی وجہ سے انا، خود پسندی اور غرور کا اظہار ہو۔

محبت:

مولانا اپنے شاگردوں سے بہت محبت کرتے تھے، ان کا ہر شاگرد سمجھتا تھا کہ وہ ان سے سب سے زیادہ قریب ہے، یہ تعلق ندوہ سے نکلنے کے بعد بھی قائم رہتا تھا، فراغت کے بعد میرا ندوہ بہت کم جانا ہوا، لیکن جب بھی گیا، مولانا سے ضرور ملاقات کی، رسائل جن میں میرے مضامین شائع ہوتے تھے، ان کی نظر سے گزرتے رہتے تھے، خاص طور سے "تحقیقات اسلامی" الرائد کے تبادلے میں ان تک پہنچتا تھا۔ وہ میرے مضامین کے بارے میں بہت تحسینی کلمات کا اظہار کرتے تھے۔

ایک واقعہ تو بھلائے نہیں بھولتا، بھی برس قبل جامعہ اسلامیہ مظفر پور، اعظم گڑھ میں ایک سمینار تھا، افتتاحی اجلاس کے بعد نماز ظہر اور کھانے کا وقفہ تھا، سوچا مولانا رابع صاحب اور مرحوم سے علیک سلیک کرلوں، ان کے کمرے میں حاضر ہوا تو انھوں نے اپنے ہی پاس کھانے کے لیے روک لیا، احوال دریافت کیے، گفتگو کے دوران مولانا رابع صاحب نے فرمایا: "رضی الاسلام تو اپنے تھے" مولانا واضح صاحب نے فوراً مسکراتے ہوئے دھیرے سے کہا: "اب بھی اپنے ہیں" اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اپنے دو محترم اور مشفق اساتذہ سے یہ مختصر جملے سن کر مجھے کتنی خوشی حاصل ہوئی ہوگی، واقعہ یہ ہے کہ ان جملوں کی لذت میں اب بھی محسوس کرتا ہوں۔

مولانا کے شاگردوں کی تعداد ہزاروں میں ہے، ہمارے ہم درس ساتھیوں میں برادران؛ حشمت اللہ، اکرم، آفتاب، وزیر، عمر لداخی، ضیاء الدین وغیرہ مولانا سے بہت قریب تھے، انھوں نے ان سے بھرپور استفادہ کیا، مولانا کے صاحب زادے بھائی جعفر بھی ہمارے کلاس فیلو تھے، ان سے میرا یارانہ تھا، اس وجہ سے بھی مولانا مجھے عزیز رکھتے تھے، جعفر مولانا کے جانشین ہیں، ممتاز علمی صلاحیت کے مالک ہیں، تحریر اور تقریر دونوں کے شہ سوار ہیں، عربی اور اردو دونوں زبانوں میں لکھتے ہیں اور اچھا لکھتے ہیں، وہ جو کچھ دینی و علمی خدمات انجام دے رہے ہیں اور مولانا کے ہزاروں شاگرد جو کچھ کر رہے ہیں وہ ان شاء اللہ ان کے حق میں صدقہ جاریہ ہوگا۔

اللہ تعالیٰ استاذ محترم کی مغفرت فرمائے اور جنت الفردوس میں جگہ دے اور ان کے برادر اکبر مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، بھائی جعفر اور جملہ پس ماندگان کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین یا رب العالمین۔

ذکرا اس رشک کروبیاں کا

ڈاکٹر محمد اکرم ندوی (اسلامک سینٹر- آکسفورڈ)

تو نے جس اشک پر نظر ڈالی　　جوش کھا کر وہی شراب ہوا

سنہ ۱۹۷۳ء میں ندوہ کے بام و در ایک موہنی شکل وصورت سے آشنا ہوئے، جس سے کوئی شکل وصورت ملتی نہیں تھی، آنکھوں میں ایک جان بہار بس، جس کا ہم رنگ کوئی پھول چمن بھر میں نہ تھا، دار العلوم کی فضائیں ایک آواز سے مانوس ہوئیں جس کا لہجہ منفرد تھا، اس میں نرمی تھی اور سکون تھا، اور اس میں عالمانہ سنجیدگی تھی اور مفکرانہ وقار، نہ کوئی غرور، نہ تمکنت، نہ اظہار فضل وکمال اور نہ جبروت وطنطنہ، طلبہ اس ذہن ہندی و نطق اعرابی کے قران السعدین، اور اس رماز رموز ادب عربی، و دقیقہ سنج معانی فکر اسلامی کے التقاء البحرین سے استعجاب میں تھے، اس ہمہ تن مہر و وفا کی گرمی صحبت سے مسحور تھے، جو ان پر مادر مشفق سے زیادہ مہربان تھا، جس کا قلب مثال غنچہ تھا اور زبان انجمیں تھی، وہ ہر ایک سے محبت وعزت سے پیش آتا، درسگاہوں میں چرچا تھا کہ کون طائر خوش الحان ہے جس کی نواؤں نے گوش کے ہوش اڑا دیے، یہ کون ہے جس کے سکوت پر تکلم فدا، جس کی خاموشی نے وہ راز ہائے سربستہ واسرار ناگفتہ فاش کیے، جو اصحاب بیان وزبان کے لیے معمہ بنے ہوئے تھے، زاویہ نشینوں اور تکیہ گزینوں کی نگاہیں ششدر تھیں کہ یہ کون مرد باصفا ہے جس کی نگاہیں زمین پر اور اس کی پرواز سپہر بریں پر، جو تھا ہم عنان طائر ہوتی، و ہم سفر شمس و قمر، جو جمعوں سے گھبراتا اور مداحوں سے دور بھاگتا، یہ کون نیک خصال ہے جو رشک کروبیاں تھا اور محسود مقرباں۔

سنہ ۱۹۷۸ء میں دار العلوم ندوۃ العلماء میں میرا داخلہ کئی حیثیتوں سے میری زندگی کا ایک انقلابی موڑ ہے جن کی تفصیل مناسب موقع پر بیان ہوگی، اس وقت صرف ایک بات کا ذکر مقصود ہے کہ ندوہ میں عربی زبان وادب کا ایک منفرد ماحول ملا، پابندی سے "الرائد" کے ہر شمارہ کا اچھی طرح مطالعہ کرنے کی کوشش کرتا، "الرائد" میں سب سے زیادہ ایڈیٹر "الرائد" کی تحریریں ذوق وشوق سے پڑھتا، ان مضامین کا عمق فکر پلے نہ پڑتا، ہر تحریر میں نئے الفاظ ہوتے اور نئی ترکیبیں نظر آتیں، انہیں ڈکشنری کی مدد سے حل کرنے کی کوشش کرتا، پھر بھی سمجھنے میں دشواری ہوتی، لیکن ہمت نہ ہارتا، بلکہ شوق بڑھتا ہی رہتا، آپ کی تحریروں کو سمجھنے میں دشواری کی وجہ اپنی کم مائیگی اور علمی سطح کی پستی تھی، اس قسم کی عربی سے نیا نیا سابقہ پڑا تھا، آپ کے طرز نگارش میں صحافت وادبیت کی آمیزش تھی، اس میں بے ساختگی تھی اور آمد، آورد کا کوئی شائبہ نہیں تھا، سلاست آپ کے اسلوب کی نمایاں خصوصیت تھی، آپ معانی میں اعتدال پسند تھے اور الفاظ کے مزاج شناس، فکر وزبان کے اعتبار سے آپ نے جس پایہ اور معیار کی صحافت دی وہ قدر اول کی چیز تھی، اور اس معاملہ میں بہت کم آپ کے حریف تھے؛

اعتدال معانی از من مپرس　　کہ مزاج سخن شناختہ ام

مولانا اونچی کلاسوں میں پڑھاتے تھے، اس لیے دو سال تک نہ آپ سے پڑھنے کا موقع ملا، اور نہ ہی آپ سے ہم کلامی کا شرف حاصل ہوا، آپ کو عام طور سے ایک بیگ ہاتھ میں لیے گردن جھکائے ہوئے آتے جاتے دیکھتا، کیسا پاکیزہ، آنکھوں میں تازگی اور دل کو گرمی بخشنے والا منظر ہوتا، سنہ ۱۹۸۰ء میں جب کہ میں عالیہ رابعہ میں پہنچا، میری قسمت کا ستارہ ایک بار پھر چمکا، اور خدائے برتر و بالا کے فضل سے میرے درجہ کی انشاء کی گھنٹی مولانا کے یہاں لگی، جس شخصیت کا دیدار اب تک دور سے کرتا تھا، جس کی تحریروں کا سحر زدہ تھا، اس سے پڑھنے کا موقع کیا ملا، معراج ہوگئی، میں اس سے وہی مضمون پڑھ رہا تھا جو اس کا امتیاز خاص تھا، آپ کلاس میں جدید الفاظ وتراکیب کی تشریح کرتے، اور زبان وادب کے نکتے

سمجھاتے، اور طلبہ کی تحریروں کی تصحیح کا کام کلاس کے بعد اپنے وقت میں کرتے، اصلاح کا عجیب و غریب ملکہ تھا، کوشش کرتے کہ ہماری تحریروں میں زیادہ تبدیلی نہ آئے، بسا اوقات ہماری غلطیاں بہت بھونڈی ہوتیں، ان کو درست کرتے، لیکن نہ ان کا تذکرہ کرتے اور نہ ان کی طرف کوئی اشارہ کرتے، نہ کسی کو شرمندہ کرتے، اور نہ کسی پر اپنا احسان جتاتے، اپنے شاگردوں سے انتہائی تلطف اور دل دہی سے پیش آتے، بڑی شفقت اور غایت مہر و محبت کا معاملہ کرتے، سچ بات یہ ہے کہ آپ کی ہر بات جدا تھی، چند مہینے ہی مشق کی تھی کہ آپ نے اپنی تصحیح کے بعد میرا ایک ترجمہ "الرائد" میں شائع کر دیا اور

کلاہ گوشہ دہقاں بہ آفتاب رسید

اپنی جولان گاہ زیر آسماں سمجھا تھا، اس ہمت افزائی و حوصلہ انگیزی نے محنت کرنے کے جذبہ کو دو آتشہ کر دیا، خضر خجستہ پا کیا ملا کہ راہ طلب کی منزلیں آساں ہوگئیں، اردو اور انگریزی خبروں اور تبصروں کے ترجمہ کرنے کا معمول بن گیا، اور ذوق فراواں و شوق منزل جاناں نے سفر پر مشقت کو خواب شیریں بنا دیا:

در بیاباں گر بشوق کعبہ خواہی زد قدم
سرزنشہا گر کند خار مغیلاں غم مخور

دل بڑھانے کا یہ ملکہ بہت کم لوگوں میں نظر آتا ہے، مولانا سے قربت بڑھی تو فارغ اوقات دفتر "الرائد" میں گزارنے لگا، جہاں مولانا کی باتیں سنتا، اخلاق و ادب سیکھتا، اور عربی مجلات و جرائد کا مطالعہ کرتا، آپ نے مجھ سے صرف وہی کام لیے جن میں میرا فائدہ تھا، کبھی مجھ سے اپنا کوئی ذاتی کام نہیں لیا، حالانکہ اگر مجھے اپنے کسی کام کا حکم کرتے تو میرے لیے اعزاز اور بے انتہا خوشی کی بات ہوتی۔

یہ گھنٹی تو ترجمہ اور مضمون نگاری کی تھی، لیکن مولانا ساتھ ہی ہمیں جدید عرب ادباء سے متعارف کراتے، مصطفی لطفی منفلوطی، صادق الرافعی اور مصطفی سباعی وغیرہ کے اسالیب کی خصوصیات بیان کرتے، طہ حسین اور احمد امین کا مقابلہ کرتے، عالم عرب کی فکری، دعوتی اور ادبی تحریکوں کے ارتقاء پر روشنی ڈالتے، عالم عرب اور عالم اسلام کی سیاسی صورت حال کو سلجھے ہوئے انداز سے پیش کرتے، یہاں تک کہ سقوط خلافت عثمانیہ کے بعد سے اس وقت تک کی سیاسی صورت حال ہمیں ازبر ہوگئی تھی، عالم اسلام و عالم عرب سے متعلق مولانا کی تحلیلاتی گفتگوؤں نے اثر ڈالا، صاف لگتا کہ مولانا کے جگر میں سارے عالم عرب و عالم اسلام کا درد ہے، ان اسباق میں ہمارا ذہن وسیع ہوا، نئے آفاق کھلے اور علم و فکر میں گہرائی اور گیرائی پیدا ہوئی، عالم عرب کی ادبی و صحافتی دنیا ہمارے دماغوں میں محفوظ ہوگئی، کوئی پہلو غیر مانوس نہیں تھا، اس کے بعد جب بھی عربوں سے ملاقات ہوئی خود ان سے ان کی تاریخ اور ان کے ادب و شاعری پر گفتگو کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں ہوئی، بلکہ بعض عرب اہل علم و ادب کو اس تحلیل و تجزیہ پر انگشت بدنداں پایا، اور اپنی ہی نگاہ میں اپنا مقام بلند ہوا:

ترے حسن حیات افروز کو دیکھا ہے جس دن سے
بہت مجھ کو عزیز اس دن سے اپنی زندگانی ہے

مولانا ان لوگوں میں سے نہیں تھے جن کی ہوس اور حوصلہ کی دنیا محدود تھی، عام طور سے مدرسوں کے متعلق شکایت ہے کہ وہ میوزیم ہیں، جہاں ماقبل التاریخ علوم پڑھائے جاتے ہیں، مولانا نے ہماری زندگی اور ہماری عقل کو ہمارے ماحول اور زمانہ سے مربوط کر دیا، ان ہی معلومات کا فیض تھا کہ مغرب میں مجھے کبھی اجنبیت محسوس نہیں ہوئی، آکسفورڈ یونیورسٹی کے بعض پروفیسروں نے برملا کہا کہ ندوہ کے فارغین کی معلومات یہاں سے زیادہ ترقی یافتہ ہیں، انہیں کیا معلوم کہ یہ سب کچھ جس شخصیت کا فیض تھا وہ اپنی شکل و صورت اور سیرت و کردار میں اس عہد کا انسان نہیں تھا؛

غم کی تنہائی میں جب وہ خواب حسیں یاد آتا ہے
یوں ہی بیٹھے بیٹھے دل کو جانے کیا ہو جاتا ہے

مولانا سے قربت نے اثر دکھانا شروع کیا، آپ کی پاکیزگی تواضع اور کریمانہ اخلاق سے متاثر ہوا، پہلی بار ایسا انسان دیکھا جو غیبت نہیں کرتا، جو کسی کو نقصان نہیں پہنچاتا، بلکہ جو دوسروں کے متعلق کوئی منفی خیال نہیں رکھتا، جو کم آمیز و عزلت گزیں تھا، جو بلا ضرورت بات نہیں کرتا، جو اپنی بڑائی نہیں کرتا، جو "در حدیث دیگراں" بھی خود کو ظاہر نہیں کرتا، جو کسی چھوٹے یا بڑے کو حقارت

سے نہیں دیکھتا، جو غصہ نہیں ہوتا، جس کی ہنسی مسکراہٹ سے عبارت تھی، جو اپنے شاگردوں کا اولاد کی طرح خیال کرتا، جس کی صحبت سے ایسی انسیت محسوس ہوتی جو بیان سے باہر ہے، اس کے پاس سے اٹھنے کو دل نہ چاہتا، آپ کو ہر رنگ میں، خلوت و جلوت میں، کلفت و مسرت میں دیکھا، پرکھا اور کھرا سونا پایا، جس میں کھوٹ نام کو بھی نہ تھا، مختصر لفظوں میں وہ انسان کی شکل میں ایک فرشتہ تھا، ہم نے سلف صالحین کا دور نہیں پایا، لیکن ہمیں اس مقدس کارواں کے ایک عظیم فرد کی صحبت ارزانی کی تھی۔

بعد میں مولانا سے فکر اسلامی کے اسباق پڑھے، جس میں آپ کی جودت طبع کے جوہر کھلے، آپ کی بصیرت افروز، دلدوز اور جان سوز تدریس نے میرے بہت سے خیالات کو فرسودہ بنا دیا، وہ گل افشانی گفتار کہ پورا درجہ ہمہ تن گوش ہوتا، ہم اس طرح بیٹھتے جس طرح گمشدگان حسن دوست بیٹھتے ہیں، ہمارے اندر طلب ہوتی اس فکر خرد افزا کی اور اس نغمہ روح پرور کی، زبان میں نرمی و روانی، اور لہجہ میں حلاوت و شیرینی، مولانا کا طریقہ استدلال نرالا تھا، مولانا کی منطق ہر منطق سے جدا تھی، ان اسباق نے قرآن و سنت کی تعلیمات کی بلندی عقل پر کھول دی، ان دروس کے بعد نہ کسی فلسفی کا رنگ چڑھا، نہ کسی عقل پسند انسانی عقول و علوم کی حدوں کا علم ہوا، آپ نے مغربی فکر اور جدیدیت کی حقیقت سے پردہ فاش کیا، عقلی بنیادوں پر ان کی کمزوری بے نقاب کی، میری عقل کے پردے اٹھنے لگے، حقائق صاف نظر آنے لگے، ہمت میں بلندی پیدا ہوئی، اور عمل و اقدام کی طرف توجہ ہوئی۔

لاکھوں میں انتخاب کے قابل بنا دیا
جس دل کو تم نے دیکھ لیا دل بنا دیا

آپ کا مقام نگاہوں میں بہت اونچا تھا، آپ میرے قلب و نظر پر چھا گئے، آپ کی ذہنی اور اخلاقی صفات کا نقش دل پر گہرا ہوتا گیا، آپ کو میں نے چشم مجنوں سے، چشم ہوش منداں سے دیکھا، لیکن مجھ پر اثر وہی ہوا جو چشم مجنوں سے دیکھنے والے پر ہوتا ہے، کوشش کرنے لگا کہ مولانا کو اپنا نمونہ بناؤں، کچھ چیزوں میں مولانا کی نقل کی، لیکن مولانا کی پیروی آسان کام نہیں، مولانا سے عربی زبان سیکھنے میں تو کسی قدر کامیاب ہوا، لیکن مولانا کے اخلاق نہ اپنا سکا، ان اخلاق سے مجھے آج بھی محبت ہے، ان کی اہمیت معلوم، لیکن ان کو اپنانا شاید زندگی کا مشکل ترین کام۔

مشرق و مغرب میں کتنے لوگوں سے علوم و فنون اخذ کیے، ان اساتذہ کی نقل میں دشواری نہیں محسوس ہوئی، لیکن وہ بات کہاں مولوی مدن کی سی، مولانا کے اخلاق آج بھی بلندی کے اس منارہ پر نظر آرہے ہیں جہاں تک پہنچنا جوئے شیر لانے سے کم نہیں؛

کوئی حسیں حسیں ہی ٹھہرتا نہیں جگر
باز آئے اس بلندی ذوق نظر سے ہم

ندوہ سے آنے کے بعد جب بھی مولانا سے ملتا آپ کی بزرگی دل میں مزید پیوست ہو جاتی، آپ کی شخصیت میں عجیب جاذبیت تھی، ایک مقناطیسی قوت تھی، پاس بیٹھ کر سکون ملتا، باتوں سے عقل و روح کو غذا ملتی، ایسا اشتیاق ہوتا جیسے پیاسے کو آب شیریں کی تڑپ ہوتی ہے، میرے دل میں مولانا کے لیے ایسی جگہ تھی جو کوئی اور نہیں لے سکا، مشرق و مغرب میں ایسا کوئی دوسرا نہیں ملا، آپ نے بے خودی و بے خبری میں نہیں، بلکہ بہ ثبات ہوش و حواس مسحور کر لیا۔

آج جب کہ وہ رخصت ہوا ایک عالم ماتم کدہ بن گیا، اور اس نے سب کو سوگوار چھوڑ دیا۔

یہ لٹی ہوئی سی بہار کیوں ہے، کہاں وہ جان بہار ہے
یہ چمن سے کون چلا گیا کہ کلی کلی کو فشار ہے

وقت کا ایک بڑا خلا

"عالم اسلام کا اس وقت سب سے بڑا خلا اس قائد اور حوصلہ مند انسان کا فقدان ہے جو مغربی تہذیب کا جرأت، اعتماد اور یقین کے ساتھ سامنا کرے، اور اس تہذیب جدید کے مختلف سانچوں، مختلف مکاتب فکر اور راستوں کے درمیان ایک نیا راستہ پیدا کرے، ایسا راستہ جس میں وہ تقلید، نقل، غلو اور انتہا پسندی سے بالاتر نظر آئے، اور ظاہری اشکال، مظاہر اور سطحی نقطہ نظر سے بلند ہو، حقائق اور وسائل، قوت اور مغز کی طرف متوجہ ہو اور اس کے ظاہری خول میں نہ الجھے۔"

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی ﷺ

بے نفس و بے ضرر انسان

مولانا فخر الحسن خاں ندوی (ناظر شعبۂ تعمیر و ترقی ندوۃ العلماء، لکھنؤ)

اللہ تبارک نے اپنے محبوب امام الانبیاء سید المرسلین محمد ابن عبداللہ ﷺ سے انبیاء و رسل کے سلسلۂ نبوت کو ختم فرمادیا اور اپنے فضل و کرم سے آخری پیغمبر کے ذریعہ اپنی پاکیزہ شریعت کو مکمل کردیا، ارشاد ربانی ہے: ”الیوم اکملت لکم دینکم و أتممت علیکم نعمتی و رضیت لکم الاسلام دینا“ اس طرح اللہ تبارک وتعالی نے اس دین کی حفاظت کی ذمہ داری لے لی؛ ”انا نحن نزلنا الذکر و انا له لحافظون“ دین کی حفاظت کے ضمن میں اس دین پر عمل کرنے والوں اور دین کی تبلیغ کرنے والوں کی حفاظت ہوگی۔

آخری نبی کی اس امت میں اللہ تبارک وتعالی ایسے افراد کو برپا کرتا رہے گا جو تمام اندیشوں و خطرات کی پرواہ کیے بغیر اللہ کے دین کو اس کے بندوں تک پہنچاتے رہیں گے، ہمت و بہادری کے ساتھ باطل کا مقابلہ کرتے رہیں گے، اور خطرات و منحرف افکار ونظریات کا مقابلہ کرتے رہیں گے۔ ایسے ہی بلند افراد میں حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی بھی تھے، جو اخفاء اور راز کے پردہ میں چھپے رہے اور خاموشی سے اپنا کام کرتے رہے، شہرت سے بہت دور رہے، کسی کی تعریف و تنقید کا کوئی اثر نہیں لیا۔

بہت سارے لوگ ایسی شخصیات سے دینی و روحانی نفع حاصل کرنے سے محروم رہتے ہیں کیوں کہ ظاہر بینوں کے لیے ان کی شخصیت میں کوئی مادی کشش اور تاثیر نہیں پائی جاتی، جو گہر شناس ہوتے ہیں اور دینی و روحانی نفع کے سچے طالب ہوتے ہیں وہ ایسی ہستیوں سے بہت کچھ حاصل کرلیتے ہیں۔

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کو اللہ تعالی نے بہت اچھی اور ممتاز صفات سے نوازا تھا، پوری زندگی خاموشی سے اور یکسو ہو کر دین اور اسلامی نظام زندگی کی خدمت کرتے کرتے دنیا سے رخصت ہو گئے، اللہ تعالی آپ کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عطا فرمائے نفس پر اللہ تعالی نے حضرت کو اس قدر قابو کرنے کی صلاحیت عطا فرمائی تھی کہ راقم کی جب بھی ملاقات ہوتی تھی، راقم کی معلومات کی حد تک ایسا کبھی نہیں ہوا کہ مولانا کے کسی قول و فعل سے محسوس ہوتا کہ آپ اپنی کوئی خوبی یا کارنامہ بتا رہے ہوں، جب کہ اللہ کے فضل سے آپ بہت ساری خوبیوں کے مالک تھے، دین کی خدمت سے متعلق بڑے بڑے کام کیے، اتباع سنت کے سچے عاشق، شب میں اپنے رب کے سامنے مناجات اور گڑگڑانے والے افراد میں تھے، ایسے ہی لوگوں کے بارے میں اللہ نے فرمایا ہے: ”یبیتون لربهم سجدا و قیاما“ اور دوسری جگہ فرمایا: و بالأسحار هم یستغفرون“ اپنے احوال کا اس قدر اخفاء کرتے تھے کہ اپنی کوئی خوبی اپنی زبان سے ظاہر نہ ہونے دیتے تھے، انفرادی ملاقات کے وقت یا علمی یا دینی جلسہ میں بعض احباب کے اصرار پر تقریر کرتے وقت یہی کیفیت رہتی کہ اپنے کسی کارنامہ کا ذکر نہ آنے دیتے، جو بھی نیک کام کرتے تھے ایسا لگتا تھا کہ مولانا نے اپنی یادداشت سے اسے بھلا دیا ہو، اور ان کے طرز عمل سے ایسا لگتا تھا کہ جس کو خوش کرنے کے لیے کیا تھا (رب) وہ اپنے بندوں کے عمل سے خوب ہی واقف ہے؛ ”انه علیم بذات الصدور“

آپ نے دارالعلوم ندوۃ العلماء کی طویل مدت تک خدمت کی اور بڑے بڑے مناصب پر فائز رہے، اور بڑے ممتاز و مشہور خانوادہ سے ان کا تعلق تھا اور بڑے بڑے مشائخ امت سے روحانی نسبتیں بھی حاصل تھیں، لیکن مشائخ کی روحانی اور اپنی خاندانی نسبتوں میں سے کسی کو اپنی شہرت کے لیے کبھی استعمال نہ کیا، نفسی نفسی کے اس دور میں حضرت کی زندگی کا یہ پہلو ہم سب کے لیے بہترین نمونہ ہے، جب کہ اس خود پسندی کے دور میں روحانی اور خاندانی نسبتوں

کی بہت تشہیر کی جارہی ہے، اور ان نسبتوں کے ذریعہ سے بہت سارے ذاتی اغراض اور دنیوی منافع حاصل کیے جارہے ہیں۔

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی ؒ کی شخصیت "نہ ستائش کی تمنا نہ صلہ کی پرواہ" کا پیکر مجسم تھی، انکساری وتواضع آپ کے مزاج میں تھی، آپ کی طبیعت خوش خلقی سے عبارت تھی، آپ محمل مزاجی میں اپنی مثال خود تھے، حوصلہ افزائی آپ کی زندگی کا سب سے نمایاں وصف تھا، اگر متعلقین میں کسی کی طبیعت ناساز ہوتی اور مولانا کو اس کا علم ہوجاتا تو ضرور عیادت فرماتے اور بڑے ہی تجسیمی کلمات فرماتے، جن سے ایک بیمار آدمی کو بڑی تشفی اور تسکین حاصل ہوتی، مولانا عالمی حالات اور یورپ کی ریشہ دوانیوں سے تو واقف ہی تھے، لیکن یہ بھی مولانا ہی کا کمال تھا کہ اپنی متنوع وکثیر مصروفیات کے باوجود گردو نواح کی معمولی باتوں کی مکمل خبر رکھتے تھے، جن کا اندازہ بسا اوقات آپ سے ملاقات کے وقت ہوتا۔ چونکہ راقم اپنے بزرگان دین کے ایماء پر ندوۃ العلماء کی ایک مؤقر شاخ "مدرسہ سیدنا بلال ؓ" کے تعلیمی وانتظامی امور کا نگراں ہے، اور ایک عرصہ تک "معہد دار العلوم ندوۃ العلماء" کی ذمہ داری بھی ادا کی ہے، لہٰذا اگر ان دونوں مؤقر اداروں کی کوئی تعلیمی وثقافتی رپورٹ اخبار میں نشر ہوتی اور اس کے بعد جب بھی مولانا ؒ سے ملاقات کا شرف حاصل ہوتا تو آپ اس پروگرام کا حوالہ دے کر بڑی ہمت افزائی فرماتے اور مفید مشوروں سے بھی نوازتے۔

واقعہ یہ ہے کہ مولانا ؒ اپنے ماتحتوں کے حق میں بڑے شفیق وہمدرد تھے، اس گناہگار کا خود یہ مشاہدہ ہے کہ جب کوئی شخص آپ کے پاس اپنی کوئی ضرورت لے جاتا تو آپ جو کرسکتے اس کو ضرور کرتے۔

مولانا سید واضح رشید ؒ کے ممتاز اوصاف وکمالات میں یہ خوبی بھی سب سے ممتاز تھی کہ آپ نے غیبت سے اپنے دامن کو پاک رکھا، نہ کسی کی غیبت کی اور نہ کسی کی برائی سنی، اگر کوئی ایسا کرتا تو اسے روک دیتے یا اس جگہ سے اٹھ کھڑے ہوتے، اس دور میں ہم علماء میں یہ صفت عنقاء نظر آتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی توفیق سے حضرت مولانا واضح رشید حسنی ندوی ؒ ان سے پوری طرح محفوظ رہے۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو شیطان اور نفس کے فریب سے محفوظ فرمائے۔ آمین

افتاء اور مفتی

"اس وقت افتاء کو جتنی اہمیت حاصل ہے وہ پہلے حاصل نہیں تھی، اس لیے اس کی ضرورت ہے کہ ایسے افراد کثرت سے پائے جائیں جو اسلام کی صحیح ترجمانی کرسکیں۔ افتاء کے معنی ہیں: ترجمانی کرنا، یعنی اسلام کے حکم کی ترجمانی کرنا، اور اس کی وضاحت کرنا کہ وہ نظام عدل ہے، تو اس وقت کے افتاء کے لوگوں کا یہ کام ہے۔

افتاء کے سلسلہ میں ایک بہت بڑا مسئلہ احساس مسئولیت کا ہے، بعض وقت استفتاء ایسا تیار کیا جاتا ہے کہ مفتی اس استفتاء کی روشنی میں ایسا فیصلہ کردیتا ہے جو نقصان دہ ہوتا ہے، بعد میں اس کے برے نتائج سامنے آتے ہیں، گذشتہ عہد میں اس کی آپ کو بہت مثالیں ملیں گی کہ مفتی کو گمراہ قرار دیا گیا ہے، واقعہ کو غلط رخ سے پیش کیا گیا ہے، اس لیے مسئولیت کا احساس ضروری ہے، یہ بہت بڑی ذمہ داری ہے، اس کے لیے ضرورت ہے کہ اس سے وابستہ افراد بحث وتحقیق کے کام کو جاری رکھیں، اپنے علم کو وسعت دیں، اور جو کچھ بھی اسلام کے نظام فقہ کی کتابیں ہیں، ان کو اور قضایا معاصرہ پر جو کتابیں لکھی جارہی ہیں ان کو پڑھیں، بہت سے مسائل ہیں جن کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ اسلام میں ان کا کوئی حل نہیں ہے، تو یہ بحوث فقہیہ جو قائم ہیں، بھی ملکوں میں، کویت، سعودی عرب اور ہندوستان میں فقہ اکیڈمی ہے، تو وہاں سے ان موضوعات پر جو رسالے شائع ہوتے ہیں، ان میں موجودہ مسائل پر بحث ہوتی ہے، تو آپ ان سے اور دیگر ذرائع سے اپنے مطالعہ کو وسیع کریں، اور جو مصادر فقہ ہیں ان میں آپ کی گہری نظر ہو، اور جو معاصر قضایا ہیں ان کو سمجھیں، اور فتوی دینے میں احتیاط کریں کہ اس کا غلط استعمال نہ کیا جائے۔"

• حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی ؒ

رفتید و لے نہ از دلِ ما

مولانا ڈاکٹر نذیر احمد ندوی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء۔لکھنؤ)

یادش بخیر! استاذ محترم مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ ایک صاحب طرز ادیب، کہنہ مشق قلم کار، ماہر انشاء پرداز، باخبر صحافی، تجربہ کار منتظم، بالغ نظر مدبر، بلند پایہ مصنف اور مقبول و کامیاب مدرس تھے، ان کی شخصیت مرنجا مرنج، طبیعت سادگی پسند، مزاج متواضع، ذوق نفیس و اعلیٰ، زبان آسان و عام فہم اور اسلوب سلیس و رواں تھا، آپ گوناگوں خصوصیات کے حامل اور ملکوتی صفات کے مالک تھے، پیکر صلاح و تقویٰ، مجسم علم و حلم اور مجموعہ فضائل و کمالات ہونے کے ساتھ کم گو، کم سخن اور کم آمیز تھے، وقتاً فوقتاً مزاج پر انقباض کی کیفیت طاری ہونے کے نتیجہ میں ملاقات و گفتگو سے گریز کی جانب طبیعت کا میلان ہو جاتا تھا، آپ فطری طور پر خاموش مزاج تھے، اپنے کام سے کام رکھتے تھے، لایعنی باتوں اور غیر مفید تبصروں سے اجتناب کرتے تھے، اکثر گہری سوچ میں ڈوبے رہتے تھے، مگر گرد و پیش کا جائزہ لیتے رہتے تھے، ملکی و غیر ملکی حالات حاضرہ سے باخبر رہتے تھے، خاص طور سے عالم عربی اور عالم اسلامی کے سیاسی، سماجی اور اقتصادی حالات پر گہری نظر رکھتے تھے، عربی، انگریزی اور اردو اخبارات پابندی سے پڑھتے تھے اور ان میں سے بعض مضامین اور خبروں کا اپنے پندرہ روزہ اخبار "الرائد" جس کے تاحیات چیف ایڈیٹر رہے، انتخاب کرتے تھے، ادھر کچھ عرصہ سے ان اخبارات کی سرخیاں اور خبریں اہتمام سے سنتے تھے، باطل نظریات و تحریکات، اسلام مخالف سازشوں اور منصوبوں اور ان کے خلاف جاری ریشہ دوانیوں سے واقفیت آپ کا طرۂ امتیاز تھا، عالم اسلام کو درپیش مسائل کا حل آپ قرآن و سنت، واقعات سیرت، اسوۂ رسول، آثار صحابہ، آرائے تابعین اور اقوال سلف صالحین کی روشنی میں پیش کرتے تھے، نبی اکرم ﷺ کی ذات گرامی سے بڑی شیفتگی و عقیدت اور آپ ﷺ کے اسوۂ مبارکہ سے بے حد محبت تھی، اسی جذبۂ حب نبی سے سرشار ہو کر آپ نے "مختصر الشمائل النبویۃ" نامی رسالہ تحریر فرمایا، قرآن مجید سے والہانہ تعلق تھا، صبح و شام تلاوت قرآن اور آخری دور میں اس کی سماعت کا معمول تھا۔

مولانا کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کرنے کی سعادت مجھے انشاء و تعبیر کے گھنٹہ میں درجہ عالیہ ثالثہ شریعہ کے اندر ملی، عالم عربی سے شائع ہونے والے اخبارات جنہیں اپنے ساتھ لے کر درجہ میں تشریف لاتے تھے، سب سے پہلے مولانا ہی کے ہاتھ میں دیکھنے کا موقع ملا، آپ ان کے اقتباسات درجہ میں املا کراتے تھے اور تعریب کے لیے اردو اخبارات و رسائل سے عبارتیں منتخب کر کے دیتے تھے، مضمون نگاری کے لیے مختلف و متنوع عناوین تجویز کرتے تھے، انشاء پردازی اور ترجمہ نگاری کے اصول کی جانب رہنمائی فرماتے تھے، اس سلسلہ میں مولانا کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ بہت کم وقت میں جلد اچھی اصلاح فرمادیا کرتے تھے، نو آموز طلباء کی ہمت افزائی کی غرض سے ان کی عبارتوں کو کم سے کم قلم زد کرتے تھے، میرے ترجمہ اور مضمون کو اکثر بنظر استحسان دیکھتے، جس سے قلم پکڑنے اور مشق سخن جاری رکھنے کا حوصلہ ملتا، اس طرح پورے تعلیمی سال کے دوران درجہ میں مولانا سے استفادہ کا سلسلہ جاری رہا، آئندہ سال جب عالمیت کے آخری درجہ عالیہ رابعہ شریعہ سے فراغت حاصل ہوگئی تو "کلیۃ الشریعہ واصول الدین" کے شعبۂ "تخصص فی الحدیث" میں اپنے تعلیمی سفر کو جاری رکھا، اس دوران سند فضیلت کے حصول کے لیے مطلوبہ تحقیقی مقالے کی تیاری میں مشغول رہا، اس کے بعد "المعہد العالی للدعوۃ والفکر الاسلامی" میں داخلہ لے لیا تو اس میں فکر اسلامی کے موضوع پر آپ کے ان محاضرات سے استفادہ کا موقع ملا جو بڑے پُر مغز، معلومات افزا، بصیرت افروز اور چشم کشا ہوتے تھے، اسی اثناء میں مقالۂ فضیلت کی

تکمیل سے جب فراغت حاصل ہوئی تو عربی میں تحریر و ترجمہ کی جانب توجہ منعطف ہوئی، اس سے قبل فضیلت کے سال آخر میں میری ایک دو تحریریں "الرائد" میں شائع ہو چکی تھیں، اسی سال ایک بار جب میں آپ کی خدمت میں ایک تحریر لے کر حاضر ہوا تو آپ نے فرمایا کہ اپنے خالی گھنٹوں کے دوران یہاں دفتر "الرائد" میں وقت دیا کریں، ہم اس کا الاؤنس بھی دیں گے اور یہ تحریر بھی شائع کریں گے، اس طرح آپ کے گلشن علمی سے خوشہ چینی کے ساتھ آپ کے دامن تربیت میں وابستگی کا بھی زریں موقع ملا، آپ اردو کے مختلف اخبارات کی اہم خبریں، اسی طرح "Times Of India" کی رپورٹس اور مضامین کا انتخاب کر کے برائے ترجمہ مجھے عنایت فرماتے اور قدرے ترمیم و اصلاح کے بعد اسے برائے کمپوزنگ ارسال فرما دیتے۔

اسی دوران آپ نے آئندہ کا منصوبہ دریافت کرنے کے بعد یہاں سے باقاعدہ وابستگی اختیار کر لینے کا اشارہ کیا، میں نے سلسلۂ تعلیم جاری رہنے کے خیال سے جب کوئی عملی اقدام نہیں کیا تو آپ نے دوبارہ استفسار فرمایا؛ کیا یہاں سے مستقل وابستگی کا ارادہ نہیں ہے؟ میں نے اس بات کا تذکرہ برادر مکرم جناب مولانا عثمان خاں صاحب اناوی ندوی (منیجر ادارہ الرائد) سے کیا تو انہوں نے از راہ ہمدردی ناصحانہ انداز میں یہ کہہ کر سمجھایا کہ بغیر طلب اور کوشش کے تمہیں یہاں رکنے اور کام کرنے کی پیشکش کی جاری ہے اور تم اس میں لاپروائی برت رہے ہو، تم بغیر کسی تاخیر کے فوراً درخواست لکھو، میں نے ان کے مخلصانہ مشورہ پر عمل کرتے ہوئے درخواست تحریری کر کے مولانا کی خدمت میں پیش کر دی تو آپ نے اس پر اپنے سفارشی کلمات میں تحریر فرمایا کہ "یہ علمی و اداری کاموں کے لیے مفید ثابت ہوں گے" درخواست مزید کاروائی کے لیے آگے بڑھا دی گئی، اسے "مؤسسۃ الصحافۃ والنشر" کے سکریٹری کی جانب سے منظوری مل گئی، اس طرح یکم رمضان ۱۴۰۹ھ کو ساڑھے چار سو روپئے پر دفتر "الرائد" میں بحیثیت "محرر" میرا تقرر عمل میں آیا، اس طرح آپ سے تعلق مزید استوار اور مستحکم ہوتا چلا گیا، ایک سال تک دفتر "الرائد" کے علمی و اداری کاموں کے ساتھ جزوی طور پر دار العلوم میں تدریسی خدمت بھی انجام دیتا رہا، آئندہ تعلیمی سال کے آغاز سے میری خدمات دفتر "الرائد" دار العلوم میں برائے تدریس منتقل کر دی گئیں، اس موقع پر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی نے ارشاد فرمایا کہ اب آپ کا "الرائد" سے تعلق اخلاقی ہے، لیکن یہ اخلاقی تعلق تدریسی خدمت کے پہلو بہ پہلو مستقل باقی رہا اور تادم تحریر باقی ہے۔

جس زمانہ میں اس ادارہ سے میری وابستگی ہوئی، اس وقت "الرائد" کی کمپوزنگ قدیم طرز کے مطابق ہوا کرتی تھی، مولانا "الرائد" کے لیے جو اداریے یا افتتاحی کلمات تحریر فرماتے تھے، عام طور پر کمپوزرس انہیں صحیح طریقہ سے سمجھ کر کمپوز نہیں کر پاتے تھے، مولانا افتتاحیہ تحریر کرنے کے بعد صاف طور پر نقل کرنے کے لیے مجھے عنایت فرماتے، میں فرمائش کی تعمیل کر کے اسے پیش خدمت کر دیتا تھا، آہستہ آہستہ مولانا کی تحریروں سے بڑی مناسبت ہو گئی تھی، جس کی بنا پر میں بڑی حد تک صحت کے ساتھ اس کام کو انجام دیتا تھا، کبھی کبھی از راہ دل جوئی ارشاد فرماتے: آپ بڑے اچھے نساخ ہو گئے ہیں، اپنی تحریر کے جن بعض مقامات کو میں خود بھی پڑھنے سے قاصر رہتا ہوں، انہیں بھی آپ سمجھ کر لکھ دیتے ہیں۔

"تاریخ الادب العربی" (العصر الجاہلی) کا مسودہ تیار کرنے کے بعد ایک دیگر مستقل کاپی میں خوش خطی سے نقل کرنے کے لیے مجھے عنایت فرمایا، میں نے دوران قیام تعطیل رمضان ۱۴۱۰ھ یہ خدمت انجام دی۔

ایک بار مولانا نے مجھے سید الطائفہ حضرت علامہ سید سلیمان ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی کسی کتاب سے ماخوذ ایک مضمون کا عربی ترجمہ جو ایک نو آموز جدید فارغ التحصیل ندوی نے کیا تھا برائے اصلاح و مقابلہ عطا فرمایا، تعمیل حکم میں اس کے اندراجا بجا ترمیم و تصحیح کرنے کے بعد پیش خدمت کیا، آپ نے بعد از ملاحظہ ارشاد فرمایا: "ہم آپ کی بیشتر اصلاحات سے متفق ہیں۔" حضرت الاستاذ مولانا شفیق الرحمن ندوی مرحوم مؤلف "الفقہ المیسر" ترتیب و تزیین کے مرحلہ سے گذرنے کے بعد "الرائد" پر فائرانہ نظر ڈالتے تھے اور اغلاط کی نشان دہی فرماتے تھے، جب انہیں عارضی ضعف بصارت لاحق ہونے کی بنا پر دشواری

ہونے لگی تو انہوں نے اس کام کی انجام دہی سے معذرت کردی تو حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنیؒ اور مولانا سید عبداللہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے یہ ذمہ داری دی جسے میں حسب استطاعت انجام دیتا رہا، اور مضامین میں در آنے والی ترکیبیں وتعبیری غلطیوں کی نشان دہی کرتا، جس سے یہ حضرات مطمئن ومسرور ہوتے۔

مولانا نے از راہ ہمت افزائی متعدد مرتبہ ارشاد فرمایا کہ آپ اغلاط کی جلد گرفت کرکے ان کی جگہ صحیح الفاظ کی نشان دہی کردیتے ہیں، آپ نے از راہ عزت افزائی اور ذرہ نوازی اپنی کتاب "الدعوۃ الاسلامیۃ ومناہجہا فی الہند" کی طباعت سے قبل برائے ملاحظہ عنایت فرمائی، جس کا تذکرہ آپ نے دیباچۂ کتاب میں بایں الفاظ فرمایا ہے: "وكذلك أشكر الأستاذ نذير أحمد الندوي على التعاون"

مولانا دفتر "الرائد" میں آنے والے اخبارات ورسائل کے مطالعہ اور ان سے استفادہ کا مجھے مشورہ دیتے اور ان کی اہمیت و افادیت کی جانب متوجہ فرماتے تھے، اسی طرح ان عظیم، تاریخ ساز شخصیتوں کی سیرت وسوانح سے رہنمائی حاصل کرنے کی ترغیب دیتے تھے جنہوں نے اصلاحی وتجدیدی کارنامے انجام دیے ہیں، جریدۂ عالم پر دائمی نقوش ثبت کیے ہیں، اس سلسلہ میں انہوں نے علامہ بدیع الزماں سعید النورسی کی سرگذشت زندگی پر مشتمل ایک کتاب برائے مطالعہ عنایت فرمائی۔

مولانا کو اپنے افکار وخیالات کی خوش اسلوبی سے ترجمانی، اور بڑی روانی سے اظہار مافی الضمیر پر قدرت کاملہ تھی، فکری رونہایت تیز رفتار تھی، ایک یا دو نشستوں میں پورا مضمون برجستہ تحریر فرما دیتے تھے، اور اس میں ترمیم وتبدیلی کی نوبت بہت کم آتی تھی، بلاشبہ آپ فطری طور پر زود رقم تھے، آپ کے مضامین بصیرت افروز، معلومات افزا اور چشم کشا ہوا کرتے تھے، جو مضمون نگار کی مہارت و مشاقی اور حالات حاضرہ سے گہری آگاہی کے غماز ہوتے تھے۔

مولانا کی فکر ان کے نام ہی کی طرح واضح تھی، اس میں کسی قسم کی پیچیدگی یا پوشیدگی نہیں ہوتی تھی، ان کا اسلوب صحافیانہ تھا، جو بیک وقت سہل وآسان، شیریں اور دل کش اور سلیس ورواں تھا۔

مولانا کو مضامین کے لیے عناوین کے انتخاب کا بڑا سلیقہ اور عمدہ ملکہ تھا، اکثر وبیشتر مختلف اجلاسوں اور پروگراموں کی رپورٹ عربی میں تیار کرکے بلاعنوان پیش خدمت کردیتا، مولانا ان کے لیے ایسے موزوں عناوین تجویز فرمادیتے جن میں ان کی روح سمٹ کر آجاتی تھی۔

مولانا ہی نے پی ایچ ڈی کے میرے تحقیقی مقالے کے لیے "أدب الفتن والملاحم في الحديث النبوي" تجویز فرمایا تھا، اور اس مقالے کے لیے ایک گراں قدر مقدمہ تحریر کرنے میں میرا تعاون فرمایا تھا۔

ایک بار آپ نے دفتر معتمد تعلیمات میں از راہ دل جوئی فرمایا کہ جس طرح وہ بنیاد جس پر عمارت قائم ہوتی ہے نظر نہیں آتی، اسی طرح بہت سے علمی کاموں کے پیچھے بعض شخصیات ہوتی ہیں جو نظر نہیں آتیں۔

ایک مرتبہ امین نگر "تیندوا" سے متصل ایک موضع "دوندی کا پردہ" میں منعقد ایک دینی اجلاس میں شرکت کے لیے مولانا محمد خالد صاحب غازی پوری کے ہمراہ جانے کا موقع ملا، ناظم اجلاس نے اس وقت مجھے دعوت سخن دی، جب حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور حضرت مولانا سید محمد واضح رشید ندویؒ اجلاس میں تشریف لے آئے، مجبوراً مجھے ان حضرات کی موجودگی میں لب کشائی کی جرأت کرنی پڑی، میں نے "اسلام" کے موضوع پر اختصار کے ساتھ اظہار خیال کرکے بات ختم کردی، اس کے چند روز بعد جب مولانا سے ملاقات ہوئی تو آپ نے بطور ہمت افزائی فرمایا کہ آپ کا انداز خطاب سنجیدہ، پرسکون اور اطمینان بخش ہے، دور حاضر میں مقررین کو ایسا ہی طرز تقریر اختیار کرنا چاہیے۔

ایک بار رات کی ٹرین سے مولانا کے ہمراہ سفر سہارنپور کا شرف حاصل ہوا، مولانا ایک ہلکی سی چادر اوڑھ کر سونے کے لیے اپنی برتھ پر لیٹ گئے، جب انہیں خنکی کا احساس ہوا تو میں نے ایک دبیز چادر جو میرے پاس تھی، مولانا کو اڑھادی، جس سے مولانا کو راحت محسوس ہوئی، جب صبح میری آنکھ کھلی تو دیکھا کہ مولانا پہلے سے بیدار ہوچکے ہیں، مولانا نے ٹرین کے ٹھنڈے پانی سے وضو کرکے

نماز فجر ادا کی، اس کے بعد اوراد و وظائف پورے کیے، مولانا سفر و حضر میں اپنے معمولات کے بڑے پابند تھے، ذکر و فکر، انابت و اخبات، تزکیۂ نفس اور تصفیۂ قلب میں مشغول رہتے، دنیا کے رنگ و رعنائی اور زیب و زینت سے نفور، شہرت طلبی اور نام وری سے کوسوں دور رہتے تھے۔

مہمان خانہ و مسجد اور وقتاً فوقتاً دفتر معتمد تعلیمات میں مولانا سے ملاقات و مزاج پرسی کے لیے حاضر ہوتا رہتا تھا، مختلف معاملات میں تبادلۂ خیال اور متعدد امور میں رائے مشورہ لیا کرتا تھا، مولانا سے میری آخری ملاقات دار العلوم میں دو ہفتہ کی تعطیل سے قبل اس وقت ہوئی جب آپ اپنے دفتر کے باہر دھوپ میں کرسی پر تشریف فرما تھے، مزاج پرسی کے بعد آپ نے دوران تعطیل میرے پروگرام کے بارے میں دریافت فرمایا، تعطیل کے آخری روز عصر سے قبل میں دار العلوم میں واپس آگیا تھا، لیکن یہ سوچ کر کہ کل دفتر میں ملاقات کرلوں گا، مہمان خانہ جا کر بحالت زندگی مولانا سے ملاقات نہ کرسکا، جس کا مجھے تا عمر افسوس رہے گا، اگلے روز مؤرخہ ۱۶؍جنوری ۲۰۱۹ء نماز فجر میں آپ کے انتقال پر ملال کی خبر صاعقہ اثر سن کر دم بخود رہ گیا، ذہن و دماغ مفلوج سے ہو گئے اور دامان عقل و ہوش کے پرزے اڑنے لگے، آخری دیدار کے لیے مہمان خانہ کا رخ کیا، وہاں صف ماتم بچھی ہوئی تھی، پورے ندوہ کا ماحول سوگوار تھا، اسی دل فگار فضا میں بعد نماز ظہر نماز جنازہ میں شرکت کی، پھر یہاں سے تدفین میں شرکت کے لیے رائے بریلی روانہ ہوا، جہاں لوگ جنازے کو کندھا دینے اور نماز جنازہ میں شرکت کے لیے جوق در جوق مور و ملخ کی تعداد میں چلے آرہے تھے، انسانوں کا سیلاب امڈا چلا آرہا تھا، بڑی مشکل سے ان کی تربت پر مٹی ڈال سکا۔ بالآخر یہ مجمع کمالات پیوند خاک ہوگیا:

ع زمین کھا گئی آسماں کیسے کیسے

دعوت کی چار شرطیں

”دعوت کے لیے علم کی ضرورت ہے، بعض مفکرین نے لکھا ہے کہ دعوت کے لیے کئی شرطیں ہیں، پہلی شرط یہ ہے کہ آپ جس چیز کی دعوت دے رہے ہیں، آپ خود اس سے پوری طرح واقف ہوں، مخالف اگر کوئی سوال کرے، وہ شبہات پیدا کرے تو آپ جواب دے سکیں، اگر آپ جس کی دعوت دے رہے ہیں، اس سے پوری طرح واقف نہیں ہیں تو آپ کو صدمہ پہنچے گا، وہ کوئی بھی سوال کرسکتا ہے، اصطلاح میں اس کو ”وعی الرسالہ“ کہتے ہیں، یعنی ہم جو پیغام دے رہے ہیں، اس سے ہم خود پوری طرح واقف ہوں، ہمیں شرح صدر ہو، قوت ہو، ثقہ حاصل ہو، خود اس پر مطمئن ہوں، ثقل بالنفس ہو۔

دوسری بات ہے: ”وعی المخاطب“ یعنی مخاطب سے آپ واقف ہوں، آپ کس سے بات کر رہے ہیں، ایک جاہل سے بات کر رہے ہیں، ایک پڑھے لکھے سے بات کر رہے ہیں، ایک دشمن سے بات کر رہے ہیں، ایک ہمدرد سے بات کر رہے ہیں، اس سے واقف ہونا بھی ضروری ہے کہ آپ اس کی زبان و مزاج سے واقف ہوں۔

تیسری چیز ہے: ”اسلوب الدعوہ“ قرآن میں اس کی طرف اشارہ بھی کیا گیا ہے کہ ہمارا اسلوب کیسا ہونا چاہیے، اسلوب معاندانہ نہ ہو، بلکہ دلوں پر اثر ڈالنے والا ہو، مخاطب کا احترام ہو، سیرت میں اس کے بہت سے واقعات ملیں گے کہ حضور ﷺ کے پاس کیسے کیسے دشمن آئے، اور وہ گئے تو وہی ابغض الناس احب الناس میں تبدیل ہو گئے، تو اسلوب الدعوہ دلوں پر اثر ڈالنے والا ہو، محض عقلی دلائل کافی نہیں ہیں۔

چوتھی چیز ہے: ”امتزاج الناس“ لوگوں سے ملنا جلنا، مختلف جگہوں پر جانا، اور مختلف موقعوں پر اس سے فائدہ اٹھانا، اس وقت جو بہت سے مسیحی تبشیری دعوتی کام کر رہے ہیں، ان کے یہاں اس کا خاص طور پر ذکر ہے کہ مختلف موقعوں پر بغیر دعوت کے چلے جاؤ، خوشی یا غمی کا موقع ہے، کہیں لوگ جمع ہو رہے ہیں، اور وہاں جا کر ان کو مانوس کرنے کے لیے کوئی اچھی بات کہہ دو، جس کا ان کی طبیعت پر اثر پڑے۔ یہ سب چیزیں دعوت کے لیے نہایت ضروری ہیں۔“

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی ؒ

''محسنِ انسانیت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم)'' کا اسلوب نگارش - چند نمونے

مولانا نعیم الرحمن صدیقی ندوی (جنرل سکریٹری صدق فاؤنڈیشن-لکھنؤ)

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ ''نازشِ ملک وملت اور تابشِ دین'' تھے۔ وہ ''نورِ یقین، حسنِ عمل اور خلقِ حسن'' کا پیکرِ جمیل تھے۔ وہ ''دانش کدۂ شبلی'' کے درخشاں تارے تھے۔ ان کے علم وقلم پر دبستانِ ندوہ کی نقش گری تھی۔ ان کے افکار، نظریات اور خیالات کا مرکز ومحور تادمِ مرگ اسلام ہی رہا۔ وہ فکرِ اسلامی کے نقیب تھے۔ انہوں نے اپنی علمی، ادبی، صحافتی اور دیگر خداداد صلاحیتوں کو اسلام کی بالادستی کے لیے وقف کر رکھا تھا۔ ان کے خامۂ زرنگار کے موضوعات اسلامی دعوت، الٰہی شریعت، عشقِ رسول اکرمؐ، عقیدتِ صحابہ کرامؓ، محبتِ اولیاء اللہ، اسلامی ادب، عربی زبان وادب، اقدارِ صالحہ کی حفاظت واشاعت، ان کی ترویج وتشریح اور اعدائے اسلام کی سازشوں اور ریشہ دوانیوں کو بے نقاب کرنا جیسے تھے۔ انہوں نے اپنی حیاتِ مستعار کی تقریباً نصف صدی دارالعلوم ندوۃ العلماء کے قصرِ تعلیم کی آرائش وزیبائش میں لگائی۔ ۲۰۰۶ء میں انہوں نے معتمد تعلیم ندوۃ العلماء کے منصب کو وقار بخشا۔ ان سے قبل اس جلیل القدر منصب پر علامہ شبلی نعمانی (م ۱۹۱۴ء)، علامہ سید سلیمان ندوی (م ۱۹۵۳ء)، مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی (م ۱۹۹۹ء)، مولانا عبدالسلام قدوائی ندوی (م ۱۹۷۹ء) اور مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی (م ۲۰۰۶ء) جیسے اصحابِ علم وفضل رونق افروز ہو چکے تھے۔

مولانا واضح حسنیؒ عربی وارد دونوں زبانوں میں ایسے اسلوب نگارش کے مالک تھے جو اپنی سحر انگیزی، اثر پزیری، شگفتگی، شیرینی، دل آویزی، سلاست، فصاحت، بلاغت اور دیگر ادبی و انشائی خصوصیات کے باعث بہت مقبول تھا۔ انہوں نے موضوع کے اعتبار سے اسالیب اپنائے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی گراں قدر تصانیف ہاتھوں ہاتھ لی جاتی ہیں۔

راقم نے درج ذیل سطور میں ان کی کتاب ''محسنِ انسانیت'' سے ان کے پاکیزہ، شستہ اور شگفتہ اسلوب نگارش کے چند نمونے اخذ کیے ہیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

''رسول اکرمؐ کے لیے معلم، مزکی، ہادی، مبشر، منذر، مبلغ، داعی، رحمۃ للعالمین اور رؤوف ورحیم کی صفات استعمال کی گئی ہیں، جن کی تعداد ۹۹ تک پہنچتی ہے، لیکن ان میں جامع تعریف ''سراج منیر'' ہے۔ قرآن کریم کا ارشاد ہے: ''یا یھا النبی انا ارسلناک شاہداً ومبشراونذیراً وداعیا الی اللہ باذنہ وسراجاً منیراً'' (سورہ احزاب: ۴۵-۴۶) اے نبی! یقیناً ہم نے ہی آپ کو گواہی دینے والا، خوش خبری سنانے والا، ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے اور اللہ کے حکم سے اس کی طرف بلانے والا اور روشن چراغ۔ (ابن کثیر نے سراجاً منیراً کے معنی روشن اور چمک دار سورج کے کیے ہیں)۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ آپؐ پوری انسانی زندگی بلکہ پورے عالم کے لیے تاقیامت مادامت السمٰوٰت والارض مشعل راہ ہیں اور ہر خاص وعام کے لیے قیامت تک روشنی کا منبع ہیں''۔

کتب سیرت کا ادبی جائزہ لیتے ہوئے مولانا مرحوم رقم طراز ہیں:

''سیرت نبویؐ ایسا موضوع ہے جس پر دوسرے موضوعات سے زیادہ کتابیں تصنیف کی گئیں۔ عہد اول سے اس عصر تک مختلف زبانوں میں لکھا گیا اور لکھنے والوں نے اپنے ذوق اور ذات نبویؐ سے وابستگی کے اعتبار سے سیرت کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے اور اس میں اپنے تاثر کو بھی پیش کیا ہے۔ اس پر لکھنے والے مورخ بھی ہیں اور محقق بھی، سیرت نگار بھی ہیں اور ادیب بھی، سیاسی ذہن رکھنے والے بھی ہیں اور مفکر بھی، موافق اور معتقد بھی ہیں اور مخالف ومعاند بھی۔ اس کی وجہ سے اس موضوع پر تصنیف کی جانے والی کتابوں میں اسلوب اور بیان اور تاثر کے اظہار میں جتنا تنوع ہے اتنا تنوع کسی دوسرے موضوع میں نہیں ہے۔

ولادت باسعادت سے پہلے دنیا کی جو حالت تھی، صرف اسی کو لیجیے اور مختلف سیرت کی کتابوں کا مطالعہ کیجیے تو آپ کو مصنف کے ذوق اور ادبی صلاحیت اور عرض کی قوت کا اندازہ ہوسکتا ہے"۔

رحمت عالم ﷺ:

"قومی ومذہبی عصبیت سے بالاتر ہوکر صاف اور کھلے ذہن سے اگر سیرت نبویؐ کا مطالعہ کیا جائے تو یہ اعتراف کیے بغیر رہا نہیں جاسکتا کہ نبی کریمؐ کی نمایاں وممتاز صفت رحمۃ للعالمینی ہے۔ آپؐ کی پوری زندگی عفوودرگزر، رحم وکرم، رحمت ومودت اور شفقت ودل داری کی آئینہ دار ہے۔ آپؐ کی تعلیم وتربیت اور صحابہ کرامؓ کے ساتھ آپؐ کے سلوک کا بنیادی جوہر رحمت وکرم گستری ہے۔ آپؐ صرف مسلمانوں ہی کے لیے رحمت نہیں بلکہ آپؐ سارے جہاں کے لیے رحمت تھے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: وما ارسلناک الا رحمۃ للعالمین (الانبیاء: ۱۰۷) اے محمدؐ! ہم نے تم کو تمام جہاں کے لیے رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔ آپؐ کی یہ صفت آپؐ کے تمام اقدامات اور کارروائیوں میں نمایاں اور غالب نظر آتی ہے۔ آپؐ کی زندگی میں کتنے ہی نازک مرحلے آئے، کیسی ہی سختیوں، کٹھنائیوں اور آزمائشوں سے آپ کو گزرنا پڑا لیکن کسی بھی حال میں شفقت ومودت، رحمت وکرم گستری کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوٹا"۔

گندم نما جوفروش مستشرقین کے دام تزویر کا پردہ چاک کرتے ہوئے مولانا مرحوم تحریر کرتے ہیں:

"آج مغرب میں نبی کریمؐ کے تعلق سے جو تصور قائم ہے وہ انہی بدنیت مستشرقین کا دیا ہوا ہے جو ان کے ذہنوں اور دلوں میں ایسا راسخ ہوگیا ہے کہ زمانے کی ترقیوں اور بحث وتحقیق کے میدان میں نئی نئی تحقیقات وانکشافات کے باوجود آج تک تبدیل نہیں ہوسکا، حتیٰ کہ مغرب کا تعلیم یافتہ طبقہ بھی اس بات کی زحمت گوارا نہیں کرتا کہ وہ صاف اور کھلے ذہن سے سیرت نبویؐ کا مطالعہ کرے اور حقیقت حال کا پتہ لگائے، حالانکہ جو لوگ سیرت نبویؐ کا حقیقت پسندانہ مطالعہ کرتے ہیں وہ نبی کریمؐ کی رحمۃ للعالمینی اور عفوودرگزر کی صفت کا اعتراف کرتے ہیں۔ بہت سے حقیقت پسند اور انصاف پسند یورپین دانشوروں نے اسلام کا غیر جانب دارانہ مطالعہ کیا تو وہ اسلام کی تعلیمات سے متاثر ہوکر حلقہ بگوش اسلام ہوگئے اور اس کا بھی اعتراف کیا کہ ان کی سابقہ معلومات ناواقفیت پر مبنی تھیں"۔

یورپ کی عیاری ومکاری کی ایک مثال:

"یورپ نے مسلمانوں کے عہد اقتدار وغلبہ میں دوبدو جنگ کرنے کے بجائے مکروفریب، عیاری ومکاری، چال بازی، بہتان تراشی وافترا پردازی اور کذب بیانی کا راستہ اختیار کیا اور مسلمانوں کے خلاف فکری وتہذیبی جنگ چھیڑ دی۔

یورپ کی علمی بے داری کے اوائل میں اسلام کے تعلق سے ایک کتب خانہ وجود میں آیا جس کا بیشتر حصہ سیرت رسول اکرمؐ سے متعلق تھا، لیکن یورپ نے اسلامی موضوعات پر تحقیق وریسرچ میں اس حقیقت پسندی اور غیر جانب داری کا ثبوت نہیں دیا جو دوسرے علوم وفنون کے میدان میں نظر آتی ہے، بلکہ اسلام کے تعلق سے اسی روش اور نہج پر قائم رہا جو صلیبی جنگوں کے زمانے میں رائج تھا اور صلیبی عہد کے تصورات وخیالات کو یورپین اہل قلم جوں کا توں نقل کرتے آرہے تھے، حالانکہ بحث وتحقیق کی رو سے ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ یورپ دوسرے میدانوں کی طرح اس میدان میں بھی حقیقت پسندی اور غیر جانب داری کا ثبوت دیتا"۔

وقت کی اہم ضرورت مولاناؒ کے الفاظ میں:

"مسلم اہل قلم اور مفکرین کو چاہیے تو یہ تھا کہ وہ یورپ کی اس علمی وفکری یلغار کا مقابلہ کرتے، لیکن افسوس کہ وہ اپنی تمام تر توجہات یورپ کے عسکری حملے کے دفاع میں صرف کرنے کی وجہ سے اس بھیانک فکری وعلمی یورش پر توجہ نہ دے سکے، حالانکہ یورپ عالم اسلام پر اپنے استعماری حملے سے قبل ہی اس خاموش سنگین علمی وفکری جنگ کی ابتدا کرچکا تھا"۔

تعلیمات رسولؐ کی اہمیت وضرورت:

"مسلمان مورخین سے غلطی یہ ہوئی کہ سیرت پاکؐ کے غالب عناصر کو اس تفصیل سے نہیں پیش کیا بلکہ اپنے غلبے کے عہد میں اپنی فتوحات اور عسکری کارروائیوں کو زیادہ تفصیل سے بیان کیا اور اصلاحی اور انسانی خدمات کو اس تفصیل سے نہیں بیان کیا جس کی ضرورت تھی۔ اسی طرح سیرت پاکؐ کو مختلف زبانوں میں تفصیل

سے پیش نہیں کیا۔ سیرت کے رحم، محبت، انسانیت، بشری خصوصیات اور ملکوتی صفات کو پیش کیا جاتا اور اسلام کے نتیجے میں علم وفن اور تمدن کو جو فروغ ہوا اس کو مختلف زبانوں میں پیش کیا جاتا تو یہ معاندانہ رویہ اختیار نہیں کیا جاتا۔

اب جب کہ پھر یورپ سے آندھیاں اٹھنے لگی ہیں اور وہ موضوع پھر قوت کے ساتھ پیش کیا جانے لگا ہے، ضرورت ہے کہ سیرت پاک کو اس رنگ میں پیش کیا جائے کہ وہ انسانیت کے لیے اس ظلماتی عہد میں کس طرح نجات کا ذریعہ بن سکتی ہے اور انسانیت اس سے کس طرح بے دار ہو سکتی ہے۔ اس عہد میں جس میں قومی، علاقائی اور نسلی عصبیت اور علم کا غلط استعمال اور اپنے قومی مفادات کے لیے دوسروں پر جبر وقہر کا ماحول عام ہو رہا ہے، رسول اکرمؐ کے اس پیغام کو عام کرنے ہی میں نجات ہے کہ "الناس بنو آدم وآدم خلق من تراب، لافضل لعربی علی عجمی الا بالتقوی" سب آدم کی اولاد ہیں، اور آدم مٹی سے ہیں، عربی کو عجمی پر امتیاز حاصل نہیں، امتیاز کی بنیاد صرف خدا کا خوف ہے"۔

صحابہ کرامؓ کی مثالی زندگی حضورؐ کی تعلیم وتربیت ہی کا نتیجہ ہے:

"آپؐ کے جانثار رفقاء آپؐ ہی کی صفات سے متصف اور اسلامی تعلیمات کا اعلیٰ نمونہ تھے، جیسا کہ حدیث شریف میں آتا ہے "اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اہتدیتم" یہ آپؐ کی حکیمانہ تربیت کی روشن دلیل ہے۔ آپؐ کی تربیت کا نتیجہ تھا کہ دعوت اسلامی کی آواز چہار دانگ عالم میں پھیل گئی اور پرچم اسلام عرب وعجم میں لہرانے لگا۔ خدائی تعلیمات اور ہدایت وفلاح کی باد بہاری چلنے لگی۔ ہر شخص اپنے اپنے ظرف کے مطابق کسب فیض میں مشغول ہو گیا، پوری دنیا نے اسلام کا یہ پیغام جان لیا کہ اسلام نام ہے کائنات کے کارساز حقیقی کے سامنے خود سپردگی اور سرافگندگی کا۔ اسلام نام ہے اس عقیدے کا کہ آسمان وزمین اور بحر وبر کا خالق ومالک صرف ایک ہے، جس نے انسان کو ایسی شکل وصورت سے نوازا جو سب سے بہتر اور سب سے عمدہ تھی، جس نے ابن آدم کو اشرف المخلوقات بنایا اور دنیا کے تمام ستارے، سیارے اور مہر وماہ وانجم کو اس کی ضروریات کی تکمیل میں لگا دیا۔ پوری کائنات اس کے دست نگر کر دی اور اس کو علم وعرفاں کا وہ نور عطا کیا جس سے وہ زندگی کے ہر گوشے میں رہنمائی حاصل کرتا ہے۔ آپؐ کے بعد آپؐ کے حاملین منصب نبوت پوری تن دہی واخلاص سے دعوت اور پیغام اسلامی کو عام کرنے لگے۔ لوگوں کو زندگی کا سلیقہ اور آداب سکھاتے رہے"۔

رسول اکرمؐ کی دعوت کا راز دروں مولانا مرحوم کے الفاظ میں:

"آپؐ کی دعوت کا راز دروں یہ ہے کہ اس کے اندر آفاقیت، ابدیت اور جامعیت پائی جاتی ہے۔ وہ رنگ ونسل اور ذات پات کی تنگنائیوں میں محدود نہیں ہے۔ اس کا پیغام آفاقی اور سب کے لیے ہے اور وہ پوری انسانیت کے مسائل کا حل پیش کرتی ہے۔ ایک طرف وہ اگر ذکر وعبادت کے طریقے سکھاتی ہے تو دوسری طرف دیگر ادیان ومذاہب کی تمام انسانی خوبیوں اور شرافتوں کے معیار کو اپنے دامن میں سمیٹنا نہیں بھولتی۔ وہ انبیاءؑ کے درمیان تفریق وامتیاز کی قائل نہیں، بلکہ سب کا یکساں احترام کرنا سکھاتی ہے۔ وہ نسل انسانی کے لیے ایک متحدہ مرکز اور ایک پلیٹ فارم رکھتی ہے اور اس کو ایک ایسی جمعیت میں تبدیل کرنا چاہتی ہے جو متحد ہو اور یکساں مقاصد کی حامل ہو۔ پوری کائنات میں اسلام ہی وہ مذہب ہے جو دین ودنیا کے درمیان فرق وامتیاز نہیں کرتا بلکہ حسب ضرورت جائز حدود میں رہتے ہوئے دونوں سے فائدہ اٹھانے اور دونوں کے حقوق ادا کرنے کی دعوت دیتا ہے۔ وہ "ماقیصر لقیصر ومالللہ للہ" کے فلسفہ حیات کو قبول نہیں کرتا۔

اسلام انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے۔ زندگی کا کوئی گوشہ اسلامی تعلیمات سے محروم نہیں۔ عبادت ہو، سیاست ہو، معاشیات ہو، اخلاقیات ہو، نباتات ہو، جمادات ہو، تعلیم وتعلم کا میدان ہو، غرض یہ کہ اسلام میں ہر ایک کے لیے رہ نمائی موجود ہے۔ کیوں کہ اسلام ابدی، جامع اور ہمہ گیر متوازن نظام حیات ہے اور یہی جامعیت اس کی کشش کا سبب ہے اور اسی جامعیت کی وجہ سے وہ اس وقت بھی سب سے زیادہ پھیلنے والا دین ہے اور اس کی یہ مقبولیت ہی اس کے مخالفین کے لیے پریشانی اور دشمنی کا سبب ہے۔"

یورپ کی طعنہ زنی:

"یورپ مسلمانوں کو جاہل وناخواندہ قوم ہونے کا طعنہ دیتا ہے اوراس کی ذمہ داری اسلام پر ڈالتا ہے۔ حالانکہ یہ وہی یورپ ہے جس نے مسیحیت کی ماتحتی میں ہزار سالہ مدت ایک ان پڑھ قوم کی حیثیت سے بسر کی ہے، جس میں یورپ کے بڑے بڑے لیڈران پڑھ اور جاہل تھے۔ لاویس رامبوا اپنی کتاب "تاریخ عام" میں کہتا ہے:

"انگلینڈ ساتویں صدی عیسوی سے لے کر دسویں صدی عیسوی تک انتہائی غریب اور پس ماندہ تھا۔ خارجی دنیا سے بالکل کٹا ہوا تھا، وحشت وبربریت اور درندگی کا دور دورہ تھا، مکانات کچی مٹی کے بنائے جاتے تھے، مہلک امراض اور وبائیں عام تھیں، انسان جانوروں سے بھی گیا گزرا تھا، سردار قوم بھی اپنی پوری فیملی کے ساتھ ایک چھوٹے جھونپڑے میں رہتا تھا۔

پورا یورپ اس وقت گھنے جنگلات پر مشتمل تھا۔ زراعت وکاشت کاری نہ ہونے کے برابر تھی، خانہ جنگی، قتل وغارت گری اور لوٹ کھسوٹ کا بازار گرم تھا۔ پیرس اور ولندرا میں مکانات گھاس پھوس کے ہوتے تھے، جن میں نہ کھڑکیاں ہوتیں اور نہ کمرے، بستر اور چٹائی کا وجود نہ تھا۔

مرد، خواتین اور بچے غرض پوری فیملی ایک چھوٹے اور تنگ وتاریک کمرے میں رات گزارتی تھی اور اسی میں پالتو جانوروں کو بھی ٹھہراتے تھے۔ وہاں نہ سڑکیں تھیں، نہ نالیاں اور نہ ہی چراغ اور نہ روشنی کا کوئی سامان"۔

تعلیم کی ابتدا بعثت نبویؐ سے ہوئی:

"تعلیم وتعلم اور لکھنے پڑھنے کا آغاز بعثت محمدیؐ سے ہوا۔ اس سے پہلے ادیان ومذہب میں کسب علم اور تعلیم پر پابندیاں عائد تھیں بلکہ فکر وتدبر اور کتاب مقدس کے علاوہ دیگر کتابوں پر پابندی تھی۔ اسلام نے تعلیم وتعلم کے دروازے کھولے، جیسا کہ پہلی وحی سے معلوم ہوتا ہے جس میں علم کے بعد اس کے وسیلہ قلم کا تذکرہ ہے۔ قرآن کریم میں جگہ جگہ تفکر، تدبر، شعور وآگہی، علم، عقل، فقہ، تفقہ اور تدبر فی خلق اللہ کے الفاظ آئے ہیں۔ لہٰذا اسلام نے ایک نئے عہد کا آغاز کیا۔ انسانیت کو تاریکی سے نکال کر روشنی کی طرف لایا اور مذہبی پیشواؤں کے ظلم وزیادتی سے نکال کر جنہوں نے تعلیم وتعلم سے لوگوں کو محروم کر رکھا تھا اور ارباب علم کو تختہ دار پر چڑھا دیا تھا، حصول علم کی آزادی عطا کی"۔

یورپ میں جہالت تھی:

"یورپ میں لوگ جہالت کی تاریکی میں سرگرداں تھے۔ انہیں کہیں روشنی نظر نہیں آرہی تھی۔ روشنی تو صرف مسلمانوں کی طرف سے آرہی تھی۔ علوم وفنون، ادبیات، فلسفہ، حرفت وصنعت اور زندگی کے دیگر میدانوں میں امت اسلامیہ رہبری کر رہی تھی۔ بغداد، سمرقند، بصرہ، دمشق، قیروان، مصر، ایران، غرناطہ اور قرطبہ علم ومعرفت کے عظیم مراکز تھے۔ مملکت اسلامیہ میں چھوٹے چھوٹے مدرسے اور مسجدیں بھی بڑے بڑے کتب خانوں سے معمور تھیں، جہاں ہر شخص کو پڑھنے کی اجازت تھی، جب کہ یورپ کے مرکزی شہر دیہاتوں کی طرح تھے جہاں نہ تو علم تھا اور نہ آبادی۔ یورپ مادی، ادبی، تہذیبی اور علمی ہر اعتبار سے بڑا پس ماندہ تھا"۔

اخذ واقتباس کے ان طویل ومختصر نمونوں سے یہ بات اچھی طرح واضح ہو جاتی ہے کہ مولانا واضح رشید حسنی ندویؒ کا اسلوب نگارش قلب ونظر کی طہارت، فکر وخیال کی پاکیزگی، فصاحت وبلاغت کی دل کشی، آمد وسلاست کی دل آویزی، اطراف وجوانب کی جامعیت اور زبان وبیان کے دیگر اوصاف سے آراستہ ہوانے کے باعث کتنا موثر اور پرکشش ہے۔ درحقیقت زبان وقلم کے یہ محاسن دبستان شبلی کے خصائص وامتیازات ہیں۔

اطاعت شعار صحابہ کرامؓ

"ہر حال میں اور ہر امر میں رسول اللہ ﷺ کی اطاعت وفرماں برداری اور اطاعت شعاری وجاں نثاری میں صحابہ کرامؓ اس مقام کو پہنچ گئے تھے جس کی نظیر نہ اس سے پہلے ملی اور نہ بعد میں، چنانچہ کیسے بھی حالات ہوتے صحابہ اپنے رسول کی اطاعت وانقیاد میں ادنی بھی تاخیر اور کسی بھی طرح کا کوئی ٹال مٹول نہ کرتے"۔

● حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

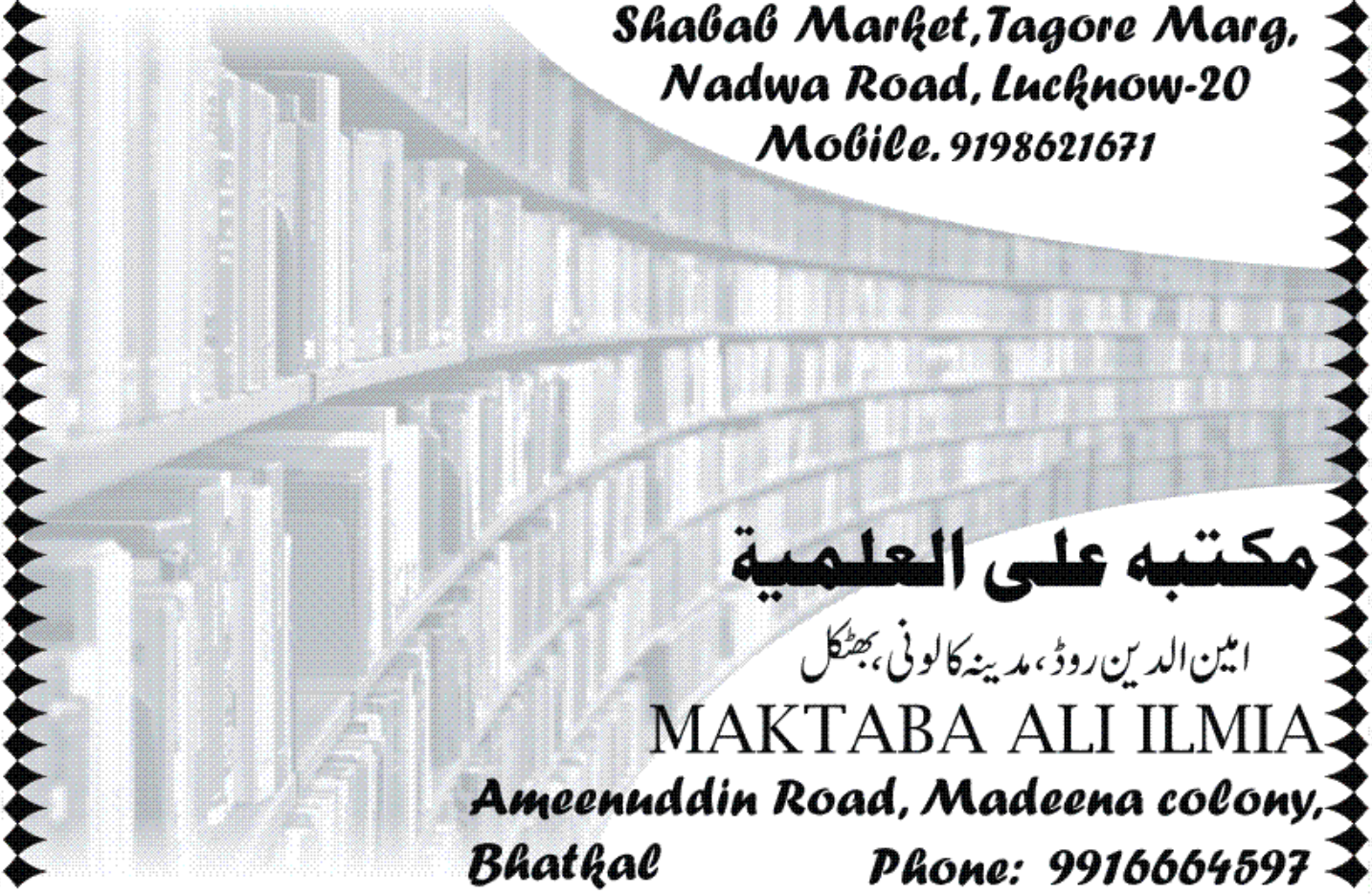
کتابوں کی دنیا بہت وسیع ہے، ہمارے یہاں دہلی ، دیوبند، لکھنؤ ، سہارنپور ، وغیرہ جگہوں کی مطبوعات مناسب نرخ پر دستیاب ہیں،اور ہمارے مکتبہ کا امتیاز یہ ہے کہ ہندوستانی ناشرین کتب کے ساتھ بیرونی ممالک کی عربی مطبوعات بھی نہایت مناسب قیمت پر دستیاب ہیں اور مطلوبہ آڈر پر منگوانے کی سہولت بھی حاصل ہے۔اسی کے ساتھ درسی کتب بھی مخصوص رعایتی قیمت پر مل سکتی ہیں۔

مکتبة الشباب العلمیه

شباب مارکیٹ، ٹیگور مارگ، ندوہ روڈ، لکھنؤ۔۲۰

SHABAB ILMIA BOOK HOUSE

Shabab Market, Tagore Marg,
Nadwa Road, Lucknow-20
Mobile. 9198621671



مکتبه علی العلمیة

امین الدین روڈ، مدینہ کالونی، بھٹکل

MAKTABA ALI ILMIA

Ameenuddin Road, Madeena colony,
Bhatkal **Phone: 9916664597**

ایک نظام زندگی، انقلابی محاذ، جہد مسلسل، تحریک کارواں اور
دعوت دین کا مظہر تھی،
نگہ کی بلندی، سخن کی دلنوازی اور جاں پرسوزی کی وہ عملی تصویر تھے۔

صدیق علی ندوی

قاضی شہر وذمہ دار دارالقضا- جھانسی

Mobile: 9140110398

ماھنامہ پیام عرفات

کے فخر العلماء حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ نمبر

کا ہم تہہ دل سے استقبال کرتے ہیں۔

منجانب

اقبال اختر ندوی

ANSARI ELECTRICALS

CONTACT FOR RETAIL AND WHOLESALE

Chauhan Market, Raebareli (Mobile: 9336001617)

کچھ یادیں- کچھ باتیں

جناب شارق علوی (ایڈیٹر فریگرنس آف ایسٹ، ندوۃ العلماء-لکھنؤ)

کون جانے کس پل زندگی ٹھہر جائے
کوئی رستم اعظم دیر تک نہیں رہتا

۱۶؍جنوری ۲۰۱۹ء کو وضو سے فارغ ہو کر تہجد کی نماز کی تیاری میں تھے کہ اچانک سینہ میں درد شروع ہوا اور بے چینی محسوس کی، بستر پر لیٹ گئے، ڈاکٹر طلب کیے گئے، اس درمیان مسجد سے فجر کی اذان کی صدا فضا میں گونجی، مؤذن نے جیسے ہی آخری تکبیر "اللہ اکبر" کی آواز بلند کی، روح قفس عنصری سے پرواز کر گئی، تقریباً ۸۴ سال تک دنیا کے رنگ و بو، زمانے کے اتار چڑھاؤ سے گذرتے ہوئے مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی مالک حقیقی سے جا ملے۔

حصول علم اور تشہیر علم کے میدان میں مرحوم نے نمایاں کردار ادا کیا اور ایک عادتاً خاموش اور سنجیدہ طبیعت کے عالم اور باعمل ہونے کا نمونہ پیش کرتے رہے، مولانا کی علمی، ادبی، صحافتی زندگی پر ان کے ہم عصر اور مقرب زیادہ تفصیل سے لکھیں گے، اور ان کو یاد کریں گے، راقم الحروف مولانا کی زندگی کے صرف ایک گوشہ پر اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہتا ہے۔

۱۹۹۴ء کی ایک سرد رات کو مرکزی حکومت کے خفیہ محکمہ کے ایک متعصب ڈی آئی جی نے غلط مخبری کا سہارا لے کر ندوۃ العلماء کے ایک اقامت گاہ پر دوش دی اور چھ طلباء کو حراست میں لے کر ڈر غالب کرنے کی غرض سے فائرنگ کرتے ہوئے چلے گئے، صبح ہوتے ہی یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح نہ صرف لکھنؤ بلکہ مضافات میں پھیل گئی، حضرت علی میاں رائے بریلی میں تھے، فوراً لکھنؤ آگئے، حالات بگڑتے دیکھ کر ریاستی حکومت جس کے علم میں لائے بغیر حملہ ہوا تھا حرکت میں آگئی، محصور طلباء کو باعزت فوری پوچھ تاچھ کے بعد چھوڑ دیا گیا، مقامی انتظامیہ کے افسران نیز میڈیا کے لوگ جوق در جوق ندوہ پہنچنے لگے، افسران نے حضرت علی میاں سے اس غلط قدم کی وجہ سے معافی مانگی، متعلقہ تھانے کے انسپکٹر کو معطل کر دیا گیا، اور کپتان پولس کا تبادلہ کر دیا گیا، عمارت کو فائرنگ سے ہوئے نقصان کی تلافی کی پیشکش کو مولانا نے مسترد کر دیا، ندوہ پر حملہ کی خبر قومی اخبارات کی بھی اگلے دن سرخی بن گئی، اور پورے ملک میں خاص کر اسلامی حلقوں میں ایک کہرام مچ گیا، بیرون ملک خاص کر اسلامی ممالک نے اس حملے کی مخالفت میں بیان جاری کیے اور حکومت ہند کی لعنت وملامت کی۔

حضرت علی میاں ؒ شروع سے میڈیا اور اس کی اہمیت سے واقف تھے، چنانچہ انہوں نے اس واقعہ کے بعد ندوہ میں ایک میڈیا ریسرچ سینٹر قائم کیا، جس میں مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی سرپرستی مین چند لوگوں خصوصاً مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی ؒ، سید محی الدین، کرنل ایم جے شمسی اور پروفیسر اطہر حسین کو شامل کیا گیا، اور حضرت علی میاں ؒ کے اصرار پر راقم الحروف کو اس کا کنوینر منتخب کیا گیا، ہفتہ میں ایک روز میڈیا سینٹر کی میٹنگ ہوتی تھی، جس میں ہفتہ بھر کے اخبارات اور جرائد میں ندوہ یا اسلام کی مخالفت میں جو مضامین شائع ہوتے تھے، ان کا تجزیہ کیا جاتا تھا، پھر ایک تردیدی نوٹ تیار کر کے متعلقہ اخبار کو بھیجا جاتا تھا، اس سلسلہ میں دو بار حضرت علی میاں سے متعلق گمراہ کن خبر شائع کرنے پر ہفتہ وار "پانچ جنیہ" پریس کونسل میں مقدمہ بھی دائر کرایا گیا، مولانا علی میاں کی حیات تک یہ سینٹر کامیابی سے چلتا رہا، اس کا ایک انگریزی رسالہ "فریگرنس آف ایسٹ" بھی شائع ہونا شروع ہو گیا، لیکن بعد میں مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی ندوی کے عہد نظامت میں، سید محی الدین صاحب کے انتقال اور کرنل شمسی کے ایک طویل بیرونی سفر کی وجہ سے اس کام میں سستی آگئی، اب صرف مولانا واضح رشید اور راقم الحروف باقاعدگی سے ہر اتوار کو ملتے تھے، میں مقامی

اور قومی حالات سے ان کو واقف کرتا تھا اور وہ بین الاقوامی معاملات خصوصاً اسلامی دنیا میں جو اتھل پتھل ہو رہی تھی، ان کا ذکر فرماتے تھے۔

مولانا کو بیرون ہند میں ہونے والے واقعات کی جانکاری عربی اخبارات سے ملتی رہتی تھی، گذشتہ تقریباً بائیس تیئس سال سے ہم لوگوں کی ملاقات کا سلسلہ جاری رہا، موصوف ضیافت فرماتے تھے، اور خلوص و محبت میں کسی طرح کی کمی نہیں ہونے دیتے تھے، کبھی اگر ہفتہ عشرہ میں ندوہ نہیں جا پاتا تھا تو خود مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی معیت میں میری مزاج پرسی کے لیے غریب خانے پر تشریف لاتے تھے۔

میری اہلیہ کے انتقال کی خبر سنتے ہی علی الصبح تعزیت کے لیے تشریف لائے، چند ماہ قبل میرے جواں سال صاحبزادے کے اچانک انتقال کی خبر ان کو دوران سفر کسی نے ٹیلی فون سے دی، لکھنؤ پہنچتے ہی پہلی فرصت میں مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے ساتھ آ کر مجھے تسلی و تشفی دی۔

ان کی علمی شخصیت مسلم، ان کا عالم دین ہونا طے، لیکن میں ہمیشہ ان کو واضح صاحب کہہ کر مخاطب ہوتا تھا، اللہ تعالیٰ ان کو غریق رحمت کرے اور بلند مقام عطا فرمائے۔ آمین!

اٹھ کر گیا ہے کون یہ رت سی بدل گئی

نتیجۂ فکر:- محمد عرفان ندوی (گوپامئو)

آہ و فغاں زبان ادب سے نکل گئی
ہستی ادب کی خاک کے پیکر میں ڈھل گئی

تیرے بغیر شہر سخن سوگوار ہے
تو کیا گیا جگر پہ کوئی تیغ چل گئی

آئینۂ خیال سے تصویر گم ہوئی
ہستی تری وجود کے در سے پھسل گئی

کس درجہ سوگوار ہیں یہ صحن و بام و در
دامن پکڑ کے مادر علمی مچل گئی

اب دے گا کون بزم میں ذوق سخن کی داد
نطق و زباں کی بزم میں ہیئت بدل گئی

اصلاح کس سے لیں گے یہ اب طوطیان بزم
گردش فلک کی دیکھئے کیا چال چل گئی

اب کون مسکرائے گا نقص بیان پر
اے نقد اے ادب تری شمع پگھل گئی

اب خوف کس کا ہو گا بلیغ اللسان کو
گلشن میں آنکھ نرگس مستانہ مل گئی

علم و ادب جبیں ترے در پر جھکائے ہیں
اے الوداع جو خاک میں اک ذات مل گئی

کیوں کھو گئی ہے آج یہ رونق حیات کی
اٹھ کر گیا ہے کون یہ رت سی بدل گئی

مدفن کے ذرہ ذرہ پہ اب تک خمار ہے
ساقی تری شراب جو مٹی میں مل گئی

اے آفتاب علم و ہنر صبر کر کہ اب
تسکین قلب و جان کو لے کر اجل گئی

اے دل بتا کہ شہر میں کیا حادثہ ہوا
عرفانؔ کے لب سے آہ جو اک دم نکل گئی

کمالات، اوصاف وتاثرات

مولانا خالد رشید فرنگی محلی (امام عیدگاہ عیش باغ۔لکھنؤ)

استاد العلماء، معلم زمانہ، ادیب یگانہ، بالغ نظر صحافی، باکمال مصنف، ممتاز اسلامی مفکر مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ کی وفات سے صرف ایک خاندان یا ایک ادارے کا نقصان نہیں ہوا ہے بلکہ عالم اسلام کا عظیم خسارہ ہوا ہے۔ مولانا مرحوم دین داری، زہد واتقاء، فرزانگی ودانائی، علم ودانش، نجابت وشرافت اور دیگر اعلیٰ اسلامی صفات کے پیکر جمیل تھے۔ وہ اپنے اقران واماثل میں لائق صد رشک وقابل ہزار تقلید شخصیت تھے۔

مولانا مرحوم تکیہ کلاں رائے بریلی کے سادات حسنی قطبی خاندان کے چشم وچراغ تھے۔ اس بابرکت خاندان کے جد اعلیٰ حضرت شاہ سید علم اللہ حسنیؒ (متوفی ۱۰۹۶ھ) تھے۔ وہ عقیدۂ توحید کی پختگی، سنت رسولؐ کی پیروی، احکام شریعت کی پابندی اور دیگر اعلیٰ اوصاف وکمالات کی بنا پر اپنے دور کی ایک عظیم اور مثالی شخصیت تھے۔ جد امجد کی پاک وپاکیزہ سیرت کے انوار وبرکات ان کی اولاد واحفاد پر بھرپور پڑے۔

خانوادہ علم اللہی رسوخ فی الدین، تصلب فی العقائد، بے آمیز دین داری، اسلامی شریعت کے تئیں کامل وفاداری، عشق رسول اکرمؐ، اسلام کی دعوت وتبلیغ، امت مسلمہ کی خیر خواہی، محبت وشفقت علی الخلق، اسلامی علوم وفنون کی اشاعت وحفاظت جیسی قابل ذکر خصوصیات سے متصف ہونے کے باعث آج بھی وطن عزیز کے طول وعرض میں آباد قدیم خاندانوں کے درمیان امتیازی شان کا حامل ہے۔

استاد الہند علامہ نظام الدین محمد فرنگی محلی بانی درس نظامی (۱۰۸۹ھ-۱۱۶۱ھ) کے قابل صد افتخار اخلاف اور خانوادۂ علم اللہی کے افراد کے مابین دینی وعلمی روابط ڈھائی سو سال سے زیادہ مدت پر محیط ہیں۔ ان کا مفصل تذکرہ مولانا واضح رشیدؒ نے اپنے مضمون میں کیا ہے۔ یہ مضمون اصلاً ۲۰ر تا ۲۲ر مئی ۲۰۱۱ء کو علمائے فرنگی محل کی خدمات پر اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا، نئی دہلی اور علامہ عبدالحی فرنگی محلی فقہ اکیڈمی لکھنؤ کے اشتراک سے دارالعلوم فرنگی محل میں ہونے والے عالمی سیمنار میں مولانا مرحوم کے حفید سعید مولانا سید خلیل حسنی ندوی نے پڑھا تھا۔ بعد ازاں اسلامک فقہ اکیڈمی نئی دہلی نے یہ مقالات کتابی شکل میں شایع کیے۔ یہ لائق مطالعہ مضمون اس کتاب میں شامل ہے۔ ان دونوں خاندانوں کے علماء ومشائخ عظام کے گوناگوں باہمی روابط کی تفصیل مولانا مرحوم کے برادر بزرگ مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ نے اپنی کتاب ”خانوادۂ علم اللہی“ میں بیان کی ہے۔

مولانا مرحوم فکر اسلامی کے بہترین شارح اور پاسباں تھے۔ وہ عربی، اردو اور انگریزی زبانوں پر گہری دسترس رکھتے تھے۔ ان تینوں زبانوں کی لسانیات، ادبیات اور صحافت سے وہ گہری واقفیت رکھتے تھے۔ انہوں نے ہزاروں صفحات پر مشتمل جو جلیل القدر فکری سرمایہ چھوڑا ہے وہ ہر لحاظ سے اس قابل ہے کہ ہم اس سے بیش از بیش نفع اٹھائیں۔

مولانا واضح رشیدؒ ۱۹۷۳ء میں مادر علمی دارالعلوم ندوۃ العلماء کے شعبہ تدریس سے منسلک ہوئے اور تادم مرگ (۱۶ر جنوری ۲۰۱۹ء) اپنی ذمہ داری انجام دیتے رہے۔ ۴ر دہائیوں سے زیادہ عرصے پر محیط استاد گرامی قدر کے تعلیمی، تدریسی، تربیتی اور فکری تاب ناک پہلوؤں کا کما حقہ تعارف کرانا راقم کے بس کی بات نہیں ہے۔

ع سفینہ چاہیے اس بحر بے کراں کے لیے

۲۰۰۶ء میں مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ کی وفات کے بعد مولانا مرحوم معتمد تعلیم کے منصب پر فائز ہوئے۔ انہوں نے اپنے دور معتمدی میں مادر علمی کے تعلیمی وتربیتی نظام کو مزید استحکام اور وقار بخشا۔

مولانا مرحوم تعلیم وتربیت، تصنیف وتالیف کے روشن چراغ تھے۔ ان کی رہ نمائی میں اہل علم واصحاب تدریس کی متعدد نسلیں تیار ہوئیں۔ اطراف واکناف عالم میں پھیلے ہوئے ان کے تلامذہ آج بھی اپنے استاد ومربی سے حاصل کیے ہوئے علوم وافکار کی نشر واشاعت، ترویج وترقی میں مصروف ہیں۔

مولانا مرحوم ادب اسلامی کے نقیب تھے۔ انہوں نے عربی زبان وادب کی خدمت ایک مقدس فریضہ سمجھ کر انجام دی۔ انہوں نے اپنی خداداد تنقیدی، تجزیاتی، صحافتی اور دیگر صلاحیتوں کو اسلام کی سربلندی، اسلامی علوم وفنون کی حفاظت واشاعت، اقدار صالحہ کی پاس بانی، نسل نو کی ذہنی وفکری تعمیر اور مادر علمی کی ہمہ جہت ترقی کے لیے وقف کر دیا تھا۔ زمانہ اس بات کا گواہ ہے کہ استاد گرامی قدر اپنے اعلیٰ مقاصد کی تکمیل میں کام یاب رہے۔

مولانا مرحوم کی شفقت اور محبت کے متعدد واقعات ہیں۔ سردست راقم ایک واقعہ بیان کرتا ہے۔ مسلمانان ہند کے متفقہ ومتحدہ ادارے آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ نے مارچ ۲۰۱۰ء میں بورڈ کا اکیسواں اجلاس لکھنؤ میں کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس کی مختلف نشستیں دارالعلوم ندوۃ العلماء میں اور جلسۂ عام عیدگاہ میں ہونا طے پایا۔ بس خدا معلوم کہاں سے کچھ مخالفین نمودار ہو گئے اور انہوں نے سازشیں اور شرارتیں شروع کر دیں۔ اس وجہ سے ہم سب کارکنان بے حد پریشان ہوئے۔ استاد گرامی قدر نے راقم کو مہمان خانے میں بلا کر ہمت افزائی کی اور شرارتی عناصر کو نظر انداز کرنے کا مشورہ دیا۔ مولانا مرحوم کے مشورے چوں کہ نہایت صائب ہوتے تھے۔ راقم نے ان پر عمل کیا۔ رب کریم نے مدد فرمائی اور عیدگاہ میں عظیم الشان جلسہ عام ہوا۔

خدا رحمت کند ایں عاشقان پاک طینت را

انسانی اقدار اور مغرب کا تصور

”انسانی معاشرہ اور سماج ہر دور میں چند حقیقتوں اور معروف قدروں کا پابند رہا ہے، جن میں کسی قسم کا تغیر وتبدل نہیں ہوا جیسے عفت وپاکدامنی، سخاوت وفیاضی، صدق وراستی، وفاشعاری اور ایثار، ہر دور کا مہذب انسان ان اقدار کا لحاظ رکھتا رہا ہے اور ان کو اپنا کر فخر بھی کرتا رہا ہے، چنانچہ وہ اپنی ذات کے ساتھ ہر طرح کی بدسلوکی تو گوارا کر سکتا ہے، لیکن وہ چیز جو غیرت، خودداری، وفاداری، سچائی اور بلند ہمتی کے منافی ہو، اسے برداشت نہیں کر سکتا، کیونکہ یہ اوصاف انسانی شعائر اور اس کی اہم خصوصیات وامتیازات میں سے ہیں۔ مختلف مذاہب نے ان ثابت شدہ حقائق کی ہمیشہ تائید کی اور ان کے اختیار کرنے پر آمادہ کیا ہے۔

جدید تہذیب کے علمبرداروں کی پوری کوشش ان قدروں کے پامال کرنے اور ان کے خلاف بغاوت کرنے کی رہی ہے کیونکہ ان کے ترقی کے نظریات ان ثابت شدہ امور وحقائق کو کسی طرح قبول نہیں کر سکتے، ان کا فلسفہ ہے کہ دنیا کی ہر چیز تغیر پذیر ہے تو ان اقدار میں تغیر وتبدیلی کیوں نہیں ہو سکتی؟ جس کا لازمی نتیجہ ہے کہ آج حسن وقبح کے درمیان کوئی تفریق نہیں، بلکہ یہ نظریہ جڑ پکڑ چکا ہے کہ ہر دور کا اور ہر معاشرہ کا انسان اپنے تصور وخیال کے مطابق حسن وقبح، مفید وغیر مفید اور نافع وغیر نافع کا تعین کر سکتا ہے، لہٰذا یہ ممکن ہے کہ کوئی چیز کسی زمانہ اور معاشرہ میں سود مند اور نفع بخش ہو، مگر دوسرے زمانہ میں وہ چیز معاشرہ کے لیے مضر ہو۔ اس نقطۂ نظر کی روشنی میں خیر وشر کے درمیان کی ساری حدیں ختم ہو گئیں، نیکی اور بدی کے درمیان صرف نام کا فرق باقی رہ گیا، چونکہ یورپ میں ادیان ومذاہب کا تہذیب وتمدن سے گہرا ربط ہے، اس لیے وہاں کا دین دار طبقہ بھی اس نظریہ سے متاثر ہوئے بنا نہیں رہ سکا، اور اس کے ذہن کے گوشہ میں یہ چیز بیٹھ گئی کہ جو بھی چیز قبول عام حاصل کر لے اور اس کا عام چلن ہو جائے، اگرچہ وہ دینی فکر کے خلاف ہی کیوں نہ ہو۔ اسے دینی اعتبار سے جائز قرار دیا جائے۔

——— • حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

ملنے کے نہیں نایاب ہیں ہم

ڈاکٹر تابش مہدی (ڈائریکٹر ادبیات عالیہ اکیڈمی-نئی دہلی)

۱۶؍جنوری ۲۰۱۹ء کو صبح نمازِ فجر کی اذان سنتے سنتے ہم سب کے ممدوح ومحبوب، عالم اسلام کے نام ور عالم دین اور عربی واردو کے معتبر ادیب وصحافی حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ اس جہانِ فانی سے کوچ کر کے اپنے خالق ومولا سے جا ملے۔ یہ سانحۂ عظیم اس وقت پیش آیا، جب اس دن کے تمام اخبارات وجرائد چھپ کر اپنے قارئین تک پہنچ چکے تھے یا پہنچ رہے تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں یہ سناؤنی اس دن کے کسی اخبار کے ذریعے سے لوگوں تک نہیں پہنچ سکتی تھی۔ لیکن سوشل میڈیا نے آناً فاناً اسے پوری دنیا میں پہنچا دیا۔ یہ ۱۶؍جنوری کی سب سے بڑی خبر کے طور پر گردش کر رہی تھی۔ پوری دنیا میں بکھرے ہوئے حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے عقیدت مندوں اور نام لیواؤں نے چند لمحوں میں یہ جان لیا کہ ان کی وفات کب اور کن کیفیات میں ہوئی، ان کی نماز جنازہ کب اور کہاں ادا کی جائے گی اور تدفین کب عمل میں آئے گی؟ یہ میڈیا کی ترقی کے ساتھ ساتھ حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کی بے پناہ مقبولیت ومحبوبیت کی بھی دلیل ہے۔

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ کی وفات سے کوئی ایک خاندان یا ادارہ نہیں، بل کہ پورا عالم اسلام مغموم ومملول ہوا، ہر طرف رنج والم کی لہر دوڑ گئی۔ ہزاروں کی تعداد میں عقیدت مندوں نے لکھنؤ میں نمازِ جنازہ ادا کی اور اس سے کہیں زیادہ تعداد میں رائے بریلی میں۔ مدینہ منورہ اور دنیا کے دوسرے مقامات پر بھی غائبانہ نمازِ جنازہ کا اہتمام ہوا اور ان کی مغفرت اور بلندیِ درجات کی دعائیں کی گئیں۔

ہندو بیرونِ ہند کے بے شمار علمی، ادبی، سماجی اور سیاسی افراد ورجال نے تعزیتی پیغام بھیجے اور اپنے غیر معمولی غم وافسوس کا اظہار کیا۔ ان میں امام کعبہ شیخ خالد بن علی غامدی، سعودی سفارت خانے کے مذہبی مشیر شیخ احمد رومی اور عالم اسلام کے معروف عالم وفقیہ علامہ یوسف القرضاوی کے اسمائے گرامی خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کی وفات اس عالم کی وفات ہے، جسے ایک عالم سے تعبیر کیا گیا ہے۔ موتُ العالِم موتُ العالَم کی روایت ایسے ہی علما کی وفات پر صادق آتی ہے۔ وہ اسلامیات کے عظیم اسکالر تھے، اسلام کی علمی وسیاسی تاریخ پر ان کی گہری نگاہ تھی، عربی زبان وادب میں ان کی اپنی شناخت تھی۔ خصوصاً جدید عربی ادب میں انھیں درجہ استناد حاصل تھا۔ ان کی عربی ادبی و صحافتی خدمات کے اعتراف میں انھیں صدر جمہوریہ ہند کے خصوصی ایوارڈ سے بھی سرفراز کیا گیا تھا۔ اس کے علاوہ بھی وہ متعدد ملکی وغیر ملکی اعزازات سے سرفراز تھے۔ وہ ایک بے لوث ودانش مند داعیِ اسلام، خاموش مجاہد قلم، ملت اسلامیہ کے درد مند مفکر ودانش ور، غیر متنازع ماہر تعلیم اور صاحبِ طرز مصنف واہلِ قلم تھے۔

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ ۲۱؍نومبر ۱۹۳۳ء کو رائے بریلی کے حسنی سادات کے خانوادے میں پیدا ہوئے، ابتدائی تعلیم وتربیت تکیہ شاہ علم اللہ رائے بریلی میں خاندان کے بزرگوں کی سرپرستی ونگرانی میں حاصل کی، دارالعلوم ندوۃ العلما لکھنؤ سے عالمیت، فضیلت اور تخصص فی الادب کی اسناد حاصل کر کے علی گڑھ مسلم یونی ورسٹی سے امتیازی نمبروں سے ایم۔اے کی ڈگری حاصل کرنے کے بعد آل انڈیا ریڈیو دہلی کی ملازمت سے عملی زندگی میں داخل ہو گئے۔ انھوں نے آل انڈیا ریڈیو کے ایکسٹرنل سروس کے شعبۂ عربی میں مترجم کی حیثیت سے بھی کام کیا اور حسب ضرورت اس کی نظامت ونقابت کے بھی فریضے انجام دیے۔ مختلف علمی، ادبی، سماجی اور سیاسی موضوعات پر مضامین بھی وہاں کی ضرورت کے اعتبار سے

تحریر فرماتے رہے۔ دہلی کے علاوہ ملک کے دوسرے ریڈیو اسٹیشنوں سے بھی ان کی چیزیں نشر ہوئیں۔ بچوں کے لیے کہانیاں اور ڈرامے لکھ کر بھی ریڈیو کی نشریاتی ضرورت کی تکمیل کی، ریڈیو کی ملازمت سے وہ ۱۹۵۳ء سے ۱۹۷۳ء تک وابستہ رہے۔ لیکن چوں کہ ان کی تربیت خالص مذہبی و روحانی ماحول میں ہوئی تھی، اس لیے سرکاری ملازمت کو انھوں نے زیادہ اہمیت نہیں دی۔ حالاں کہ اس زمانے کے لحاظ سے یہ ایک معزز و قابلِ افتخار ملازمت تھی۔ یہی وجہ ہے کہ ۱۹۷۳ء میں ندوۃ العلماء کی ضرورت کے پیشِ نظر اس کے اس وقت کے ناظم اور اپنے مربی اور ماموں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے ادنیٰ اشارے پر انھوں نے اس سرکاری ملازمت کو خیرباد کہہ دیا اور دارالعلوم ندوۃ العلماء کے شعبۂ تدریس سے وابستہ ہو گئے۔ ان کی ندوۃ العلماء سے یہ وابستگی مختلف حیثیتوں سے ان کی زندگی کے آخری سانس تک باقی رہی۔

اِس وقت میرے لیے یہ بتانا تو بہت مشکل ہے کہ حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ کے نام اور کام سے میرے کان کب سے آشنا ہیں، لیکن ان کی شفقتوں، نوازشوں اور خرد نوازیوں سے ہم کناری و شرف یابی کا سلسلہ اس وقت سے شروع ہوا، جب سے میں عالمی رابطۂ ادبِ اسلامی سے وابستہ ہوا اور اس کی علمی و ادبی سرگرمیوں کا ایک رکن بن گیا۔

میں سیدی و مخدومی حضرت مولانا شاہ سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے حکم کی تعمیل میں تقریباً چودہ برس سے عالمی رابطۂ ادب اسلامی کے سہ ماہی اردو ترجمان کاروانِ ادب، لکھنؤ کا مرتب و مدوّن ہوں۔ سال میں کم و بیش چار بار تین یا چار دن کے لیے ندوہ میں میرا قیام ہوتا ہے۔ ہر سفر میں حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ کی نوازشیں اور خرد نوازیاں میرے شاملِ حال رہی ہیں۔ ہر سفر کی پہلی ملاقات میں سب سے پہلے واجبی خیریت طلبی کے بعد یہ ضرور فرماتے تھے کہ کافی دنوں کے بعد آنا ہوا۔ یہ محض ان کے تعلقِ خاطر کی بات تھی کہ انھیں زیادہ دنوں کے بعد آنا معلوم ہوتا تھا، ورنہ صحیح بات یہ ہے کہ ہمیشہ مقررہ اوقات ہی میں میرا ندوۃ العلماء کا سفر ہوتا رہا ہے۔ کئی بار تو ایسا ہوا کہ جب دو تین دن رہ کر دہلی جانے کے لیے میں تیار ہوا تو مجھے پہنچانے کے لیے گاڑی منگوائی اور وہاں تک گاڑی پر بیٹھ کر خود بھی تشریف لے گئے، جہاں مجھے جانا تھا۔ میں اس وقت تک شرم و ندامت سے زمین میں گڑتا رہتا تھا جب تک وہ میرے ساتھ ہوتے تھے۔ ایک بار ٹرین سے بھی گھنٹے پہلے مجھے نکلنا تھا، سب سے پہلے مجھے مولوی گنج میں جناب رباب رشیدی کے پاس جانا تھا۔ حضرت مولانا نے گاڑی منگوائی، خود بھی اس پر بیٹھے اور مولانا ابوالبقا ندوی کو بھی بلا کر بٹھالیا فرمایا: چلو انھیں مولوی گنج اتار کر واپس آ جائیں گے۔ مولوی گنج گاڑی پر میرے ساتھ تشریف لے گئے، راستے میں مختلف علمی و ادبی موضوعات پر فیض یاب کرتے رہے۔ مولوی گنج پہنچ کر تازی خانے گلی پر مجھے اتار کر دعاؤں سے نوازتے ہوئے ندوے واپس چلے گئے۔ جب میں نے یہ بات بھائی رباب رشیدی کو بتائی تو ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ کچھ توقف کے بعد فرمایا: ”تابش بھائی! یہ حسنی خانوادے کے چشم و چراغ ہیں، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ سے ان کا تعلق ہے، جن کے بارے میں میں نے کبھی کہا تھا:

سید ابوالحسن علی ندویؒ کی کیا مثال
دامن نچوڑ دیں تو فرشتے وضو کریں

اِس خانوادے کا ہر فرد ایسا ہے کہ وہ دامن نچوڑ دے تو فرشتے وضو کرلیں۔“

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ عربی، اردو اور انگریزی تینوں زبانوں کی تاریخ اور ان کی ادبیات پر گہری نگاہ رکھتے تھے۔ ان تینوں زبانوں میں انھوں نے بہت کچھ لکھا ہے۔ اردو و عربی میں تو انھوں نے تادمِ آخر لکھا۔ آئے دن ان کی علمی، تہذیبی اور سیاسی تحریریں ملک و بیرونِ ملک کے موقر و وقیع اخبارات و جرائد کی زینت، بنتی رہیں۔ حالاتِ حاضرہ، عالمی مسائل اور ان کی سیاسی نوعیت پر ان کی گہری پکڑ تھی۔ تعلیمی و لسانی مسائل و نظریات پر مسلسل مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ مشرق و مغرب کے تعلیمی و تہذیبی امتیازات اکثر ان کے موضوعِ گفتگو رہتے تھے۔ ان پر بہت کھل کر اظہارِ خیال کرتے تھے۔ گو کہ ان کے بارے میں یہی مشہور تھا کہ وہ مقرر نہیں ہیں۔ ان کے رویے اور خاموش طبعی

سے اس کا ثبوت بھی ملتا تھا۔ عام طور سے انھیں تقریر کرتے یا اسٹیج پر آتے ہوے دیکھا بھی نہیں جاتا تھا۔ عالمی رابطہ ادب اسلامی کے سمی ناروں میں سکریٹری رپورٹ بھی وہ خود پڑھنے کی بہ جائے، کسی سے سنواتے تھے۔ لیکن میں نے ایک سے زائد بار اچانک اسٹیج پر آتے اور تقریر کرتے دیکھا ہے۔ جب بھی ان کی تقریر سنی ایسا لگا ہی نہیں کہ خطیب و مقرر نہیں ہیں۔ نہایت مربوط، رواں دواں اور شگفتہ و شیریں گفتگو فرماتے تھے۔ دراصل وہ ایک خاموش طبع انسان تھے۔ نمود و نمایش اور خود نمائی سے انھیں طبعی نفور تھا۔ اِس لیے جہاں تک ہوسکتا تھا اسٹیج پر آئے بغیر کام چلا لیتے تھے۔

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی ایک خاموش مجاہد قلم اور زیرک و ژاف ناقد تھے۔ انھوں نے ایک مدت تک بڑی خاموشی کے ساتھ باطل افکار و نظریات سے قلمی جنگ لڑی۔ جو بات بھی لکھی صاف اور واضح طور پر لکھی۔ کسی باک و تردد اور لاگ لپیٹ کے بغیر اظہار خیال کیا۔ کبھی اِس خیال کو نزدیک نہیں آنے دیا کہ اس سے ان کی شخصیت پر کیا اثر پڑے گا۔ وہ تقریر یا تحریر میں دوہری پالیسی کے شدید مخالف تھے۔ اپنے شاگردوں اور ہم نشینوں کو بھی اِسی بات کا درس دیتے تھے۔ وہ روشن اور اعلیٰ دماغ عالم و دانش ور تھے۔ ایک بار انھوں نے تحریر فرمایا:

"اِس وقت میڈیا پر یہودیوں کا کنٹرول ہے۔ ہندستان بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے۔ پورے وثوق کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ہمارے بڑے اور معروف اخبارات و رسائل پوری طرح سے یہودی میڈیا کے تابع ہیں۔ کوئی مضمون یا خط اگر یہودیوں کے خلاف لکھا جاتا ہے تو اسے شائع کرنے سے انکار کر دیا جاتا ہے۔"

یہ سطور دراصل ان کے دکھی دل کی صدائیں ہیں۔ وہ موجودہ صحافتی رویے پر بے حد کڑھتے اور اس کی اصلاح کے لیے مسلسل فکرمند رہتے تھے۔

حضرت مولاناؒ کی یہ سطور آبِ زر سے لکھنے کے قابل ہیں:

"مذہب ایک انسانی ضرورت ہے، کوئی بھی انسان اس سے بے نیاز نہیں ہوسکتا۔ مذہب ہی انسان کے لیے کام یابی و کام رانی اور روحانی سکون کا سرچشمہ ہے۔ اِس روحانی سعادت سے محروم کوئی بھی معاشرہ حقیقی سعادت حاصل نہیں کرسکتا۔ مذہب ہی انسان کو اعلیٰ مقام عطا کرتا ہے اور مادّی انحصال کو ختم کرتا ہے اور برائی سے بچنے کا شعور پیدا کرتا ہے۔ مذہب کے ذریعے سے جو مذہبی انقلاب پیدا کیا جاسکتا ہے، وہ سیاسی اور سماجی تحریکات سے زیادہ پایہ دار اور وسیع ہوتا ہے۔"

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ کو دنیوی چمک دمک سے کوئی دل چسپی نہیں تھی۔ مال و منال کی طرف دیکھنا یا اس کے بارے میں کچھ سوچنا ان کے مزاج و طبیعت کے منافی تھا۔ آل انڈیا ریڈیو کی اعلیٰ و منفعت بخش سرکاری ملازمت کو چھوڑ کر اپنے بزرگ و مربی ماموں حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کے معمولی اشارے پر معمولی تنخواہ پر ندوۃ العلماء کی ملازمت سے جڑ جانا اِس کی واضح دلیل ہے۔ جب ۲۰۰۶ء میں انھیں ندوۃ العلماء کا معتمد تعلیم مقرر کیا گیا تو وہ اس معمولی تنخواہ سے بھی دست بردار ہوگئے۔

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ ایک عظیم و صاحب طرز ادیب و مصنف اور صاحب بصیرت دانش ور و مفکر کے ساتھ ایک ذاکر و شاغل اور زاہد شب زندہ دار بزرگ بھی تھے۔ وہ خانوادۂ علم الٰہی کے روشن و تاب ناک چراغ تھے۔ ایک ایسا روشن چراغ، جس سے بے شمار چراغوں نے روشنی و تاب ناکی حاصل کی۔ مگر جو کچھ کیا نہایت خاموشی اور یک سوئی کے ساتھ کیا۔ بس زیادہ قریبی تعلق رکھنے والوں نے ہی جانا تو جانا، ورنہ عام نگاہوں میں وہ ایک ادیب، صحافی اور معلم ہی رہے۔ نوافل و تلاوتِ قرآنِ مجید کا خصوصی اہتمام کرتے تھے۔ جب بینائی کم زور ہوگئی تو پابندی کے ساتھ کسی سے پڑھوا کر سننے لگے

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ ۱۶؍جنوری ۲۰۱۹ء کو اِس دنیا سے رخصت ہوگئے۔ بے شمار محبت و تعلق رکھنے والوں کو غم گین و محزوں کر گئے۔ اب وہ ایسی دنیا میں چلے گئے، جہاں سے آج تک نہ کوئی لوٹ کر آیا اور نہ آیندہ کبھی آئے گا۔ لیکن اپنی روحانیت، اپنے علمی و تہذیبی کارناموں، اپنی بلند انسانی قدروں اور خاندانی عظمت و برگزیدگی کے ساتھ وہ اب بھی ہمارے درمیان ہیں۔ انھیں تادیر نہ فراموش کیا جاسکے گا۔ ان کی علمی، ادبی اور روحانی شخصیت ہمارے لیے ایک مینارۂ نور ہے۔

جامع اور متوازن شخصیت

ڈاکٹر محمد انور حفیظ ندوی (پروفیسر خواجہ معین الدین چشتی یونیورسٹی۔لکھنؤ)

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی ؒ کا شمار ممتاز اہل علم وقلم میں تھا، آپ ایک مشہور ادیب، نامور صحافی اور کامیاب مدرس تھے، ارباب علم وادب کے درمیان آپ کی علمی قدر ومنزلت مسلم تھی، آپ اپنی ذات میں خود ایک انجمن تھے اور ایک دبستان فکر تھے، آپ کی شخصیت مختلف تحریکات کو غذا فراہم کرتی تھی، اور آپ کی ذات سے وابستہ ارباب مدارس کو آپ سے فکری حوصلہ ملتا تھا، یہ بھی آپ کا امتیاز تھا کہ آپ نہ صرف اسلامی مدارس ہی میں متعارف تھے، بلکہ عصری دانش گاہوں میں بھی آپ کی شخصیت کے تذکرے تھے، اور آپ کی تحریروں کو سراہا جاتا تھا، عربی ادب اور تاریخ ادب عربی آپ کا خاص موضوع تھا، اسی لیے ہندوستانی یونیورسٹیز کے عربی شعبوں میں آپ کی تحریروں کو بڑی پذیرائی حاصل تھی۔

مولانا کی شخصیت ہندوستان سے باہر عالم اسلام میں بھی متعارف تھی، آپ کی تحریروں کا بنیادی محور عالم اسلام تھا، مغربی پالیسیوں پر آپ کی گہری نگاہ تھی، یہی وجہ ہے کہ ان کی ریشہ دوانیوں پر آپ کے قلمی تیر ونشتر ہمیشہ چلتے رہے، اور آپ نے ہمیشہ جرأت مندانہ لہجہ میں ان کا علمی استدراک کیا، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو اپنے بھانجہ (مولانا واضح حسنی ندوی ؒ) کی تحریریں بڑی عزیز تھیں، مولانا نے اپنی بعض تقریروں میں بھی ان کا اظہار فرمایا ہے کہ الحمد للہ ہمارے ندوہ کے پلیٹ فارم سے مولوی واضح رشید اور مولوی سعید اعظمی قومیت عربیہ کے خلاف آوازیں بلند کر رہے ہیں۔ بلاشبہ ایک عبقری شخصیت کا عظیم اجتماعات میں مولانا کی شخصیت کا ایسا تعارف کرانا ایک قدردانی کی بات تھی۔ مولانا نے یورپین کلچر کا گہرا اور ناقدانہ مطالعہ کیا تھا، اسی لیے "الرائد" اور "البعث الاسلامی" میں آپ کے مضامین اسلامی تہذیب کی برتری کے شاہکار ہیں، اور یورپین تہذیب پر ضرب کاری ہیں۔

مولانا بڑے ہی منکسر المزاج اور متواضع انسان تھے، اور خود نمائی سے بہت دور رہتے تھے، مولانا کی طبیعت میں انتہائی سادگی تھی، آپ مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے چھوٹے بھائی تھے، اور سفر وحضر میں ان کے ساتھ رہتے تھے، جن حضرات نے ان کے سفر وحضر کا مشاہدہ کیا ہے، وہ اس بات کے شاہد ہیں کہ مولانا نے خود کو ہمیشہ اپنے بھائی سے کبھی مقدم نہ کیا، اور ہر چیز میں خود کو پیچھے رکھنے کی کوشش کی، اور یہ چیز اس خود نمائی کے دور میں بڑی اہم بات ہے۔

مولانا ندوہ میں معتمد تعلیم کے عہدہ پر فائز تھے، آپ نے اپنے پورے عہد میں اس بات کی ہر چند کوشش کی کہ ندوہ کا نصاب تعلیم بہتر سے بہتر ہو، اور یہاں کا معیار تعلیم اعلیٰ سے اعلیٰ رہے، اس کے لیے مولانا نے بعض اقدامات بھی کیے، جن کے عمدہ نتائج بھی سامنے آئے۔ ندوہ کے ایک اہم عہدہ دار ہونے اور ایک اہم خاندانی نسبت کے باوجود آپ کو دیکھ کر یہ یقین کرنا مشکل ہوتا تھا کہ آپ اتنی صلاحیتوں کے مالک ہیں، آپ نے اپنی تمام خصوصیات وکمالات کو اپنی زاہدانہ زندگی کے پردہ میں مخفی کر رکھا تھا، جن طلباء کو آپ سے انس ہوتا تھا، وہ آپ سے بے تکلف ہو کر استفادہ کرتے تھے، اور آپ بھی بلا تردد ان کے لیے اپنا قیمتی وقت فراہم کرتے تھے۔ آپ ہمیشہ اپنی ذات سے وابستہ طلبہ کی بڑی ہمت افزائی فرماتے اور گہرے مطالعہ کی تلقین فرماتے، یہی وجہ ہے کہ آج تقریباً ہندوستان کی بیشتر یونیورسٹیز میں مولانا کے ہونہار شاگرد موجود ہیں، جو آج بڑے عہدوں پر فائز ہونے کے باوجود بھی اپنے محبوب وذی وقار استاد کو بھولتے نہیں، بلکہ ان کی عظمت و عبقریت کے قائل اور معترف رہتے ہیں۔

راقم کے لیے بھی بڑی مسرت کی بات ہے کہ اسے بھی آپ کی

شاگردی کا موقع میسر آیا، آپ میرے انشاء کے استاد تھے، ان کے انشاء کے پڑھائے ہوئے اسباق اور خاص طور سے ان کی بتائی ہوئی عربی تعبیرات سے ہندوستانی سفارت خانہ ریاض میں دوران ملازمت مجھے بڑا فائدہ ملا اور ان کی بتائی ہوئی بعض باتیں ترجمہ کے میدان میں میرے لیے بڑی ہی ممد و معاون ثابت ہوئیں۔

آپ کی طبیعت نہایت نرم تھی، اور آپ کا انداز تدریس نہایت سلیس تھا، تمام رفقاء کو آپ کی آمد کا انتظار رہتا اور ذہین طلبہ آپ سے عربی تعبیرات و محاورں کو خوب معلوم کرتے اور انہیں اچھی طرح ذہن نشین بھی کر لیتے، مولانا عربی کی جدید تعبیرات سے خوب واقف تھے۔

مولانا کی وفات سے علمی و ادبی حلقوں میں ایک سوگوار ماحول ہے، اور ہر طبقہ میں اس کا اثر محسوس کیا جا رہا ہے، اس لیے یہ بات کہی جا سکتی ہے کہ آپ کی وفات نہ صرف خانوادۂ حسنی بلکہ ندوۃ العلماء کے لیے بھی ایک عظیم خسارہ ہے، آپ کی وفات پوری ملت اسلامیہ کے لیے باعث رنج و غم ہے، جس کا مشاہدہ لکھنؤ میں ۱۶ر جنوری ۲۰۱۹ء بروز بدھ ندوۃ العلماء کے وسیع میدان میں ہزاروں آنکھوں نے کیا، یہ چیز آپ کی عند اللہ مقبولیت کا مظہر ہے، وفات کے روز ہی سے سوشل میڈیا پر تعزیتی پیغامات کا ایک طوفان برپا ہو گیا، ہر ایک کا قلم آپ کی علمی خدمات اور آپ کی شخصیات کے متعلق جولانی میں آ گیا، اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے، متعدد اداروں کے ترجمان رسالے بھی آپ کی شخصیت کے کارناموں پر خصوصی شمارے شائع کرنے میں مصروف عمل ہو گئے، جن کی اشاعت یقیناً ایک بڑے علمی سرمایہ کی اشاعت ہوگی، اور ایک عظیم شخصیت کی عظیم خدمات کا اعتراف ہوگا۔

اس کے علاوہ مختلف مدارس میں آپ کی وفات پر تعزیتی نشستیں منعقد کی گئیں، اور متعدد یونیورسٹیوں میں بھی آپ کی وفات پر تعزیتی جلسے منعقد ہوئے، جن میں دانشور حضرات نے شرکت کی اور اظہار خیال کیا۔ خواجہ معین الدین چشتی اردو، عربی، فارسی یونیورسٹی لکھنؤ کے اساتذہ نے بھی ایک تعزیتی نشست کا انعقاد کیا، جس میں مولانا کی ہمہ جہت شخصیت کے مختلف پہلوؤں کو اجاگر کیا گیا۔

اللہ تعالیٰ مولانا کو غریق رحمت کرے، ندوہ کو بلکہ ملت اسلامیہ ہندیہ کو مولانا کا نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین!

جمہوری نظام کا بگاڑ

”جمہوری نظام کے بگاڑ کا سب سے بڑا سبب ”طرز انتخاب“ ہے، اس میں ہر بالغ مرد عورت کو ووٹ دینے اور امیدوار بننے کا حق حاصل ہے، اس سلسلہ میں اس کی سیرت و کردار، اس کے اخلاق و عادات اور اس کی عملی صلاحیت و لیاقت کو نہیں دیکھا جاتا، چنانچہ بسا اوقات پارلیمنٹ میں فنکار، فتنہ پرور اور اخلاقی و قانونی طور پر سزا یافتہ لوگ بھی پہنچ جاتے ہیں، اس حقیقت کو تسلیم کرنے میں کسی کو ذرہ برابر شک نہیں ہوگا جو کسی جمہوری ملک میں رہا ہو، جس نے جمہوری انتخابات کا مشاہدہ کیا ہو، یا جس نے سیاسی پارٹیوں کے امیدواروں کی فہرست دیکھی ہو اور ایوان پارلیمنٹ کے ممبروں پر تفتیشی نظر ڈالی ہو، ہندوستان، پاکستان اور بنگلہ دیش میں اس کی مثالیں کثرت سے ملتی ہیں۔

ہر نئے الیکشن میں حالات بد سے بدتر ہوتے جا رہے ہیں، مقتولین کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے، بیلٹ بکس پر قبضہ، پولنگ اسٹیشنوں کی طرف ووٹروں کو جانے سے روکنا، نتائج کے اعلان میں جعلسازی، الغرض اس قسم کے واقعات میں اضافہ ہو رہا ہے، اکثر و بیشتر ان امیدواروں کی کامیابی کا اعلان کر دیا جاتا ہے جنھوں نے کم سے کم ووٹ پائے ہوں۔ انتخابات کے دوسرے وسائل و ذرائع میں بے دریغ پیسہ کا استعمال، ووٹرس پر دباؤ، لالچ، دھمکی، مخالف کنڈیڈیٹ کا قتل، اغوا اور ووٹروں کو جسمانی طور پر پولنگ میں حصہ لینے سے روکنا، نتائج میں تبدیلی کے لیے رشوت یا طاقت کا استعمال، مذہب یا ذات پات کا سہارا لینا، جو اگرچہ قانون کے خلاف ہے، مگر اس پر کھلے طور پر عمل کیا جاتا ہے۔

• حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی ؒ

علم، تدبر اور قربانی کا نادر نمونہ

مولانا عبدالمتین منیری۔ بھٹکل

عموماً دیکھا جاتا ہے کہ خاندانوں کے کچھ ایک بزرگ خاموش سے رہتے ہیں، ان کی آواز کم کم ہی کانوں میں پڑتی ہے، لیکن جب وہ اس دنیا سے اٹھ جاتے ہیں تو محسوس ہوتا ہے کہ کوئی قیامت سی ٹوٹ پڑی ہے، یہ زمین اپنی تمام وسعتوں کے باوجود تنگ داماں ہوگئی ہے، ایک ویرانی سی چاروں طرف فضاؤں میں بکھرتی نظر آتی ہے اور دور تک خلا سا محسوس ہونے لگتا ہے۔ حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی علیہ الرحمۃ کے انتقال کی خبر ۱۶؍جنوری کی صبح کو جب ملی تو کچھ ایسا ہی لگا، ایک خاموش لیکن عظیم شخصیت کے دنیا سے اچانک اس طرح رخصت ہونے کا شان گمان بھی نہیں تھا، لیکن قدرت کی ہونی کو کون ٹال سکتا ہے، مرنے کا ایک وقت مقرر ہے، ہم جیسے کورے دماغ اسے اچانک سمجھ بیٹھتے ہیں۔

آپ نے عمر عزیز کی ۸۵ بہاریں اس دنیائے فانی میں دیکھیں، ۱۹۳۳ء میں سید احمد شہید علیہ الرحمۃ کی بستی تکیہ کلاں، رائے بریلی میں آنکھیں کھولیں تھیں، والد ماجد سید رشید حسنی صاحب زمیندار تھے، مؤرخ ہند علامہ حکیم عبدالحی حسنی علیہ الرحمۃ آپ کے نانا تھے، جن کی چھوٹی بیوی محترمہ خیر النساء بہتر علیہا الرحمۃ آپ کی نانی تھیں، اس رشتے سے حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی علیہ الرحمۃ آپ کے سگے ماموں تھے، آپ کا مکان ننھیال سے لگا ہوا تھا، لہذا آپ نے اپنی نانی صاحبہ اور خالہ امۃ اللہ تسنیم صاحبہ کے آغوش تربیت میں بچپن کا دور گزارا۔

اس گھر کا ماحول اگر دینداری کا نمونہ نہ ہوتا تو آخر اور کونسا گھر ہوتا؟ گھرانے کے سبھی لوگ مروت اور اخلاق کے پتلے اور اسلاف کی سیرت کے اعلی نمونے، اس گھرانے سے جڑے ہوئے تھے، بچپن ہی سے نماز کی پابندی کا اہتمام ہوتا، اس میں تاخیر کی کوئی گنجائش نہیں تھی، گھر کا ماحول زمیندارانہ ہونے کے باوجود کہیں احساس برتری کو اجاگر ہونے کی جگہ نہ تھی، خادمائیں اور خالائیں بھری پڑی تھیں، لیکن اس بات کا خاص خیال رکھا جاتا تھا کہ کسی کا دل نہ دکھنے پائے، زبان سے کسی کی تحقیر کا کوئی جملہ نہ نکلے، اگر کبھی زبان درازی تک نوبت پہنچی اور ہاتھ اٹھا تو پھر والدین معافی مانگنے کو کہتے، خالہ نے جو خود بہترین عالمہ اور مصنفہ تھیں، قرآن پڑھایا، گیارہ سال کی عمر تک گاؤں ہی کے قریب مدرسہ الٰہیہ میں ابتدائی تعلیم مکمل ہوئی، جب شعور پروان چڑھنے لگا تو سامنے حضرت مولانا علی میاں اور ڈاکٹر سید عبدالعلی حسنی علیہ الرحمۃ دو ماموؤں کی زندگی نمونہ بنی، حالانکہ آپ کے ددھیالی رشتے کے افراد عصری تعلیم کی طرف مائل تھے، آپ کے چچا احمد برطانیہ سے بیرسٹری کی ڈگری لے کر لوٹے تھے۔

مکتب کی تعلیم مکمل ہونے کے بعد ان دونوں کے مشورے سے ۱۹۴۵ء میں داخلہ ندوۃ العلماء کے درجہ عربی اول میں ہوا، اس وقت یہاں علامہ سید سلیمان ندوی علیہ الرحمۃ معتمد تعلیمات کے منصب پر فائز تھے، اور مولانا محمد عمران خان ندوی مہتمم، شیخ التفسیر مولانا محمد اویس نگرامیؒ ترجمہ قرآن پڑھاتے تھے، علامہ عموماً درجات میں آتے تو طلبہ سے بات چیت ضرور کرتے، ان کی باتیں ہمیشہ کتابوں کے بارے میں ہوتی تھیں کہ فلاں کتاب پڑھی ہے یا نہیں؟ اکابر عموماً علم وکتاب ہی کی باتیں کیا کرتے تھے۔

اس وقت ندوے میں عربی میڈیم کا تجربہ کیا جارہا تھا، اساتذہ میں سے مولانا محمد عمران خان اور مولانا محبوب الرحمنؒ ازہر شریف سے پڑھ کر آئے تھے، یہ دونوں طلبہ سے عربی ہی میں بات چیت کیا کرتے تھے، طلبہ سے کہتے کہ عربی ہی میں بولو۔ کچھ نہیں تو الف لام ہی ہر لفظ پر لگالو۔ کورس کے لیے کتابیں دستیاب نہیں تھیں، المحاورۃ العربیۃ، قصص النبیین، القراءۃ الراشدۃ وغیرہ ابھی تصنیف نہیں ہوئی

تھیں، لے دے کے عربی ریڈروں میں مصر کی القراءۃ الرشیدۃ تھی۔

مولانا محبوب الرحمن صاحب "المحاورۃ العربیۃ" عملی انداز میں بغیر کتاب کے زبانی یاد کرواتے تھے، باغ میں لے جاتے، ٹوکری میں سیب اور کیلے رکھے ہوتے، کہتے "ھذا موز، ھذا تفاح، ھذا حجر، ھذا شجر، ھذا نھر، سمک یسبح فی الماء" آپ فرماتے تھے کہ زبان آنے کے لیے اس سے محبت ہونی چاہیے، حب "اللغۃ" ہی بنیاد ہے، اساتذہ کے پڑھانے کا انداز دلچسپ ہوتا تھا، اور سوالات کے ذریعہ زبان اس طرح سکھائی جاتی تھی کہ آپ کو عربی کتابوں سے محبت سی ہوگئی، لہذا اردو سے زیادہ عربی کتابیں آپ کے مطالعہ میں رہیں۔ مولانا عمران صاحب عربی میں قصے سناتے تھے، حضرت مولانا علی میاں علیہ الرحمۃ اس وقت تدریس چھوڑ کر تصنیف اور دعوتی کام سے وابستہ ہو چکے تھے، لیکن درجات میں حاضری ضرور دیتے تھے، سوالات بلیک بورڈ پر لکھتے اور جوابات پوچھتے اور جملے بنانے کی مشقیں کیا کرتے تھے، مولانا مصطفی بستوی نحو زبانی پڑھاتے تھے، تجوید کے استاد مولانا قاری محی الدین صاحب تھے، قاضی عین القضاۃ فرنگی محلی کے شاگرد مولانا اسباط صاحب بھی یہاں تھے، ابوداؤد اور ہدایہ ان کے ذمہ تھی، شیخ الحدیث مولانا محمد اسحاق سندیلوی کا شمار بڑے اساتذہ میں ہوتا تھا، ندوہ ابھی مختصر تھا، آپ کا سبھی اساتذہ کے ساتھ احترام کا تعلق قائم رہا، لیکن استاد ادب مولانا عبد الحفیظ بلیاوی مصنف مصباح اللغات سے آپ کے تعلقات کی نوعیت ہی جداگانہ تھی، آپ انکی خلوت و جلوت میں شریک رہتے، مولانا بلیاوی علم و ادب کا ایک ٹھاٹھیں مارتا سمندر تھے، جاہلیت کے اشعار انہیں بے تحاشا ازبر تھے، بیسیوں دواوین حافظے میں محفوظ تھے، آپ فرمایا کرتے تھے کہ طالب علم کو موضوع سے مناسبت ہو جائے تو جی لگا کر پڑھنے میں پریشانی نہیں ہوتی، کامیاب استاد وہ ہوتا ہے جو سبق کو آسان کر دے، عالمیت میں آپ کے گیارہ اور فضیلت میں صرف دو ساتھی تھے، اس دوران مولانا عبداللہ عباس ندوی بھی آگئے اور ان سے بھی استفادہ کا موقعہ ملا۔

ان دنوں حضرت مولانا علیہ الرحمہ نائب معتمد تعلیمات تھے، طلبہ میں آپ کے خطابات ہوا کرتے تھے، جن میں دینی ماحول کے قیام پر آپ کی توجہ زیادہ تر مرکوز رہتی تھی۔ اس زمانے میں نصاب تعلیم مسلسل تبدیل ہوا کرتا تھا، جس کی وجہ سے کبھی کبھار ایک ہی درجہ میں دو دو سال رہنا پڑتا تھا، ندوہ شہر سے دور تھا، شام گئے سناٹا چھا جاتا تھا، کل ملا کر شبلی ہاسٹل کی پہلی منزل، مین بلڈنگ، یہی کل کائنات تھی، طلبہ کی تعداد ڈیڑھ سو کے قریب رہی ہوگی، پچاسی سالہ جشن کے بعد طلبہ کی تعداد بڑھنے لگی، اب عالمیت میں طلبہ کی تعداد سات سو کے قریب ہونے لگی ہے۔

اس زمانے میں کتب خانہ سے استفادہ پر زور دیا جاتا تھا، اساتذہ سے خارج اوقات میں بھی سیکھنا آسان تھا، مولانا بلیاوی سے الگ سے بھی کتابیں پڑھنے کا موقعہ ملا، آپ سے کافیہ، شافیہ، اوضح المسالک، المفصل اور شرح ابن عقیل حرف بہ حرف پڑھیں، جس کی وجہ سے نحو آپ کا محبوب ترین مضمون بن گیا تھا، مولانا بلیاوی کو آپ سے اتنی محبت تھی کہ گھر میں کوئی خاص چیز پکتی تو ضرور یاد کرتے، آپ ہی نے ایام عرب سے بخوبی واقفیت کے لیے قبائل عرب سے واقفیت پر توجہ دلائی تھی، کیونکہ اس کے بغیر حماسہ وغیرہ سمجھنا ممکن نہیں ہوتا، اس کے لیے مولانا واضح صاحب نے قبائل کے انساب کے باقاعدہ چارٹ بنا دئے تھے، ندوے سے آپ کی فراغت ۱۹۵۱ء میں مکمل ہوئی۔ رمضان کی تاریخیں قریب تھیں، آپ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی علیہ الرحمۃ کی خدمت میں حاضر ہوئے، وہاں سے حضرت مولانا عبد القادر رائے پوری علیہ الرحمۃ کے یہاں اور یہیں بیعت و سلوک کا تعلق آپ سے قائم ہوا، یہ رمضان آپ نے مسوری میں گزارا۔

شوال میں آپ دہلی روانہ ہوئے، جہاں آپ کے عزیز مولانا ابو بکر حسنی آل انڈیا ریڈیو سے وابستہ تھے، ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی بھی وہیں پہنچ گئے تھے، اس زمانے میں ریڈیو میں زیادہ تر عرب صحافی کام کیا کرتے تھے، جو خبروں کا ترجمہ لکھ کر چلے جاتے تھے، لہذا براڈ کاسٹرس کی اسامیاں خالی ہوگئی تھیں، اس وقت مولانا عبد الرزاق ملیح آبادی مرحوم عربی سروس کے سربراہ تھے، وہ ندوے میں پڑھ کر ازہر شریف گئے تھے، ان کے مولانا ابو الکلام آزاد سے بہت

زیادہ قریبی روابط تھے، وہ "ثقافۃ الہند" کے مدیر بھی تھے، انہوں نے آپ کا انٹرویو لیا، آواز کا ٹیسٹ لیا گیا اور تقرری کی منظوری میں کوئی دیر نہیں لگائی۔ یہی وہ زمانہ تھا جب آپ کو صحافت کے میدان سے وابستہ عرب اہل قلم کے ساتھ رہنے اور ان سے عالم عرب کے حالات گہرائی سے جاننے، سمجھنے اور جدید عصری زبان پر عبور حاصل کرنے کا موقعہ مل گیا، ریڈیو میں آپ نے اکیس سال گزارے۔

مولانا نے جب ریڈیو سے وابستگی اختیار کی تھی تو یہ بڑا ہنگامہ خیز دور تھا، مشرق وسطی میں نہر سویز کی جنگ چھڑ رہی تھی اور جنرل جمال عبدالناصر عربوں کے ہیرو بن کر ابھر رہے تھے، عرب قومیت کا نعرہ اپنی بلندیوں کو چھو رہا تھا، سوریہ اور مصر کے مابین اتحاد قائم ہو رہا تھا، ہندوستان میں پنڈت جواہر لال نہرو کی وزارت عظمی کا بھی یہی زمانہ تھا، جن کی قیادت میں ناوابستہ ممالک کی تحریک کی نیو بھی پڑ رہی تھی۔

عرب دنیا نہرو جی کا بڑا احترام کرتی تھی، اور ان کے مشوروں کو بڑی اہمیت دیتی تھی، جس کی وجہ سے عرب رہنماؤں سے آپ کے بڑے گہرے روابط استوار تھے، جس سے ہندوستان میں عرب رہنماؤں کی آمد تواتر سے ہونے لگی تھی، بڑے تزک و احتشام سے ان کا استقبال ہوتا تھا، اسٹڈیموں میں ان کی تقاریر رکھی جاتی تھیں، مصر کے جنرل ناصر آئے، شام کے شکری القوتلی آئے، جمعہ کی نماز ساتھ ہی میں پڑھی، مولانا کو مختلف پروگراموں میں ان قائدین سے قریب ہونے اور اسٹیج کے پاس ہی رہنے کا موقعہ ملتا تھا، ریڈیو ٹاک اور انٹرویو لینے کے لیے آپ ہی کو فوقیت دی جاتی تھی، اس دوران سعودی فرماں روا ملک سعود بن عبدالعزیز بھی آئے جن کا ریڈیو ٹاک آپ ہی نے رکھا تھا، لال قلعہ میں جو سربراہان مملکت کا استقبالیہ رکھا جاتا تھا، جن میں آپ کی شرکت لازمی ہوتی تھی۔ مصری قاریوں کی بھی اس زمانے میں بڑی مانگ تھی، یہ حضرات بھی ریڈیو کی دعوت پر آتے اور اپنی تلاوتیں ریکارڈ کرواتے تھے

ریڈیو کی ذمہ داریوں سے فارغ ہو کر ہر جمعرات کو حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلوی رحمہ اللہ علیہ اور حضرت جی مولانا انعام الحسن علیہ الرحمہ کی خدمت میں جانے کا مولانا اہتمام کرتے تھے، حضرت جی مولانا محمد یوسف کاندھلوی علیہ الرحمۃ کے ساتھ گجرات اور بھوپال سفر کرنے کا بھی آپ کو موقعہ ملا۔ دہلی میں حضرت شیخ بھی تشریف لاتے تھے، انہیں دنوں آپ نے "فضائل صلاۃ" اور "فضائل درود" کا عربی میں ترجمہ مکمل کیا، حضرت شیخ الحدیث علیہ الرحمۃ سے دلی لگاؤ تھا اور آپ سے تجدید بیعت کی آپ کی خواہش تھی، لیکن حضرت شیخ جن لوگوں کا حضرت مولانا عبد القادر رائے پوری علیہ الرحمۃ سے بیعت کا تعلق ہوتا تھا ان سے بیعت نہیں لیتے تھے، لیکن آپ سے تربیتی تعلق آخر تک قائم رہا۔

۱۹۷۳ء میں جب حضرت مولانا علی میاں علیہ الرحمہ سفر حج بیت اللہ پر روانہ ہو گئے تھے اور وطن میں نہیں تھے، گرمی کا زمانہ تھا، اس دوران ایک مہینے کی چھٹی پر آپ ندوہ آگئے، مولانا محب اللہ لاری ندوی علیہ الرحمۃ مہتمم تھے، آپ نے سوچا کیوں نہ واضح صاحب کی خدمات سے فائدہ اٹھایا جائے؟ لہذا آپ کو ادب عربی کے گھنٹے لگا دیے گئے، تعطیل جب ختم ہو گئی اور واپسی کا وقت آیا تو ندوے کی مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ دل پر ایک عجیب کیفیت طاری ہوئی، یہاں مسجد میں بیٹھ کر ندوے کے فراق میں پھوٹ پھوٹ کر رونے لگے، اس وقت آپ کے دل پر فراغت کے وقت سے زیادہ مادر علمی سے فراق کا غم تھا، اسی وقت آپ نے فیصلہ کیا کہ اب ریڈیو اسٹیشن واپس نہیں جانا ہے، حضرت شیخ سے مشورہ کیا تو جواب آیا کہ تمھیں تو ندوے کو چھوڑ کر پہلے ہی نہیں جانا چاہیے تھا، ندوہ تمھاری اصل جگہ تھی، استعفی پر ریڈیو انتظامیہ کو حیرت ہوئی، کیوں کہ وہاں پر بڑی تنخواہ ملتی تھی، دیگر سہولتیں الگ تھیں، پانچ مہینے انکوائری چلی کہ کہیں دوسرا بہتر کام تو نہیں ملا؟ اس طرح آپ نے آنکھوں کو خیرہ کرنے والی ان سہولتوں کو چھوڑ کر ۳۴۵ روپئے ماہوار پر ندوے کی ملازمت کا آغاز کیا۔ حضرت مولانا علی میاں علیہ الرحمۃ اور حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب نے اس بڑے فیصلے پر اختلاف نہیں کیا، گھر والوں نے بھی آسائشوں اور سہولتوں کی قربانی کو ہنسی خوشی قبول کیا۔

یہی زمانہ تھا جب مولانا سید واضح رشید ندوی صاحب کا نام پہلے پہل اس ناچیز کے کانوں میں پڑا تھا، ہوا یہ تھا کہ ہمارے عزیز

مولوی عبدالصمد قاضی نے جو اس وقت ندوے میں عالمیت کے درجے میں پڑھ رہے تھے، تعطیلات میں بھٹکل آئے تو بتایا کہ ندوے میں ایک ماہر عربی استاد کی تقرری ہوئی ہے، جنہیں جدید عربی زبان لکھنے اور بولنے پر زبردست عبور حاصل ہے، اس وقت جی بہت للچایا اور اس محرومی کا احساس بھی بہت ستایا، دراصل جامعہ اسلامیہ بھٹکل کے قیام سے یہاں سے طلبہ عربی چہارم مکمل کر کے ندوے میں داخلہ لیتے تھے، ۱۹۶۹ء کی اسرائیک کی وجہ سے جو حالات پیدا ہوئے، اس کے معاً بعد جس درجہ کو ندوے جانا تھا، وہ وہاں نہ جاسکا تھا، اس درجے میں سے صرف مولانا ناصر الاسلام ندوی ہی اکیلے طالب علم تھے جو بعد میں یہاں داخلہ لے سکے تھے، ناصر صاحب کے والد محمد باشا شرالی مرحوم، حضرت مولاناؒ کے بڑے عقیدت مند تھے، حضرت مولانا علیہ الرحمۃ بھی آپ کو بہت چاہتے تھے، گرمیوں میں جب بھٹکل آتے تو کبھی کبھار آپ ہی کے گھر پر ہنگاموں سے دور چند دن سکون سے تصنیف و تالیف میں گزارتے تھے، جامعہ میں ندوے کا کورس جاری تھا، طلبہ کو اس ادارے سے اور یہاں کے اساتذہ سے بہت انس تھا، وہ یہاں کے حالات سے باخبر رہتے تھے، طلبہ میں اس تعلق کو قائم کرنے میں نئے نئے نامزد ہمارے استاد مولانا ملا محمد اقبال ندوی صاحب کا بھی بڑا ہاتھ تھا، اسرائیک کے بطن سے ایک نئے ندوے نے جنم لیا، مولانا واضح صاحب کی ندوے سے وابستگی بھی اس کی نشات ثانیہ کا آغاز تھی، جس کی برکتیں آج تک محسوس کی جارہی ہیں۔

۱۹۷۴ء میں جامعہ اسلامیہ بھٹکل کی منتقلی جامعہ آباد کے ویرانے میں ہوئی، افتتاح سرپرست جامعہ حضرت مولانا علی میاں علیہ الرحمۃ کے ہاتھوں ہوا، یہ ہاتھ ایسے بابرکت ثابت ہوئے، دعاؤں نے ایسا اثر دکھایا کہ یہ وادی غیر ذی ذرع لہلہاتے باغ میں تبدیل ہوگئی، یہی موقع تھا کہ مولانا واضح صاحب پہلی مرتبہ یہاں تشریف لائے تھے، لیکن آپ کی موجودگی کو اس وقت محسوس نہیں کیا گیا، عوامی جلسوں میں بولنے اور خود کو اجاگر کرنے کی جو عادت ان میں نہیں تھی، اس سے پہلے ۱۹۶۷ء میں جامعہ آباد کے سنگ بنیاد کے موقعہ پر آپ کے بھائی سید محمد الحسنی مرحوم بانی مدیر البعث الاسلامی بھی تشریف لائے تھے، وہ بھی ایسے ہی خاموش، لیکن تھے قلم کے دھنی، شاید ان کے والد ماجد نے ان دونوں بیٹوں کو اپنی خاموشی ورثے میں دی تھی۔ اس وقت واضح کی زیارت نصیب میں نہیں لکھی تھی۔ لیکن الرائد کے ذریعہ آپ کی تحریروں سے دماغ کو روشنی اور دل کو ٹھنڈک مل رہی تھی، مولانا جدید عربی صحافت کے لب و لہجے کو جس طرح برتتے تھے، وہ آپ ہی کا خاصہ تھا، اس وقت اس کی دوسری مثال برصغیر میں نہیں ملتی تھی، آپ نے جلیل القدر ماموں جان کے نقش قدم پر چل کر عربوں سے جی جان کر محبت کی، اور انہیں اسلام سے وابستہ رہ کر ماضی کی عظمتوں تک لوٹانے کی ہمیشہ فکر کرتے رہے، اور اس کے لیے اپنی بھرپور صلاحتیں صرف کیں۔ بحیثیت مربی و معلم ندوے سے وابستگی کے آخری ۴۵ سالوں میں آپ نے اپنی توجہات، فکر، علم و تجربے سے اس چمن کی آبیاری کی، اور آپ کی رہنمائی میں یہاں سے اس دوران ایک ایسی نسل پروان چڑھی جس پر یہ ادارہ بجا طور پر فخر کرسکتا ہے۔

مولانا سے اس ناچیز کا پہلا باقاعدہ رابطہ ۱۹۸۰ء میں قائم ہوا، ہوا یوں کہ جب بھٹکل میں تدریسی خدمات انجام دے رہا تھا تو عرب دنیا کے مجلات میں مختلف خطیبوں کے کیسٹوں کے اشتہارات پڑھنے کو ملتے تھے، اس وقت تو اتنی استطاعت نہیں تھی کہ اس سلسلے کو شروع کیا جائے، لیکن دل میں اس کام کے شروع کرنے کی ایک امنگ تھی، اللہ تعالی نے جب ذریعہ معاش دبئی میں رکھ دیا تو یہاں پر قدیم مدرسہ احمدیہ کے ایک کمرے میں قائم لائبریری میں احباب کے ساتھ مل کر اکابرین کے کیسٹوں کی لائبریری کا قیام عمل میں لایا گیا، اس کے لیے یہاں کی وزارۃ الاعلام سے باقاعدہ لائسنس بھی حاصل کیا گیا، اور پیغام اسلام کیسٹ سیریز کے نام سے اپنی نوعیت کا اولین سلسلہ شروع کیا گیا، اس سلسلے میں اس زمانے کی بڑی شخصیات حضرت حکیم الاسلام مولانا قاری محمد طیب علیہ الرحمۃ، اور مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندوی علیہ الرحمۃ کو بھی خطوط لکھے گئے، جن میں پہلا ہمت افزا جواب حضرت مولانا سید محمد واضح رشید علیہ الرحمہ کا تھا، مولانا نے نہ صرف حضرت مولانا کی طرف سے جواب دیا بلکہ اس وقت جتنے کیسٹ اور ویڈیو دستیاب تھے وہ سب فراہم

کر دیے، اخراجات کے لیے جو معمولی سی رقم بھیجی گئی تھی، اس میں سے سو پچاس روپئے شاید بچ گئے تھے، ایک عرصہ تک جب بھی ملاقات ہوتی رہی، تذکرہ کرتے رہے کہ کچھ رقم بچی ہے، وہ لے جائیں، ہمت افزائی اور حساب کتاب میں اس باریکی کی مثالیں اب شاید ہی مل سکیں۔

جب وہ بھٹکل آتے تو سب سے پہلے جامعہ کے کتب خانے میں جاتے اور نئی کتابوں کا پوچھتے، اس کتب خانے سے انہیں بڑا لگاؤ تھا، دراصل ۱۹۸۱ء میں جناب محی الدین منیری علیہ الرحمۃ نے ناظم جامعہ بننے کے بعد کتب خانے کی بلڈنگ کی تعمیر پر توجہ دی اور ۱۹۸۵ء میں جب اس کی عالی شان عمارت تکمیل کو پہنچی تو اس میں کتابوں کی صرف دو ایک الماریاں ہی پڑی تھیں، مرحوم نے مجھے ہدایت کی کہ یہ تمہارا میدان ہے، اس کی ذمہ داری اپنے سر لو، اس وقت ہمارے ذہن میں اللہ نے بات ڈال دی کہ کتابوں کی کثرت تعداد کی زیادہ اہمیت نہیں ہے، طلبہ کی ضروریات کے ساتھ ساتھ فرض کفایہ ادا کرنے کی کوئی سبیل نکلنی چاہیے اور ایسے مواد کی فراہمی پر توجہ دینی چاہیے جن کی دوسرے کتب خانوں میں موجودگی کا امکان کم ہو، اللہ نے توفیق دی، راہیں کھل گئیں، ایسی کتابوں کی معقول تعداد کے ساتھ ساتھ مجلات، المنار، الزہراء، المسلمون، حضارۃ الاسلام، الرسالہ وغیرہ انیسویں صدی سے جاری اسلامی وادبی نشاۃ ثانیہ میں کردار ادا کرنے والے مجلات کی مکمل فائلیں یہاں اکٹھی ہوگئیں، ہیرے کی قیمت جوہری ہی جانے، یہاں آنے والے بزرگان میں حضرت مولانا علی میاں علیہ الرحمۃ، مولانا واضح رشید صاحب اور مولانا نذر الحفیظ ندوی صاحب کی جیسی دلچسپی اس میں دیکھی، ایسی کوئی اور نظر نہیں آئی، انہیں حضرات کی نظر عنایت نے مزید ہمت دلائی۔

مولانا جب بھی بھٹکل آتے تو اس ناچیز کے بارے میں ضرور دریافت کرتے کہ یہاں پر موجود ہیں یا نہیں؟، فون پر بات ہوتی تو کہتے آپ کے یہاں آئے ہیں اور آپ نہیں ہیں، اس اپنائیت اور محبت سے دل کٹ کے رہ جاتا، لیکن کیا کرتے ملازمت کی بندشیں کچھ ایسی ہوتیں کہ بغیر ترتیب کے ان حضرات کی اچانک بھٹکل آمد پر حاضری نہ ہو پاتی، اور دل مسوس کر رہ جاتا۔

میری کمزوری رہی ہے کہ بڑوں کے سامنے دلچسپی دیکھ ہی کر اپنے علمی وادبی ذخیرہ کا تعارف کرتا ہوں، بھٹکل میں اکابر آتے ہیں تو ایک بھیڑ بھڑ کا رہتا ہے، اپنے شہر میں ہم اجنبی ہو جاتے ہیں۔

مولانا بھٹکل آتے تو آپ کو ایک ایک چیز دکھانے میں فرحت محسوس ہوتی، ۲۰۰۹ء میں مولانا کو اپنا ویڈیو کلیکشن دکھایا، بہت خوش ہوئے، کہنے لگے بھیا کو دکھائیے، جامعہ کے ماحول میں لوگوں کے جمگھٹے میں حضرت مولانا سید رابع صاحب کو یہ سب دکھانا مشکل تھا، آپ نے خود مولانا سے تذکرہ کیا، اور نہ صرف آپ کو ہمارا ویڈیو کلکشن دکھلایا، بلکہ آپ کی ذاتی زندگی پر ایک ویڈیو انٹرویو بھی ریکارڈ کروانے پر آمادہ کیا، جو بدقسمتی سے مہمانوں کے ہجوم کے باعث بیس منٹ سے زیادہ کا نہ ہو سکا۔

مولانا سے جب بھی بھٹکل یا لکھنؤ میں ملاقات ہوتی تو کہتے کہ آپ کے کتب خانے میں جو چیزیں ہیں وہ ہمارے یہاں نہیں ہیں، ندوے کا بھی خیال رکھا کیجیے، تین سال قبل ہمارے عزیز مولوی عبد المعز منیری نے اپنے نانا کے نام پر ندوے میں دار المطالعہ قائم کیا تو بڑے خوش ہوئے، دلی دعائیں دیں، وہیں ہم نے آپ سے ویڈیو انٹرویو ریکارڈ کرنے کے لیے وقت مانگا، آپ خلاف عادت اس کے لیے فوراً تیار ہو گئے، اور بڑے انشراح کے ساتھ اپنے حالات زندگی پر مشتمل انٹرویو ریکارڈ کرایا جو ایک تاریخی اور منفرد دستاویز بن گیا ہے، کیونکہ اس طرح بولنا آپ کے مزاج کے خلاف تھا، اس کا سبب آپ یہ بتاتے تھے کہ ریڈیو اسٹیشن میں اناؤنسر کو تنہائی میں بولنے کی عادت ہوتی ہے، بولتے ہوئے اسے کوئی دیکھتا نہیں ہے، لوگوں کے سامنے اسٹیج پر بیٹھنے پر غلجان محسوس ہوتا ہے، ایسا لگتا ہے کہ کوئی ہماری ٹوپی اور کپڑوں کی طرف دیکھ رہا ہے کہ سیدھے پہنے ہیں یا نہیں اور توجہ بولنے کے بجائے کپڑوں پر لگ جاتی ہے، یہ مولانا کی بھٹکل سے محبت تھی کہ مجمع میں آپ کی تقریر پہلے پہل یہیں لوگوں نے سنیں۔

مولانا کم گو تھے، لوگ سمجھتے تھے کہ مولانا انہیں نہیں جانتے، لیکن ایسا نہیں تھا، وہ یہاں آتے تو جامعہ کی باریک باریک

چیزوں پر آپ کی نظر ہوتی، وہ یہاں کی رگ رگ سے واقف تھے، یہاں پر جو لوگ شہرت اور ناموری کی خواہش سے بلند ہو کر خدمات انجام دے رہے ہیں، ان کی انہیں مکمل جانکاری ہوا کرتی تھی۔ جس کا اندازہ مولانا سے بات چیت پر ہوا کرتا تھا۔

ندوے میں ایک یک جان دو قالب ہونے اور نام ونمود سے بلند ہو کر اپنے رفقاء کی سربلندی کے لیے قربانی دینے والوں کی بھی ایک سنہری مثالیں موجود ہیں، ان میں علامہ سید سلیمان ندوی کے ساتھی مولانا مسعود علی ندوی، حضرت مولانا علی میاں ندوی کے رفیق، مولانا معین اللہ ندوی صاحب اور پھر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی دامت برکاتہم کے بھائی اور رفیق مولانا سید محمد واضح علیہ الرحمۃ کی ہے، ایسی رفاقتوں کی مثالیں تاریخ میں شاذ و نادر ہی نظر آئیں۔ یہ یہاں کی تاریخ کا سنہرا ورق ہے۔

حضرت مولانا ؒ کی سرپرستی اور مزاج کی ہم آہنگی نے آپ کو عالم اسلام کے لیے بڑا دردمند بنا دیا تھا، ساتھ ہی ساتھ ریڈیو کی طویل ملازمت نے آپ کو براہ راست ساری دنیا سے جوڑ دیا تھا، رہنمائی کے ساتھ علم وفضل یکجا ہو جائے، اور فکری صلاحیتیں بھی اپنی انتہاء پر پہنچی ہوں نور علی نور، یہ کہنے میں کوئی مبالغہ نہیں کہ اس میدان میں حضرت مولانا کے صحیح جانشین آپ ہی تھے۔ عالمی صحافت پر ایسی نظر رکھنے والے کم ہی ہونگے، لکھنو میں رہ کر انڈیپینڈنٹ برطانیہ کے کالم نگار روبرٹ فیسک وغیرہ عالمی تجزیہ نگاروں کے آپ مستقل قاری تھے

مولانا نے دنیا کی دستیاب آسائشوں کو ترک کر کے بڑی زاہدانہ زندگی گزاری، یہ صرف آپ پر کہاں موقوف، ان کے دادا حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ نے وحدت امت کے لیے خلافت قربان کی تھی، خاندان سادات کی اس شاخ کے بزرگوں نے بھی دنیا اور منصب کو پر کاہ کے برابر نہ سمجھنے کا نمونہ قائم کیا، اس گئے گزرے دور میں حضرت مولانا علی میاں علیہ الرحمۃ اور ان کے بھانجوں نے دنیا کو دکھا دیا کہ ایسے بھلے لوگوں سے دنیا ابھی خالی نہیں ہوئی۔

آپ نے ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی مرحوم کے بعد ندوہ کے معتمد تعلیمات رہ کر یہاں کے تعلیمی اور تربیتی معیار کو بلند تر کرنے کے لیے اپنی توانائیاں صرف کیں، چالیس سال سے زیادہ عرصہ "الرائد" کی ادارت سے وابستہ رہے اور پینتیس سال سے زیادہ "البعث الاسلامی" کی ادارت سے، ان مجلات کو آپ کی توجہات اور تحریروں سے بڑا وزن ملا، اور دنیا نے ان سے رہنمائی پائی، آپ کی رحلت سے برصغیر میں ایک خلا پیدا ہو گیا ہے، وقت گزرتے گزرتے اس کی شدت کا احساس بڑھے گا، آپ نے اس دنیا میں ایک طبعی عمر گزاری، لیکن محسوس ہوتا ہے کہ عمر کے یہ پچاسی سال بہت کم تھے، زندگی کی اتنی ہی مہلت مزید ملتی تو بھی علم وفضل کا یہ کنواں خالی نہیں ہوتا، پیاسوں کی سیرابی کا سامان مزید ملتا، ہم خوش قسمت تھے جو کردار واخلاق کی ایسی مثالیں اپنی آنکھوں سے دیکھنے کو ملیں، ایسی مثالیں ہی کانٹوں بھری راہوں میں چلنا آسان کر دیتی ہیں، اب اپنے اعمال حسنہ کے ساتھ مولانا اپنے خالق کی بارگاہ میں پہنچ چکے ہیں، ہم سب کو بھی دیر سویر وہاں جانا ہے، لیکن وہ بھی کیسے خوش قسمت تھے، جن کی زندگی آنے والوں کے لیے مشعل راہ بن گئی، جس کی روشنی میں رہتی دنیا تک رہنمائی ملتی رہے گی۔

عالمی فساد کا سبب

"عالمی مسائل کی سنگینی اور ان کی ژولیدگی کی وجہ صرف یہ ہے کہ اس وقت دنیا میں کوئی غیر جانبدار طاقت، کوئی غیر جانب دار تنظیم اور کوئی انصاف پرور نظام عدل قائم نہیں ہے جو اصول وانصاف کی بنا پر عالمی مسائل میں ثالثی کرے اور ظالم کو ظلم کرنے سے روک دے اور مظلوم کی اشک شوئی کرے، یہ ایک ایسی صورت حال ہے جو پوری انسانیت کے لیے زبردست خطرہ کا پیش خیمہ بنتی جارہی ہے، اس مقصد کے لیے قائم عالمی ادارے بڑی طاقتوں کے ہاتھوں میں ایک آلۂ کار سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتے۔ انسانیت کا کوئی مسئلہ اس وقت تک حل نہیں ہوسکتا جب تک کہ کوئی ایسی طاقت سامنے نہیں آتی جو غیر جانبدار اور انصاف پرور ہونے کے ساتھ تمام مادی اغراض سے بالاتر ہو اور عالم انسانی کی مشکلات کے سامنے سینہ سپر ہو جائے اور ظالم کے سامنے کسی چٹان کی طرح جم جائے۔"

● حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی ؒ

پیکرِ علم وادب

مولانا رضوان احمد ندوی (سب ایڈیٹر ہفتہ وار نقیب - پٹنہ)

عالم اسلام کی عظیم دینی وعلمی درسگاہ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنو کے صاحب طرز ادیب وانشاء پرداز، بزرگ وباوقار عالم دین اور ہمارے شفیق استاذ، مربی ومحسن حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی بن سید عبد الرشید حسنی ۱۶ر جنوری ۲۰۱۹ء کو لکھنؤ میں انتقال کر گئے، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

خاروں سے پوچھیے نہ کسی گل سے پوچھیے
صدمہ چمن کے مٹنے کا بلبل سے پوچھیے

افسوس کہ ہندوستان ایک عظیم اسلامی اسکالر، محقق وادیب، اردو وعربی زبان کے ماہر وناقد تجزیہ نگار اور دردمند انسان سے محروم ہوگیا، ہمارے فاضل دوست وکرم فرما مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی نے فون پر اس سانحہ کی خبر دیتے ہوئے کہا کہ حضرت مولانا نے تہجد کی نماز کے لیے وضو کیا، اس کے بعد انہیں تھوڑا درد کا احساس ہوا، سانس لینے میں تکلیف ہونے لگی، اپنے صاحبزادے جناب مولانا سید محمد جعفر حسنی ندوی کو اپنی تکلیف بتلائی، اسی دوران اچانک ان پر غنودگی چھاگئی، اور رب ذوالجلال سے جاملے۔

جان کر منجملہ خاصان میخانہ تجھے
مدتوں رویا کریں گے جام وپیمانہ تجھے

اللہ تعالیٰ ملت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے اور ان کے مخلصین ومحبین کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی ایک عالی نسب خاندان کے ممتاز چشم وچراغ تھے، آپ کی ولادت ۱۹۳۳ء میں ہندوستان کی مردم خیز بستی تکیہ کلاں رائے بریلی یوپی میں ایک خوشحال گھرانے میں ہوئی، ابتدائی تعلیم وتربیت اپنی نانی مخدومہ سیدہ خیر النساء اور خالہ محترمہ سیدۃ امۃ اللہ نسیم کے زیر سایہ پائی جو اپنے وقت کی ایک بڑی صاحب دل اور صاحب علم ومعرفت خاتون تھیں، مولانا نے عہد طفولیت ان کے زیر سایہ گذارا اور اذکار مسنونہ اور قرآنی دعائیں سیکھیں، جب کچھ ہوش سنبھالا تو مقامی مکتب میں ابتدائی کتابیں پڑھیں، پھر ۱۱ر سال کی عمر میں دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں درجہ عربی اول میں داخلہ لیا اور ممتاز اور ماہر فن اساتذہ سے مختلف علوم وفنون کی درسی کتابیں پڑھیں، اس زمانے میں علامہ سید سلیمان ندوی ناظم تعلیمات، مولانا محمد عمران خان ازہری ندوی مہتمم اور حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی نیز مولانا محبوب الرحمن ازہری جیسے آفتاب علم وفضل علوم نبوت کے موتی بکھیرتے تھے، انہیں بزرگوں سے اکتساب فیض کیا اور ۱۹۵۱ء میں ندوہ سے سند فراغت حاصل کی، عربی زبان میں مہارت حاصل کرنے کے بعد انگریزی زبان وادب میں علی گڑھ مسلم یونیورسیٹی سے بی اے کیا، دو سال گذارنے کے بعد ۱۹۵۳ء میں آل انڈیا ریڈیو دہلی سے وابستہ ہوگئے، جہاں ۱۹۷۳ء تک انگریزی سے عربی اور عربی سے انگریزی ترجمہ کرتے رہے، پھر حضرت مولانا علی میاں ندوی ؒ کے ایماء پر دار العلوم ندوۃ العلماء میں آگئے اور پھر درس وتدریس میں مشغول ہوگئے، اور تادم مرگ تدریسی خدمات انجام دیتے رہے، یہاں عربی زبان وادب کی معیاری کتابیں آپ سے متعلق ہوئیں اور ایک عرصہ تک پڑھنے پڑھانے میں گذرا، آج آپ کے سینکڑوں شاگرد ملک وبیرون ملک دینی خدمات انجام دے رہے ہیں، جب مولانا محمد الحسنی کا وصال ہوگیا تو ماہنامہ "البعث الاسلامی" کی ادارت بھی آپ کے ذمہ سپرد ہوئی، نیز پندرہ روزہ "الرائد" کے ایڈیٹر بھی بنائے گئے، ان دونوں عربی جرائد کے ذریعہ آپ عالم اسلام کے سیاسی وسماجی حالات، مستشرقین کے اسلام مخالف نظریات اور قومی وبین الاقوامی مسائل پر منصفانہ وعادلانہ تبصرے وتجزیے کرتے رہے، ان کے یہ علمی و

فکری مضامین اردو کے بیشتر مؤقر رسائل وجرائد تعمیر حیات، نقیب پھلواری شریف، راشٹریہ سہارا وغیرہ میں بھی برابر شائع ہوتے تھے، جو علمی حلقوں میں پسند کیے جاتے تھے، وہ چونکہ تین زبانوں اردو، عربی اور انگریزی پر قدرت ومہارت رکھتے تھے، اس لیے ان زبانوں پر طبع ہونے والے معیاری مجلات برابر ان کے مطالعہ میں رہتے اور پھر اپنے مطالعہ کی روشنی میں خوب لکھتے اور ڈوب کر لکھتے تھے، قلم میں روانی اور اسلوب نگارش میں دلکشی ہوتی، ان کے مخلص رفیق کار، البعث الاسلامی کے چیف ایڈیٹر اور دار العلوم ندوۃ العلماء کے مہتمم استاذ محترم حضرت مولانا سعید الرحمن الاعظمی ندوی نے مولانا مرحوم کی شخصیت، کردار وعمل اور اردو وعربی نگارشات وشذرات کا اعتراف کرتے ہوئے لکھا:

''مولانا قلم کے مجاہد تھے، انہوں نے ایک طویل زمانہ تک قلم سے جہاد کیا اور ایوان باطل کو للکارا، مداہنت اور دوہری پالیسی کے قائل نہیں تھے، بہت صاف دل اور اعلیٰ دماغ کے مالک تھے، عہدہ ومنصب سے دور رہتے تھے، مال ومنال کی ذرا بھی پرواہ نہ تھی، ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیم کا عہدہ جب سنبھالا تو اپنی تنخواہ سے بھی دست بردار ہو گئے، اور رضائے الٰہی کے ساتھ اس خدمت کو انجام دیتے رہے، دار العلوم کے تعلیمی نظام کو مستحکم بنانے میں ان کے مشورے بڑے قیمتی اور مفید ہوتے، اساتذہ کو بھی انفرادی ملاقاتوں میں مقصدیت کے ساتھ تدریسی فریضہ انجام دینے کی تاکید کرتے، ان پر افراد سازی کی فکر غالب تھی، انہوں نے کئی نسلوں کی تربیت کی اور ان کو عربی کا اچھا انشاء پرداز بنایا، اللہ نے ان کو اس فن میں کمال عطا فرمایا تھا، عربی زبان وادب کی تدریس ان کا شروع ہی سے موضوع تھا، وہ زبان کے رموز سے آشنا تھے اور اسی کے مطابق تربیت کرتے تھے، وہ کم گو تھے، لیکن ان کی گفتگو میں بڑی معنویت ہوتی تھی۔''

بلاشبہ مولانا کی ذات گوناگوں صفات اور متنوع کمالات کا مجموعہ تھی، علم، تواضع خاندانی شرافت میں اپنی مثال آپ تھے، مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ رشتے میں آپ کے سگے ماموں بھی تھے اور مربی ورہنما بھی، وہ اپنے برادر مکرم اور ہم سب کے مخدوم ومرشد امت حضرت مولانا رابع حسنی ندوی ناظم دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ سے مجاز بیعت بھی تھے، ان بزرگوں کے دامن تربیت میں کمال بلندی تک جا پہنچے، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور مولانا سید محمد واضح رشید ندوی دونوں بھائیوں کی قلبی محبت دنیا والوں کے لیے قابل تقلید نمونہ تھی، گھر کے علاوہ سفر وحضر میں بھی رفاقت رہتی، مولانا نے مختلف ممالک کے دعوتی اسفار بھی کیے اور اعزازات وانعامات سے بھی نوازے گئے، یقین مانیے مولانا بزرگی اور سادگی میں سب سے ممتاز تھے، بلکہ وہ اس کے عظیم پیکر تھے، دیکھنے والوں کی نگاہیں کہہ رہی تھیں کہ جس کا چہرہ اس قدر روشن وتابناک ہے اس کا دل نہ جانے کیا ہوگا، ذکر وتلاوت اور تسبیح واذکار روز کا معمول تھا، اور اسی فکر کی آبیاری طلبہ میں بھی کرتے رہے کہ تعلیم وتربیت کا بنیادی مقصد اللہ کی رضاء وخوشنودی اور نجات اخروی ہے، اور یہی فکر ان کو دامن گیر رہتی، مولانا نے دو درجن سے زیادہ اردو اور عربی میں کتابیں بھی تصنیف کیں جو علم وادب کا گنجینہ اور بیش بہا خزانہ ہے، محسن انسانیت، سلطان ٹیپو شہید، مسئلہ فلسطین اور ادب الصحوۃ الاسلامیہ وغیرہ ان کی مشہور اور مقبول ترین کتابیں ہیں، مولانا ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیم، رابطہ ادب اسلامی اور مجلس تحقیقات ونشریات اسلام کے جنرل سکریٹری کے علاوہ نہ جانے کتنے ہی دینی اداروں اور درسگاہوں کے سرپرست تھے، وہ گرچہ اسٹیج کے آدمی نہ تھے، مگر اپنی پختہ علمی صلاحیت اور فکری تجربے سے سب کو قوت وتوانائی بخشتے رہے۔

اس حقیر کو دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کے ۷ رسالہ تعلیمی وتربیتی زندگی میں جن چند اساتذۂ کرام سے قلبی تعلق وانس قائم تھا، ان میں ایک مولانا مرحوم بھی تھے، میں نے ان سے بھی کتابیں پڑھیں، ادب وانشاء کی مشق بھی اپنی استطاعت کے مطابق سیکھی، وہ بس اپنے کام سے کام رکھتے تھے، وقت کو کبھی ضائع نہیں کیا، ہمہ وقت اپنے مقصد میں سرگرم عمل رہے، رفتار وگفتار میں بزرگوں جیسی شان رکھتے تھے، لباس سادہ تھا، کھانا پینا بھی معمولی ہوتا، وہ مجھ پر بڑی شفقت ومحبت فرماتے، ندوہ سے فراغت کے بعد بھی ان سے میری اکثر ملاقاتیں ہوا کرتی تھی، ہر ملاقات میں یہی محسوس ہوتا کہ میں کسی فرشتہ صفت

انسان سے مل رہا ہوں، ان کے چہرے کی سنجیدگی اور معصومیت سے دل میں گداز پیدا ہوتا تھا اور اپنائیت کا احساس ابھرتا تھا، ابھی ۱۶ر دسمبر ۲۰۱۸ء کو آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ کی مجلس عاملہ کے موقعہ پر بھی ملاقاتیں ہوئیں، کبھی دسترخوان پر اور کبھی مہمان خانہ کے برآمدے پر، خندہ روئی سے ملتے جلتے، دست شفقت پھیرتے، یہ نہیں جانتا تھا کہ یہ آخری ملاقات ہے، اچانک ان کے انتقال کی خبر سے دل بجھ سا گیا، وہ امارت شرعیہ پھلواری شریف سے عقیدت مندانہ تعلق رکھتے تھے اور اس کا اظہار بھی فرماتے، ہمارے مخدوم ومحترم مفکر اسلام حضرت امیر شریعت مولانا محمد ولی رحمانی مدظلہ نے ان کی وفات پر دلی صدمے کا اظہار کیا اور اپنی بے پناہ مصروفیات ومشغولیات سے وقت فارغ کرکے اظہار تعزیت کے لیے تکیہ کلاں کا سفر بھی فرمایا، ازیں قبل آپ کی ہی صدارت میں ایک تعزیتی نشست ہوئی، جس میں امارت شرعیہ کے تمام ذمہ دار اصحاب وکارکنان نے اس سانحہ پر گہرے رنج وغم کا اظہار کیا، اور اللہ سے ان کے لیے مغفرت اور بلندی درجات کی دعا کی کہ اللہ تعالیٰ انہیں جنت الفردوس میں درجات عالیہ سے سرفراز فرمائیں اور پسماندگان کو صبر وسکینت سے نوازے۔ آمین!

غلبۂ اسلام

”یورپ کو اپنی طویل تاریخ میں مسلمانوں سے دینی، سیاسی اور اقتصادی میدان میں جو تلخ تجربات ہوئے ہیں، اس کی وجہ سے وہ جوش انتقام میں سارے اقدار کو پامال کیے دے رہا ہے، اور ساری دنیا کے مسلمانوں کو نیست ونابود کرنے اور خاک کے ڈھیر میں تبدیل کرنے کے لیے کوشاں ہے، اور اس سلسلہ میں اس کی مہم بہت تیز ہے تاکہ اسلام کا نظام حیات دوبارہ غالب نہ ہو، اور یورپ کی ملحدانہ تہذیب جو سسکیاں لے رہی ہے دم نہ توڑ دے۔

مغرب نے اسلام کو دبانے کی ہر کوشش کی لیکن اسلام کا سدا بہار درخت آج بھی برگ وبار لانے کی صلاحیت رکھتا ہے، ہزار اس کو قیود کے آہنی شکنجوں میں جکڑا جائے لیکن اس کی جو ابھرنے کی فطرت ہے اس کا ظہور ہو کر رہے گا۔“

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی رحمہ اللہ

تاریخ ساز مرد مجاہد نہیں رہا

نتیجہ فکر:- مولانا محمد مرتضیٰ راغبؔ (معہد دارالعلوم ندوۃ العلماء)

علم و ادب ہنر کا وہ قائد نہیں رہا
تاریخ ساز مرد مجاہد نہیں رہا

ہر دل عزیز اب وہ معلم نہیں رہا
بے باک صحافی و مؤرخ نہیں رہا

عالم کی موت بالیقیں عالم کی موت ہے
مصلح مشیر رہبر عادل نہیں رہا

حالات کا جو تجزیہ انصاف سے کرے
وہ تبصرہ نگار مدبر نہیں رہا

بجلی سی گر پڑی ہے دل داغ دار پر
دریائے علم دیں کا سمندر نہیں رہا

مغموم سی فضا ہے یہ ندوہ کی دیکھیے
اب درمیاں جو اک مہ تاباں نہیں رہا

گل پھول جو کھلے تھے وہ مرجھا کے رہ گئے
تجھ سا حسین اب کوئی مالی نہیں رہا

سلجھائے کون گیسوئے برہم کو دوستو!
دانائے راز اب وہ مفکر نہیں رہا

میخانہ غم زدہ، خم و ساغر اداس ہے
میخانے کا جو روح رواں تھا نہیں رہا

واضح ترے فراق میں عالم ہے غم زدہ
ملت کا تجھ سا کوئی مسیحا نہیں رہا

راغبؔ لکھے بھی کیا ترے بارے میں مرثیہ
جس دل پہ ناز تھا اسے وہ دل نہیں رہا

GARDEN OF KNOWLEDGE, FAITH AND VIRTUE

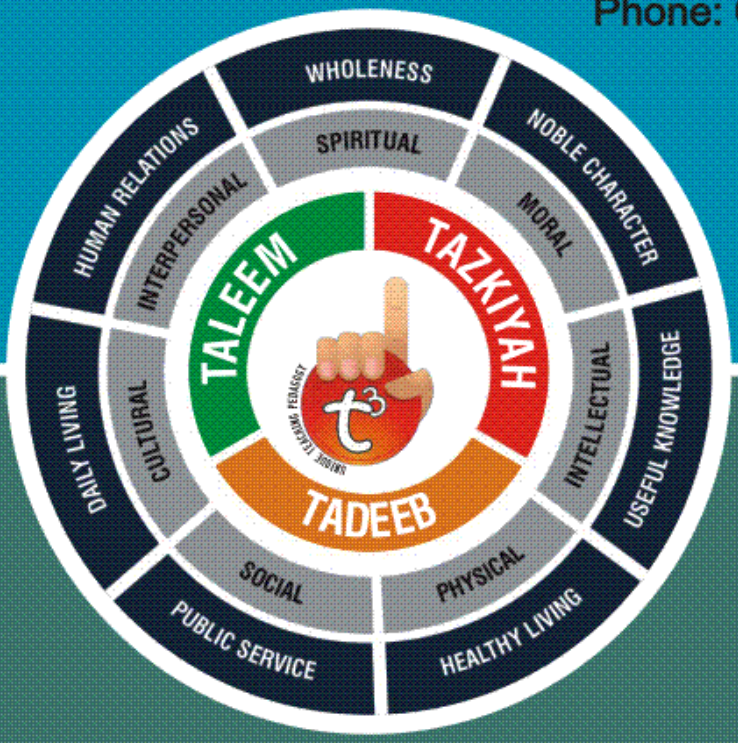
DAR-AL-ARQAM
PUBLIC - SCHOOL

AN ENGLISH MEDIUM SCHOOL BASED ON
C.B.S.E. PATTERN WITH ISLAMIC CONCEPT

Opp. Swaraj Nagar Colony, Lucknow Road, Raebareli-229001, U.P.
Phone: 0535-2210030, 9336009823,
E-mail: daps.rbl@gmail.com

HEAD OFFICE
Tumkur, Karnataka

CHIEF PATTERN:
Maulana Khalid Beg Nadvi
9591836321



integrating **modern education**
with **islamic principles**

BRANCHES:

- Tumkur
- Hydrabad
- Guntur
- Tandur
- Moradabad
- Aurangabad
- Maddur
- Bhopal
- Lucknow
- Jahangirabd
- Ujjain
- Shajapur
- Kota
- Praptagarh
- Kashipur
- Jaipur

DAPS
DAR-AL-ARQAM PUBLICSCHOOL

NURTURING THE LEADERS OF TOMORROW

فخر العلماء حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ نمبر کے لیے نیک خواہشات

MOHAMMAD ANWAAR KHAN

NATIONAL REFRIGERATION

All types of Air Conditioners, Water Coolers, Defreezers & Stabilizers
Sales, Service & Contractor

HITACHI | BLUE STAR | GENERAL

Office
Amar Hotel / Complex
Kutchery Road, Raebareli

Service Centre
Chaman Market, Sabzi Mandi
Raebareli

Mobile: 9415177310

فخر العلماء حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ
کے اوصاف وکمالات سے متعلق پیام عرفات
کے خصوصی اشاعت کا ہم خیر مقدم کرتے ہیں۔

IndianOil | IndianOil

محمد حسنین قریشی

SAFARI CARRIER DEALER

Indian Oil Corporation

N.H.24 B Saare Damu, Lucknow - Allahabad Highway

Mob.: 9415034160

وہ رشکِ صد بہار گلستاں چلا گیا

مولانا ممتاد علی قاسمی (صدر جمعیت فلاح دارین-مظفر نگر)

شرافت جس پر ناز کرتی تھی، قرطاس وقلم کو جس پر فخر تھا، مسند علم و دانش کے وقار میں جس نے اضافہ کیا، دنیا کے سامنے اخوت کی ایک لازوال مثال قائم کرنے والے حضرت مولانا واضح رشید ندوی صاحب رحمہ اللہ ۱۶ر جنوری کی صبح اپنے رب کے پاس چلے گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا واضح رشید ندوی صاحب کے انتقال پر آنسو بہائے جائیں یا ان کی کامیاب زندگی اور مبارک موت پر مولائے کریم کا شکر ادا کیا جائے دونوں ہی بجا ہیں، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب دامت برکاتہم العالیہ کو درپیش غالباً کوئی بھی مسئلہ ایسا نہ ہوگا جس پر وہ حضرت مولانا واضح رشید ندوی صاحب رحمہ اللہ سے مشورہ نہ کرتے ہوں، لیکن قربان جائیے ان کی متواضعانہ شرافت پر کہ ہمیشہ زندگی کے ہر مرحلہ اور ہر معاملہ میں ساتھ رہنے کے باوجود کبھی بھی اپنے آپ کو نمایاں کرنے کی کوشش نہیں کی، ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیمات اور جلیل القدر علمی صلاحیتوں کے مالک، دنیائے عرب سے اپنے قلم کا لوہا منوانے والے، اپنے رواں اور شاداب قلم گوہر بار سے علم وآگہی کی لازوال روشنی بکھیرنے والے، اپنی بہترین صلاحیتوں کو اپنے ہزاروں شاگردوں میں کامیابی کے ساتھ منتقل کردینے والے بہترین استاذ، صاحب طرز عربی ادیب و مصنف، عالم اسلام اور دنیا کے مسلمانوں میں دشمنان اسلام کی سازشوں، ریشہ دوانیوں اور مکاریوں پر گہری نظر رکھنے اور اپنے فاضلانہ تبصروں اور تذکروں سے عالم اسلام کو بیدار کرنے والے مفکر، اتنی سادگی اور یکسوئی کے ساتھ رہتے تھے کہ باہر تو کیا خود ندوۃ العلماء میں بعض غیر متعلق طلباء ان کے بلند مرتبے اور بلند علمی مقام سے غائبانہ ہی واقف تھے، کم گوئی ان کے مزاج میں شامل تھی، بولتے بھی تو علمی گفتگو یا ملی مسائل پر ہی گفتگو کرتے، شاید انہوں نے کسی کی دل آزاری کی بات زندگی میں کبھی نہیں کی ہوگی، یہ ان کے مزاج میں تھا ہی نہیں، میں مولانا کو گزشتہ تقریباً ۳۲ر سال سے جانتا ہوں، کئی بار میری درخواست پر مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی رحمہ اللہ اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی دامت برکاتہم کے ساتھ جامعہ فلاح دارین بلاسپور، مظفر نگر میں بھی تشریف لائے، اس طویل مدت میں ان کے ساتھ خوشی وغم کی بے شمار صحبتوں سے فیض یاب ہوا ہوں، لیکن کسی ایک مجلس میں بھی ان کی زبان سے کسی کے بارے میں ایسے الفاظ، تذکرے، تبصرے نہیں سنے جن سے عوام کی تو کیا اہل علم کی بھی کم ہی مجالس خالی ہوتی ہیں۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں عربی زبان وادب کے استاذ، شعبۂ عربی کے صدر اور معتمد تعلیمات کے تمام مراحل انہوں نے بڑے وقار اور کامیابی کے ساتھ طے کیے، وہ ایک کامیاب استاذ، باکمال مصنف وادیب اور عمدہ منتظم تھے، ان کی تصانیف ومقالات کا مدلل طرز بیان، مبصرانہ ومفکرانہ انداز، دردمندانہ لہجہ، دل ودماغ کو سیدھا متاثر کرتا تھا، عرب دنیا میں ان کی کتابیں، ان کی مختلف تحریریں بڑے شوق ورغبت سے پڑھی جاتیں اور بہت احترام کی نظر سے دیکھی جاتی تھیں، بیس سے زائد اہم عربی کتابوں کے مصنف، بے شمار مقالات ومضامین اردو کتابوں اور مضامین کی ایک مستقل فہرست ہے، مگر تواضع کا یہ عالم کہ ان کے بلند علمی مقام اور بے پناہ قلمی خدمات کے ادنی اعتراف کے طور پر بھٹکل میں مولانا الیاس صاحب ندوی نے جب اپنے ادارہ میں ان کے نام سے لائبریری موسوم کی تو اسے دیکھ کر رونے لگے، وہ کبھی خود کو کچھ سمجھتے ہی نہیں تھے، دوسروں کی ادنی خوبی کو بھی وہ بہت خوش ہو کر بیان کرتے تھے لیکن اپنے بڑے سے بڑے کمال کا خود اظہار کرنا تو دور کی بات دوسروں کے اعتراف کے بھی متحمل نہیں ہوتے تھے، اپنے برادر بزرگ

مرشدی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی دامت برکاتہم کے ساتھ ان کی جوڑی دنیائی ایک نادر اور مثالی جوڑی تھی، جس کی نظیر نہ کہیں دیکھی نہ سنی، حضرت مولانا واضح صاحب رحمہ اللہ تین سال چھوٹے تھے لیکن دونوں بھائیوں میں ایسی محبت اور قلبی موانست تھی کہ ان کے چشم دید واقعات تفصیل سے بیان کیے جائیں تو شاید سننے والے مبالغہ سمجھیں، ۱۹۸۷ء سے مجھے اس خانوادہ سے نیاز حاصل ہے، اس دوران میں نے نہیں دیکھا کہ دونوں بھائی سفر یا حضر میں کبھی بھی الگ رہے ہوں، اس سے قبل بھی انڈونیشیا سے لے کر امریکہ تک کوئی بھی سفر رہا ہو ہندوستان یا ندوہ کی تو بات ہی کیا، کبھی بھی کہیں بھی کسی بھی پروگرام میں بھی ان کو الگ نہیں دیکھا گیا، حضرت مفکر اسلام رحمہ اللہ کے ساتھ سفر میں بھی ہمیشہ یہ ترتیب رہتی کہ حضرت کمرہ میں آرام فرماتے اور اس کے آس پاس ایک کمرہ میں دونوں بھائی قیام فرماتے، ندوہ میں بعض خدام سے معلوم ہوا کہ حضرت مفکر اسلام رحمہ اللہ کے وصال کے بعد مولانا واضح صاحب نے احتراماً عرض بھی کیا کہ میں الگ کمرے میں سو جایا کروں گا، شاید اس کی وجہ یہ بھی رہی ہو کہ حضرت رحمہ اللہ کے بعد حضرت مولانا محمد رابع صاحب مدظلہ کی خدمت میں ملاقات کے لیے آنے والوں کی آمد و رفت بڑھ گئی تھی، اس لیے مولانا نے یہ درخواست کی لیکن اس کا کوئی اثر نہیں ہوا، ایک خادم نے بتایا کہ ندوہ میں جہاں حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب دامت برکاتہم کا قیام رہتا ہے اور جو مہمان خانہ کے نام سے معروف ہے اسی کے کمرے میں دونوں بھائی آرام فرماتے تھے، چوں کہ دونوں میں انتہائی محبت کے ساتھ قدرے بے تکلفی بھی تھی اس لیے مولانا واضح صاحب رحمہ اللہ نے احترام کے ساتھ مزاحیہ انداز میں حضرت مولانا رابع صاحب مدظلہ سے عرض کیا کہ ماموں جان (حضرت مفکر اسلام رحمہ اللہ) کے بعد اب آپ ہمارے پیر ہو گئے اس لیے آپ یہاں سویا کریں، میں اوپر والے کمرے میں سو جایا کروں گا، یہ کہہ کر حضرت مولانا واضح صاحب رحمہ اللہ اوپر چلے گئے، بعد العشاء مجلس کے بعد حضرت مولانا رابع صاحب مدظلہ آرام کے لیے لیٹے لیکن خادم کا بیان ہے کہ تھوڑی ہی دیر بعد اٹھے، تکیہ بغل میں دبایا اور اوپر مولانا واضح صاحب کے پاس پہنچ کر بچوں کی سی معصومیت سے بولے کہ واضح ہم بھی یہیں لیٹ جائیں گے، پھر حسب سابق نیچے ایک ہی کمرے میں آرام فرمانے لگے اور یہ معمول آخر تک قائم رہا، حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب کا خانقاہ تکیہ رائے بریلی میں رمضان شریف کے آخری عشرہ میں مسجد میں اعتکاف کا معمول ہے، یہ وہی مسجد ہے جو حضرت شاہ علم اللہ صاحب رحمہ اللہ نے حج بیت اللہ سے واپسی پر خانہ کعبہ کے نقشہ پر طولاً و عرضاً اتنی ہی بڑی، اتنی ہی سادہ بغیر کسی مینار کے تعمیر کی تھی، اسی مسجد میں حضرت سید احمد شہید رحمہ اللہ نے مجاہدین کو تربیت دی اور اسی جگہ سے جہاد کے لیے لشکر تیار کر کے روانہ ہوئے تھے، شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ نے اسی مسجد میں لا الہ الا اللہ کی ضربیں لگا کر راہ سلوک طے کیا اور جذبۂ جہاد پیدا کیا تھا، خطب شہید کے نام سے خطبات کا جو مقبول عام مجموعہ جمعہ و عیدین کی نمازوں میں پڑھا جاتا ہے حضرت شاہ اسماعیل شہید رحمہ اللہ نے وہ خطبات اسی مسجد میں دیے تھے جو بعد میں شائع ہوئے، بہر حال حضرت مولانا محمد رابع صاحب اسی مسجد میں اعتکاف فرماتے ہیں تو ہمیشہ کی طرح حسب معمول حضرت مولانا واضح صاحب بھی ساتھ ہی بیٹھتے تھے، چند سال قبل حضرت مولانا مدظلہ کا ارادہ ہوا کہ اس بار وہ نہیں بیٹھیں گے، تنہا مولانا واضح صاحب ہی بیٹھیں گے، اگرچہ سننے والوں کو بھی یہ بات عجیب سی لگی، لیکن بہر حال یہ طے ہو گیا تھا اب اسی کے مطابق تیاری ہو گئی، میں بھی وہیں حاضر تھا، عصر کی نماز کے بعد حضرت مولانا واضح صاحب رحمہ اللہ اپنے اعتکاف کی جگہ پر بیٹھ گئے، حضرت مولانا محمد رابع صاحب مسجد سے گھر جانے کیلیے ان سے ملنے لگے تو مولانا واضح صاحب نے کوئی بات ان سے کہی جسے میں سن نہیں سکا، غالباً اپنے انداز میں تنہائی کی شکایت کی ہوگی، یوں تو مسجد بھری ہوئی تھی مگر بات تو ان کی تھی، ان کی بات پر حضرت مولانا رابع صاحب مدظلہ ہنستے ہوئے گھر کی طرف گئے اور چند ہی منٹ بعد واپس آ کر وہ بھی اعتکاف میں بیٹھ گئے۔ مسجد سے گھر چند ہی قدم کے فاصلے پر ہے مگر وہاں اتنی دوری بھی اتنے سے وقت کے لیے بھی کہاں منظور تھی، اس عمر میں یہ حالت تھی تو بچپن اور لڑکپن میں تو یقیناً اور زیادہ موانست ہوگی، ندوہ میں تو ایک زمانے میں مشہور تھا کہ دونوں بھائی چلتے ہیں تو قدم بھی ایک ساتھ اٹھاتے ہیں، تقریباً

پچھتر سال اسی انداز میں گزار دینا اور ابتدائے زندگی سے آخری لمحات تک اس میں سر مو فرق نہ آنا بہت بڑی بات ہے، حضرت مولانا رابع صاحب پچھتر سال کی عمر میں بھی مولانا واضح صاحب کا اس طرح خیال رکھتے تھے جیسے چھوٹے بچے کا، کھانے پینے رہنے سونے، سفر و حضر غرض زندگی کے ہر مرحلہ اور ہر مسئلہ میں ایک ساتھ ایک زبان اور دو قالب ایک جان کی طرح بچپن سے لے کر آخر دم تک اس طرح ہمدم ہمراز ہمسفر ہم نفس ہم قدم رہنے والے، ہر خوشی ہر غم کو پوری دیانت اور ایمانداری اور مکمل وفاداری کے ساتھ باہم شیئر کر کے اخوت کا قابل فخر عنوان اور بہترین مثال قائم کر دینے والے دو عظیم بھائیوں کی اس انوکھی ایلیلی جوڑی کے بچھڑنے پر دیکھنے اور سننے والوں کے دل بھی بھر بھر آرہے ہیں تو خود حضرت مولانا محمد رابع صاحب مدظلہ پر کیا قیامت گزر رہی ہوگی جو پہلے ہی کئی صدموں سے نڈھال ہیں، ہم جانتے ہیں کہ حضرت مولانا مدظلہ صبر و استقامت کے پہاڑ ہیں، اللہ تعالی نے حضرت کو جس قدر اعلی اور عظیم مقام پر فائز فرمایا ہے اسی کے مطابق تحمل کی طاقت اور ظرف بھی عطا فرمادیا ہے اور بقول خود حضرت مولانا جو ہم جیسے خدام کو حضرت تسلی دیتے ہوئے فرمایا کرتے ہیں کہ اس طرح کے ابتلاءات سے اللہ پاک درجات بلند فرماتے ہیں تو یقیناً اللہ تعالی حضرت مولانا رابع صاحب دامت برکاتہم کے درجات رفیعہ کو دنیا و آخرت میں اور بھی بلند فرمانا چاہتا ہے، اسی لیے اس ابتلاء سے گذارا لیکن بہر حال اپنی تمام تر روحانی طاقت، تعلق مع اللہ، ایمانی مضبوطی اور اخلاقی بلندیوں کے باوجود وہ ایک انسان ہی ہیں جن کے سینے میں ایک حساس اور گداز دل دھڑکتا ہے اور جو کسی کی بھی ادنی تکلیف پر تڑپ اٹھتا ہے، آج اس دل پر کیا گزر رہی ہوگی، تعزیت کریں تو کس زبان اور کن الفاظ میں! زبان کھلنے سے پہلے آنسو رواں ہو جاتے ہیں مگر حضرت کو دیکھیے ان کو تو اپنے آنسو بھی پینے ہیں اور پورے حسنی خانوادہ کے بھی، جس کے وہ سربراہ اعلی ہیں، کیونکہ رعایہ بھی صبر کرتی ہے جب بادشاہ صبر کرتا ہے، اور آپ کتنے خوش قسمت نکلے مولانا واضح رشید صاحب رحمہ اللہ اپنے ماموں جان مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی میاں ندوی نور اللہ مرقدہ کی آغوش تربیت میں علمی و فکری نشو و نما پائی، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم جیسے عظیم المرتبت بھائی کی محبت و شفقت کے سائے میں پوری عمر گزاری اور آخر میں انہیں کے کندھوں پر سوار ہو کر رفیق اعلی سے جا ملے، رب کریم کی بے شمار نعمتیں اور لاکھوں لاکھ رحمتیں نچھاور ہوں آپ کے اوپر، اے کلمۂ طیبہ کا ورد کرتے، اذان کی آواز کے ساتھ قرآن کریم کی تلاوت سنتے ہوئے دنیا کو روتا چھوڑ کر جانے والے حضرت مولانا واضح رشید ندوی صاحب! رحمہ اللہ علیہم رحمۃ واسعۃ.

مغرب کا احساس کمتری

"دور جدید میں مسلمانوں کو مختلف عنوانات اور مختلف بہانوں سے مصائب میں مبتلا کیا جا رہا ہے، اور ان کے مسائل کو حل کرنے کے بجائے پیچیدہ بنایا جا رہا ہے، وہ جہاں اکثریت میں ہیں وہاں کی حکومتوں کو ان کے خلاف بھڑکایا جاتا ہے، اور بنیاد پرستی کا خطرہ بڑھا چڑھا کر پیش کیا جاتا ہے تاکہ وہ اصلاحی اور تربیتی کوششوں کو طاقت استعمال کر کے روک سکیں، جس کی وجہ سے نہ کوئی مدرسہ محفوظ رہ سکے، نہ مسجد، نہ کارخانہ، نہ تجارت۔ ہر جگہ دین اسلام کی بیخ کنی کی نئی نئی تدبیریں اختیار کی جا رہی ہیں، ارباب سیاست اور اہل قلم جو اپنے آپ کو انسانیت کا علمبردار قرار دیتے ہیں، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف پروپیگنڈہ کرنے میں مصروف ہیں، اسلامی شعائر کا مذاق اڑاتے ہیں، اور عوام و خواص کو اسلامی ذہن سے خوف زدہ کرتے ہیں۔

اسلام اور مسلمانوں کے خلاف اس موقف کی نفسیات کا اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کا سبب احساس کمتری ہے، اور اسلام کی شان و شوکت اور اس کی قوت اور پھیلنے کی صلاحیت سے خوف ہے، جو مغربی دنیا پر صدیوں سے سوار ہے، یورپ اپنی احساس کمتری کا اظہار مسلمانوں کی ایسی تصویر پیش کر کے کرتا ہے جس سے خود مسلمانوں میں احساس کمتری پیدا ہو، دنیا کے ذہن سے ان کا رعب نکل جائے، اور ان کے مخالف ان پر جری ہو جائیں۔"

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی ؒ

ایک فرشتہ صفت انسان کی رحلت

مولانا مفتی راشد حسین ندوی
(مہتمم مدرسہ ضیاء العلوم-رائے بریلی)

حضرت مولانا علی صاحبؒ کے بڑے بھائی اور دار العلوم ندوۃ العلماء کے سابق ناظم ڈاکٹر عبد العلی صاحبؒ پر قدیم ندوی فاضل حکیم الامت تھانوی کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا عبد الباری صاحب ندوی نے جو مضمون لکھا تھا، اس میں ان کو فرشتہ صفت انسان قرار دیا تھا، حضرت ڈاکٹر صاحب کا حادثہ وفات بھی ہماری پیدائش سے پہلے پیش آیا، لہٰذا ان کو دیکھنے یا ان کی ان صفات کا مشاہدہ کرنے کا کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا، لیکن حضرت ڈاکٹر صاحب کے خاندان کے کئی افراد میں ان صفات کا پرتو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ حضرت مولانا عبد الباری ندوی صاحب نے حضرت ڈاکٹر صاحب کو جو لقب دیا تھا، اس میں مبالغہ ہرگز نہ رہا ہوگا، بلکہ وہ صرف ایک حقیقت کا اظہار تھا، یہ اوصاف خاص طور سے استاذ الاساتذہ حضرت مولانا واضح صاحبؒ میں بہت واضح طور پر ظاہر ہوتے تھے، جنہوں نے ۹ر جمادی الاولی ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۶ر جنوری ۲۰۱۹ء کو اس عالم فانی کو چھوڑ کر عالم جاودانی کی طرف رخت سفر باندھا۔ فانا للہ وانا الیہ راجعون۔

حضرت مولانا واضح صاحبؒ ۱۹۷۲ء سے اپنی وفات تک دار العلوم ندوۃ العلماء کے ادب و انشاء کے کامیاب ترین استاذ رہے، آپ نے کئی نسلوں کی تربیت کی، طرز تدریس اتنا پُر اثر تھا کہ آپ کے تلامذہ اس کے اثر آفرینی پر متفق ہیں، انشاء اور تعبیر کے گھنٹے بھی آپ کے پاس رہا کرتے تھے، آپ کی تمرینات تعداد میں کم ہوا کرتی تھیں، لیکن چند تمرینات ہی سے طلباء اپنی استعداد میں نمایاں اضافہ محسوس کرتے تھے، قلم رواں ہو جاتا تھا، عربی مضمون نویسی میں آسانی محسوس ہونے لگتی تھی، اس طرح انشاء اور تعبیر کے پیریڈ کا مقصد اصلی ان چند تمرینات ہی سے پورا ہو جاتا تھا۔

آپ ندوۃ العلماء سے شائع ہونے والے دونوں مجلات "البعث الاسلامی" اور "الرائد" کی مجلس ادارت میں شامل تھے، اور دونوں کے مستقل کالم نگار تھے، آپ عربی کے صاحب طرز ادیب تھے، زبان میں عجب چاشنی اور حلاوت تھی، اہل ذوق آپ کی تحریروں کے منتظر رہا کرتے تھے، ڈاکٹر محمد اکرم ندوی لکھتے ہیں:

"عربی زبان و ادب مولانا کا خاص موضوع ہے، درس و تدریس اور صحافت شغل شاغل ہے، آپ کا علم و فضل رشک اقران و امثال ہے، تحریر رواں اور ادیبانہ ہے، زبان میں باسا ختگی اور برجستگی ہے، اسلوب میں بیک وقت ایک ٹھہری ہوئی سنجیدگی اور سلجھی ہوئی شوخی باہم ملی جلی پائی جاتی ہے، یہ اسلوب ایسا ہے کہ نازک سے نازک فکری، اجتماعی اور سیاسی مسائل پر بھی شگفتگی اور دلآویزی مولانا کا ساتھ نہیں چھوڑتی، میں نے مولانا کی اکثر تحریریں پڑھی ہیں اور جب بھی کوئی نئی تحریر ملتی ہے پڑھے بغیر نہیں رہتا، یہ صرف میرا ہی حال نہیں ہے، بلکہ مولانا کی تحریروں سے دلچسپی لینے، لطف اندوز ہونے اور فائدہ اٹھانے میں بہت سے لوگ میرے شریک ہیں، اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ آپ کی تحریروں میں کیسی بے پناہ کشش ہوتی ہے۔" (سفر نامہ ہند: ۱۲۰)

اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ آپ طلباء کو عربی تحریر پر آمادہ کرتے تھے، کبھی کسی خاص حادثہ پر لکھنے کو فرماتے، کبھی کسی اخبار کے تراشہ کو حوالہ کر کے اس کا ترجمہ لانے کو کہتے، پھر جب طالب علم تحریر لے کر آتا تو اس کی ہمت افزائی کرتے، اس کے مضمون کی اصلاح کرتے، پھر "الرائد" میں اسی کے نام سے وہ مضمون شائع کیا جاتا، جس سے طالب علم کا دل بڑھتا اور رفتہ رفتہ اس کو عربی میں لکھنے پر قدرت پیدا ہو جاتی، نہ معلوم آج کے کتنے بہترین لکھنے والے مولانا کے اس نرالے انداز تربیت کے پروردہ ہیں، اور مولانا کی ہمت افزائیوں کے نتیجہ میں آج ان کا شمار چوٹی کے ادباء میں ہوتا ہے، اس سلسلہ کا ایک واقعہ آج بھی راقم کو اچھی طرح یاد ہے کہ حضرت مولانا ابو العرفان صاحب کا حادثہ وفات پیش آیا تو اخبار میں حادثہ کے متعلق ایک طویل رپورٹ آئی، میرے کمرے کے ایک ساتھی نے جو مجھ سے ایک سال سینئر لیکن کمزور صلاحیت والے تھے، کہنے لگے: میں اس رپورٹ کو سامنے رکھ کر مولانا ابو العرفان صاحبؒ کے حادثہ وفات پر عربی میں ایک مضمون تیار کروں گا، اور "الرائد" میں چھپواؤں گا، چنانچہ انہوں نے مضمون تیار کیا، اور ہم لوگوں کو دکھایا

بھی، ہم لوگ اگرچہ ان سے ایک سال جونیر تھے، اس کے باوجود ہمیں مضمون اس لائق نہیں محسوس ہوا کہ وہ "الرائد" جیسے پرچہ میں چھپ سکے، لیکن ان کے جوش کو دیکھ کر ہم سب خاموش رہے، پھر وہ ساتھی اپنا وہ مضمون مولانا واضح صاحب کے پاس لے گئے، مولانا نے ان کی بڑی ہمت افزائی کی، اور اگلے شمارہ میں انہیں کے نام سے "الرائد" میں مضمون آیا، حالانکہ مولانا واضح صاحب نے تعبیرات میں کافی تبدیلیاں کردی تھیں، فطری طور پر ہمارے ساتھی کو مضمون کی اشاعت سے کافی خوشی ہوئی، پھر مستقل لکھتے رہے، اور آخر کار اچھا لکھنے والوں میں ان کا شمار کیا جانے لگا۔

ندوۃ العلماء میں تربیت افتاء کے ایک سالہ کورس کی جس سال ابتداء ہوئی، اس میں راقم سمیت تین طلباء نے داخلہ لیا، اس کا درجہ دار العلوم کی قدیم عمارت کے غرب میں واقع دفاتر کی عمارت میں قائم تھا، ایک مرتبہ ہم تینوں ساتھی درجہ کے سامنے بیٹھے "بدائع الصنائع" کے مطالعہ میں مشغول تھے کہ اچانک استاذ محترم مولانا شمس الحق ندوی مولانا واضح صاحب رحمہ اللہ کے ساتھ آئے، مولانا مرحوم کے ہاتھوں میں ایک عربی مجلہ غالباً "آخر ساعۃ" کا تازہ شمارہ تھا، وہ شمارہ مولانا نے ہمارے حوالہ کیا اور اس کے ایک مضمون کی طرف توجہ دلائی جس میں سعودی عرب میں متعین ہزاروں امریکی فوجیوں کے قبول اسلام کا ذکر تھا، مولانا نے فرمایا کہ اس مضمون کا ترجمہ کرکے ہمارے حوالہ کردو، ہم نے اپنی صلاحیتوں کے مطابق ٹوٹے پھوٹے الفاظ میں اس کا ترجمہ کردیا، مولانا کو ہم لوگوں نے ترجمہ دکھایا تو مولانا نے بڑی ہمت افزائی فرمائی، پھر "تعمیر حیات" کے اگلے شمارہ میں ہمارے نام کے ساتھ یہ ترجمہ شائع ہوا، اور "تعمیر حیات" سے نقل کرکے بہت سے اردو مجلات میں بھی شائع ہوا، فطری طور پر ہم کو اس سے خوشی ہوئی اور ہماری ہمت میں اضافہ ہوا۔

حضرت مولانا علی میاں صاحبؒ کے انتقال کے بعد حضرت مولانا واضح صاحب، حضرت مولانا رابع صاحب دامت برکاتہم کے ساتھ ہمہ وقت رہا کرتے تھے، سفر و حضر کا کوئی استثناء نہیں تھا، مولانا دامت برکاتہم کے اسفار کثرت سے ہوا کرتے تھے، حالت حضر میں بھی مہمانوں کا ہجوم ہوا کرتا تھا، اس کے باوجود مولانا رحمہ اللہ اپنا اکثر وقت تلاوت میں صرف کرتے تھے، بے پناہ مشاغل اور مہمانوں و ملاقاتیوں کے ہجوم کے باوجود آپ کو دیکھا جاتا کہ مسجد کے کسی کونہ میں قرآن مجید لے کر بیٹھ جاتے، اور اپنے معمولات پورے کرتے، لیکن اس کے باوجود ملنے والوں سے پورے انبساط اور بشاشت سے ملتے، حال پوچھتے اور مفید مشوروں سے نوازتے۔

مولانا مرحوم اگرچہ تحریر -خاص طور سے عربی تحریر- میں ہندوستان ہی نہیں بلکہ پورے عالم اسلام کے مایہ ناز اور صاحب طرز ادیبوں میں سے تھے، لیکن تقریر و خطابت سے آپ کو مناسبت نہیں تھی، البتہ مختلف موضوعات خاص طور سے فکر اسلامی پر آپ کے محاضرات ہوا کرتے تھے، "مرکز الامام أبی الحسن الندوی، دار عرفات" میں آپ کے بے شمار محاضرات میں حاضری کی سعادت حاصل ہوئی، آپ نہایت مرتب انداز میں اپنی بات کو پیش فرماتے تھے، آپ کا کلام حشو و زوائد سے بالکل خالی ہوا کرتا تھا، کئی حضرات کو کہتے ہوئے سنا اور واقعۃً اس میں کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ مولانا واضح صاحب کے محاضرہ میں صرف متن ہوا کرتا ہے، آپ خاص طور سے اس پہلو کو اجاگر کیا کرتے تھے کہ جب اہل یورپ کو اندازہ ہوا کہ ہم مسلمانوں سے ہتھیاروں کی جنگ میں غلبہ حاصل نہیں کرسکتے تو انہوں نے علمی اور فکری محاذوں کو اپنا ہتھیار بنایا اور اس نئے ہتھیار سے عالم اسلام پر حملہ بول دیا، لہٰذا ان کا مقابلہ انہیں کے اسلحہ سے ہی کیا جاسکتا ہے۔

آپ نے مختلف فکری و ادبی موضوعات پر کئی کتابیں بھی تصنیف فرمائی ہیں، جن کو علمی و ادبی حلقوں میں قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے اور ان کو اپنے موضوع پر بہترین کتابیں قرار دیا جاتا ہے۔

آپ جب ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیم بنائے گئے تو آپ نے انقلابی قدم اٹھاتے ہوئے ایک مزید درجہ کا اضافہ کیا اور نصاب تعلیم اس طرح رکھا کہ عالمیت کے آخری سال تک ہدایہ اخیرین اور حدیث کی بنیادی کتابیں پوری ہوجائیں، اس سے بلاشبہ ان طلباء کو غیر معمولی فائدہ ہوا جن کو ندوہ میں فضیلت کرنے کا موقع نہیں مل پاتا تھا، اور بہت سے اہم مباحث ان کے سامنے نہیں گزر پاتے تھے۔

اللہ تعالیٰ مولانا رحمہ اللہ کی بال بال مغفرت فرمائے اور ہمیں ان کی صفات کا کچھ حصہ نصیب فرمائے۔ آمین

آئینۂ ذات وصفات

مولانا عبدالسبحان ناخدا ندوی مدنی (نائب مہتمم مدرسہ ضیاء العلوم، رائے بریلی)

مولانا سید واضح رشید صاحب حسنی ندوی گلستان ندوۃ العلماء کے وہ گل تھے جس سے سارا گلشن مہکتا تھا، خداوند قدوس نے آپ کو مختلف خصوصیات وکمالات سے نوازا تھا، بڑی صاف ستھری زندگی آپ نے بسر فرمائی، نہایت پاکیزہ حالت میں آپ کی وفات ہوئی، "طاب حیا" اور "طاب میتا" کی جھلک آپ کی مبارک زندگی اور موت میں صاف دیکھی گئی۔

مولانائے محترم کی زندگی کو مختلف پہلوؤں سے دیکھا جاسکتا ہے، ان میں ہر پہلو مبارک، مفید اور سبق آموز ہے، ان میں ایک عظیم پہلو آپ کی انسانیت اور انسانیت نوازی ہے۔

۱- مولانا ایک کریم اور بابرکت انسان تھے، مولانا کے براہ راست شاگرد دسیوں ہزار اور بالواسطہ شاگرد پچاسوں ہزار ہوں گے، جن طلبہ وعلماء نے آپ سے کسب فیض کیا، وہ آپ کی اعلیٰ و ارفع صلاحیتوں کی گواہی کے ساتھ ساتھ یہ گواہی بھی ضرور دیں گے کہ آپ ایک کریم النفس، جوہر انسانیت سے مالا مال شخصیت تھے، شاید آپ کے شاگردوں نے حصول علم سے پہلے آپ سے انسانیت کا سبق پڑھا ہوگا، رسول اکرم ﷺ نے ایک اچھے اور سچے مسلمان کا تعارف جن اوصاف سے فرمایا، ہم نے مولانا علیہ الرحمہ کی ذات گرامی میں وہ مبارک اوصاف دیکھے اور خوب دیکھے: "المسلم من سلم المسلمون من لسانه ويده" (صحیح مسلمان وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان محفوظ ہوں) "ليس المؤمن بالطعان ولا باللعان ولا بالفاحش ولا بالبذئ" (مؤمن نہ طعنے دینے والا ہوتا ہے، نہ لعنت کرنے والا، نہ فحش گو ہوتا ہے، نہ گھٹیا کام کرنے والا) "خير الناس أنفعهم للناس" (لوگوں میں سب سے بہتر وہ ہے جو لوگوں کو زیادہ فائدہ پہنچائے) "لا يؤمن أحدكم حتى يحب لأخيه ما يحب لنفسه" (تم میں کوئی مؤمن نہیں ہوسکتا یہاں تک کہ اپنے بھائی کے لیے وہی پسند کرے جو اپنے لیے پسند کرتا ہے) "أكمل المؤمنين ايمانا أحسنهم خلقا" (ایمان والوں میں ایمان کے لحاظ سے کامل وہ ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں) "سئل النبي صلى الله عليه وسلم، ما أكثر ما يدخل الناس الجنة، قال، تقوى الله و حسن الخلق" (رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ لوگوں کو سب سے زیادہ جنت میں داخل کرنے والی چیز کون سی ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ کا خوف اور اچھے اخلاق) "المؤمن غر كريم" (مؤمن بڑا بے ضرر، انتہائی شریف ہوتا ہے)

یہ مبارک احادیث اور ایسی ہی درجنوں احادیث مبارکہ ہیں جن کا چلتا پھرتا نمونہ مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی تھے، خاموش طبع، معاملہ فہم، حالات اور واقعات پر نگاہ بصیرت رکھنے والے، مسائل کا سچا حل تلاش کرنے اور پیش فرمانے والے، خوف خدا سے معمور، صلاحیت اور صالحیت کا پاکیزہ نمونہ، یہ آپ کے وہ اوصاف تھے جن کو آپ کی ذات بابرکات کا جزو لاینفک کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا، لب آپ کے اکثر خاموش رہتے، لیکن دل آپ کا سلگتا تھا اور دل کی یہی حرارت پرنور کرنوں اور شعاعوں کی صورت میں آپ کی تحریروں میں نمایاں ہوتی۔

فکر اسلامی

آپ کا بنیادی موضوع فکر اسلامی تھا، دار العلوم ندوۃ العلماء نے دنیا کو جو فکری علماء دیے ان کی ایک مختصر فہرست تیار کی جائے تو اس میں بھی آپ کا نام بڑا نمایاں رہے گا، سچی بات یہ ہے کہ یہ آپ کا موضوع ہی نہیں، آپ کی غذا اور زندگی تھی، خود آپ نے ایک دفعہ یہ

بات فرمائی کہ فکر اسلامی کی بنیاد "ھَمّ" ہے، اندر ہی اندر کھائے جانے والے غم کو "ھَمّ" کہا جاتا ہے، کسی کی یہ کیفیت نہ ہو تو وہ فکر اسلامی کا نہ حامل بن سکتا ہے نہ علم بردار، جن حضرات نے آپ کی تحریروں سے فکری غذا حاصل کی ہے، وہ بتا سکتے ہیں کہ ہزاروں صفحات پر مشتمل آپ کے مقالات میں کوئی ایک جملہ بھی شاید ایسا نہ ہو جس سے بے فکری جھلکے، یا وہ بات محض زیب داستان کے لیے ٹانک دی گئی ہو، اس کی بنیاد وہی "ھَمّ" ہے جو آپ کو کھا رہا تھا، رسول اکرم ﷺ کے بارے میں راوی کہتے ہیں: "کان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم دائم الفکرۃ، متواصل الأحزان، طویل السکت، لیست لہ راحۃ" (رسول اکرم ﷺ فکر مند رہتے، اکثر غمگین رہتے، بہت خاموش رہتے، آپ کو چین نہیں تھا) حضور اکرم ﷺ کی ان صفات کی جھلک آپ کی زندگی میں خوب نظر آتی تھی، میں نے آپ کی گفتگو جتنی بار سنی ہے، اس کا محور اکثر "اسلام" "فکر اسلامی" "انسان" اور "فکر انسانیت" ہوتا۔

آج کل یہ جو فیشن چلا ہے کہ محض وقت گذاری کے لیے مسائل چھیڑے جاتے ہیں اور ان کے اوٹ پٹانگ حل پیش کیے جاتے ہیں، مولانا کی شخصیت اس سے بہت اعلیٰ وارفع تھی، وقت گزاری کی بات الگ رہی، ہم نے کبھی مولانا کی زبان سے غیر سنجیدہ گفتگو بھی نہیں سنی "کلامہ عبرۃ وسکوتہ فکرۃ" کی آئینہ دار تھی آپ کی زندگی، انسانیت کی یہی ادائیں ہیں جو انسان کو عام لوگوں سے ممتاز بناتی ہیں، اور شاید مولانا کی زندگی سے لیا جانے والا یہ سب سے اہم سبق ہے۔

خیر خواہی

مولانا کی ایک عظیم صفت خیر خواہی کی تھی، مجھے مولانا سے براہ راست پڑھنے کا موقع نہیں ملا، لیکن آپ کے متعدد شاگردوں سے میں نے سنا کہ آپ کی پوری کوشش ہوتی کہ شاگردوں میں اصل فن کی تڑپ پیدا کریں، ایک استاد کتاب اچھی طرح پڑھا دے، وہ کامیاب استاد ہے، اس سے بڑھ کر کامیاب وہ ہے جو فن کی باریکیاں بتا دے اور اہم معلومات سے شاگردوں کو سیراب کر دے، شاید سب سے بڑھ کر کامیاب وہ ہے جو اپنے تلامذہ میں علم کی پیاس پیدا کرے، حصول علم کی راہیں بتائے اور اس سلسلہ میں پوری رہنمائی کرے، مولانا سید محمد واضح رشید صاحب رحمہ اللہ اس مفہوم کے لحاظ سے انتہائی کامیاب استاد تھے، ایک مشفق، مربی اور ایک سچے رہبر، جو بھی آپ سے رہنمائی حاصل کرنا چاہتا، آپ اسے کبھی سرسری انداز سے نہ لوٹاتے، جس نے بھی آپ سے تعلق رکھا وہ آپ کے اس وصف خاص کی ضرور گواہی دے گا۔

علم کی قدر و منزلت

آپ کی مجالس میں علم پر خاص زور دیا جاتا، ایک دفعہ اسی سلسلہ میں فرمایا کہ علم کی کوئی انتہاء نہیں، جب رسول اکرم ﷺ تک کو اللہ تعالیٰ نے "رب زدنی علما" (اے میرے پروردگار میرے علم میں اور اضافہ فرما) کے ذریعہ دعا کرنے کا حکم دیا تو ہر طالب علم کو سمجھ لینا چاہیے کہ علم ایسی نعمت ہے جس کی کوئی انتہاء نہیں، ایک مرتبہ عجیب بات فرمائی کہ علم کوئی لفٹ نہیں ہے کہ آدمی سوار ہو گیا اور سیدھا اوپر پہنچ گیا، علم درجہ بدرجہ چڑھنے کا نام ہے، یہ انتھک محنت چاہتا ہے، تب کہیں جا کر انسان کچھ بلندی طے کر سکتا ہے، لوگوں نے علم کو لفٹ سمجھ لیا ہے، جس کے نتیجہ میں سطحی معلومات حاصل ہو جاتی ہیں، لیکن بنیاد خالی رہتی ہے۔

مطالعہ سیرت کی تاکید

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اس کا بجا طور پر شکوہ تھا کہ اہل علم کا بالخصوص طلبہ کا مطالعہ برائے نام رہ گیا ہے، پھر جو لوگ مطالعہ کرتے ہیں وہ بات کی گہرائی تک نہیں پہنچتے، جس کی وجہ سے بسا اوقات فکری ناہمواریاں پیدا ہوتی ہیں، مولانا اس سلسلہ میں سیرت کے گہرے مطالعہ کی شدید تاکید فرماتے اور یہ کہتے کہ سیرت کے صحیح مطالعہ سے زندگی کے تمام گوشوں میں چاہے وہ فکری ہوں، علمی ہوں، عملی ہوں یا تربیتی و تعلیمی ہوں، بلکہ صحیح الفاظ میں تمام انسانی گوشوں میں ایک طرح کا توازن اور جامعیت پیدا ہوتی ہے، اس کے ذریعہ انسان زندگی کے ہر میدان میں ایک معتدل، متناسب اور جامع نمونہ پیش کر سکتا ہے، مولانا یہ بھی فرماتے تھے کہ لوگ سیرت کو بھی ایک خاص زاویہ سے پڑھتے ہیں، سیرت کسی زاویہ سے

مطالعہ کرنے کی چیز نہیں، بلکہ سیرت خود زاویہ ساز ہے، اس کی روشنی میں اپنے زاویہ نظر، زاویہ فکر اور زاویہ عمل کو بلکہ زاویہ زندگی کو درست کرنا اور نقطہ نگاہ کو قائم کرنا چاہیے، سیرت کا مطالعہ درحقیقت ایک لامحدود چیز کو محدود دائرے میں سمیٹنے کا نام ہے، جس کے نتائج خاطر خواہ برآمد نہیں ہو سکتے۔

جہد مسلسل

مولانا اگرچہ خاموش طبیعت کے تھے، لیکن آپ نے جہد مسلسل کی زندگی بسر فرمائی، آپ کو مختلف عوارض لاحق تھے، لیکن اپنی ذمہ داری بہتر سے بہتر انداز سے پوری فرماتے رہے، ایک مرتبہ خود مجھ سے فرمایا کہ "مجھے بواسیر کی شدید تکلیف رہتی تھی، اس قدر کہ بیٹھنا ہی ممکن نہ رہتا، میں نے شدید تکلیف کے عالم میں "الرائد" کے کئی مضامین کھڑے کھڑے لکھے ہیں۔" چونکہ خود مجھے چند سال قبل اس تکلیف سے گزرنا پڑا تھا، اس لیے میری خیریت دریافت فرماتے ہوئے باتوں باتوں میں اپنا یہ حال بیان فرمایا، ورنہ کبھی یہ بات نہ بتاتے۔

حق گوئی

مزاج میں نرمی تھی، لیکن یہ نرمی حق گوئی میں کبھی آڑے نہ آئی، ہر معاملہ میں اپنی خاص رائے رکھتے، جہاں معاملہ عام اختلاف رائے کا ہوتا، وہاں کسی رائے پر نہ اصرار ہوتا، نہ نکیر ہوتی، لیکن جہاں معاملہ حساس قسم کا ہوتا، وہاں اپنی رائے پیش فرماتے اور کسی تعلق والے کی رائے غلط ہوتی، وہاں صاف کھل کر اس سے اپنی رائے بدلنے کے لیے کہتے۔

معلومات کی وسعت و گہرائی

موجودہ دور میں چند ہی لوگ ہوں گے جن کی حالات حاضرہ پر ایسی وسیع اور گہری نظر ہے، تاریخ اسلام اور تاریخ یورپ پر بھی آپ براہ راست گہری معلومات رکھتے تھے، آپ جس سطح کے اسلامی مفکر، ادیب اور صحافی و تجزیہ کار تھے، اس سطح کے لوگ عالم اسلام میں کم پائے جاتے ہیں، آپ کی تحریروں میں ایک طرف قلم کی روانی اور فکر کی جولانی ہوتی تو دوسری طرف صحیح تجزیہ اور صائب مشورے بھی ہوتے، آپ مسائل کا سرسری حل کبھی نہ بتاتے، بلکہ ہمیشہ اسباب کا پتہ لگا کر ان کو درست کرنے کی دعوت دیتے، تاکہ مسائل پیدا ہی نہ ہوں، یہ حقیقت میں فہم قرآن کا فیض تھا جو خداوند قدوس نے آپ کو وافر مقدار میں عطا فرمایا تھا، روزانہ تلاوت سننے کے معمول نے جو ساٹھ سال سے بلاناغہ جاری رہا، آپ کے ذہن کو ایسے سانچے میں ڈھال دیا تھا کہ کوئی مسئلہ ہو آپ کا ذہن اس کی تہہ تک پہنچ جاتا، یہ خصوصیت عام طور پر ان حضرات میں پائی جاتی ہے، جن کے شب و روز فہم قرآن کے حصول کے لیے بسر ہوتے ہیں، میرا خیال ہے کہ جن لوگوں نے مولانا کی تحریریں دیکھی ہیں، وہ اس کی گواہی ضرور دیں گے کہ حالات حاضرہ پر جیسا معتدل تجزیہ آپ فرماتے ہیں اور جس طرح کا مناسب حل آپ تجویز فرماتے ہیں، کم لوگ اس گہرائی تک پہنچتے ہیں، کتاب و سنت کے فیض کے بعد آپ کے وسعت مطالعہ کو بھی اس میں خاصا دخل ہے، آپ براہ راست انگریزی مآخذ سے واقف تھے، عرب مفکرین پر بھی آپ کی بصیرت پر مبنی نگاہ تھی، مستشرقین کو آپ نے جتنا پڑھا انتہائی کم لوگ اس میں آپ کے ہمسر ہوں گے، جو معلومات آپ کو حاصل تھیں ان میں آپ کسی کے نقال نہیں تھے، اس لیے آپ کی تحریریں ہمیشہ باوزن رہیں اور جہاں جہاں آپ کی تحریریں پہنچیں (بالخصوص عالم عربی میں) وہاں ان کا وزن محسوس کیا گیا، اور ان کا اثر قبول کیا گیا۔

یہ سچ ہے کہ مولانا سید واضح رشید صاحب رحمۃ اللہ علیہ اب ہم میں نہیں رہے، لیکن یہ بھی اتنا ہی سچ ہے کہ مولانا اپنی انسانیت، اپنی پاکیزہ سیرت، اپنی دسیوں کتابوں، سیکڑوں رہنما تحریروں، اپنے ہزاروں بلاواسطہ اور شاید لاکھوں بالواسطہ شاگردوں، اپنے نیک و صالح اولاد و احفاد کے ذریعہ ہم میں موجود ہیں، اور اللہ نے چاہا تو یہ سلسلہ دراز سے دراز تر ہوتا چلا جائے گا، خدائے رحمن و رحیم کروٹ کروٹ جنت نصیب فرمائے اور حضرات انبیاء علیہم السلام، صدیقین، شہداء اور صالحین کی معیت مولانا کو اور ہم تمام کو نصیب فرمائے۔

آمین وصلی اللہ علی نبینا محمد وعلی آلہ وأصحابہ أجمعین والحمد للہ رب العالمین

اعلیٰ اسلامی روایات کے نقیب وامین

مولانا محمد حبیب الرحمن ندوی (استاد دارالعلوم فلاح دارین، ترکیسر - گجرات)

محسن خاندان: ہندوستان کے جن مقدس ایمانی، روحانی، علمی، فکری، دعوتی، تجدیدی، اور مقام سیادت وقیادت پر فائز، مقبولیت ومحبوبیت سے آراستہ خاندانوں نے ملت اسلامیہ اور امت مسلمہ پر ملکی سطح سے عالمی اور بین الاقوامی سطح پر اپنی ایک خاص شناخت، اور ممتاز نقوش اور احسانات وکارناموں کی انمٹ یادگار چھوڑے ہیں اور امت وملت ان کی روشنی میں آج تک صحیح سمت پر قدم بڑھا رہی ہے اور آئندہ بھی ان شاء اللہ بڑھاتی رہے گی، ان میں سادات حسنی پر مشتمل مقدس خاندان وکنبہ جو تکیہ شاہ علم اللہ رائے بریلی میں آباد ہے بہت ممتاز، مقبول، محبوب اور مبارک ہے، اس مقدس اسرۂ کریمہ کی ہر پیڑھی اور مبارک کڑی عالمی، مرکزی، مقبول ومحبوب داعی ورہانی ہستی سے معمور تھی، معمور ہے اور ان شاء اللہ تاقیامت معمور رہے گی، جن کے مبارک تذکرے صفحات قرطاس کے زینت بنے ہوئے ہیں اور مذکورہ بالا امر کی دلیل صداقت ہیں۔

خاندانِ شاہ علم اللہ رحمۃ اللہ علیہ: دین کی صحیح فہم، اس کی ترویج واشاعت، اس کے غلبہ اور باطل کے دھارے کو پلٹنے اور دین حق کے ابلتے چشمے جاری کرنے میں اس خاندان کا تجدیدی کارنامہ ہے، جو نہ صرف ہندوستان بلکہ عالم اسلام کے لئے دستورالعمل ہے، اور اس پر عمل کرنے والے برکات خیر وسعادت اپنی آنکھوں ملاحظہ کر رہے ہیں، مجدد دعوت وتبلیغ حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے مجدد القرن العشرین حضرت مفکر اسلام سے فرمایا تھا کہ ہم لوگ امام المسلمین فی عصرہ حضرت سید احمد شہید کی تحریک دعوت وجہاد کے سایہ میں جی رہے ہیں۔

یہ ارشاد ہم اخلاف کے لئے ایک بڑا سبق ہے، اس کو سامنے رکھتے ہوئے اس مبارک خانوادۂ صدق ووفا پر نظر ڈالیں تو تاریخ سے شہادت ملے گی اور اعتراف کرنا پڑے گا کہ آج بھی امت مسلمہ اور ملت اسلامیہ کو ایسے نمونے، کردار واقدار کے دھنی شخصیات، علم وعمل کی جامع، اسلام کی عظیم تعلیمات کے علما وعملا مقبول نمائندے دائرۂ شاہ علم اللہ رائے بریلی سے نسبت رکھتے ملیں گے جن کی اسلامی تعلیمات اور عملی تطبیقات کو دستورالعمل بنا کر امت کے عوام وخواص دونوں طبقے اس کے سایہ میں منزل مقصود تک پہونچ رہے ہیں اور آئندہ بھی پہونچ سکتے ہیں۔

حضرت واضح رشید کی واضح رشد وسعادت:

اس کی ایک تازہ روشن اور قریبی مثال، علمی بصیرت، فکری وسعت، استنتاجی مہارت، عملی رسوخ اور صلابت، جامع بصیرت وفراست، دارالعلوم ندوۃ العلماء اور تحریک ندوۃ العلماء کی اعلیٰ، اسلامی، فکری مثالی روایات کے نقیب وشاور، وہبی اور کسبی کمالات نادرہ اور مدارک عالیہ سے حسباونسباً آراستہ استاذنا الکریم المکرم حضرت مولانا سید محمد واضح رشید صاحب حسنی ندوی نوراللہ مرقدہٗ کی مقدس ومبارک ذات گرامی ہے، جو اپنی بے شمار خوبیوں اور ان گنت کمالات ومواہب جلیلہ کی روشنی میں اپنی ایک خاص پہچان اور امتیازی شناخت رکھتے ہیں اور امت کے دعاۃ مخلصین ماہر مربین، ہمالیائی عزم اور عقابی فکر ونظر سے آراستہ مدبرین، قائدین، اخبات وانابت، تبتل وتوکل، عبادت وخشیت، للہیت ورہانیت سے متصف علماء ربانین، ادب وبیان، قلم وزبان، علم وفن میں گہرائی وگیرائی، فکر ونظر کی وسعت، رائے کی اصابت اور فہم وفراست میں ممتاز یادگار ارباب کمال میں بھی بہت باکمال اور ممتاز تھے، سب نے اس کا اعتراف کیا ہے اور زمانہ اس کی تصدیق کرتا ہے۔

علم وسعادت کی امامت والے خاندان میں آپ کی ولادت باسعادت ۱۹۳۳ء کو تکیہ حضرت مولانا شاہ علم اللہ صاحب حسنیؒ میں

ہوئی، اور علم وسعادت کی امامت والی آغوش میں آپ پلے بڑھے، ابتدائی تعلیم خاندان میں ہوئی، اور منتہی تعلیم اس علم وعمل کے گہوارہ میں مکمل ہوئی، جو بقول مفکر اسلام حضرت علامہ ندوی حسنی فکر اسلامی کا نقطۂ عروج ہے یعنی دارالعلوم ندوۃ العلماء، اس مرکز فکر ونظر اور گہوارہ علم وعمل میں آپ کی شخصیت نے ان خصائل وکمالات کو جذب واخذ کیا جو ابنائے زمانہ میں بہت کم لوگوں کے حصہ میں آتے ہیں، دارالعلوم ندوۃ العلماء سے فراغت کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے انگریزی میں B.A کیا، اس کے بعد خدمات کا سلسلہ شروع ہوا جس کی تفصیل یہ ہے آل انڈیا ریڈیو میں بحیثیت مترجم وانا ؤنسر ۱۹۵۳ سے ۱۹۷۳ء تک خدمات انجام دیتے رہے، اس کے بعد مادر علمی دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تشریف لے آئے پھر ایسے وابستہ رہے اور اپنے فکر ونظر، خون جگر سے اس مرکز کی، وہاں کی نسل نو کی اس طرح تربیت وتثقیف فرمائی کہ تاریخ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں آپ کا دور تعلیم وتربیت ایک مثالی اور ممتاز ویادگار دور کہلایا اور کہلائے گا۔

اسلوب کلام ونگارش کا بنیادی عنصر:

آپ کی رشحات قلم، دروس وارشادات، مجالس ومقالات اور ہم نشینی سے مشرف اشخاص سے یہ حقیقت سمجھی جاسکتی ہے کہ آپ کے قلم وبیان، فکر ونظر، حوارات ومحادثات میں سب سے اہم عنصر ایمانی عنصر تھا، عظمت اسلام کی بالادستی اور اس کی حمیت وغیرت کا عنصر تھا، راسخ ایمان، راسخ فکر، گہری نظر کا عنصر تھا، آپ کا قلم مومن، ادب مومن، فکر مومن، نظر مومن، نقد مومن، درس مومن، تجزیہ مومن، نظریہ مومن، اسلوب مومن تھا، ادب وبیان کی دنیا میں قلم وزبان کی جولانی تو سیل رواں کی طرح نظر آتی ہے لیکن جو چیز اس پورے طبقہ میں آپ کو ممتاز کرتی ہے، وہ آپ کا یہی کردار ہے جو ایک داعی وادیب مومن کا کردار ہے، جس میں آپ پختہ اور راسخ القدم تھے، اور اس کی اصل وجہ یہ ہے کہ آپ کی شخصیت میں ادب وبیان، فکر ونظر، اخلاق وکردار، دعوت وارشاد اور ہدایت وقیادت کی ایسی روح موجزن تھی جس کا ایک جز عشق قرآن اور ذوق قرآن ہے اور دوسرا جز سنت نبویہ، احادیث مبارکہ، گفتار اسلاف اور کردار ائمہ متبوعین سے گہری وابستگی اور مناسبت ہے، اس چیز نے آپ کی شخصیت میں گہری بصیرت وفراست اور تدبیر وتحکیم کا وہ جوہر وادراکی قوت پیدا کردی تھی جو خطا نہیں کرتی تھی اور اپنی معنویت وصداقت تسلیم کرالیتی تھی۔

دارالعلوم ندوۃ العلماء نے ادب وبیان کے ساتھ علوم اسلامیہ کی ترویج اور اشاعت کا جو نمونہ پیش کیا ہے اور وہ اس کا داعی اور علمبردار ہے اس کا خصوصی امتیاز اور وصف یہ ہے کہ وہ کتاب وسنت کے منبع صافی سے نکلا ہے اور ادب وبیان کا انسانیت کے لئے معیاری نمونہ وہی ہے جس کا فکری، علمی، اختراعی سارا تانا بانا کتاب وسنت اور طائفہ ربانیہ کے گفتار وکردار سے ملتا ہو اور اس پر اسی کی چھاپ ہو، حضرت مولانا ؒ کی زندگی کے نقوش، آپ کے انتاجات اس کی مکمل نمائندہ ہیں، اور آج کے الحادی وانحرافی زمانہ میں اسی قلم، اسی فکر، اسی اسلوب، اسی گفتار، اسی کردار سے دلوں کو موہ لینے والا مؤثر علمی، دینی، انسانی مقبول خدمت انجام دیا جاسکتا ہے۔

دارالعلوم فلاح دارین ترکیسر کا ایک جلسہ:

آپ کی نگارشات وخدمات میں ایک ناقد بصیر، داعی حنون، ناصح امین، مدبر لبیب، مربی عطوف وکریم کا کردار حماست وغیرت سے آراستگی کے ساتھ اتنا نمایاں اور لازم وعام ہے جو کہیں بھی منفک نہیں ہوتا، یہی سال پرانی بات ہے، حجۃ الاسلام فی عصرہ حضرت مفکر اسلام مربینا شیخ الاسلام سید علی میاں ندوی ؒ کے وصال کے بعد جانشین مفکر اسلام سید السادات موجودہ حضرت ناظم ندوۃ العلماء دامت برکاتہم کا ایک سفر خطۂ گجرات کا ہوا تھا، ارباب قافلہ میں بہت سے نفوس قدسیہ کے ساتھ حضرت الاستاذ الجلیل مرجع المفکرین والثقافیین حضرت مولانا محمد واضح صاحب ندوی حسنی ؒ کی شخصیت بہت ممتاز تھی، دارالعلوم فلاح دارین میں ایک جلسہ منعقد ہوا تھا، مقصد استقبال اور حضرت مفکر اسلام نور اللہ مرقدہٗ کی خدمات مبارکہ کو خراج عقیدت وتحسین پیش کرنا تھا، طلبا جامعہ کے کچھ پروگرام پیش کئے گئے، اس موقعہ پر فلاح دارین ترکیسر کے ناظم تعلیمات ومؤقر شخصیت استاذ الاساتذہ حضرت مولانا سید ذوالفقار صاحب قاسمی نروری ؒ نے اپنے افتتاحی وترحیبی کلمات میں ندوۃ العلماء واس کے بانیوں اور اکابر کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا تھا اور بہت بلند کلمات ارشاد فرمائے

تھے جن سے حضرت مفکر اسلامؒ کی شخصیت، اس خاندان، ابنائے ندوۃ سے ان کی گہری وابستگی جھلک بلکہ چھلک رہی تھی اور حضرت الاستاذ مولانا مرحوم نے جلسہ کے بعد فرمایا کہ اتنی دور رہ کر ندوہ اور اکابر ندوہ سے اتنا گہرا تعلق و قدردانی بہت مثالی ہے، اس کا نمونہ تو قریب رہنے والوں میں بھی کم نظر آتا ہے۔

ندوۃ العلماء کی مثال:

ان کلمات میں حضرت مولانا سید ذوالفقار صاحب نوراللہ مرقدہٗ نے ارشاد فرمایا تھا کہ تحریکات، جامعات، اداروں، مدارس اور دینی جماعتوں کی دنیا اور میدان میں اسلام کی حفاظت و دفاع، اس کی ترویج و اشاعت اور اس کی پلاننگ، اس کے خلاف اٹھنے والے خطرات و حوادث، اٹھنے والے طوفانوں کے ادارک و شعور کے اعتبار سے دارالعلوم ندوۃ العلماء کی مثال اس رڈار کی طرح ہے جو اپنی جگہ ہوتے ہوئے اپنے خلاف اٹھنے والے خطرات کی سانس اور معمولی سرکاؤ کو بھی محسوس کرتا ہے اور فوراً حرکت میں آجاتا ہے، ندوۃ العلماء کے اکابر، فرزندوں اور خادموں نے اپنی خدمات و انتاجات سے یہ ثابت کردیا ہے، عالم اسلام کے خلاف اسلامی عقائد، نظریات، علوم وفنون، دعوت وارشاد، اصلاح وتجدید غرض دین اور امت کے خلاف عالم کے کسی گوشہ میں بھی کوئی حرکت ہونی شروع نہیں ہوتی کہ ندوۃ العلماء کا حساس شعور رڈار کی طرح اس خطرہ کو محسوس کرتا ہے اور فوراً دفاع اور مقابلہ کے لئے حرکت میں آجاتا ہے، اس وقیع معیار اور سچی کسوٹی پر حضرت استاذ مرحوم محمد واضح رشید نوراللہ مرقدہٗ کی شخصیت اور کارنامے صدفی صد سچ ثابت ہوتے ہیں، اور ہم تمام کے لئے دستورالعمل کی حیثیت رکھتے ہیں۔

موضوع پر حرف آخر:

سطور بالا میں تحریر کیا گیا کہ سرچشمہ رشد وہدایت یعنی کتاب و سنت سے طبعی اور گہری مناسبت نے آپ کے اندر ایسی گہری بصیرت ایمانی اور ادارک پیدا کردیا تھا جس کی بنیاد پر آپ کے اقوال، نگارشات، تحلیلات وتجزیات اپنے موضوع پر حرف آخر کا درجہ رکھتے ہوئے ثابت ہوئے، خصوصاً قرآن پاک، حدیث پاک، سیرت پاک، ادب اسلامی کے ادوار اور مقتطفات، اسلامی جمعیات، تحریکات کے متعلق امکانات، مقومات، باطل تحریکات کی انحرافی نزعات و مشمولات اور عالم اسلام کے نزول و عروج کے اسباب و امکانیات پر آپ نے جو کچھ تحریر فرمایا، دروس میں واضح کیا، اپنی تقریروں میں واشگاف کیا، وہ اس وقت صرف آپ کی خصوصیات میں شمار کی جاتی ہیں، اور آپ کا وجہ امتیاز ہیں۔

قرآنی بصیرت اور فکر اشاعت:

قرآنی بصیرت اور ایمانی ادراک کا ایک نمونہ ملاحظہ کرنے کی ضرورت ہے جو آپ کے مومن قلم سے مومن دل کی ترجمانی کرتے ہوئے زینت قرطاس بنا ہے۔ آپ تحریر فرماتے ہیں:

”قرآن کریم صحف سماویہ میں اپنی خصوصیات کے اعتبار سے منفرد کتاب الٰہی ہے، اس کی سب سے بڑی خصوصیت اس کا تحریف سے محفوظ رہنا ہے، وہ صوتی، لفظی، اور ترتیب کے اعتبار سے محفوظ ہے، خود قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے، جو اس خاص امتیاز کی طرف اشارہ کرتا ہے إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (سورۂ حجر:۹) (بے شک ہم نے ہی قرآن پاک کو نازل کیا اور ہم ہی اس کی حفاظت کرنے والے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ یہ کتاب قیامت تک اپنی خصوصیات کے ساتھ محفوظ اور قابل استفادہ رہے گی۔

قرآن کریم پر علمی اعتبار سے بہت کام ہوا ہے، احکام، نظام، قانون، سابقہ قوموں کے عروج و زوال کی تفصیلات اور انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں پر قرآن کریم کی روشنی میں اہل قلم نے مختلف زاویوں سے قلم اٹھایا ہے، موجودہ دور میں قرآن کریم کے علمی اعجاز پر کام ہوا جس طرح ماضی میں قرآن کریم کے اعجاز بیان پر بڑا کام ہوا، لیکن انسان کی تربیت اور اس کے کردار وسلوک کی تشکیل، زندگی کو خوشگوار و پرامن طریقہ سے گزارنے اور پرامن انسانی معاشرہ کی تشکیل کے سلسلہ میں قرآن کریم میں جو تعلیمات اور ہدایات آئی ہیں، ان پر بہت کم کام ہوا، اس کی وجہ سے اسلام کے مخالفین یہ ثابت کرتے ہیں کہ قرآن کریم قتال و جہاد کی تعلیم دیتا ہے، جس کا قرآن کریم میں بہت محدود اور خاص حالات میں حکم ہے، قرآن کریم میں جیسا کہ اس کا دعویٰ ہے کہ وہ کتاب ہدایت اور

بیان للناس ہے، انسانی زندگی کو پرامن طریقہ سے گزارنے کی بھرپور تعلیمات موجود ہیں، اور بعض سورتیں تو انسانی حقوق اور امن عالم کے منشور کی حیثیت رکھتی ہیں، لہذا اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ اس پہلو کی طرف توجہ کی جائے، تاکہ قرآن کریم کے سلسلہ میں جو پروپیگنڈہ کیا جارہا ہے اس کا مثبت جواب دیا جاسکے۔

درحقیقت قرآن کریم کی نظر میں بہترین مثالی انسان وہ ہے جو دوسروں کی خاطر اپنے نفس کو قربان کردے، اس طرح مادی تربیت اور اسلامی تربیت میں بڑا نمایاں فرق ہے، مادی تربیت خود غرضی اور مفاد پرستی کو بڑھاوا دیتی ہے، جبکہ اسلامی تربیت انسان کو اپنائیت، قربت، خلوص ومحبت، ایثار وقربانی اور ہمدردی و غمگساری کے زیور سے آراستہ کرتی ہے۔

اسلامی تربیت جس کا مصدر و ماخذ قرآن کریم ہے ہر چیز کو اس کے مناسب مقام پر رکھتی ہے کہ انسانی سرگرمی کا کوئی پہلو مغلوب نہ ہونے پائے، اور جسم، عقل اور روح کے درمیان توازن برقرار رہے، انسان کو دوسرے کے لئے آئیڈیل بناتی ہے، اور کائنات میں اعلی ترین مقام پر فائز ہونے کی ترغیب دلاتی ہے، اس اعتبار سے اسلامی تربیت انسان کے جسمانی، عقلی، شعوری، سماجی، ذوقی اور روحانی تمام پہلوؤں کو محیط ہے، اور اسلامی تربیت انسان کو متوجہ کرتی ہے کہ اس کی تمام سرگرمیاں ایک اعلی مقصد پر مرکوز ہوں، اور وہ دنیا و آخرت میں اللہ کی خوشنودی اور رضا کے حصول کا ذریعہ ہو۔

نغمۂ سرمدی سے بے خودی کا حال:

چند سال پہلے کی بات ہے، استاذ گرامی قدر داعیٔ اسلام، عالم ربانی حضرت مولانا سید عبداللہ صاحب حسنی نوراللہ مرقدہٗ گجرات کے سفر پر تشریف لائے ہوئے تھے، ترکیسر فلاح دارین تشریف آوری ہوئی، بعد نماز عصر فلاح دارین کے مؤقر استاذ جناب مولانا محمد اقبال صاحب دیولوی فلاحی ندوی مدنی حفظہ اللہ کے گھر عصرانہ تھا، اس وقت علمی و دینی گفتگو فرمارہے تھے، عنوان تھا قرآن پاک سے شغف اور گہرا تعلق، اسی مناسبت سے تذکرہ فرمایا حضرت علامہ سید الطائفہ سید سلیمان ندویؒ کا اور حجۃ الاسلام فی عصرہ حضرت مفکر اسلام ندویؒ کا کہ ان دونوں اکابر کا قرآن پاک سے کتنا گہرا تعلق اور فطری ذوق و مناسبت تھی، اسی موقع پر حضرت استاذ داعی اسلام نے فرمایا کہ ان دونوں اکابر کے بعد اس وقت موجودہ اکابر میں رہبر امت اور مدبر ملت حضرت مولانا سید محمد واضح رشید صاحب ندویؒ کا قرآن پاک سے شغف اور مناسبت بہت مثالی ہے پھر ایک آیت مبارکہ کا تذکرہ فرمایا، اللہ پاک ارشاد فرماتے ہیں: "مَا يَفْعَلُ اللَّهُ بِعَذَابِكُمْ إِنْ شَكَرْتُمْ وَآمَنْتُمْ وَكَانَ اللَّهُ شَاكِرًا عَلِيمًا" (اللہ پاک جل شانہ کو تمہیں عذاب دے کر کیا ملے گا اگر شکر کرو اور ایمان قبول کرو، اور اللہ پاک تو بڑے قدردان اور جاننے والے ہیں)، اس آیت کا تذکرہ کرکے فرمایا کہ حضرت مولانا واضح صاحب فرماتے تھے کہ اللہ پاک کے اس ارشاد پر مارے خوشی اور فرحت کے (اظہار خوشی کی تعبیر میں) ناچنے کو جی چاہتا ہے، کیسا دل آویز پیغام اور ارشاد ہے!

کتاب ربانی کے ساتھ اس والہانہ شغف اور مثالی وارفتگی کا ثمرہ تھا کہ حسن خاتمہ اسی کتاب کریم کی معیت میں رب کریم کے در کریم پر شان کرم کے ساتھ مکرم ہوکر رخصت ہوئے، آخرت کی نعمتوں کی جھرمٹ میں آپ جس قابل رشک حالت اور کیفیت میں پہونچے اس موقع کی کیفیت لکھنے والوں نے تحریر کیا ہے کہ:

"آخر وقت میں تہجد کے لئے اٹھے، ٹھنڈے پانی سے وضو کیا اور وضو کے معاً بعد طبیعت بگڑنا شروع ہوئی، پیٹ میں تکلیف اور درد کا احساس تھا، لیکن جیسے ہی فجر کی اذان شروع ہوئی، آپ نے فرزند حضرت مولانا جعفر صاحب دامت برکاتہم سے کہا، قرآن پڑھو، اور خود کلمہ کا ورد شروع کیا، اور اذان کے شروع ہوتے ہی تکلیف کا احساس ختم ہوگیا، حضرت کے پوتے اور ایک ساتھی نے بھی قرآن کی تلاوت شروع کی، اذان کے شروع ہوتے ہی کلمہ کا ورد شروع کیا اور اذان پوری بھی نہیں ہوئی تھی کہ روح ملأ اعلی سے جاملی، کلمہ کا ورد کرتے ہوئے اور قرآن پاک کی تلاوت سنتے ہوئے حضرت مولاناؒ دنیا سے رخصت ہوئے"۔

سچ ہے قرآن پاک ایسا ساتھی ہے کہ ہاتھ پکڑتا ہے تو ساتھ نہیں چھوڑتا۔

مولانا ابوالحسن علی ندوی ایجوکیشنل ویلفیئر و چیریٹیبل ٹرسٹ

چند سال قبل مشرقی ہند صوبہ منی پور کی سرزمین پر خانوادۂ حسنی کے اکابر کی توجہات سے اس ٹریسٹ کا قیام عمل میں آیا، ہمیں فخر ہے کہ حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ کے مفید مشوروں سے ٹرسٹ کے بنیادی تخیل میں بڑی کامیابی نصیب ہوئی، یہ ٹرسٹ عظیم مقاصد کی حامل ہے، اور زندگی کے مختلف میدانوں میں سرگرم عمل ہے۔

ٹرسٹ کے اغراض و مقاصد:

دعوت و تبلیغ، درس قرآن و عمومی اجتماعات، دینی کتب کی اشاعت، مکاتب و اسلامک انسٹی ٹیوٹ کا قیام، شفا خانوں کا قیام، بے گناہ قیدیوں کی قانونی مدد، بلالحاظ مذہب و ملت غرباء کا مالی تعاون، غریب لڑکیوں کی شادی، یتیم خانوں کا قیام، لاوارث لاشوں کی تجہیز و تکفین، اخبارات، رسائل، جرائد اور جرنلز کی اشاعت و تقسیم، ملک میں امن و شانتی کے ماحول کو فروغ دینے کی خاطر مختلف پروگراموں کا انعقاد!

ٹرسٹ کے عزائم:

الحمدللہ ٹرسٹ کے ذمہ داران محدود وسائل کے باوجود پوری تندہی کے ساتھ ذہن کے کینوس پر مستقبل کی تصویر میں رنگ بھرنے کے لیے کوشاں ہیں، اور اس کے اچھے نتائج بھی رونما ہو رہے ہیں، ٹرسٹ کا ارادہ ہے کہ ایک ایسا ماڈرن اسلامک اسکول بھی قائم کیا جائے جو طلباء کی نفسیات کو مدنظر رکھ کر تعلیم دے، اور اس کا نصاب تعلیم ایسا سہل ہو کہ طالب علم مسرت کے ساتھ قبول کرلے۔

ٹرسٹ کے ذمہ داران کی یہ بھی کوشش ہے کہ ایک ادارہ بنام "جامعۃ العلوم برائے ذکور و نسواں" بھی قائم کیا جائے، تاکہ دینی علوم کی تحصیل کے ساتھ عصری فنون میں بھی مکمل دستگاہ حاصل ہو۔

اپیل:- اصحاب خیر سے پرخلوص درخواست ہے کہ ایک حساس صوبہ میں عظیم مقاصد کی حامل ٹرسٹ کو اپنی دعاؤں میں یاد رکھیں، اور مالی و عملی میدان میں تعاون کر کے ٹرسٹ کے بلند مقاصد کی تکمیل میں حصہ لیں، بہتر تعاون فلاح و بہبود کا ضامن ہے۔

ABULHASAN ALI NADWI EDUCATIONAL,
WELFARE & CHARITABLE TRUST
A/C NO: 33692562536 IFSC CODE: SBIN0004461

مولانا افضل علی ندوی

بانی و جنرل سکریٹری مولانا ابوالحسن علی ندوی ایجوکیشنل ویلفیئر و چیریٹیبل ٹرسٹ ہیل لبوک تھوبال، منی پور

فخر العلماء حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ نمبر
کے لیے نیک خواہشات

حاجی محمد خالد مرحوم اینڈ برادرس

STAR PLYWOOD INDUSTRIES

Manufacturers of: All Kinds of Plywood

Factory
Plot No. A-8, Industrial Area, Site II
Amawan Road, Raebareli (U.P.)

Head Office
Jagpal Tal, Raebareli (U.P.) 229001
Phone: 0535-3296333

یادوں کے دریچے سے

مولانا سید ولی حسن قادری ندوی (متحدہ عرب امارات)

آج کی صبح دل کو دہلا دینے والی اور دماغ کو پریشان کر دینے والی خبر کے ساتھ ہوئی، مولانا واضح صاحب کا آج بوقتِ صبحِ صادق انتقال ہوگیا، اللہ ان کو اپنی رحمت کے سائے میں جگہ دے اور جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام نصیب فرمائے، یہ خبر نہیں سچ مچ بم تھا جو میرے اوپر گرا۔ ابھی کل ہی کی تو بات ہے جب میں اپنے بھائی کا اپنے بڑے ابو (سید حسن عسکری طارقؒ) پر مضمون دیکھ رہا تھا جس میں ان بھائیوں کی جوڑی کا تذکرہ تھا جو اللہ کے حکم سے آج ٹوٹ گئی۔ سب سے پہلی بات جو ذہن میں آئی وہ یہی کہ کیا گزری ہوگی دوسرے بھائی پر! کیسے سنبھالا ہوگا انہوں نے اپنے آپ کو! پھر یہ سوچا کہ انہوں نے بھی اپنے آپ کو یہی کہہ کر تسلی دی ہوگی کہ چلو میرا بھائی اس جگہ پہنچ گیا جہاں کی نعمتوں اور آنے والے مہمانوں کے لیے وہ تیاریاں ہیں جن کو نہ کسی آنکھ نے دیکھا، نہ کان نے سنا اور نہ ہی کسی قلب پر اس کا گمان گذرا۔

مولانا واضح صاحبؒ سے میری پہلی ملاقات اس وقت ہوئی تھی جب میری عمر سات آٹھ سال سے زیادہ نہیں رہی ہوگی، مجھے میرے بڑے ابو حضرت مولانا ابوالحسن علی ندوی نور اللہ مرقدہ و برد مضجعہ سے ملوانے اور دعائیں دلوانے تکیہ رائے بریلی لے گئے تھے، بچپنے کے اس سفر میں جن نابغہ روزگار شخصیات کا شرفِ دیدار حاصل ہوا ان میں مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی (اب رحمۃ اللہ علیہ) بھی تھے، مجھے ان سے جو پہلا مکالمہ یاد ہے وہ میرے لیے بہت دلچسپ ہے، مولانا کے صاحبزادے جعفر بھائی کی شادی تھی، ایک مجلس جس میں حسبِ دستور (اس حسبِ دستور کا اندازہ بعد کی ملاقاتوں میں ہوا) دونوں بھائی مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب اور مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی صاحب بھی موجود تھے مجھ سے مولانا واضح صاحب نے ازراہِ تلطف سوال کر دیا کہ دلہن دیکھی تم نے؟ میں نے جواب دیا: جی، بہت خوبصورت ہے، محفل میں بے ساختہ قہقہہ پڑا اور پوری محفل کشتِ زعفران ہوگئی، مولانا واضح صاحب نے بڑے ابو کو مخاطب کر کے کہا: انہوں نے ایک ہی سوال میں دونوں جواب دے دیا، اس لیے کہ عموماً اگلا سوال یہی ہوتا ہے کہ (دلہن دیکھ تو) کیسی ہے، ساتھ میں یہ بھی فرمایا: تمہارے اس جواب نے ہم دونوں بھائیوں کو بڑا اطمینان دلایا ہے، میں ان ساری باتوں کی نزاکتوں سے بے خبر بس اسی میں مگن تھا کہ بہت بڑے بڑے لوگوں سے بات کرنے کا موقع مل رہا ہے، مجھے تو اس وقت یہ بھی نہیں پتہ تھا کہ دلہن مولانا رابع صاحب کی صاحبزادی ہیں۔

حفظ ختم کرنے کے بعد بہت ساری وجوہات کی بناء پر میرا ارادہ انگریزی اسکول میں داخلے کا تھا جس کے لیے میرے بڑے ابو راضی نہیں تھے جس کی تفصیل لاحاصل ہے، اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حفظ ختم کرنے بعد میں کئی سال بس گھومتا ٹہلتا اور اردو میں مختلف موضوعات پر کتابیں پڑھتا رہا جو کہ میری عمر کے لحاظ سے بہت بڑی تھیں۔ اسی درمیان حضرت مولانا علیہ الرحمہ کا ایک سفرِ حجاز ہوا جس میں مولانا رابع صاحب کے ساتھ مولانا واضح صاحب بھی ہمرکاب تھے، بستانِ نورولی (مدینہ منورہ) ابھی باقی تھا اور حضرت مولانا کا قیام وہیں تھا، حسبِ دستور میزبانی کی سعادت میرے بڑے ابو کو حاصل تھی اور میں پڑھائی لکھائی سب سے فارغ، (جس کا پتہ ان بزرگان کو نہیں تھا) اس لیے ہمہ وقت ان کی خدمت میں حاضر باش۔ مولانا واضح صاحب کی خواہش تھی کہ فجر کی نماز بھی مسجدِ نبوی ﷺ میں پڑھیں، حضرت مولانا کا معمول یہ تھا کہ مغرب سے کچھ پہلے مسجدِ نبوی تشریف لے جاتے اور عشاء کی نماز کے بعد کچھ دیر ٹھہر کر واپس تشریف لاتے، مولانا واضح صاحب کو اس وقت کے لیے کوئی رہبر نہیں مل رہا تھا یا یہ بھی ممکن ہے کہ جوان بزرگوں کے

مزاج میں دوسروں کا بے انتہا خیال ہے اس وجہ سے کسی سے کہنا نہیں چاہتے ہوں، بس ایک بار یوں ہی بڑے ابو سے اس کا ذکر کر رہے تھے کہ کوئی ہوتا تو میں فجر بھی مسجدِ نبوی میں پڑھتا، میری خوش قسمتی کہ میں نے فوراً کہا کہ جی میں ہوں، (بڑے ابو وغیرہ کسی نے یہ کہنے کے لیے کچھ اشارہ بھی نہیں کیا تھا) میرا جواب سن کر مولانا واضح صاحب کا کھلا ہوا چہرہ آج بھی یاد ہے، اگلے دن میں فجر کی اذان کے وقت بستان نور ولی پہنچ گیا، مولانا تہجد وغیرہ سے فارغ ہو کر تیار تھے، میں نے گلی والا مختصر (شارٹ کٹ) راستہ اختیار کیا جب کہ مولانا کو سہولت کے خاطر جس نے بھی راستہ بتایا تھا وہ سیدھا لیکن مسافت میں طویل تھا، میری عمر دس گیارہ سال رہی ہوگی، ادب و آداب سے ناواقف تیز قدم سے چلتے ہوئے مسجدِ نبوی پہنچ گیا یا کہیے پہنچا دیا، واپسی میں بہت خوش تھے کہ راستہ ان کے گمان سے زیادہ مختصر نکلا، لیکن ساتھ میں یہ بھی کہا ماشاء اللہ! تم بہت تیز چلتے ہو، الحمد للہ اس تعریف میں چھپی تنبیہ کو سمجھ گیا اور اگلے دن سے تہجد کے وقت ان کے پاس پہنچ جاتا۔ اس طرح ہم لوگ اذان سے پہلے ہی ان کی ہی رفتار سے مسجد نبوی کے لیے نکلتے۔ انہوں نے اس دوران بہت سی باتوں کے ساتھ ایک اہم بات بتائی کہ جس طرح مبارک شب و روز آتے ہیں، ان میں انسان عام حالات سے زیادہ عبادت کرنے اور اللہ سے قریب ہونے کی کوشش کرتا ہے، اور یہ مبارک شب و روز عطا کرنے کی حکمتوں میں سے ایک حکمت بھی ہے کہ جو کام سال بھر کرنے کی بندے میں صلاحیت نہیں ہے وہ کم از کم ان ایام میں کر لے، بزرگوں اور صلحاء کا کسی جگہ تشریف لانا یا ان کے پاس جانا اور ان کے ساتھ وقت گزارنا، ان کے معمول میں چند دن کے لیے سہی اپنے آپ کو ڈھال لینا، یہ سب بھی اسی طرح ہے، ضروری نہیں یہی معمول سال بھر رہے لیکن جتنے بھی دن مل جائیں اس کو غنیمت جانیں۔

مولانا کا حجاز کا ایک سفر مولانا سعید الرحمن صاحب دامت برکاتہ وعمت فیوضہ کے ساتھ بھی ہوا تھا، اتفاق کی بات میں اس وقت جد محترم مولانا عبد اللہ عباس صاحب رحمہ اللہ تعالی کے پاس مکہ مکرمہ میں تھا۔ تہجد کے وقت رہائش گاہ شارع منصور سے مسجد حرام کا فاصلہ میں اور مولانا واضح صاحب ٹیکسی سے طے کرتے تھے جو دو دو ریال فی سواری کے حساب سے مسجد حرام پہنچا دیتی تھی، ایک دن کی بات ہے کہ ایک کار والے نے مسجد حرام کے نام پر ہم دونوں کو بٹھا لیا، اس خدا ناترس کی نیت اچھی نہیں تھی اس نے کار کو غلط راستے پر ڈالا، میں چھوٹا تھا پھر میرے نہ مولانا کے تصور میں یہ تھا کہ اس مقدس جگہ پر کوئی ایسی حرکت کرے گا، گھبرانا لازم تھا مولانا نے عربی میں خوب زور زور سے اس کو ڈانٹا اور حرم لے چلنے کے لیے کہا، اس نے بات بنتی نہ دیکھ کر ہم دونوں کو وہیں اتار دیا، ہم لوگ بہت مشکلوں سے حرم پہنچے، مولانا کے ذہن پر اس واقعہ نے کافی اثر کیا، کئی جگہ اور کافی لوگوں سے اس کا ذکر کیا، مجھ سے بھی تقریباً ہر ملاقات میں اس کا ذکر کرتے اور یاد دلاتے کہ تم چھوٹے تھے، اگر میں ہنگامہ نہ کرتا تو پتہ نہیں وہ ہم لوگوں کے ساتھ کیا سلوک کرتا۔

بعثت محمدیؐ کے احسانات

”دنیا میں علم کی نشر و اشاعت اور قافلہ علم کی رفتار و ترقی ان مسلمانوں کی رہین منت ہے جنہوں نے دنیا پر ایک ہزار سال سے زیادہ حکمرانی کی، مسلمانوں کے بڑے شہر: قاہرہ، بغداد، قرطبہ، اصفہان، قزوین، تبریز، سمرقند اور بخاریٰ علم و معرفت کے گہوارے اور عالمی تہذیب و تمدن کے سرچشمے تھے، اگر کلیسا کی طرح اسلام کا بھی رویہ علم کے تعلق سے معاندانہ ہوتا تو قافلۂ علم اسی حالت میں ہوتا جس میں وہ ساتویں صدی عیسوی میں تھا، جہاں کتب خانے مقفل تھے، کتابیں ناپید اور مدفون تھیں، غور و فکر اور تدبر پر پابندیاں عائد تھیں، بعض انصاف پسند مغربی فضلاء اور مستشرقین نے انسانیت پر بعثت محمدی کے اثرات و احسانات کا اعتراف کیا ہے، اور حقیقت ہے کہ آج دنیا میں جو بھی روشنی علم و ہنر ہے وہ سب بعثت محمدی کا فضل و احسان ہے، انسانی تہذیب کے ہر مرحلے میں اسلام کے بے پایاں اور دوررس اثرات کا مشاہدہ کیا جا سکتا ہے۔“

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی ؒ

علم وادب کی آبرو، سادگی وتواضع کا پیکر

مولانا سعود الحسن ندوی (مدرسہ دینیہ، غازی پور)

۱۶؍جنوری ۲۰۱۹ء کا آفتاب طلوع ہونے کی تیاری میں تھا کہ اسی وقت مرکز علم وآگہی دارالعلوم ندوۃ العلماء کی پرشکوہ مسجد کے زیرسایہ آفتاب علم وادب غروب ہوگیا۔ یہ وہ وقت تھا جب کائنات کی مخلوقات اپنے خالق کی حمد وثنا میں مشغول ہوتی ہیں، قرآن مجید کی تلاوت سے معمور ماحول میں، مسجد کے میناروں سے مؤذن اللہ کی کبریائی کا اعلان کررہا تھا، فلاح وکامیابی کی طرف بلارہا تھا، تازہ وضو سے فارغ ہوکر، کلمہ طیبہ کا ورد کرتے ہوئے، ایک ولی صفت اللہ کا مخلص بندہ جس نے انتہائی خاموش زندگی گزاری تھی اسی خاموشی کے ساتھ رب کے حضور حاضر ہوگیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

میری مراد ہیں حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ جو زہد واستغناء، سادگی وتواضع، خاکساری اور بے نفسی وبے نیازی کی مثال، جاہ ومنصب سے دور، تصنع اور نمود وریا سے پاک، کثیر الجہات اور متنوع اوصاف وکمالات کے جامع تھے۔ خاموش مزاجی اور کم گوئی ان کی پہچان تھی، کم آمیزی اور خلوت نشینی جنھیں بہت پسند تھی، مولانا فی الاصل ولی صفت بزرگ تھے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا علمی وادبی مقام بہت بلند تھا آپ ایک بلند پایہ ادیب اور ممتاز صحافی تھے، عربی اور اردو میں تحقیقی مضامین تحریر فرماتے، انگریزی زبان پر بھی قدرت رکھتے تھے۔ درجنوں کتابوں کے مصنف تھے۔ اگر کہا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ آپ علم وادب کی آبرو تھے۔ گفتگو نہایت مختصر مگر مرتب کرتے تھے۔ اور جب گفتگو فرماتے تو فکر ومطالعہ کی گہرائی کا اندازہ ہوتا تھا۔ پیچھے رہ کر چھوٹوں کو آگے کرنا جن کا شعار تھا، غور وفکر میں ڈوبے رہنا اور شائقین کے سامنے علم کے موتی بکھیرنا جن کا پسندیدہ شغل تھا، اس چراغ سے کتنے چراغ جلے کہا نہیں جاسکتا۔ آج جب کہ چھپنے کا مزاج ہے چھپنا ان کی طبیعت میں شامل تھا، شیخ المشائخ اور استاذ الاساتذہ جیسے القاب اور لاحقوں سے بھی لوگ مطمئن نہیں ہوتے مگر اسی دور میں دیکھنے والوں نے دیکھا کہ انھوں نے خود کو ہر طرح کے کروفر اور خدم وحشم سے دور رکھ کر ایسی سادہ زندگی گزاری کہ اجنبی دیکھتا تو سمجھ نہیں سکتا تھا کہ یہ میدان علم وادب کے شہسوار، فکر اسلامی کے ماہر، عالمی حالات اور بالخصوص عالم اسلام کے حالات پر گہری نظر رکھنے والے، ایک بڑے ادارے کے معتمد تعلیم اور جانے کتنے عہدوں اور منصبوں کے حامل ہیں۔ یقیناً یہ اوصاف وخصوصیات خانوادۂ حسنی کا طرۂ امتیاز ہیں اور مولاناؒ اس کے بہترین نمائندے تھے۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی ذات میں سادگی، بے نفسی وبے نیازی از حد تھی، جسے دیکھنے والوں نے دیکھا ہے اور اب تو ان کے رخصت ہونے کے بعد ان کے محبین واہل تعلق اپنے مشاہدات قلم بند کررہے ہیں تو معلوم ہورہا ہے کہ یہ صفات کس قدر ان میں بڑھی ہوئی تھیں۔

اگر مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو عاشق قرآن اور قرآن مجید کے سانچے میں ڈھلی ہوئی شخصیت کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا، اس کی شہادت ہر وہ شخص دے گا جس نے مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا ہے کہ مسجد کے کسی گوشہ میں قرآن مجید لیے ہوئے ارد گرد سے مکمل لاتعلق ہوکر محو تلاوت رہتے، دیکھنے والے دور سے دیکھا کرتے، اس وقت کتاب اللہ میں انہماک اور تدبر وتفکر کی کیفیت قابل دید ہوتی تھی۔ قرآن مجید کی تلاوت کا شوق اور اس کے ساتھ تعلق کا ہی ثمرہ تھا کہ دنیا سے جاتے وقت بھی تلاوت قرآن سنتے ہوئے تشریف لے گئے۔

راقم کو دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلے کے بعد سے ہی ملاقات وزیارت کا شرف حاصل رہا، خالی تعلیمی گھنٹوں میں دفتر "الرائد" میں استاذ محترم حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوتا، جہاں مولانا رحمۃ اللہ علیہ بھی دوسرے کمرے

میں تشریف فرما ہوتے یا مہمان خانہ میں بھی نیاز حاصل ہوتا۔ میری کوتاہی ہے کہ حضرت استاذ محترم سے کما حقہ استفادہ نہ تو کر سکا مگر آپ کی شفقتوں اور رہ نمائیوں سے محروم نہیں رہا۔

احمدؔ تجھے نہ جانا نہ سمجھا تمام عمر
گو ساتھ جا رہے ہیں تیرے آ رہے ہیں ہم

باقاعدہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ سے استفادہ کا موقع ذی قعدہ ۱۴۱۸ھ مطابق مارچ ۱۹۹۸ء میں اس وقت نصیب ہوا جب فضیلت کے بعد "المعہد العالی للدعوۃ والفکر الاسلامی" میں داخل ہوا اور حضرت استاذ محترم کے محاضروں میں شرکت کی سعادت حاصل ہوئی۔ اس شعبہ کے مشرف مولانا رحمۃ اللہ علیہ ہی تھے، اور اس میں "الغزو الفکری" کے عنوان کے تحت آپ کے محاضرے بھی ہوتے تھے، محاضرے کیا ہوتے عمدہ اسلوب و پیرایہ میں عمیق مطالعہ کا نچوڑ اور موضوع سے متعلق زبردست معلومات کا خزانہ ہوتا تھا، اسلام کے خلاف یورپ کی دسیسہ کاریوں اور ریشہ دوانیوں کو واشگاف کرتے، یورپ کی تاریخ کا بیان اور اس کے مفکرین کا تعارف ہوتا، ان کے افکار و نظریات کی وضاحت ہوتی۔ آپ روشنی ڈالتے کہ کب اور کس طرح یورپ نے اسلام کے خلاف عسکری یلغار کے ساتھ فکری یلغار کی بنا ڈالی اور اسلام کو علمی، فکری، نظری، ثقافتی، تحریکی وغیرہ اعتبارات سے نشانہ بنایا اور مقام افسوس ہے کہ ان کا مقابلہ نہ کیا جا سکا اور انھیں عروج حاصل ہوتا چلا گیا اور نوبت یہاں تک پہنچ گئی کہ مغربی مفکرین اپنی اسکیم کی کامیابی پر کہنے لگے کہ "تعلیم و ثقافت کے ذریعہ ہم نے وہ نتائج حاصل کیے جو ہمارے آباء و اجداد بڑی بڑی جنگوں سے نہیں حاصل کر سکے" یورپ کی طویل منصوبہ بندی اور پلاننگ کے بارے میں فرمایا کہ خود ہمارے ملک ہندوستان میں عسکری استعمار سے بہت پہلے استعمار فکری ہو چکا تھا، چنانچہ انگریز یہاں ۱۸۵۷ء میں آئے مگر ۱۷۰۰ء میں ہی انھوں نے اپنا تعلیمی ادارہ قائم کر دیا تھا۔ اسی طرح خلافت عثمانیہ کا زوال ۱۹۲۲ء میں ہوا مگر اٹھارویں صدی میں ہی مسلم ممالک میں وہ اپنے تعلیمی ادارے قائم کر چکے تھے۔

مولانا رحمۃ اللہ علیہ ایک کامیاب استاذ، طلبہ کے خیر خواہ اور ان کے حق میں بہت شفیق تھے۔ سنوارنے اور بنانے کے فن میں ماہر، کئی نسلوں کی تربیت کر کے انھیں باکمال بنا دیا۔ دوران طالب علمی تو مولانا رحمۃ اللہ علیہ صلاحیتوں کو نکھارنے اور حوصلوں کو مہمیز کرنے والے کلمات سے نوازتے ہی تھے مگر مصاف زندگی میں قدم رکھنے کے بعد بھی شاگرد اور اہل تعلق تائید اور کلمات تحسین سے نہال ہوتے تھے۔ ہم نے متعدد بار اپنے بعض اساتذہ کی (جو ان کے شاگردوں کی صف میں تھے) نہ صرف زبانی بلکہ شانہ تھپتھپا کر بھی حوصلہ افزائی کرتے دیکھا۔ بے حد کم گو اور خاموش مزاج، مگر ایسے مواقع پر کتنے دریا دل تھے مولاناؒ، ابھی ۲۷/۲۸ اکتوبر ۲۰۱۸ء کو پیام انسانیت فورم کے دوروزہ سالانہ مشاورتی اجتماع میں جو مسجد شاہ علم اللہ رائے بریلی میں منعقد ہوا تھا، پورے ملک سے آئے ہوئے کارکنوں کو انوکھے اور پیارے انداز سے خطاب کرتے ہوئے دل میں اتر جانے والا جملہ فرمایا "آپ عاملین کی جماعت سے تعلق رکھتے ہیں۔"

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کے مزاج آشنا افراد واقف ہیں کہ آپ کے چند جملے بھی بہت اہمیت کے حامل ہوتے تھے، بقول ڈاکٹر اکرم ندوی صاحب "مولانا کے توصیفی کلمات بھی بہت جچے تلے ہوتے۔ مولانا کے تعریفی کلمات مشابہ نظر آتے ہیں امام بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے کلمات جرح و تعدیل کے، الفاظ کم، معانی زیادہ۔"

مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی غازی پور تشریف آوری کم و بیش دس مرتبہ ہوئی، ہم خدام مدرسہ دینیہ اور اہل غازی پور کی خوش نصیبی ہے کہ خدمت کے مواقع حاصل ہوتے رہے، ایک بار شہر (غازی پور) سے آگے پروگرام میں تشریف لے جانا تھا، واپسی میں رات کا قیام اور خدمت ہم لوگوں کے حصہ میں تھی، راحت رسانی کے خیال سے شہر کے باہری حصہ میں چند منٹ رکنے کی درخواست کی گئی، نماز اور استراحت کے ساتھ دسترخوان بھی چن دیا گیا، روانگی کے وقت پاس سے گزرتے ہوئے مختصر جملہ ارشاد فرمایا، بہت مختصر اور بہت آہستگی سے کہے گئے اس جملہ کی مٹھاس آج تک کانوں میں رس گھولتی ہے، نیز متعدد مواقع پر دلجوئی اور حوصلہ افزائی کے ایسے جملے سنے کہ سننے والا خوشی سے پھولا نہ سمائے، بالکل درست ہے کہ دل

والے ہی دل بڑھاتے ہیں، دل ان پر فریفتہ ہوتے ہیں اور وہ دلوں پر حکمرانی کرتے ہیں ۔

محبت کے لیے کچھ خاص دل مخصوص ہوتے ہیں
یہ وہ نغمہ ہے جو ہر ساز پر گایا نہیں جاتا

تواضع اور خاکساری کا یہ عالم تھا کہ دو سال قبل غازی پور ریلوے اسٹیشن پر راحت کے خیال سے وہیل چیر پیش کی گئی، مگر کسی صورت قبول نہ کیا اور یہی فرماتے رہے 'میں چل سکتا ہوں' کسی پروگرام میں تشریف لائے تھے، مدرسہ کی انتظامیہ کی میٹنگ بھی تھی، آپ سے شرکت کی درخواست کی گئی، فرمایا 'جو ارکان ہیں انھیں کو شرکت کرنی چاہیے' رابطہ ادب اسلامی کے سیمینار منعقدہ ۲۰۰۵ء میں تشریف آوری ہوئی، دریائے گنگا کے ساحل پر مدرسہ کی عمارت میں مہمانوں کے قیام کا نظم تھا، انتظامات دیکھے، خوشی کا اظہار فرمایا مگر انتہائی نرمی سے یہ بھی کہا "بہت بہتر ہے، ہم لوگوں کے لیے کوئی مسئلہ نہیں ہے، فلاں صاحب آرہے ہیں ان کے لیے کہیں اور نظم ہو جائے، ان کو تکلیف نہ ہو" جب کہ خود ان سے کم نہ تھے نہ عمر میں اور نہ کسی اعتبار سے۔

بے شک حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ ولی صفت بزرگ تھے، غیبت اور تنقید سے پاک، حلم و بردباری، اعراض اور عفو درگزر کا مزاج رکھتے تھے، بایں ہمہ اگر کوئی قابل اصلاح عمل دیکھتے تو اس سے صرف نظر بھی نہ فرماتے، ندوہ میں خلیجی ممالک سے ایک صاحب وارد ہوئے، وہ صاحب مرتبہ و عہدہ والے تھے، ان کی ضیافتوں کا اہتمام ہونے لگا، ایک صاحب جو میزبانی کرنے والے تھے مولانا کے پاس آگئے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے ان سے نرمی سے ہی مگر دوٹوک انداز میں فرمایا: فلاں صاحب آج آپ کے یہاں مدعو ہیں؟ پھر فرمایا ان حضرات کا اعزاز و اکرام کیجیے، مگر حد سے زیادہ نہیں ورنہ یہ لوگ جا بے جا مشورے دینے لگتے ہیں اور ان کی رعایت میں وہ کام بھی کرنے پڑتے ہیں جو ہمارے شایان شان نہیں ہوتے۔ خدا جانے جن صاحب سے مولانا رحمۃ اللہ علیہ نے یہ بات ارشاد فرمائی تھی انھوں نے کس حد تک عمل کیا، مگر راقم جو کم عمر طالب علم تھا، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا یہ ارشاد اس کے دل میں اتر گیا اور بے حد فخر محسوس ہوا کہ قدرت نے ہم کو ایسے بے نیاز، غیور اور دور اندیش حضرات کے کفش برداروں میں شامل فرمایا، یقیناً یہ صفات بھی مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو ورثہ میں ملی ہوں گی۔ آپ کے ماموں جان حضرت مفکر اسلام رحمۃ اللہ علیہ کا بھی یہی شیوہ تھا۔ اکثر یہ شعر ان کے زیر لب رہتا تھا۔

کرم تیرا کہ بے جوہر نہیں میں — غلام طغرل و سنجر نہیں میں
جہاں بینی میری فطرت ہے لیکن — کسی جمشید کا ساغر نہیں میں

مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس اعتبار سے بے حد خوش نصیب رہے کہ حضرت مفکر اسلام رحمۃ اللہ علیہ جیسی شخصیت کی سرپرستی و نگرانی انھیں نصیب ہوئی اور مفکر ملت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دام ظلہ جیسے ٹوٹ کر چاہنے والے بڑے بھائی انھیں ملے، دونوں بھائی ظاہر میں بھی ایک دوسرے کے مماثل، بھولی بھالی صورت، فرشتہ صفت، دونوں ایک دوسرے پر نثار، قابل صد رشک باہمی انس اور محبت و یگانگت، ایک دوسرے پر فریفتگی، ڈھونڈھنے سے نہ ملے گی، رہنا سہنا، سونا جاگنا، کھانا پینا، ندوہ میں ہوں یا تکیہ پر، خاتون منزل میں ہوں یا سفر و حضر میں، ہر دم ہر لمحہ ایسا ساتھ کہ ایک کے بغیر دوسرے کا تصور محال، گویا ایک جان دو قالب تھے۔ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کو عمر کے اس مرحلہ میں عزیز ترین بھائی کی مفارقت کا غم برداشت کرنا پڑا ہے، یہ ایک بے حد صبر آزما مرحلہ ہے، مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائے اور حضرت والا مدظلہ کو صبر و قرار سے نوازے، صحت و عافیت کے ساتھ قائم رکھے۔

تربیت کا ایک پہلو

"تربیت کے دائرہ میں ایک پہلو اور ہے، وہ اوقات فراغت میں وقت گذاری کا پہلو ہے؛ لٹریچر، قصہ، شعر، ڈرامہ، سفرناموں کی شکل میں اس عنصر کی طرف بھی اسلامی ذہن کے لوگوں کو توجہ دینے کی ضرورت ہے، ایسا لٹریچر تیار کیا جائے جو فاسد لٹریچر کا بدل ہو۔"

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی ؒ

نہ جانے کتنے ستارے نگل گئی ہے سحر

مولانا محمد شاہد خان ندوی (دوحہ-قطر)

۱۶ رجنوری ۲۰۱۹ء کی صبح سورج طلوع ہونے سے قبل ہی غروب ہوگیا، آسمان علم وادب کا ایک ستارہ ہمیشہ کے لیے ڈوب گیا، اس دنیا کے شخص کا نہیں بلکہ پوری ایک نسل کا جنازہ اٹھایا گیا، اس دنیا کا فرد ہم سے رخصت نہیں ہوا بلکہ ہمارے ایک بہت قیمتی عہد کا خاتمہ ہوگیا۔ وہ تنہا نہیں تھا پورا ایک قافلہ تھا، اس کے جانے سے علم وادب، تحقیق وتنقید اور فکر ونظر کی محفلوں پر ویرانی سی چھا گئی ہے، ہر طرف بدحواسی اور اداسی کا منظر ہے، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جیسے وقت کی نبض ڈوب رہی ہو۔ اف! کتنی آزردگی ہے، کیسا سوگوار موسم ہے، اہل ندوہ پر ایسی سوگواری کا موسم دو دہائیوں کے بعد ایک بار پھر پلٹ آیا ہے۔ ہر دل غمگین ہے، ہر آنکھ اشکبار ہے، لوگوں کے چہرے اترے ہوئے ہیں۔ اور ایسا کیوں نہ ہو؟ جانے والا شخص دل دردمند، فکر ارجمند اور زبان ہوش مند کا جامع تھا، ایسی جامعیت بیسویں اور اکیسویں صدی میں بہت کم لوگوں کو نصیب ہوئی ہے۔ وہ قدیم وجدید علوم کا شاور تھا، علوم دینیہ اور علوم عصریہ دونوں پر دسترس رکھتا تھا، وہ بزم ادب کا محرم راز تھا، ایک حقیقت پسند ناقد اور مؤرخ تھا، اس کی زبان میں ادب کی چاشنی اور انشاء پردازی میں غضب کی شگفتگی تھی، وہ فکر اسلامی کا ترجمان اور مغربی تہذیب کے لیے شمشیر بے نیام تھا، وہ اس صحافت کا وارث وامین تھا جس کے علمبردار مولانا ابو الکلام آزاد، مولانا ظفر علی خان اور مولانا محمد علی جوہر جیسے اکابر رہے تھے، وہ "علم بالقلم" کی عملی تفسیر تھا، کتابیں ہی اس کا اوڑھنا بچھونا تھیں، قدیم وجدید کا یہی امتزاج تو ندوۃ العلماء کے قیام کا مقصد تھا۔

مولانا واضح رشید ندوی رحمۃ اللہ علیہ کو پہلی بار میں نے ۱۹۹۲ء میں دیکھا تھا، گورا رنگ، کتابی چہرہ، میانہ قد، سراپا وقار، مجسم متانت، نرم رفتار، شیریں گفتار، چہرے سے معصومیت اور شرافت نمایاں، ایسے بے نفس وبے ضرر انسان کہ انہیں دیکھ کر دل گواہی دیتا کہ یہ چاہ کر بھی کسی کو تکلیف نہیں پہنچا سکتے، سفید کرتا، چوڑی موری کا پاجامہ اور اوپر سے اکثر صدری زیب تن فرماتے، صفائی ستھرائی کا ایسا اہتمام کرتے کہ ڈھونڈھنے سے بھی کہیں کوئی داغ نظر نہ آتا، ایسا لگتا کہ جیسے فرشتوں کی جماعت سے کوئی شخص بچھڑ گیا ہو۔

وہ کم سخن تھے، بلا ضرورت گفتگو کرنا پسند نہیں فرماتے تھے، گویا "خیرُ کلامٍ مَا قلَّ وَدلَّ" کی عملی تفسیر تھے، وہ ایک بہترین معلم اور مربی تھے اور ہمہ وقت یا تو کسی کتاب، اخبار یا جریدے کے مطالعہ میں غرق رہتے یا پھر کچھ لکھنے میں مصروف ہوتے۔

۱۹۹۳ء میں جب میں ندوہ میں عالیہ ثالثہ کا طالب علم تھا، اس وقت پہلی بار مولانا سے استفادہ کا موقع نصیب ہوا، وہ پندرہ روزہ عربی جریدہ "الرائد" کے ایڈیٹر اور ماہنامہ "البعث الاسلامی" کے نائب ایڈیٹر تھے، ان کے ماہانہ کالم "صور وأوضاع" کو ہم لوگ بہت شوق سے پڑھا کرتے تھے اور ڈکشنری کی مدد سے اس کی عبارتوں کو حل کرنے کی کوشش کیا کرتے تھے۔ طلبہ میں یہ احساس عام تھا کہ اگر جدید عربی سیکھنی ہے تو مولانا واضح رشید صاحب کا کالم پڑھنا ضروری ہے، خوش قسمتی سے داخلے کے پہلے ہی سال عالیہ ثالثہ (عربی کی ساتویں جماعت) میں ہمیں ان سے عربی انشاء وتعبیر پڑھنے کا موقع نصیب ہوگیا، مولانا کا طریقہ تدریس وہی تھا جو قدماء کے یہاں رائج رہا ہے، اور جس کی تلقین ہمیشہ سے ماہرین تعلیم کرتے آئے ہیں یعنی بجائے کتاب کے مضمون پڑھانا، مولانا بھی کتاب کے بجائے مضمون پڑھاتے تھے اور چاہتے تھے کہ طلبہ کی رسائی براہ راست مراجع ومصادر تک ہو، وہ اکثر ہم لوگوں کو کوئی موضوع دیتے اور فرماتے کہ آپ لوگ اس موضوع پر چند سطریں اپنے ذہن ودماغ سے لکھیں، الفاظ کے طومار سے

گریز کریں، گھما پھرا کر ایک ہی بات کو بار بار نہ کہیں، اپنی فکر کو واضح انداز میں پیش کریں، جب ہم لوگ اپنی طالب علمانہ بساط کے مطابق استاذ محترم کے سامنے اپنی انشاء پیش کرتے تو وہ فرماتے کہ آپ نے یہ جو ایک صفحہ لکھا ہے اسے آپ چند سطروں میں بھی بیان کر سکتے تھے پھر وہ بہت معمولی اصلاح سے ہر طالب علم کی عربی درست فرما دیتے اور ہر ایک کی سمجھ میں یہ آجاتا کہ اس سے غلطی کہاں ہوئی تھی، آج مجھے عربی زبان کی جو بھی شد بد ہے، اس میں مولانا کا بہت بڑا حصہ ہے، کاش کہ دوسرے اساتذہ بھی ان کی اس روش کی پیروی کرتے تو طلباء کے لیے مفید تر ثابت ہو سکتے تھے۔

پچھلی پانچ دہائیوں میں ندوۃ العلماء کے فضلاء میں شاید ہی کوئی طالب علم ہو جس نے بالواسطہ یا بلاواسطہ ان سے کسب فیض نہ کیا ہو، جو طالب علم بھی ان سے قریب ہو جاتا وہ اسے تراش کر ہیرا بنا دیتے

دوران تدریس وقتاً فوقتاً وہ طلبہ کے سامنے ان کتابوں کی نشاندہی فرماتے جو طالب علمانہ زندگی کے مختلف مراحل میں مفید ہوتیں اور بعض کتابوں پر تنقیدی نظر بھی ڈالتے، اس طرح سے وہ طلبہ میں عربی ذوقِ ادب کو پروان چڑھاتے تھے، ان کے درس میں غیر حاضری کو طلبہ اپنی محرومی تصور کرتے اور بغیر کسی مؤاخذہ کے خوف کے ان کے گھنٹہ میں حاضر رہتے، نرم مزاجی کا یہ عالم تھا کہ ہم نے انھیں کبھی کسی طالب علم کو ڈانٹتے ہوئے نہ دیکھا اور نہ ہی سنا بلکہ جو طالب علم ان سے قریب ہو جاتا وہ ان سے محبت کرنے لگتا اور خود کو ان کا سب سے قریبی سمجھتا، خود ان کا تعلق بھی طلبہ سے غیر معمولی مشفقانہ اور مربیانہ تھا وہ نادار طلبہ کی ضروریات محسوس کر کے ان کی امداد اس طرح فرماتے کہ بائیں ہاتھ تک کو خبر نہ ہوتی۔ بہت سے طلبہ جو طالب علمی کے زمانہ میں ان سے بہت قریب تھے اور ان سے علمی استفادہ کرتے تھے، فراغت کے بعد وہ مادرِ علمی سے کوئی خاص رابطہ نہ رکھ سکے، اور اپنے ان محسن اساتذہ کو بھی بھول گئے جن کی تعلیم و تربیت نے ان کی بے مقصد زندگیوں کو سنوارا تھا، لیکن مولانا اپنے ملاقاتیوں سے برابر ایسے فضلاء ندوہ کی خیریت معلوم کرتے اور ان کی علمی مصروفیات کے بارے میں دریافت کرتے رہتے تھے۔

۱۹۹۳ء کے بعد مولانا کے سارے گھنٹے "کلیۃ اللغۃ" میں شفٹ کر دیے گئے تھے اور چونکہ میں "کلیۃ الشریعۃ" کا طالب علم تھا اس لیے زمانہ طالب علمی میں ایک سال سے زیادہ مولانا سے استفادہ کا موقع نصیب نہ ہوا، "کلیۃ اللغۃ" کے بعض طلبہ جب مولانا کے طریقۂ تدریس، علمی استغراق اور تبحر علمی کی تعریف کرتے تو مجھے اس وقت اپنے "کلیۃ الشریعۃ" میں ہونے کا بے حد افسوس ہوتا اور میں اپنے ان کرم فرماؤں کو بے حد کوستا جن کے مشورے سے میں نے "کلیۃ الشریعۃ" میں داخلہ لیا تھا۔

۱۹۹۷ء میں میں نے ندوۃ العلماء سے فضیلت مکمل کی، اور ۱۹۹۸ء میں ایک سرکاری ملازمت پر قطر آگیا، اس دوران جب بھی ہندستان جانا ہوتا تو وقتاً فوقتاً مادرِ علمی میں بھی حاضری دیتا، لیکن گزشتہ دو سالوں سے محب گرامی مولوی محمد وثیق ندوی جو مولانا مرحوم سے بہت قریب تھے اور ہر وقت سایہ کی طرح ان کے ساتھ رہتے تھے، ان کے توسط سے مولانا کے ساتھ بھی ملاقاتوں کا سلسلہ چل نکلا تھا اور اب یہ ملاقاتیں ہر سفر کا لازمی حصہ بن گئی تھیں، میں جب بھی ملاقات کے لیے حاضر خدمت ہوتا تو وہ پہلے قطر میں مقیم ندوی برادران اور بعض علماء و مشائخ کی خیریت دریافت کرتے پھر میری علمی مصروفیات کے بارے میں پوچھتے، میرے پاس بتانے کے لیے کچھ نہ ہوتا تو مختلف حیلوں اور بہانوں کا سہارا لیتا، وہ ہماری اس اداکاری کو بھانپ لیتے اور پھر لکھنے پڑھنے کی ترغیب دیتے، ایک دفعہ ان کی خدمت میں حاضر ہوا تو فرمانے لگے کہ لکھتے لکھتے ہم لوگوں کا قلم گھس گیا ہے، اب آپ لوگ لکھیے۔

وہ حالات حاضرہ سے پوری طرح باخبر رہتے تھے، عالم اسلام کے خلاف رچی جانے والی سازشوں پر کڑی نظر رکھتے تھے، ہر ملاقات میں وہ دیر تک عالم اسلام اور دنیا کے حالات پر گفتگو فرماتے اور ہمیں یہ دیکھ کر حیرانی ہوتی کہ اس پیرانہ سالی میں بھی وہ دنیا میں رونما ہونے والے حالات و واقعات سے پوری طرح باخبر ہیں۔ مشہور انگریزی اخبارات و جرائد مثلاً: "دی اکنومسٹ" "واشنگٹن پوسٹ" اور "نیویورک ٹائمز" کا مطالعہ تاحیات ان کے معمولات میں شامل رہا، پچھلے دو سالوں سے ان کی بصارت کمزور ہو گئی تھی جس کے سبب براہ راست لکھنا پڑھنا دشوار ہو گیا تھا، اس

کے باوجود انھوں نے کبھی اپنے معمولات کو ترک نہیں کیا، بلکہ اپنے معاونین بالخصوص مولوی محمد وثیق ندوی کا سہارا لے کر ان اخبار و جرائد کے خصوصی کالم کو پڑھوا کر سنتے، وہ اتنے بالغ نظر تھے کہ عالم اسلام میں رونما ہونے والے کسی بھی واقعہ کی تہہ میں چھپے ہوئے استعماری مقاصد کو آسانی سے سمجھ لیتے تھے اور اپنے معروف کالم "صورو اوضاع" میں ان سازشوں کو بے نقاب کرتے تھے۔

ابھی پچھلے دنوں کی بات ہے، اکتوبر ۲۰۱۸ء میں میرا لکھنؤ جانا ہوا، اس سے قبل یہ بتا دینا ضروری ہے کہ میں نے تقریباً دو سال قبل دلی میں "اسکالر پبلشنگ ہاؤس" کے نام سے ایک اشاعتی ادارہ قائم کیا ہے جس کا مقصد عربی اور دوسری زبانوں سے اردو میں ایک ایسا لٹریچر منتقل کرنا ہے جو مسلمانوں کے علمی و فکری جمود کو توڑے اور انہیں ان تحریکوں، تنظیموں اور اداروں سے روشناس کرائے جو دنیا کا ایجنڈا طے کرتے ہیں اور جن سے اردو دنیا عموماً بے خبر ہے، اتنے اہم مقصد کی تکمیل کے لیے کتابوں کا انتخاب مجھ جیسے کم مایہ شخص کے لیے ایک بہت بڑا مسئلہ تھا، میں نے اس سلسلے میں اپنے کچھ ندوی ساتھیوں سے مشورہ کیا تو ہر ایک کی زبان پر صرف مولانا واضح رشید ندوی صاحب کا نام تھا کہ اس سلسلے میں وہی صحیح رہنمائی کر سکتے ہیں۔

چنانچہ ابھی چند ماہ پیشتر اکتوبر ۲۰۱۸ء کو لکھنؤ جانا ہوا اور ۱۸ر اکتوبر ۲۰۱۸ء کو مولانا سے بغرض ملاقات ندوہ کے مہمان خانہ میں حاضر ہوا اور اپنا مدعا عرض کیا، مولانا نے دوسری صبح دفتر میں ملنے کا وقت دیا، حسب وعدہ میں تقریباً ساڑھے آٹھ بجے حاضر خدمت ہو گیا، مولانا نے تقریباً نصف گھنٹے گفتگو فرمائی اور کچھ کتابوں کی نشاندہی کی، اس وقت ایسا محسوس ہو رہا تھا کہ جیسے علم کے سوتے ابل رہے ہوں، عرفان کا دریا بہہ رہا ہو لیکن میرا ہی کشکول گدائی تنگ پڑنے لگا اور میں نے عرض کیا کہ اس سفر کے لیے اتنا زادِ راہ بہت ہے، انشاء اللہ اگلے سفر میں پھر حاضری ہوگی اور پھر آپ کو زحمت دی جائے گی، لیکن قضا و قدر کے فیصلوں کی کسے خبر ہے؟ کسے معلوم تھا کہ یہ ملاقات آخری ہے اور اب دوبارہ اس دنیا میں ان کا دیدار نصیب نہ ہوگا اور ہم لوگ ان کی سرپرستی سے ہمیشہ کے لیے محروم ہو جائیں گے اور وہ ہماری دنیا کو اس طرح ویران و بے نور کر کے چلے جائیں گے۔

یہاں تک مولانا مرحوم کی ان یادوں کا تذکرہ تھا، جن کا تعلق میری ذات سے بھی تھا، لیکن اب ضروری معلوم ہوتا ہے کہ اپنی کم علمی کے اعتراف کے ساتھ ان کی زندگی کے کچھ جستہ جستہ حالات و کمالات پر بھی مختصر اً روشنی ڈالی جائے، ممکن ہے ان کی زندگی میں بہت سے گم گشتہ راہوں کے لیے اصلاح قلب و نظر کا سامان ہو۔

مولانا محمد واضح رشید ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے رائے بریلی کے مشہور علمی، دینی اور دعوتی خانوادہ حسنی میں ۱۹۳۵ء میں آنکھیں کھولیں، یہ خاندان کئی پشتوں سے علماء و مصلحین کا خانوادہ رہا ہے، شمالی ہند میں دین اسلام کی نشر و اشاعت میں ان کی بڑی اہم خدمات رہی ہیں۔

آپ حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ کے بھانجے اور حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی کے برادر خورد تھے، آپ کی نشو و نما ایک علمی و دینی ماحول میں ہوئی، آپ کی پرورش و پرداخت آپ کی نانی مرحومہ (حضرت مولانا علی میاں کی والدہ) کے زیر سایہ ہوئی جو کہ بہت نیک اور خدا ترس خاتون تھیں، ساتھ ہی وہ ایک بہترین معلمہ، مربیہ اور ادیبہ و شاعرہ بھی تھیں، ان کے اندر تربیت کا ایک خاص ملکہ تھا، وہ بچوں کو علماء اور صالحین کے قصے سناتیں، تاریخ اسلام کے مشہور واقعات کا تذکرہ کرتیں، نمازوں کی پابندی کراتیں، غلطیوں پر ٹوکتیں، فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی پر سخت مؤاخذہ کرتیں، گھر میں تمام عورتوں کے ساتھ جہری ذکر و اذکار اور مناجات کا اہتمام کرتیں، ان کے اس مجاہدہ کی وجہ سے بچوں کے ذہنوں میں تاریخ اسلام کی عظمت راسخ ہو جاتی اور ان کے دلوں میں علماء و صالحین سے محبت جڑ پکڑ لیتی۔

ابتدائی تعلیم کے حصول کے بعد آپ ندوۃ العلماء تشریف لائے، یہاں مولانا علی میاں رحمہ اللہ کے بڑے بھائی ڈاکٹر عبد العلی حسنی رحمۃ اللہ علیہ کی زیر نگرانی آپ نے ۱۹۵۱ء میں ندوۃ العلماء سے عالمیت اور پھر تخصص کیا، اس کے بعد علی گڑھ مسلم یونیورسٹی تشریف لے گئے، جہاں سے آپ نے انگلش میں بی اے کی

ڈگری حاصل کی۔

آپ نے جن اساتذہ سے بالواسطہ یا بلاواسطہ کسب فیض کیا، ان میں مولانا ابو الکلام آزاد، مولانا سید سلیمان ندوی، شیخ حلیم عطا سلونی، صاحب مصباح اللغات شیخ عبد الحفیظ بلیاوی، شیخ محمد اسباط، مولانا محبوب الرحمن ازہری ندوی، مولانا عمران خان ندوی، مولانا عبد اللہ عباس ندوی، شیخ محمد اسحاق سندیلوی اور ماسٹر عبد السمیع صدیقی جیسی نابغہ روزگار ہستیوں کے نام شامل ہیں۔

علی گڑھ سے فراغت کے بعد آپ آل انڈیا ریڈیو دلی سے وابستہ ہو گئے، جہاں ۱۹۵۳ء سے لے کر ۱۹۷۳ء تک آپ نے بطور مترجم اور براڈ کاسٹر اپنی خدمات انجام دیں، اس دوران عراق اور شام کے بڑے بڑے ادیبوں اور صحافیوں کے ساتھ آپ کو کام کرنے کا موقع ملا، ان کی صحبت سے آپ نے بھرپور فائدہ اٹھایا، جس کے نتیجے میں آپ کی زبان وقلم پر مزید نکھار آگیا۔

دلی میں قیام کے عرصہ کو آپ نے غنیمت جانا، اس مدت میں آپ وہاں کی بڑی بڑی لائبریریوں سے استفادہ کرتے رہے جن میں جواہر لال نہرو یونیورسٹی، جامعہ ملیہ، مولانا آزاد لائبریری (راج بھون) جیسے کتب خانے کے نام شامل ہیں۔

کتابوں کے علاوہ آپ کا تعلق ان روحانی شخصیات سے بھی مسلسل قائم رہا جو دل کی دنیا کو آباد کرتے تھے، جو صورت گری نہیں بلکہ سیرت گری کرتے تھے، آپ کو جب بھی موقع ملتا آپ ان شخصیات کی صحبت سے فیض اٹھاتے، ان قابل ذکر شخصیات میں شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا سہارنپوری، مولانا عبد القادر رائے پوری، مولانا حسین احمد مدنی، مولانا انعام الحسن کاندھلوی، مولانا ابو اللیث اصلاحی ندوی اور حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہم کے نام نامی شامل ہیں۔

ستر کی دہائی میں ریڈیو اسٹیشن کی سرکاری نوکری سے آپ کا دل اوبنے لگا اور وہاں کے مادیت پرست ماحول سے طبیعت بیزار ہونے لگی، آپ نے اپنی اس کیفیت کا تذکرہ شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ سے کیا، انھوں نے سرکاری نوکری ترک کرنے کا مشورہ دیا، اس کے بعد آپ نے اچھی خاصی ملازمت سے استعفیٰ دے دیا، ان کے استعفیٰ کو حکومت نے مہینوں تک منظور نہیں کیا لیکن جب وضاحت کی گئی کہ یہ استعفیٰ ذاتی وجوہ کی بنیاد پر ہے تب جا کر استعفیٰ قبول ہوا، اس کے بعد ۱۹۷۳ء میں آپ دار العلوم ندوۃ العلماء آگئے اور ایک معمولی مشاہرے پر استاذ ادب کی حیثیت سے از سر نو اپنی زندگی کا آغاز کیا۔

ندوۃ العلماء کی چہار دیواری میں آپ نے اپنی زندگی کے سینتالیس برس جس علمی انہماک، بے لوث خدمت، بے نیازی اور بے غرضی کے ساتھ گزارے وہ آسان نہیں ہے۔

آپ فطرتاً درویش تھے، یہ صلحاء کی صحبت کا اثر تھا کہ طبیعت دنیا طلبی سے بے نیاز ہو گئی تھی، نہ جاہ ومنصب کی طلب تھی، نہ مال ومنال کی خواہش، یہ کیفیت صرف تعلق مع اللہ قائم ہو جانے کے بعد ہی پیدا ہو سکتی ہے، سنت رسول کی اتباع آپ کی زندگی کی اول وآخر خواہش تھی، کتابیں آپ کا اوڑھنا بچھونا تھیں، آپ ذاتی زندگی میں انتہائی متقی اور پرہیزگار انسان تھے، فرائض کے ساتھ سنن ونوافل کا بڑا اہتمام کرتے تھے، چاشت کی نماز پابندی سے پڑھا کرتے تھے، موسم کیسا بھی ہو لیکن ہر حال میں مسجد جا کر باجماعت نماز ادا کرتے تھے، میں نے بارہا مولانا رابع صاحب کو ان کے ساتھ ندوہ کی مسجد میں صلاح ومشورہ کرتے ہوئے دیکھا ہے، اس کی وجہ توفیق خداوندی کی طلب کے سوا اور کیا ہو سکتی ہے۔

اللہ کے راستے میں خرچ کرتے تھے اور دوسروں کو بھی اس کی ترغیب دیتے تھے، قرآن کے ساتھ آپ کا تعلق بہت گہرا تھا، رمضان کے علاوہ عام دنوں میں روزانہ کم از کم دو پارے تلاوت کرتے تھے، قلم اٹھانے سے پہلے تلاوت کلام پاک کا معمول تھا، تاکہ قلم غلطیوں سے محفوظ ہو جائے، آخری عمر میں جب بصارت متاثر ہو گئی تھی، اس وقت دوسروں سے قرآن مجید کی تلاوت سنتے تھے اور اس پر ان کا شکریہ ادا کرتے تھے۔

گرچہ آپ ادب کے استاذ تھے لیکن حدیث پاک سے آپ کا شغف غیر معمولی تھا، احادیث پڑھنے پڑھانے والوں کا آپ بڑا احترام کرتے تھے اور ان کا ذکر بآواز بلند کرتے تھے۔

آپ دنیاوی جاہ ومنصب سے ہمیشہ گریزاں رہے، گوشہ گمنامی

میں رہنے ہی کو ترجیح دی، ہمیشہ خود کو چھپانے کی کوشش میں رہے، لیکن کیا خوشبو کو پھیلنے سے کوئی روک سکتا ہے؟ اس باب شہرت سے دور رہنے کے باوجود اللہ تعالی نے انھیں بے پناہ مقبولیت اور عزت وشہرت سے نوازا۔

انھوں نے ہمیشہ اعتدال کا دامن تھامے رکھا، تاحیات کبھی کوئی متنازعہ بیان نہیں دیا، یہی وجہ ہے کہ وہ طبقہ علماء میں ہمیشہ مقبول رہے۔ آپ نے پوری زندگی حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کے ترجمان کی حیثیت سے گزاری، اپنے قلم کے ذریعہ سے جہاد کرتے رہے، آپ کا اصل موضوع تحقیق وتنقید، تصنیف و تالیف، اور تحلیل وتجزیہ تھا، آپ نے اپنے قلم سے فکر اسلامی کی ترجمانی کی، مغربی تہذیب کے حملوں کا جواب دیا، عربی ادب کے حوالے سے مختلف موضوعات پر کتابیں تصنیف کیں، تقریباً چھ دہائیوں تک آپ کا قلم سچی صحافت کا نقیب رہا۔

آپ اپنے معمولات پر ہمیشہ گامزن رہے، ندویت آپ کے مزاج میں کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، آپ نے زندگی کے بیاسی سال (جو کوئی معمولی مدت نہیں ہے) اس طرح گزارے کہ کبھی کسی کو حرف شکایت کا موقع نہ دیا، اگر یہ دعوی کیا جائے تو غلط نہ ہوگا کہ آج تک کسی ندوی نے کسی کے منہ سے ان کی شکایت نہیں سنی تو مبالغہ نہ ہوگا۔

ہر انسان خطا کار ہے، غلطیاں سب سے ہوتی ہیں، یقیناً مولانا سے بھی غلطیاں ہوئی ہوں گی، لیکن ان کی لغزشوں کو ستار العیوب (عیوب کی پردہ پوشی کرنے والا) ہی جانتا ہوگا، ہمارے سامنے انھوں نے ایک بے داغ زندگی گزاری ہے۔

ہم ایک ایسے دور میں جی رہے ہیں جہاں علم ودانش سے معاندانہ بیگانگی برتی جارہی ہے، عہد جدید کے صنعتی وسائنسی ارتقاء میں فلسفہ وادب کا بظاہر کوئی عمل دخل دکھائی نہیں دیتا، علوم وفنون کے ساتھ سماج نے تاجرانہ رویہ اختیار کرلیا ہے، تعلیمی ادارے ایسے کارخانوں میں تبدیل ہوگئے ہیں جو صرف مادی صنعت وحرفت کے خدمت گزار پیدا کررہے ہیں، دنیا ایک تجارتی منڈی میں تبدیل ہوگئی ہے، مادی ترقی کو معجزہ تسلیم کیا جارہا ہے، تعلیمی اداروں سے اخلاق اور روحانیت کا خاتمہ ہوتا جارہا ہے، ذہنی اور روحانی لذت کا حصول اب مقصد زندگی نہیں رہا، عزت وشہرت کے حصول کے لیے اوچھے ہتھکنڈوں کا استعمال کوئی عیب کی بات نہیں رہی۔

ایسے روح فرسا دور میں ہمارے درمیان سے ایک ایسے شخص کا اچانک چلے جانا کیا اس دور کا سب سے بڑا خسارہ نہیں ہے؟ کیا اس صدی کا سب سے بڑا نوحہ نہیں ہے؟ ایسا شخص جو تقریباً چھ دہائیوں سے اپنا لہو جلا کر چمن کو شاداب کررہا تھا، فکر ونظر کی قندیلیں روشن کررہا تھا، ادب عالیہ اور اخلاق حسنہ کی عملی تصویر پیش کررہا تھا، اس کی رحلت سے جو خلا پیدا ہوا ہے اس کی بھرپائی بظاہر ناممکن ہے، اللہ تعالی سے دعا ہے کہ ملت مرحومہ اور اہل ندوہ کو اس صدمہ کو برداشت کرنے کی ہمت وطاقت بخشے۔

میڈیا شکنجۂ یہود میں

”اس وقت میڈیا پر یہودیوں کا کنٹرول ہے، ہندوستان بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہے، پورے وثوق کے ساتھ یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ ہمارے بڑے اور معروف اخبارات ورسائل پوری طرح سے یہودی میڈیا کے تابع ہیں اور یہ بات ظاہر بھی ہوجاتی ہے، کوئی مضمون یا خط اگر یہودیوں کے خلاف لکھا جاتا ہے تو اس کو شائع کرنے سے انکار کردیا جاتا ہے، بعض وقت اس کی وجہ بھی بتادی جاتی ہے، لیکن زیادہ تر خاموشی ہی اختیار رکھی جاتی ہے، اخباروں میں ایسی خبریں بھی آتی ہیں کہ گویا ہمارے اکثر اخبارات آزاد ہیں، اور امریکی اشارہ کے پابند نہیں ہیں، کیونکہ خود امریکہ کا پریس یہودیوں کے قبضہ میں ہے، اور امریکہ کی گردن یہودیوں کی گرفت میں ہے، انہوں نے میڈیا اور اقتصادیات کے ذریعہ بڑی طاقتوں کو اپنا ماتحت بنالیا ہے، یہی وجہ ہے کہ ہم صحیح صورت حال سے واقف نہیں ہوسکتے۔“

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی ؒ

مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ تجھے

مولانا فیصل احمد ندوی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء۔لکھنؤ)

دن دو دن نہیں، ہفتہ دو ہفتے نہیں، ماہ دو ماہ نہیں پورے دو سال گزر گئے اور میں نے ان کو بولتے ہوئے نہیں دیکھا، کبھی جلسے ہوئے مختلف پروگرام منعقد ہوئے، لیکن کبھی اسٹیج پر نظر نہیں آئے، قیام گاہ سے مسجد، آفس سے کلاس روم، انہیں کے درمیان وہ خاموش آتے جاتے نظر آتے تھے۔ نہ ان کے جلو میں ہجوم عاشقاں، نہ ان کے آفس میں بھیڑ بھڑکا، نہ کوئی ازدحام، نہ کہیں دھوم دھام۔ ایک سنجیدہ پیکر، ایک باوقار وجود، ایک خاموش طبیعت اور ایک پر سکون مزاج کی حامل شخصیت، مگر اس کے ساتھ ایک دوررس نگاہ، ایک حقیقت پسند دماغ اور ایک دردمند دل، یہ تھا مولانا کا سراپا۔

تقریباً دو سال کے بعد تکیہ کلاں رائے بریلی میں جب ہم حضرت مولانا علی میاں کی خدمت میں رمضان المبارک گزارنے کے لیے قیام پذیر تھے، شاید اس زمانے میں پہلی دفعہ رو در رو گفتگو کا موقع ملا تھا اور وہ ہمارے ایک عربی مضمون کی اصلاح کے سلسلے میں، مولانا نے اس پر ایک نظر ڈال کر یہ مختصر مگر جامع تبصرہ کرتے ہوئے واپس کر دیا تھا کہ یہ زمانہ اسلوب خطابی کا نہیں!

پھر اگلے سال مولانا سے براہ راست تلمذ کا شرف حاصل ہوا، مولانا ہمیں "الغزو الفکری" اور "الصحافۃ العربیہ" کے موضوع پر محاضرات دیتے تھے، وہ کسی موضوع پر بولتے دھیمے انداز سے مسلسل بولتے تھے، وہ عموماً نئی معلومات کا دریا بہا دیتے تھے، ان کے درس کے بعد ہر کسی کو محسوس ہوتا کہ اس کی معلومات میں خاصا اضافہ ہوا ہے، ساتھ ساتھ یہ احساس بھی ہوتا کہ یہ معلومات اتنی آسانی سے شاید کہیں نہ ملیں، درس کے دوران میں وہ فکر اسلامی کے مختلف مکاتب و مدارس سے روشناس کراتے، صحافت کے خط و خال اور اہداف و مقاصد سے واقف کراتے، خلافت عثمانیہ کے سقوط کے بعد عالم اسلام کے جو حصے بخرے کیے گئے اور پھر ان ممالک کی جو درگت بنائی گئی، بالخصوص مصر و شام اور لیبیا اور الجزائر وغیرہ میں سامراجیوں نے جو کھیل کھیلا اور جو مسلسل جاری ہے، پورے جوش و جذبے اور سوز دروں کے ساتھ اس کے دریچے کھول دیتے اور حقائق کے پردے وا کر دیتے کہ آنکھیں کھل جاتیں۔ ان موضوعات پر مولانا کے چند محاضرات بھی کوئی سن لیتا تو میڈیا کی حقیقت اس کی سمجھ میں آتی، وہ ذرائع ابلاغ کی مکمع سازیوں اور فریب کاریوں کو دلائل کے ساتھ اس طرح بیان کرتے کہ سننے والا نہ صرف یہ کہ متاثر ہوتا بلکہ ہمیشہ کے لیے متنبہ ہو جاتا۔ ان کا ایک ایک درس کئی کتابوں کا نچوڑ اور کئی دماغوں کا کشیدہ عطر ہوتا، فکر اسلامی کا اتنا ٹھوس مطالعہ کرنے والا اور مغربی افکار پر اتنی گہری نظر رکھنے والا مشکل سے ملے گا۔

وہ اکثر خاموش نظر آتے، مگر ان کی خاموشی "خموشی معنی دارد" کی مصداق تھی۔ وہ عربی کے صاحب طرز ادیب، اردو کے ماہر اور انگریزی پر قادر تھے، پڑھتے تینوں زبانوں میں تھے، مگر لکھتے رہے صرف عربی میں، براہِ راست ان کی اردو تحریریں نہ ہونے کے برابر ہیں۔

عملی زندگی کا آغاز صحافت سے کیا اور بامقصد صحافت ان کی زندگی کا نمایاں عنوان رہا، ان کا اسلوب نہایت ٹھوس، سنجیدہ مگر شوخی آمیز تھا، معاصر ادبی و صحافتی تعبیرات پوری طرح ان کی گرفت میں تھیں، ان کے تجزیے نہایت جچے تلے اور دقتِ نظری کے غماز ہوتے، وہ فکر میں یگانہ، صحافت میں منفرد اور تجزیہ نگاری میں یکتا تھے

ادبی مہارت اور خدمات، صحافتی کمال اور کردار، فکر اسلامی کا تعقل اور ترجمانی اور مغربی افکار و نظریات سے گہری واقفیت اور ان کے ابطال و تردید کے لیے سعی پیہم، یہ مولانا کی شخصیت کے عناصر اربعہ ہیں۔

اس سے قطع نظر مولانا متعدد خوبیوں سے آراستہ اور مختلف

خصوصیات سے متصف تھے، نفع رسانی ان کے مزاج میں داخل تھی، خواہ درس میں مواد کی فراہمی کی صورت میں ہو یا مضامین کی اصلاح و درستی کے ذریعے، یا اچھی فکری کتابوں کی رہنمائی کی شکل میں ہو، یا اپنی توجہ سے خوابیدہ صلاحیتیں بیدار کرکے، یا خود اپنے فکری و دعوتی مضامین کی سیج تیار کرکے، غرض وہ دوسروں کو کچھ دینا اور انھیں فائدہ پہنچانا چاہتے تھے۔

ان کی ایک بڑی خوبی قدردانی اور ہمت افزائی تھی، وہ اس معاملے میں دوسروں سے بہت آگے تھے، ہمیں ذاتی طور پر اس کا کئی دفعہ تجربہ ہوا، ہم نے کچھ عرصے قبل ماہ نامہ "ساحل" کراچی کے کچھ شمارے پیش کیے، جن میں مغرب کے بارے میں بہت سے حقائق کی پردہ دری بنیادی مآخذ کی روشنی میں کی گئی تھی، مولانا نے اس کی بڑی قدر کی اور فرمایا اس کی معلومات اور جینئل ہیں۔ ہم ندوے کے تعلیمی اور انتظامی امور کے بارے میں کچھ مشورہ دیتے تو اس کی بڑی قدر کرتے اور الگ سے بھی ہم سے اس کا ذکر کرتے کہ آپ نے بہت اچھے مشورے دیے ہیں، کبھی حضرت ناظم صاحب سے فرماتے کہ ان کو ماشاء اللہ ندوے کی بڑی فکر ہے۔

ہماری کتاب تحریک آزادی میں علماء کا کردار (۱۸۵۷ء سے پہلے) جب سامنے آئی تو فرمایا: اس پر انھیں پی ایچ ڈی کی ڈگری ملنی چاہیے، اسی طرح مشاہیر اہل علم کی محسن کتابیں ہماری تحقیق و حواشی کے ساتھ شائع ہوئی تو اپنے برادر معظم حضرت مولانا محمد رابع صاحب سے کہنے لگے: آپ ان کو اس کام پر پی ایچ ڈی کی ڈگری کیوں نہیں دیتے؟ کئی دفعہ ہم سے کہا: آپ جو خاموشی سے علمی تحقیقی کاموں میں لگے ہوئے ہیں بہت اچھا کرتے ہیں۔ لوگ دھواں دار تقریریں کرتے ہیں، ان کا کیا حاصل؟ یہ باتیں وقتی ہوتی ہیں۔ ہم اہلِ علم و فضل اور اہل صلاح و تقویٰ کی خدمت میں وقتاً فوقتاً حاضری دینے کی کوشش کرتے ہیں، اس کو بھی بہت سراہتے، غرض ان سے وابستہ تمام لوگوں کو اس کا تجربہ ہوگا کہ حوصلہ افزائی کے معاملے میں مولانا کس قدر فراخ دل تھے۔

جہاں تک ان کے ذاتی اخلاق کا تعلق ہے تو وہ تواضع اور سادگی کا ایک نمونہ تھے، ترفع اور رکھ رکھاؤ کا ان کے یہاں گزر بھی نہیں تھا، خلوت گزینی کی ایک مثال تھے، مجلس آرائی کا ان پر سایہ بھی نہیں پڑا تھا، لایعنی اور فضول گوئی سے بالکل محترز، کم سخنی اتنی کہ نئے آدمی کو بے سخنی کا شبہ ہو جائے۔ اسی کے ساتھ تلاوت، ذکر اذکار، نوافل اور مسجد کی جماعت کے بڑے پابند تھے، باوجود یہ کہ حضرت مولانا کی طبیعت خراب ہونے کی وجہ سے کبھی مہمان خانے میں جماعت ہوتی، لیکن وہ مسجد ہی حاضر ہوتے۔

غرض وہ ایک نہایت بیش قیمت جوہر تھے، مدتوں بعد ایک ستارہ افق پر نمودار ہوا تھا، اب وہ ہمیشہ کے لیے غروب ہو گیا ہے، قدرت کی شان نرالی ہے، موت کا معاملہ بھی عجیب ہے، ابھی تو چند گھنٹے قبل ہماری ملاقات ہوئی ہے، ہشاش بشاش، بیماری کا بظاہر کوئی اثر نہیں، مغرب بعد ہی ششماہی کی چھٹیاں ختم کرکے ہم ندوہ پہنچے تھے، عشاء کے بعد مہمان خانے داخل ہوئے کہ دونوں بزرگوں سے ملاقات کر ہی لیں کہ کبھی بروقت ملاقات نہ ہو تو تاخیر ہو جاتی ہے، دونوں بھائی اپنی اپنی چارپائی پر خوش و خرم تھے، حضرت مولانا رابع صاحب سے مصافحے اور خیریت دریافت کرکے ہم مولانا واضح صاحب کی طرف بڑھے، مصافحہ کیا، خیر خیریت دریافت کی، فرمایا کہ طبیعت اب ٹھیک ہے (معلوم ہوا تھا کہ دو دن قبل طبیعت کچھ خراب ہوئی تھی، اس لیے خصوصی طور پر خیریت معلوم کی تھی) مولانا نے بیٹھنے کے لیے کہا تو انہیں کی چارپائی کے کنارے ہم بیٹھ گئے، خوشی خوشی کچھ باتیں کرتے رہے، ایک بات یہ بھی فرمائی: آپ سب لوگ چلے گئے تھے اور ہم یہاں قلعے کی حفاظت کر رہے تھے، کیا معلوم تھا کہ اس قلعے کے محافظ سے یہ آخری ملاقات ہوگی، وہ پیغام دینا چاہتے تھے کہ اس تعلیمی و تربیتی قلعے کی حفاظت کی کتنی ضرورت ہے، چھٹیوں کے موقع پر گھر جاتے ہوئے جب ہم ملنے جاتے تو کئی دفعہ یہ فرمایا: جا رہے ہیں، یہاں کون رہے گا؟ جب ہم کبھی چھٹی میں رک جاتے تو بہت خوش ہوتے۔

غرض، ایک روشن دماغ تھا نہ رہا، ایک دھڑکتا دل تھا تھم گیا، ایک توانا قلم ٹوٹ گیا، ایک مضبوط سہارا چھوٹ گیا، ایک آبشار رک گیا، ایک چشمۂ حیواں خشک ہو گیا، ایک چمکتا تارہ ہمیشہ کے لیے روپوش ہو گیا، اور سب حسرت و الم سے دیکھتے اور منہ تکتے رہ گئے۔

چمن سے جو وہ گلبدن بڑھ گیا　　چراغِ بہارِ چمن بڑھ گیا

پاکیزہ زندگی - پاکیزہ موت

مولانا عبید القادر ندوی (بنگلہ دیش)

الحمد للہ والصلاۃ والسلام علی رسول اللہ وعلی آلہ وأصحابہ أجمعین، أما بعد! فأعوذ باللہ من الشیطن الرجیم، بسم اللہ الرحمن الرحیم؛ "مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ فَمِنْهُم مَّن قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُم مَّن يَنتَظِرُ وَمَا بَدَّلُوا تَبْدِيْلًا" صدق اللہ العظیم۔

۱۶؍جنوری کو صبح تقریباً آٹھ بجے ایک دیرینہ دوست مولانا محمد یحییٰ ندوی بانسکاکھالوی صاحب کا سالوں بعد اچانک فون اس حالت میں آیا کہ میں اسپتال میں تھا، اور قبل ناشتہ شوگر کا ٹیسٹ کرایا اور ناشتہ کے بعد دوسرے ٹیسٹ کا منتظر تھا، آواز آئی کہ حضرت مولانا سید واضح رشید حسنیؒ کا صبح کے وقت انتقال ہوگیا، یہ سن کر مجھ پر وہ حالت طاری ہوئی جو ۱۹۹۹ء میں ۳۱؍دسمبر کو تقریباً گیارہ بجے جب میں اور مولانا ابورضا ندوی (ایم پی صاحب) ایک ہی ساتھ دبئی تھے اور دبئی کے ایک ہوٹل میں سو رہے تھے، اچانک مولانا امین ندوی بریلی کا فون آیا، میں نے اٹھایا، انہیں نے کہا؛ سو رہے ہیں؟ معلوم ہے کیا ہوا؟ حضرت مولانا علی میاںؒ کا انتقال ہوگیا ہے، سنتے ہی میں چلا اٹھا اور روتے روتے مجھ پر بے ہوشی کی حالت طاری ہوگئی، میری دل سوز اور دل دوز آواز کو سن کر مولانا ابورضا ندوی صاحب کی نیند ٹوٹ گئی اور فون کا ریسیور اپنے ہاتھ میں لے کر پوری بات سنی اور مجھے کہا؛ صبر کرو صبر کرو، حالانکہ وہ خود بھی رو رہے تھے، لیکن وہ بڑے تھے، سنجیدہ تھے، اس لیے ضبط کے ساتھ مجھ سے کہا؛ رونا بند کرو، صبر کرو، اور دوکان سے موبائل کا کارڈ لے آؤ، میں نے انہیں لا کر دیا، تو انہوں نے دنیا کی بڑی بڑی شخصیتوں مثلاً؛ علامہ یوسف قرضاوی وغیرہ کو اطلاع دینی شروع کردی اور میں نے بھی بنگلہ دیش اور مختلف جگہوں پر اطلاع دی اور دعا کی درخواست کی اور جمعہ کے وقت قریب والی دبئی کی ایک جامع مسجد میں نماز کے بعد میں نے کھڑے ہوکر خود اعلان کیا اور سب نے دعا کی۔

حضرت مولانا واضح رشیدؒ کی یہ خبر سن کر تقریباً میری وہی حالت ہوگئی کہ ڈاکٹر کو دکھانا، ناشتہ کے بعد دوسرا ٹیسٹ کرانا سب بھول گیا، فوراً استاذ گرامی حضرت مولانا سید بلال عبدالحی حسنی مدظلہ کو فون کیا، کسی بچہ نے اٹھایا لیکن کوئی صاف بات نہیں ہوپائی، پھر استاذ حدیث حضرت مولانا نیاز احمد ندوی صاحب مدظلہ کو فون کیا اور پوری تفصیل معلوم ہوئی، اس کے بعد "البراق ٹریول ایجنسی" کو فون کیا تاکہ جنازہ میں شرکت کے لیے ٹکٹ بنوایا جاسکے، مگر انہوں نے کہا: سنارگاؤں سے ایرپورٹ تک پہنچنے کے لیے تین گھنٹہ کی ضرورت ہے، اور انٹرنیشنل فلائٹ کے لیے دو گھنٹہ پہلے پہنچنا ضروری ہے، اب تو جنازہ کا وقت پانچ گھنٹہ بھی باقی نہیں رہا، چہ جائیکہ جہاز اسی وقت مل جائے اور آپ لکھنؤ پہنچ جائیں، یہ کیسے ممکن ہے، اس سے بہتر ہے کہ آپ یہاں رہ کر مدرسہ کے طلبہ، اساتذہ اور محبین اور متعلقین کو ساتھ لے کر ان کے لیے دعائے مغفرت کریں، لیکن میرے اضطرار اور اضطراب کی حالت یہ تھی کہ میں کسی طرح ماننے کے لیے تیار نہیں تھا، پھر میں نے کہا: تدفین میں شرکت کے لیے کوئی صورت نکالیے، انہوں نے فلائٹ کا شیڈول دیکھا، معلوم ہوا کہ ڈھاکہ، کلکتہ، دہلی، لکھنؤ سے ہوتے ہوئے رائے بریلی پہنچنے کے لیے دوسرے دن ۳ بجے تک کی ضرورت ہے، کلکتہ، لکھنؤ تک براہ راست کوئی فلائٹ اس وقت نہیں تھی، اور اس کی قیمت ۳۵؍ہزار تھی، میں نے کہا: پیسوں کی پرواہ نہ کرو، بس آپ مجھے تدفین میں شریک کروادو، انہوں نے کہا: اس کی کوئی صورت نہیں ہوسکتی، بالآخر مایوس ہوکر محروم رہا، اور بے حد افسوس اور قلق کے ساتھ مدرسۃ

الشرف کے اساتذہ اور طلبہ کو اطلاع دی اور دعائے مغفرت کا اہتمام کیا، اس وقت مختلف ندوی حضرات نے مثلاً: مولانا عبد الرزاق ندوی، مولانا جمیم الدین ندوی، مولانا یحییٰ یوسف ندوی، مولانا حبیب الرحمن منیر ندوی اور مولانا عبید اللہ ندوی وغیرہ نے تعزیت کے لیے میرے پاس فون کرنا شروع کر دیا، وہ مجھے اس طرح فون کر رہے تھے کہ گویا میں حضرت مولانا واضح صاحبؒ کے خاندان کا کوئی فرزند ہوں، اور مجھ سے تعزیت کرنی ضروری ہے، سبھی حضرات تسلی دے رہے تھے اور تسلی لے رہے تھے اور سب کی آواز میں ایک طرح کی رقت، افسردگی اور بے چارگی محسوس ہو رہی تھی، یہ کیوں نہ ہوتی، مولاناؒ کا جو احسان ہم سب پر ہے اس کا تقاضا یہی تھا، اس وقت تو ہم رائے بریلی کی حاضری سے محروم رہے، لیکن اس کے بعد قلبی تقاضہ کی وجہ سے بعض الجھے ہوئے مسائل کو سلجھا کر جلدی سے جلدی تعزیت و زیارت کے لیے سفر رائے بریلی پر روانہ ہوئے، ہمارا یہ سفر ۲۴ رتاریخ بروز جمعرات کو شروع ہوا، اور الحمد للہ ہم اگلے دن بخیر و عافیت ندوۃ العلماء پہنچ گئے، وہاں پہنچ کر پہلے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی مدظلہ سے ملاقات کی اور ان کی صحبت میں جمعہ اور سنیچر کی شام تک رہے، پھر مولانا سید بلال حسنی صاحب کی معیت میں رائے بریلی گئے اور وہاں ایک روز قیام کیا اور پہلے حضرت مولانا واضح رشید حسنیؒ کی تربت پر حاضر ہو کر ایصال ثواب کیا پھر مولانا علی میاںؒ و مولانا عبد اللہ حسنیؒ کی قبر پر حاضری دی اور دعائے مغفرت فرمائی، اس کے بعد لکھنؤ واپس ہوا اور حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی مدظلہ کی خدمت میں حاضر ہوا اور یہی روز قیام رہا، اس درمیان حضرت سے خاص استفادہ کیا اور ان کی دعائیں حاصل کیں، حضرت مدظلہ نے بروز منگل بعد نماز ظہر مہمان خانہ میں ہمیں از راہ شفقت اجازت و خلافت سے بھی نوازا، بلاشبہ یہ حضرت کی محبت اور ذرہ نوازی کی بات تھی، ورنہ احقر اپنے کو ہر طرح سے نا اہل محسوس کرتا ہے، الغرض کم و بیش ایک ہفتہ حضرت مدظلہ کی صحبتوں اور مجالس سے فیضیاب ہوا، اور انشاء اللہ کل بروز بدھ ۳۰ رتاریخ کو ندوۃ العلماء سے وطن کی طرف روانہ ہونے کا ارادہ ہے۔

استاذ محترم حضرت مولانا واضح رشید حسنیؒ بلاشبہ بڑے لوگوں میں سے تھے، مولانا کی تواضع، ان کی خود شکستگی و منکسر المزاجی، ان کی خود داری و نفاست پسندی اور خرد نوازی مثالی اور نمایاں تھی، اللہ پاک نے آپ کو متنوع کمالات اور گوناگوں خصوصیات سے نوازا تھا، حضرتؒ کا اپنے تلامذہ اور شاگردوں سے بڑا ربط و تعلق رہتا تھا، ہر طرح سے ان کی رہنمائی اور دست گیری فرماتے، ان کی حوصلہ افزائی کرتے اور ان کی مخفی صلاحیتوں اور پوشیدہ جواہر کو ظاہر کرنے کی ہر ممکن تدبیر کرتے، عاجز کو بھی اچھے خاصے وقت تک ان سے پڑھنے کا شرف حاصل ہوا، ان کی تدریس کا انداز بڑا انوکھا تھا، افہام و تفہیم کی بڑی صلاحیت پائی تھی، مشکل اور پیچیدہ مسائل کو اس عمدگی اور عام فہم انداز میں سمجھاتے تھے کہ غبی سے غبی طالب علم کو بھی سمجھنے میں کسی قسم کی دشواری نہ ہوتی، چونکہ مولاناؒ کا اصل میدان عربی زبان و ادب تھا، اس لیے اس تعلق سے طلبہ کو مفید معلومات سے نوازتے، انہیں ادب کی بنیادی اور اہم کتابوں کی طرف متوجہ کرتے، اور ادب کے دقائق و علم سے روشناس کراتے، صحافت و انشاء پردازی کے اسرار و رموز سے آگاہ کرتے، اور لکھنے لکھانے کا شوق پیدا کرتے، کبھی کبھی درجہ میں اعلان کرتے کہ عربی میں کچھ بھی قلم برداشتہ لکھ کر دکھاؤ، طلبہ اپنے ذہن و مزاج کے مطابق کچھ نہ کچھ لکھتے اور حضرت سے تصحیح کراتے، حضرت کے ہاں تربیت و اصلاح کے معاملہ میں کوئی رعایت نہیں تھی، طلبہ کی تہذیب و ثقافت اور وضع و قطع کی طرف بڑی باریک بینی سے نگاہ کرتے، اور غلطی کرنے پر فہمائش اور اصلاح بھی کرتے تھے، چونکہ حضرت نے دونوں مناہج تعلیم سے استفادہ کیا تھا، ندوۃ العلماء میں پڑھنے کے علاوہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں بھی تعلیم حاصل کی تھی، نیز آل انڈیا ریڈیو دہلی میں بھی ایک مدت تک ملازم رہے تھے، اس لیے آپ مغربی تہذیب و ثقافت کی کجیوں اور خامیوں سے بخوبی واقف تھے، آپ نے اس تہذیب کا گہرائی سے مطالعہ کیا تھا، اس لیے طلبہ کو برابر اس کی خامیوں سے آگاہ کرتے رہتے اور انہیں اسلامی تہذیب و دینی شناخت کا حامل بنانے کی مخلصانہ سعی فرماتے، مناسب انداز

اور الگ الگ پیرایہ میں ان کے سامنے اسلامی تہذیب کی بالادستی اور برتری بیان کرتے اور انہیں اس کے ساتھ وفاداری کا معاملہ کرنے کی تلقین کرتے، مولانا جہاں بڑے درجہ کے صحافی، ماہر معلم، باکمال مدرس، انشاء پرداز ادیب اور عمدہ تجزیہ نگار تھے، وہیں ایک ربانی عالم، خدارسیدہ بزرگ اور بااخلاق انسان بھی تھے، اللہ پاک نے آپ کی بزرگی اور پرہیزگاری کو آپ کے علمی پردہ میں چھپادیا تھا، ہمیشہ خندہ پیشانی سے ملنا، مہمانوں کا اکرام کرنا، کمزوروں کی مدد کرنا اور غریبوں و مفلسوں کو عطا کرنا، مولانا کی نمایاں خصوصیات میں سے ہیں، ہم جب بھی ملاقات کے لیے حاضر ہوتے تو بڑی خوشی کا اظہار فرماتے اور اپنے منفرد لہجہ و دل فریب انداز میں ہمیں یہ کہہ کر مخاطب کرتے: فلاں مولوی صاحب آگئے جنہوں نے علم دین اور بڑوں کے حکم کی خاطر قید و بند کی صعوبتیں برداشت کی ہیں، یہ ایک تفصیل طلب واقعہ ہے جس کی طرف وہ اشارہ فرمایا کرتے تھے، پھر احوال وکوائف سے باخبر ہوکر قیمتی نصیحتیں بھی فرماتے، ہماری خدمات کے متعلق معلوم کرتے اور کارگزاری سن کر بڑی خوشی کا اظہار کرتے اور ڈھیروں دعاؤں سے نوازتے، حضرت کا ہمارے مدرسہ سے خاص تعلق تھا، وہ برابر مدرسہ کی خبرگیری فرماتے رہتے اور انہوں نے از راہ شفقت مدرسہ کا عربی تعارف نامہ دیکھا اور اس میں قدرے ترمیم و تصحیح کا عمل بھی انجام دیا، چونکہ ہم شروع میں حضرت کے وطن مالوف رائے بریلی کے مدرسہ ضیاء العلوم میں پڑھتے تھے، اس لیے حضرت کو زیادہ قریب سے دیکھنے کا موقع ملا، جلوت وخلوت میں ان کی روشن زندگی دیکھی اور بڑا اثر لیا، ہمارا بنگلہ دیش سے تعلق ہونے کی بنا پر ہماری اردو کمزور تھی، اس سلسلہ میں مولانا کی صحبت اس خاندان کی معیت کی وجہ سے ایک حد تک درست ہوگئی، ہمارا وہیں حضرت سے خصوصی تعلق قائم ہوگیا تھا، جو ندوۃ العلماء آنے کے بعد نہ صرف برقرار رہا بلکہ گردش ایام کے ساتھ ساتھ مضبوط اور مستحکم ہوتا گیا، ہمیں ہمیشہ سے مولانا سے بڑی انسیت ومحبت تھی، مولانا کا بھی ہم سے خصوصی تعلق رہا، وہ ہماری کوششوں کو سراہتے اور حوصلہ افزائی فرماتے، ابھی حال ہی میں عصری تعلیم کے ساتھ دینی تعلیم کے لیے ایک نیا اسکول ہم نے شروع کیا، اس کا نام بھی حضرت مولانا واضح رشیدؒ نے "علی میاں انسٹی ٹیوٹ" کے نام سے نامزد کیا اور فرمایا: جب تک یہ اسکول رہے گا، مولانا کا نام بھی باقی رہے گا، مولانا کی زندگی جہاں نفاست پسندی اور اصول و روایات کی پاس داری ومحافظت سے عبارت تھی، وہیں ان کی وفات بھی بڑی پرسکون، صاف وشفاف اور معذوریوں سے پاک تھی، نہ صاحب فراش رہے، نہ محتاجی اور معذوری کی وجہ سے دوسروں پر بوجھ بنے، بلکہ محض مختصر علالت کے بعد جان جانِ آفرین کے سپرد کی، بلاشبہ مولانا مؤمنین کے اس طبقہ سے تعلق رکھتے تھے جنہوں نے اللہ پاک سے کیے ہوئے وعدہ کو بحسن وخوبی پورا کیا، اور دین پر استقامت، عشق الٰہی ومحبت رسول میں آگے رہے اور اتباع سنت میں نمایاں رہے، یقیناً ان کی پاکیزہ زندگی دوسروں کے لیے مشعل راہ اور خضر طریق ہے، اللہ پاک ان کی مغفرت فرمائے، درجات بلند فرمائے اور ان کی تمام علمی، ادبی، اصلاحی اور صحافتی خدمات کو شرف قبول بخشے، امت کو ان کا نعم البدل عطا فرمائے اور ہم سب کے مربی و استاذ مرشدی حضرت مولانا سید رابع حسنی مدظلہ کو صحت وتندرستی کے ساتھ طویل عمر عطا فرمائے۔ آمین

وسائل ابلاغ کا صحیح استعمال

"یہ دور نشر واشاعت اور اظہار رائے کی آزادی کا دور ہے، اور اس کے لیے وسائل نشر واشاعت اور ابلاغ بڑے معاون ہیں، پہلے یہ وسائل بڑے محدود تھے، اب ہر شخص کو میسر ہیں، مگر یہ وسائل ایسی طاقتوں کے کنٹرول میں ہیں جن کا تصور مفاد پرستی اور غلبہ حاصل کرنے کا ہے، اس کی وجہ سے بعض وقت حقائق غلط ترجمانی کی نذر ہوجاتے ہیں، ایسی صورت میں ضرورت ہوتی ہے ایسے اہل قلم کی جو حقائق کی نشاندہی کرسکیں، حقیقت کا اظہار کریں اور اس کے لیے ایسا اسلوب اختیار کریں جس کو ہر سطح کے پڑھنے والے سمجھ سکیں اور اثر لیں۔"

● حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

شخصیت کے نمایاں پہلو

ڈاکٹر محمد مبین سلیم ندوی (مسلم یونیورسٹی-علی گڑھ)

تمہید: مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی ہندوستان کے عربی ادب و زبان کے ماہر، انگریزی زبان و ادب کے فاضل، سلوک و احسان اور ظاہری علوم کے جامع، جدید و قدیم کے سنگم، معتدل فکر کے حامل، مغربی تہذیب کے شناسا و غواص، حسن اخلاق کے پیکر اور منہج حسنی کے پاسباں و امین تھے۔

مولاناؒ کی شخصیت متنوع خصوصیات اور امتیازات سے متصف تھی۔ زمانہ طالب علمی سے لے کر بعد تک مولانا کو بہت قریب سے دیکھا تو ہر وقت آپ کی شخصیت کو سنجیدہ، ثابت قدم، پر وقار، پرسکون، ہشاش بشاش، امت کی فکر میں کھویا ہوا پایا۔ بات مختصر مگر جامع، کبھی ذکر و اذکار اور تزکیہ نفس کے اہتمام میں، کبھی تلاوت قرآن اور فہم معانی میں، کبھی مطالعہ اسباق میں، کبھی وعظ و نصیحت میں، کبھی درس و تدریس میں، کبھی علمی تحقیق و تصنیف میں، کبھی شاگردوں کی تربیت میں مصروف تو کبھی الرائد اور الرابطہ جیسے مجلات کے مقالات میں محو، کبھی ادبی و نفع بخش سیمینار و کانفرسوں میں شرکت تو کبھی ندوہ کے انتظامی امور میں اپنا کردار ادا کرتے ہوئے پایا۔ الغرض زندگی کا ہر لمحہ رضائے الٰہی اور انسانوں کو نفع رسانی میں خرچ ہوا یہاں تک کے آپ بروز بدھ مؤرخہ ۹ر جمادی الاولی ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۶ر جنوری کی صبح فجر کی اذان کے وقت اپنے رب سے جا ملے اور قرآنی آیت کے مصداق بن گئے۔ ارشاد ربانی ہے: ﴿يَاأَيَّتُهَا النَّفْسُ الْمُطْمَئِنَّةُ، ارْجِعِيْ إِلٰى رَبِّكِ رَاضِيَةً مَّرْضِيَّةً، فَادْخُلِيْ فِيْ عِبٰدِيْ، وَادْخُلِيْ جَنَّتِيْ﴾

"اے اطمینان والی روح! تو اپنے پروردگار (کے جوار رحمت) کی طرف چل، اس طرح سے کہ تو اس سے خوش اور وہ تجھ سے خوش پھر (ادھر چل کر) تو میرے (خاص) بندوں میں شامل ہو جا (کہ یہ بھی نعمت روحانی ہے) اور میری جنت میں داخل ہو جا"

یہاں مولاناؒ کی مختصر حیات و خدمات کے بعد آپ کی شخصیت کے نمایاں پہلوؤں کو تحریر کیا جاتا ہے؛

آپ کا نام: سید محمد واضح، والد کا نام؛ سید رشید، حسنی النسب، آپ کی ولادت ۲ر نومبر ۱۹۳۳ء میں تکیہ دائرہ شاہ علم اللہ ضلع رائے بریلی یوپی ہندوستان میں ہوئی، دین، صلاح و تقوی، احسان و سلوک اور شریف النسب ہونے میں آپ کے خاندان کو نمایاں حیثیت حاصل ہے۔

تعلیم و تربیت: بنیادی تعلیم اپنے وطن رائے بریلی میں ہوئی، اس کے بعد علوم دینیہ کی تکمیل کے لیے دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ تشریف لے گئے اور دینی اور عربی ادب کی تعلیم حاصل کر کے ۱۹۵۱ء میں فراغت حاصل کی۔ دینی تعلیم کے بعد عصری تعلیم کے لیے انٹر پاس کیا اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی سے انگلش میں بی اے کیا۔

سلوک و احسان کے مراحل آپ نے اپنے ماموں حضرت مولانا ابو الحسن علی ندویؒ کی نگرانی میں طے کیے۔ پھر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کی خدمت میں اپنے آپ کو وقف کر دیا اور مجاز و خلیفہ رہے۔

درس و تدریس اور عملی زندگی: تعلیم سے فراغت کے بعد ۱۹۵۳ء سے ۱۹۷۳ء تک آل انڈیا ریڈیو میں بحیثیت اناؤنسر کام کیا، اس کے بعد دار العلوم ندوۃ العلماء واپس آ گئے اور بحیثیت استاد ادب عربی ان کا تقرر ہوا۔ دار العلوم ندوۃ العلماء کے "کلیۃ اللغۃ العربیۃ و آدابہا" کے عمید اور ندوہ کے معتمد تعلیم رہے۔ آخر دم تک تدریس، تزکیہ نفوس، اصلاح معاشرہ اور دینی و تربیتی اداروں کی نگرانی میں زندگی گزاری۔

مشہور اساتذہ کرام: ۱- مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ ۲- مولانا محمد ناظم ندویؒ ۳- مولانا عبد الحفیظ بلیاویؒ مشہور اساتذہ ہیں۔

مشہور شاگرد کرام: مولانا کے شاگرد بہت زیادہ ہیں جن میں سے مولانا ڈاکٹر اکرم ندوی، مولانا محمود ندوی، مولانا بلال ندوی وغیرہ کے نام بطور نمونہ پیش کیے جا سکتے ہیں۔

تصانیف: عربی اور اردو زبانوں میں آپ کی تصانیف اور رسائل کثیر تعداد میں ہیں۔ یہاں پر چند مشہور کتابوں کے نام درج کیے جاتے ہیں:

عربی: أدب الصحوة الاسلامية- الدعوة الاسلامية و مناهجها في الهند- حركة التعليم الاسلامي في الهند و تطور المنهج- تاريخ الأدب العربي، (العصر الجاهلي)- من صناعة الموت إلى صناعة القرارات- نحو نظام عالمي جديد- حركة رسالة الإنسانية- الإمام أحمد بن عرفان الشهيد- مصادر الأدب العربي- أدب أهل القلوب- المسحة الأدبية في كتابات الشيخ أبي الحسن علي الحسني الندوي- الشيخ أبو الحسن قائدا حكيما مختصر الشمائل النبوية- أعلام الأدب العربي الحديث

اردو سے عربی ترجمہ: فضائل القرآن الكريم للشيخ محمد زكريا الكاندهلوي- فضائل الصلاة على النبي الكريم صلى الله عليه وسلم للشيخ محمد زكريا الكاندهلوي- الدين والعلوم العقلية للشيخ عبد الباري الندوي.

اردو کتابیں: اسلام مکمل نظام زندگی حدیث نبوی کی روشنی میں- محسن انسانیت ﷺ- سلطان ٹیپو شہید ایک تاریخ ساز قائد شخصیت- نظام تعلیم و تربیت اندیشے، تقاضے اور حل- ندوۃ العلماء ایک رہنما تعلیمی مرکز اور تحریک اصلاح و دعوت- مسئلۂ فلسطین۔

مولانا کی نمایاں خصوصیات: مولانا متعدد نمایاں خصوصیات کے مالک تھے۔ اللہ تعالی نے انہیں متعدد امتیازات سے نوازا تھا۔ ان میں سے اہم یہ ہیں:

(۱) تقوی، صلاح و علم (۲) حالات پر نظر (۳) فکری نظریات و سیاسیات پر نظر و فکر (۴) موسوعی شخصیت (۵) قرآنی فکر کا تسلط (۶) عظیم مربی، صالح و مصلح (۷) شاگردوں سے محبت (۸) زہد و استغناء (۹) سادگی و پاکیزگی (۱۰) ہندوستانی مختلف مکاتب فکر میں مقبولیت (۱۱) مغربی تہذیب و مفکرین پر عبور اور اس کی تنقید (۱۲) قرآنی اصولوں سے سمجھوتہ نہ کرنا (۱۳) معمولات کی پابندی (۱۴) قربانی اور دوسروں کے لیے اپنی ذات کو مٹا دینا (۱۵) والدین کی اطاعت و فرمانبرداری (۱۶) ماموں سید ابو الحسن ندویؒ اور بڑے بھائی سید محمد رابع حسنی ندوی حفظہ اللہ کا تعاون اور مشورۂ خیر

مذکورہ صفات کے حامل، اخلاق قرآنی کے پیکر کو میں نے خود دیکھا۔ جب جب بھی ملاقات ہوتی ایسا محسوس ہوتا جیسا کہ مولانا صرف مجھ سے ہی محبت فرماتے ہیں، یہی حال سب ہی کے ساتھ تھا۔ اس کے علاوہ جب مولاناؒ حضرت مولانا رابع صاحب مدظلہ العالی کے ساتھ رابطہ ادب اسلامی کی کانفرنس میں قاہرہ تشریف لائے، میں وہاں جامعہ ازہر کے کلیۃ اصول الدین میں ماجستیر کے مرحلہ کا طالب علم تھا تو مولانا کے اخلاق عالیہ، موسوعی علم و فکر کا مزید انکشاف ہوا، عربوں کے ساتھ آپ کی گفتگو اور طریقہ استدلال کا ایک سنہرہ منظر ہوتا تھا۔ اسی طرح مصر سے واپسی اور تعلیم سے فراغت کے بعد ہماری عملی زندگی میں جب اللہ تعالی نے مجھے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے خلیق احمد نظامی مرکز علوم القرآن میں تدریس کے لیے منتخب فرمایا تو مولانا اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی دامت برکاتہم العالیہ کے ہمراہ یہاں سینٹر کی کانفرس میں بطور صدر اور مہمان خصوصی مورخہ ۸-۹ مارچ ۲۰۱۴ء تشریف لائے تو مولاناؒ کی علمی گفتگو کا انداز، علم پر اعتماد اور فکری اعتدال کے ساتھ حسن اخلاق و ادب کی جامعیت کا مزید یقین پختہ ہوگیا کہ مولانا کی مذکورہ خصوصیات آپ کی شخصیت میں ملکات کے درجہ میں پیوست ہیں جو زمان و مکان، بیماری و صحت، خوشی و رنج، سفر و حضر کے تغیرات سے بدلتی نہیں۔

یہ وہ امتیازات ہیں جس پر ہر وہ شخص گواہ ہے جس نے آپ سے علم حاصل کیا، مولانا کو قریب سے دیکھا اور مختلف ملاقاتوں میں پرکھا۔ جس نے مولانا کی مجالس اور تصانیف سے استفادہ کیا۔ مولانا ہمیشہ ثابت قدم رہے اور محبت کے پھول برساتے رہے اور اپنی شخصی صفات کو کبھی نہ چھوڑا۔ اللہ تعالی مولانا کی مغفرت فرمائے اور درجات بلند فرمائے اور بہتر بدلہ عطا فرمائے۔ آمین

آسماں تیری لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

عالمی سطح پر فکرِ اسلامی کی حامل شخصیت

مولانا محمد وثیق ندوی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء۔لکھنؤ)

میرے مربی میرے محسن مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ کا شمار ان مایہ ناز اسلامی مفکرین اور مصلحین میں ہوتا ہے جنہوں نے اپنی پوری زندگی اللہ کی رضا کے لیے گزاری، اپنی تمام صلاحیتیں اور توانائیاں اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے اور امت اسلامیہ کی ترقی کے لیے وقف کردی تھیں، جنہوں نے خاموشی سے بڑے بڑے کارنامے انجام دیے، نمود وریا سے دور رہ کر ملت کی تعمیر و ترقی میں دل وجان سے لگے رہے، اسلام کی روشن تاریخ میں گرانقدر اضافے کیے، نسلیں تیار کیں اور ان کے پیش نظر اللہ تبارک وتعالی کا یہ فرمان رہا:{قُلْ إِنَّ صَلَاتِي وَنُسُكِي وَمَحْيَايَ وَمَمَاتِي لِلَّهِ رَبِّ الْعَالَمِينَ} اسلامی تحریک، اسلامی بیداری بلکہ ملت اسلامیہ ۹ر جمادی الاولی ۱۴۴۰ھ (۱۶ر جنوری ۲۰۱۹ء) کو اس عظیم رہنما شخصیت سے محروم ہوگئی، اناللہ وانا الیہ راجعون۔

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ ایک عظیم اسلامی مفکر، صاحب طرز ادیب، عالمی صحافی وتجزیہ نگار، عربی زبان وادب کے رمز شناس، حکیم ومثالی معلم ومربی، مغربی فکروفن اور معاصر تہذیب وتمدن کے ماہر وناقد، اسلام اور یورپ کی قدیم وجدید تاریخ کے واقف کار اور مغربی ومادی افکار ونظریات، اسلام مخالف رجحانات وتحریکات اور مسلمانوں کو لاحق خطرات ومشکلات کو سمجھنے والے اسلامی اسکالر اور مصلح تھے، فکر میں ان کی سلامتی تھی، عمل میں استقامت تھی، رائے میں اصابت تھی، طریقہ کار میں اعتدال وتوازن تھا، حالات و واقعات کی تحلیل وتجزیہ میں فراست ایمانی کارفرما تھی، اسلامی فکر و دعوت، تعلیم وتربیت، تحریر وکتابت، عربی زبان وادب، صحافت، تاریخ، نقد ادبی، فکری وتہذیبی یلغار، عربی زبان وادب کے مراجع ومصادر اور معاصر تاریخ پر مولانا کی گہری نظر تھی، اسی طرح مغربی فکر وفن، مغربی تہذیب وتمدن، مغرب کی تخریبی تحریکات ورجحانات اور افکار ونظریات پر عقابی نظر رکھتے تھے اور مغرب کا براہ راست مطالعہ کیا تھا، مولانا کی فکری، دعوتی، اصلاحی اور تجزیاتی تحریریں، مضامین مقالات اور کتابیں اس کا بین ثبوت ہیں۔ ”باطل کا مقابلہ کرنا، اس کا جواب دینا، اسلام کی طرف لوٹنے کی صدا لگانا، معاصر علمی انداز اور سنجیدہ ومؤثر اسلوب میں اسلامی نظام زندگی کی بالادستی اور ہر زمانہ اور ہر جگہ تہذیبی وتمدنی قافلہ کے ساتھ چلنے بلکہ اس کی رہبری کرنے کی اسلام کی صلاحیت کو ثابت کرنا“ مولانا کا شعار تھا۔

یہاں ایک سوال پیدا ہوتا ہے کہ مولانا کے اندر یہ جامعیت کیسے پیدا ہوئی؟ اس کا جواب یہ ہے کہ مولانا کی تربیت اور ان کی شخصیت سازی کے بنیادی عناصر وعوامل میں جہاں ان کے ماہرین فن اساتذہ اور بلند پایہ مشفق مربی اور مشائخ کرام ہیں جو زمانہ اور اس کے حالات اور تقاضوں پر نظر رکھتے تھے، مزاج شناس اور نباض تھے، وہیں ان کی نانی مخدومہ خیر النساء بہتر والدہ ماجدہ مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ اور والدہ محترمہ امۃ العزیز کی تربیت بھی ایک اہم عنصر ہے، جنہوں نے ابتدائے طفولیت سے لے کر زمانہ طالب علمی اور جوانی تک پوری نگہداشت رکھی اور دینی مزاج وذوق کی تشکیل میں اہم رول ادا کیا۔

یہاں وہ اقتباس نقل کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے جس میں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنیؒ نے اس ماحول کا ذکر کیا ہے جس نے ان کی شخصیت کی تعمیر وتشکیل میں اہم رول ادا کیا ہے، یہی ماحول مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ کو بھی ملا اور اسی میں ان کی نشوونما ہوئی اور مولانا نے بارہا اس کا ذکر بھی کیا۔ اسلامی مفکر ڈاکٹر محمد اجتباء حسینی ندویؒ کی کتاب ”الأمیر صدیق حسن خان القنوجی جھودہ وآثارہ“ کے مقدمہ میں رقمطراز ہیں:۔

”میری ولادت جس گھرانہ میں ہوئی اس کا محبوب ترین مشغلہ بلکہ اس کی ”ہابی“ (Hoby) عظمائے اسلام، شخصیات، طبقات، رجال، علماء، اہل فضل وکمال خصوصاً ہندوستانی علماء، فضلاء، صلحاء، اتقیاء اور علماء ربانیین کی سوانح عمریاں لکھنا تھا، میری نشوونما ایک ایسے ماحول میں ہوئی جس میں ہر طرف علمی اور اخلاقی اقدار وروایات کا چرچا تھا، علمائے کبار اور ان کے علمی کارناموں، دین سے ان کی وابستگی

وشگفتگی، ان کی فنائیت اور مختلف صدیوں کے اصحاب فضل وکمال اور علماء کے تذکرے بڑے احترام وعظمت، ذوق وشوق، بڑے پراثر ودلکش لہجہ میں ہوتے تھے، جہاد وحرارت ایمانی کا سماں بندھ جاتا اور دل امنڈ آتے، مجلسوں پر کیف وسرور اور نشہ سا طاری ہوجاتا، ان تذکروں اور زندہ مجلسوں نے دل پر یہ اثر چھوڑا کہ بچپن ہی سے میرے اندر صحابہ کرام، علماء عظام اور سلف کی محبت وعظمت بیٹھ گئی، مکارم اخلاق، بلند ہمتی اور عالی حوصلگی کی صفات پیدا ہوگئیں جو عام طور پر پیدا نہیں ہوتیں، بچوں کی طبیعتوں میں جو انسانی صلاحیتیں اور جوہر رکھے گئے ہیں، کبھی کبھی انہیں خاص تربیت، ماحول یا کوئی خاص واقعہ مہمیز کرتا ہے تو وہ اپنے فطری وقت سے پہلے ظاہر ہوجاتی ہیں۔

بچپن ہی سے میری تربیت فضائل ومحاسن سے محبت، خوب سے خوب تر کی تلاش، متضاد انسانی محاسن کو جمع کرنے، علوم ومعارف میں تنوع ومہارت پیدا کرنے، بلند ہمتی اور پھر ان متضاد صلاحیتوں کو خدمت دین اور اعلیٰ مقصد کے حصول کے استعمال کرنے پر ہوئی اور اگر اس کام کے لیے ایسے علوم بھی سیکھنا پڑے جن سے بہت سے علماء اجتناب کرتے ہیں اور ان کو علوم کا ٹچھٹ اور ادبیات کا برادہ شمار کرتے ہیں، تو وہ بھی حاصل کیے جائیں۔

اسی طرح میری تربیت اس بات پر ہوئی کہ ان بندگان خدا سے محبت اور تعلق رکھا جائے جو اللہ کے فضل وتوفیق سے علمی اور عملی دونوں وجاہتوں پر فائز ہوں، دنیا اور آخرت دونوں خوبیوں کے جامع ہوں اور جو (عرف عام میں) ایک طرف وزارت وامارت کے منصب پر متمکن ہوں تو دوسری طرف تصنیف وتالیف، درس وتدریس، ارشاد ودعوت اور تربیت واصلاح کے علمبردار ہوں"۔

مولانا ۳؍شعبان ۱۳۵۲ھ مطابق ۲۰؍نومبر ۱۹۳۳ء میں تکیہ کلاں میدان پور، رائے بریلی میں پیدا ہوئے، ان کے اسلاف واجداد ایک طرف سید احمد بن عرفان شہیدؒ کی تحریک سے وابستہ اور ان کی دعوت کے امین تھے، تو دوسری طرف شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے خاندان اور مجدد الف ثانی شیخ الاسلام سرہندیؒ کے خلفاء سے ان کا گہرا ربط وتعلق تھا اور اخیر عہد میں ان تینوں مکتبہائے فکر کی خصوصیات کے جامع مولانا کے خال معظم حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ تھے جو اس دینی اور فکری میراث کے وارث وامین ہوئے جن کی پوری زندگی ملت اسلامیہ، عالم اسلام بلکہ پوری انسانیت کی فکرمندی سے عبارت تھی، چنانچہ مولانا نے خال معظم کی تربیت اور رہنمائی میں فکر اسلامی اور مغربی فکر اور یورپی تہذیب کا مطالعہ کیا، قومیت، وطنیت، علاقائیت اور لسانی وتہذیبی عصبیت کا دور دیکھا، مسلمانوں کی کمزوری وپسماندگی، مغرب سے ان کی مرعوبیت اور علم وفن کے میدان میں ان کے جمود اور تعطل کو دیکھا، متعدد اسلامی تحریکوں کی سرگرمیاں دیکھیں، بلکہ بعض تحریکوں میں عملی شرکت بھی کی، اپنے عہد کے صلحاء واتقیاء اور قائدین اور دانشوروں سے رابطہ رکھا اور اپنے بیرونی سفروں میں تعلیمی وتربیتی مراکز کو قریب سے دیکھا، نئے تعلیمی نظریات ورجحانات اور جدید تمدنی وتہذیبی افکار وخیالات کا باریک بینی سے مطالعہ کیا اور ان کے نتائج واثرات کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیا۔

مولانا نے دینی واسلامی علوم وفنون میں علامہ سید سلیمان ندویؒ، مولانا ابوالکلام آزادؒ، شیخ خلیل عربؒ، ڈاکٹر تقی الدین ہلالیؒ، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ، شیخ الحدیث حلیم عطاء سلونیؒ، شیخ عبد الحفیظ بلیاویؒ، مولانا ابواللیث اصلاحی ندویؒ اور دیگر نامور اساتذہ کرام سے استفادہ کیا اور تزکیہ واحسان میں مولانا نے علمائے ربانیین شیخ الاسلام مولانا حسین احمد مدنیؒ، حضرت مولانا عبد القادر رائپوریؒ، شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلویؒ، حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلویؒ، حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلویؒ، حضرت مولانا یعقوب مجددیؒ، حضرت مولانا عبد الرحیم مجددیؒ اور حضرت مولانا محمد احمد پرتاگڈھیؒ سے استفادہ کیا اور ان کی روحانی صحبتوں سے فائدہ اٹھایا۔

اسی طرح مولانا نے عالم اسلام اور عالم عربی کی وقت کی ممتاز اور عظیم اسلامی شخصیات سے بھی ملاقاتیں کیں اور ان سے کسب فیض کیا، ان میں قابل ذکر ڈاکٹر احمد شرباصی، احمد شلبی، ڈاکٹر انور جندی، ڈاکٹر محمد المبارک، شیخ علی طنطاوی، محدث شیخ عبد الفتاح ابوغدہ، محمد الغزالی، کامل الشریف، ڈاکٹر عبد الحلیم عویس، سعید رمضان بوطی، ڈاکٹر عبد الرحمن حبنکہ المیدانی، شیخ عبد اللہ بن باز، ڈاکٹر عمر ملمسانی، حسن ھضیبی، ڈاکٹر صالح عشماوی، علال فاسی، مصطفی امین، متوالی شعراوی، مفتی امین الحسینی اور حسین الذہبی جیسے اسلامی مفکرین علماء،

دعاۃ اور قائدین ہیں۔ خود مولانا نے مختلف موقعوں پر ان شخصیات سے اپنے استفادہ اور ان سے متاثر ہونے کا ذکر کیا ہے اور یہ حضرات عصر حاضر میں اسلامی بیداری، صحیح فکر اسلامی اور تحریک اسلامی کے نمائندہ اور رہنما مانے جاتے ہیں۔

دوسری طرف آل انڈیا ریڈیو دہلی میں قیام کے دوران یہاں کی لائبریری، مولانا ابوالکلام آزاد لائبریری، جامعہ ملیہ کی لائبریری، جے این یو کی لائبریری اور دہلی یونیورسٹی کی لائبریری سے بھرپور استفادہ کیا اور جدید افکار و نظریات، ادبی و فکری رجحانات کا گہرا مطالعہ کیا، ملک کے چوٹی کے رہنماؤں کو سننے کا موقع ملا، عالم عربی کے قائدین و دانشوروں سے ملاقاتیں کیں اور عالمی سیاست اور حالات سے واقفیت حاصل کی۔

حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی ؒ نے جس زمانہ میں "اسلام کی طرف لوٹئے" کی صدا لگائی، وہ غیر اسلامی افکار و نظریات خصوصاً مغربی فکر کے غلبہ کا زمانہ تھا، اسلام مغرب کی فکری، تہذیبی اور تمدنی یلغار کے زد میں تھا اور مسلمان احساس کمتری کا شکار تھے، خود حضرت مولانا نے اس حملہ کا مقابلہ سنجیدہ، ٹھوس، مدلل اور موثر علمی انداز میں کیا اور اس کے لیے جو افراد تیار کیے ان میں ایک مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی بھی تھے، جنہوں نے مغربی تہذیب و تمدن کو نشانہ بنایا، لیکن اخلاقیات کا بھرپور لحاظ رکھتے ہوئے مسلمانوں کی احساس کمتری کو دور کیا، انہیں تعمیر و ترقی پر ابھارا، دشمنوں کے رعب و دبدبہ کے طلسم کو توڑا، اس میدان میں مولانا کے انداز میں اعتدال و توازن اور دینی عقائد و مسلمات سے غیر متزلزل وابستگی اور عصری آگہی کا حسین امتزاج تھا، مولانا نے نہ تو مغربی تہذیب کو کلی طور پر ترک کرنے کی دعوت دی اور نہ اس کو کلی طور پر قبول کر لینے کی بات کہی، بلکہ مولانا کا انداز قدیم و جدید دونوں کو جمع کرنے اور مسلسل غور و فکر اور بحث و تحقیق کا تھا اور اس سلسلہ میں حدیث نبوی "خذ ما صفا ودع ما کدر" ان کے پیش نظر تھی۔

اس طرح مولانا ایک عظیم اسلامی شخصیت کے حامل بنے اور سب سے بڑھ کر حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی ؒ کی تربیت و رہنمائی میں صحیح اور معتدل اسلامی فکر کے نمائندہ بنے اور مولانا کی دینی غیرت، اسلامی حمیت، بیدار مغزی، ایمانی فراست، دل دردمند، فکر ارجمند، انسانی فکرمندی، حکیمانہ دعوتی و تربیتی انداز و اسلوب، تحریر و کتابت اور تصنیف و تالیف میں معتدل و متوازن فکر و منہج سے کسب فیض کیا اور قرآن کریم سے تعلق و شغف نے فکر میں بلندی، استقامت اور وسعت پیدا کر دی، اس طرح مولانا کی واقفیت وسیع اور متنوع تھی، دعوت اسلامی اور اصلاح کے میدان میں کام کرنے والوں کو مخاطب کرتے تو انہیں بحث و تحقیق اور تعمیری نقد پر ابھارتے، علم جدید اور نئے وسائل سے فائدہ اٹھانے کی دعوت دیتے، قلعہ بند ہونے کے بجائے نئے نئے خطرات اور چیلنجز کا سامنا کرنے کی ترغیب دیتے، عقل و قلب اور رجوع الی اللہ کے ساتھ عملی جد و جہد کی تلقین کرتے، کام میں ترجیحات، تناسب، توازن اور ترتیب پر زور دیتے، مغرب کی تحریکات اور جماعتوں کی نقالی سے روکتے اور مکمل اسلام کی نمائندگی کی تلقین کرتے، مولانا اپنے ایک مضمون میں کہتے ہیں:

"آج مسلمانوں کا مسئلہ یہ نہیں کہ ان کی زندگی میں اسلام موجود نہیں یا اسلامی تعلیمات کے مناظر دکھائی نہیں دیتے یا اسلامی احکامات کو بروئے کار لانے کی کوششیں نہیں ہو رہیں، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ ان کی زندگی میں اسلام بھی ہے، اسلامی تعلیمات سے ایک گونہ واقفیت بھی ہے، ان کو بروئے کار لانے کی کوششیں بھی ہو رہی ہیں، لیکن ان میں ربط، ترتیب اور تناسب و توازن موجود نہیں، آج فکر سلیم کے حامل داعیانِ کرام بھی موجود ہیں، عبادات و اخلاقی تعلیمات کی بجا آوری کا جذبہ بھی ہے، دعوت الی اللہ کا عمل بھی جاری ہے، فرد اور جماعت کے اندر قربانی و جانثاری اور راہِ خدا میں جان کی بازی لگا دینے کا جذبہ بھی ہے، غرض زندگی کے ہر گوشے میں اسلام اور اسلامی تعلیمات موجود ہیں، لیکن یہ سب کوششیں کسی ایک پہلو میں منحصر ہیں، جس کی وجہ سے دوسرے پہلو جو زیادہ ضروری اور قابل توجہ ہیں ان پر توجہ کم ہو پا رہی ہے، ہر شخص اپنے کام میں ایسا مشغول ہے کہ اسے دوسرے پہلوؤں پر توجہ دینے کا وقت ہی نہیں ملتا، مثلاً اگر کسی کا تعلق تعلیم و تدریس سے ہو تو اسے پڑوس میں پھوٹ پڑنے والے فتنۂ ارتداد سے کوئی مطلب نہیں، اگر کوئی دعوت و تبلیغ میں مشغول ہے تو اسے مسلمانوں کے دوسرے مسائل کی کوئی فکر

نہیں اور اگر خدمت خلق میں مشغول یا ریلیف کمیٹیوں کا رکن ہے یا اصلاح معاشرہ کا کام کر رہا ہے تو اس کی توجہ اصلاح نفس وتزکیہ اخلاق کی طرف نہیں، یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کے بے شمار مسائل اور انفرادی واجتماعی امور کی طرف نظر نہیں جارہی ہے، اس لیے کہ ان پر توجہ نہیں دی جارہی ہے۔

اس کا یہ مطلب بالکل نہیں کہ یہ تمام کوششیں غیر مفید وبے اثر ہیں، یقیناً یہ تمام کوششیں نہایت مبارک اور ہمت افزائی کی مستحق ہیں، ان کے اثرات بھی ان شاء اللہ اچھے مرتب ہوں گے، لیکن امت اسلامیہ کی ترقی واقبال، اسی وقت ممکن ہے جب ان مختلف انداز سے کام کرنے والوں میں باہمی ربط اور ایک دوسرے کے کام کی قدر ہو، اور اسلام کے تمام پہلوؤں کو مکمل شکل میں پیش کیا جائے اور مسلم سوسائٹی کا ہر فرد اسلامی مظاہر اور تمام شعبوں کے احیاء اور ترقی دینے میں شریک ہو، تاکہ اسلام کی صحیح تصویر سامنے آئے، اخلاق وکردار، عبادت وبندگی، خدمت خلق وتعلق مع اللہ اور دعوت وتبلیغ، تمام شعبوں میں مطلوبہ وحدت وربط پیدا ہو اور تمام شعبہائے حیات میں ترقی کا عمل جاری ہو اور ہر مسلمان اسلام کا داعی، دین کا محافظ، خطرات زمانہ سے باخبر، گردش زمانہ کا نبض شناس، اندیشہائے مستقبل سے واقف وہوشیار اور اپنی منزل ومشن سے آگاہ ہو، اس میں اسلامی تشخص کے احیاء کے طریقہائے کار سے گہری واقفیت اور مشکلات کا صحیح حل پیش کردینے کی صلاحیت ہو۔"

اس تنوع کے اعتبار سے مولانا کی شخصیت جامعیت کی حامل تھی، وہ مفکر وادیب بھی تھے اور داعی ومربی بھی، ایک طرف ہندوستانی مسلمانوں کے مسائل سے دلچسپی لیتے تو دوسری طرف دنیائے انسانیت کی فکرمندی آپ کو بے چین کیے رہتی، دنیا کے حالات پر نظر رکھتے، خطرات کی نشاندہی کرتے، امراض کی تشخیص کرتے، مسائل کا حل پیش کرتے، دنیا کے کسی بھی حصہ میں پیش آنے والے واقعات، آفات اور سانحوں پر تڑپ اٹھتے اور آواز بلند کرتے، ضمیر انسانی کو جھنجھوڑتے، مولانا کی تحریروں سے بخوبی اس کا اندازہ ہوتا ہے۔ وہ ایک ہی وقت میں مفکر بھی تھے اور ادیب وداعی بھی، ذاکر وشاغل بھی تھے اور مثالی معلم ومربی بھی، اس اعتبار سے مولانا کی شخصیت جامع تھی۔

مولانا کی زندگی بڑی سادہ اور تکلفات سے دور تھی، غیبت سے اپنے دامن کو پاک رکھا، کسی کی دلآزاری نہیں کی، یہ حقیقت ہے کہ مولانا نے اسوۂ نبوی ہی کو اپنا آئیڈیل بنایا، تقریباً بیس برسوں سے زیادہ مولانا کی صحبت اور تربیت میں صبح وشام رہنے کا راقم کو موقع ملا اور اس اسوۂ نبوی کا خوب خوب مشاہدہ اور تجربہ ہوا، مولانا کے اخلاق ومعاملات ربانی اور مثالی تھے، تنہائی میں گھنٹوں ذکر الٰہی میں مشغول رہتے، نفس کا محاسبہ کرتے، مناجات ودعاء میں منہمک رہتے، ذکر وتلاوت قرآن میں ان کو ایک خاص قسم کی لذت محسوس ہوتی، مطالعہ، نئے حالات ومسائل سے واقفیت اور طلبہ کی تعلیم وتربیت اور ان کی رہنمائی گویا مولانا کی طبیعت ثانیہ بن گئی تھی، ان میں پدرانہ شفقت ومحبت، ایجابی ومثبت گفتگو اور علمی وتعلیمی رہنمائی کا جذبہ موجزن تھا، طلبہ، متعلقین اور اپنے معاونین کے حق میں بڑے شفیق ورحم دل اور ہمدرد وغمخوار تھے، بغض وحسد اور نفرت سے ان کا دل پاک تھا، زبان بڑی پاکیزہ اور شیریں تھی، ترش روئی اور بد زبانی سے کوسوں دور تھے، سخی وفیاض تھے، محتاجوں اور ضرورتمندوں کے ساتھ مدد اور ہمدردی کا معاملہ کرتے تھے، علمی مناقشہ اور تبادلہ خیال کو پسند کرتے تھے اور اس پر زور دیتے تھے، دوسروں کی رائے کا احترام کرتے، مخالفت، ٹکراؤ اور مخاصمت سے دور رہتے اور کسی پر اپنی رائے نہ تھوپتے تھے۔

مولانا نے اپنی پوری زندگی داخلی اور خارجی دونوں سطح پر اسلام دشمن طاقتوں کے مقابلہ میں گزاری، دین بیزار اور منحرف افکار وخیالات کا تعاقب کیا، اسلام کے خلاف سازشوں اور منصوبوں کا پردہ فاش کیا اور علمی، ادبی اور موثر انداز میں مغربی تہذیب کے دجل وفریب کو واضح کیا، لیکن اس کی مثبت اور اچھی چیزوں کو پیش بھی کیا، مولانا نے معاصر علمی اسلوب میں سامراج، صہیونیت، قومیت، وطنیت، عیسائی مشنری، کمیونزم، سیکولرزم، استشراق، مستشرقین، صلیبیت، نئے گمراہ کن مغربی افکار ورجحانات، ملک وبیرون ملک کی متعصب اور انتہاپسند تحریکوں اور تنظیموں کو موضوع بنایا اور ان پر

طاقتور مقالات اور مضامین لکھے جو علمی، فکری، ادبی اور دعوتی حلقوں میں مقبول ہوئے، مسلمانوں کے مسائل و مشکلات کی نشاندہی کی اور ان کا حل پیش کیا، اسلامی تحریکات اور جماعتوں کی لغزشوں پر تنبیہ کی اور صحیح خطوط پر ان کی رہنمائی کی، ان کے قائدین اور رہنماؤں سے ملاقات کرتے اور ان کو بہتر مشورہ دیتے اور اس بات پر زور دیتے تھے کہ مغرب کی تحریکات اور تنظیموں کی نقالی نہ کریں، حالات کو سمجھیں، خطرات و چیلنجز کا ادراک کریں، ترجیحات طے کریں، پلاننگ کریں اور پھر تناسب، توازن، ترتیب کا خیال رکھتے ہوئے اقدامات کریں اور افہام و تفہیم کے ذریعہ مسائل حل کرنے پر زور دیتے، اس سلسلہ میں مولانا نے اپنے خال معظم مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے نہج کو اختیار کیا، "الرائد" کے اداریے اور "البعث الاسلامی" کا مشہور کالم "صور و اوضاع" اس کا بہترین ثبوت ہیں۔

مولانا اکثر خاموش رہتے، لیکن ملت کے مسائل اور اور اس کو درپیش خطرات پر غور و فکر کرتے رہتے، مولانا کی بنیادی فکرمندی یہ تھی کہ مغرب کی فکری، علمی اور تہذیبی یلغار سے اسلام اور مسلمانوں کو کیسے محفوظ رکھا جائے، اسی لیے مولانا کے اکثر مقالات و مضامین میں یہ پہلو نمایاں نظر آتا ہے اور مولانا اس عمل کو اپنے لیے ذخیرۂ آخرت سمجھتے تھے، اسی طرح مولانا اس بات پر زور دیتے تھے کہ مسلمانوں کو غلط اور گمراہ کن تصورات و افکار سے متنبہ کیا جائے اور صحیح اسلامی فکر کو پیش کیا جائے، نئے خطرات، چیلنجز سے واقف کرایا جائے، اسلامی بیداری کو صحیح سمت پر لایا جائے، اور نئی نسل میں اسلام کے تئیں اعتماد کو بحال کیا جائے اور اس کے لیے ندوہ کے منہج و فکر اور طریقۂ کار کو بہت مناسب خیال کرتے تھے اور عملی طور پر اس کو اختیار بھی کیا اور اپنی تحریروں اور تقریروں کے ذریعہ عالمی سطح پر فکر ندوہ کو مؤثر انداز میں پیش کیا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ مولانا کا شمار ان چند لوگوں میں ہوتا ہے جنہوں نے مغرب کے فکری خطرات اور اس کے دوررس اثرات کو سمجھا، اس لیے کہ مولانا نے اپنے خال معظم کی رہنمائی میں مغربی فکر کا گہرا مطالعہ کیا، عالم عربی کے تجدد پسندوں کی تحریروں میں اس کی نشاندہی کی، جنہوں نے عرب دنیا میں مغربی فکر کو عام کیا، اسی طرح عالم عربی میں مغرب کی فکری یلغار کو سمجھا اور اس کے نقصانات کو اجاگر کیا، اگر مبالغہ نہ کہا جائے تو زیادہ صحیح تعبیر میں مولانا نے مغرب کے فکری جسم کا علمی پوسٹ مارٹم کیا اور اس کی فکری و تہذیبی وحشت و بربریت کو واشگاف کیا اور مغرب کے حقیقی مقاصد اور منصوبے کیا ہیں ان سے پردہ اٹھایا کہ مغرب انسانی اور اخلاقی قدروں کو کس طرح ملیامیٹ کر رہا ہے، اسی وجہ سے عالم عربی میں مولانا کی تحریروں کو بڑی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

مختصر یہ کہ مولانا کی شخصیت علم و عمل، عقل و حکمت، فکر و تدبر، حسن اخلاق اور حسن عمل کی جامع شخصیت تھی، علم و حکمت، فکر و ثقافت، دانش و آگہی اور ادب و صحافت مولانا کی دلچسپی کا سامان تھے، مولانا کی اٹھان ہی ایسی تھی کہ لکھنا پڑھنا زندگی کا ایک ضروری مشغلہ بن گیا تھا، بچپن سے علم و ادب کی قدر اور زندگی کی تمام دوسری قدروں پر اس کی فوقیت کا احساس مولانا کے ریشہ ریشہ میں پیوست تھا۔

مولانا کی اہم خصوصیت علم کی وسعت و گہرائی تھی، آپ نے اپنا مطالعہ کبھی کسی ایک فکر و خیال یا ایک تہذیب و تمدن تک محدود نہیں رکھا، مولانا کا شعار تھا کہ کہاں سے یا کس سے کیا چیز لیں اور کیا چھوڑ دیں، "خذ ما صفا و دع ما کدر" کی حکمت آپ کے طرز عمل سے عبارت تھی، تعصب و گروہ بندی یا تنگ نظری کا یہاں گزر نہیں تھا۔

مولانا کے اوقات ذکر و تلاوت میں مشغول تھے، فضول گوئی، مجلس آرائی سے پاک تھے، یا پڑھنے پڑھانے اور استفادہ و افادہ میں مصروف یا پھر تحریر و مقالہ نویسی اور دوسروں کی تربیت و رہنمائی سے مطلب تھا، دوسروں کی عیب جوئی تو بہت دور کی بات ہے، آپ کے یہاں تو ان مباح امور کی بھی گنجائش نہیں تھی، جو نہ دنیا میں سودمند اور نہ ہی آخرت میں کارآمد۔

مولانا کی زندگی مثالی تھی، زہد و تقوی شعار تھا، تواضع و انکساری مزاج پر غالب تھی، کم آمیزی و کم گوئی طبیعت ثانیہ تھی، عیب جوئی کا گزر نہیں، ریاکاری اور نام و نمود سے کوسوں دور تھے اور اسوۂ نبوی کی سچی تصویر تھے۔

سرمایۂ ملت کا پاسباں

ڈاکٹر شاکر فرخ ندوی (استاذ المعہد الاسلامی-مانک منو)

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا وصال عالم اسلام کے اہل علم و اہل قلم، اہل فکر و اہل دعوت و بصیرت اور اہل صحافت کے لیے ایک عظیم سانحہ ہے، مدتوں بعد قوموں کو ایسا قابل جوہر اور عظیم علمی و فکری رہنما نصیب ہوتا ہے، حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ اس دور میں جب کہ صحافت کو ایک متاع ارزاں سمجھ کر ہر کوئی خرید و فروخت میں مصروف ہے، قلم بک رہے ہیں، تحریروں کا سودا ہو رہا ہے، ضمیر فروش صحافی کھوٹے سکوں کے لالچ میں ننگ صحافت بنے ہوئے ہیں، اور قوم و سماج اس اہم ستون پر مادہ پرستوں، فرقہ پرستوں اور سماج و معاشرہ میں فساد پھیلانے والی انسانیت دشمن طاقتوں کا تسلط ہے، جو خیر کے عناصر کو پنپنے دینا نہیں چاہتی۔ میڈیا اور صحافت کی اس پراگندہ صورت حال کو دیکھ کر کسی بھی سلیم الفطرت اور سلیم الطبع انسان کو ابکائی آنے لگتی ہے، اور اس دور کی صحافت سے متنفر ہو جاتا ہے، اس پر خطر اور نازک دور میں حضرت مولانا رحمہ اللہ اسلامی صحافت کے علم بردار تھے، آپ کی تحریریں زمانہ کے حالات و تقاضوں سے ہم آہنگ ہوتی تھیں، آپ کے اشہب قلم سے اقوام و ملل کو رہنمائی حاصل ہوتی تھی، آپ حقیقتاً قوم و ملت کے نبض شناس تھے، مولانا نے چونکہ جدید میڈیا کا گہرائی کے ساتھ مطالعہ کیا تھا، تو آپ اخبار کی ظاہری سرخیوں اور خبروں سے ہٹ کر بین السطور سے ان تمام امور کا ادراک کر لیا کرتے تھے جو انسانیت دشمن طاقتوں کا مقصود ہوتا تھا اور پھر اپنے قلم سے ان کے ناپاک ارادوں اور گھناؤنی سازشوں سے پردہ اٹھایا کرتے تھے، اور پھر حالات کے تقاضوں کے اعتبار سے ان مسائل کا اسلامی حل بھی پیش کیا کرتے تھے، آپ کی کوشش یہی تھی کہ ملت کو ایسے افراد فراہم ہوں جو حالات و تقاضوں کا ادراک کرنے والے ہوں، جدید میڈیا اور صحافت کے میدان میں اسلامی نقطۂ نظر پر کام کرنے والے ہوں، جن کا اعتماد قدیم پر پختہ ہو اور جدید ذہنوں کو سامنے رکھ کر دین متین کی نشر و اشاعت کا فریضہ انجام دینے والے ہوں، جن کے مطالعہ میں گہرائی و گیرائی ہو، جو اسلام دشمن عناصر کی سازشوں کا پردہ چاک کرنے والے ہوں، اور الحمد للہ مولانا کے زیر تربیت جن حضرات نے رہنمائی حاصل کی ہے اور حقیقی معنی میں مولانا سے کسب فیض کیا ہے وہ اس وقت ملک کے اچھے قلم کاروں اور ممتاز صحافیوں میں شمار کیے جاتے ہیں۔

آپ نے مغربی تہذیب و تمدن کا بھی اس کے اصلی مصادر و مراجع کے ذریعہ گہرائی سے مطالعہ کیا تھا، مغربی مفکرین و فلاسفہ کی کتابوں اور تحریروں کو بھی پڑھا تھا، آپ اس تہذیب کی خامیوں اور خوبیوں سے بھی بخوبی واقف تھے، اس تہذیب پر دلائل کی روشنی میں نقد کیا کرتے تھے، اور اسلامی تہذیب و تمدن اور اس کی آفاقیت و جامعیت کو واضح کیا کرتے تھے۔ اسی طرح دنیا کی اسلام دشمن تحریکوں اور ان کے ناپاک عزائم پر بھی آپ کی گہری نظر تھی، جس کا اندازہ آپ کے ان محاضرات یا دروس سے ہوتا تھا جو ان موضوعات سے متعلق ہوا کرتے تھے، تاریخ کے تسلسل کے ساتھ وہ حق و باطل کی کشمکش اور کفر و اسلام کی جنگ اور دشمنان اسلام کی تحریکوں اور تنظیموں کے ذریعہ کی جانے والی کوششوں اور پھر خدائی نصرت کے ساتھ اٹھنے والے اسلام کے غیور نوجوانوں اور اہل علم کی خدمات کا اس طرح تذکرہ کرتے چلے جاتے گویا کوئی کتاب آپ کے سامنے کھلی ہوئی ہے جس میں یہ پوری تاریخ درج ہے، صرف اسی پر اکتفا نہ کرتے بلکہ ان تاریخی حقائق و واقعات سے استنتاج کرتے اور عصر حاضر کے مسائل پر اس کی تطبیق کرتے تھے، تاریخ تو سبھی پڑھ لیتے ہیں لیکن تاریخ سے استنتاج کرنا اور تاریخی واقعات سے عصر حاضر میں رہنمائی حاصل کرنا یہ

حضرت مولانا جیسی شخصیات ہی کا حصہ ہے۔

جدید دور کی ایک نئی تحریک جسے استشراق کے نام سے جانا جاتا ہے اور مستشرقین جنہوں نے اسلام کے عظیم علمی سرمایہ کو نقصان پہنچانے کی بھرپور کوشش کی ہے اور اسلامی علوم وفنون کے تعلق سے نسل نو کے ذہن ودماغ کو مشکوک کرنے کے لیے محنتیں کی ہیں، اور غیر محسوس طریقہ سے اسلامی تہذیب وتمدن کے روشن چہرہ کو داغدار کرکے امت مسلمہ کے جدید تعلیم یافتہ طبقہ کے دین اسلام پر یقین و اعتماد کو متزلزل کیا ہے، جس کے نتیجہ میں عالم اسلام میں ایسے صحافیوں اور قلم کاروں کا وجود ہوا ہے جن کی تحریروں نے ملت کو نقصان پہنچایا ہے، جنہوں نے صحافت اور ادب کے دروازے سے اور افسانوں اور ناولوں کے ذریعہ اسلامی نسل کے ذہن ودماغ کے اندر زہر اتارنے کی کوشش کی ہے، عرب دنیا کی صحافت اور میڈیا پر انہیں افراد کا قبضہ ہوگیا ہے، فلمیں اور ٹی وی سیریل انہیں ادباء کے تیار کردہ اسکرپٹ کی روشنی میں بنائے جاتے ہیں اور ہمارے عرب کے نوجوان ان سے متاثر ہوتے ہیں، ایسے ادبا کو عوامی مقبولیت دلانے کے لیے حکومتیں ان کو نوازتی ہیں، قومی و بین الاقوامی تنظیمیں ان کو ایوارڈ دیتی ہیں، حضرت مولانا اس تحریک کی غرض وغایت، مقاصد واہداف اور اسلامی معاشرہ پر ان کے غلط اثرات سے بھی متنبہ فرماتے اور اس تحریک کے نمائندوں اور ایسے سماج دشمن وانسانیت دشمن صحافیوں اور ادیبوں کی بھی نشان دہی فرماتے تھے، اور پھر ان اسلامی مصنفین اور ادیبوں کی جانب بھی رہنمائی فرماتے جنہوں نے استشراق کا منھ توڑ جواب دیا ہے ان کی کتابوں کے مطالعہ کی ترغیب دیتے، ان کے اسلوب کی خوبیاں بھی بتاتے۔

عالم عرب کے موجودہ حالات پر آپ کی گہری نظر تھی، شاید ہندوستان میں اس سلسلہ میں کوئی دوسری شخصیت آپ کے ہم پلہ نہ ہو، جدید حالات اور انقلابات جو عالم عرب میں رونما ہورہے ہیں اور ایسا محسوس ہوتا ہے کہ ایک مرتبہ پھر اسلام اور مسلمان زوال کے قریب ہیں، اور امراء عرب کا اختلاف، عربی سیاست پر امریکہ، یورپ اور روس کا تسلط، عرب ممالک کی خانہ جنگی، یہ وہ صورت حال ہے جس کی وجہ سے ہر مسلمان کا دل خون کے آنسو روتا ہے، اور پھر مسلمانوں کا قبلۂ اول بیت المقدس اور ملک فلسطین کی جو نازک صورت حال ہے ہر مؤمن صادق کا دل اس کی وجہ سے بے چین و مضطرب رہتا ہے، وہ حیران وپریشان ہے، سمجھ میں نہیں آتا کہ ان حالات کے پس پردہ کیا ہے، حضرت مولانا ایسی صورت حال میں عالم اسلام کے حالات پر بھرپور اور بے لاگ تبصرہ فرماتے اور مغربی طاقتوں کی ریشہ دوانیوں پر کھل کر اظہار خیال فرماتے۔

مغربی استعمار کے نتیجہ میں عالم اسلام بالخصوص عالم عرب کے جو حالات دگرگوں ہوئے اور قومیت وعصبیت کے عفریت نے امت کے شیرازہ کو منتشر کیا، جغرافیائی حدبندیاں ہوئیں، سیاسی سطح پر عالم اسلام زوال واضمحلال کا شکار ہوا اور ان مغربی طاقتوں نے اسرائیل کے تحفظ کی خاطر مسلمانوں کے خون کو ارزاں سمجھ کر بہایا، اور عالم اسلام کے نام نہاد قائدین نے اس موقع پر جو گھناؤنا کردار ادا کیا اس پر ہمیشہ شکوہ کناں رہتے تھے، اور جدید دور میں جبکہ جنگیں ہتھیاروں سے زیادہ میڈیا کے ذریعہ لڑی جارہی ہیں، فکری حملے کیے جارہے ہیں، آپ نہ صرف ان کو سمجھتے تھے بلکہ فکری استعمار آپ کا خاص موضوع تھا، "الرائد" کے صفحات پر آپ کے قلم گہربار سے اس موضوع سے متعلق ہمیشہ مضامین آتے تھے، درجہ میں بھی آپ ایک خاص نہج کے مطابق انہیں موضوعات پر بحث کرتے تھے تاکہ طلبہ ان فکری حملوں سے محفوظ رہیں اور جدید لٹریچر اور جدت پسندوں کی کتابوں کے مطالعہ کے نتیجہ میں اس طرح کے سوالات نہ ابھریں جس سے دین وعقیدہ پر ان کا ایمان متزلزل ہو۔

صہیونی تحریک اور اس کے خطرات سے بھی آگاہ فرماتے، اور اس تحریک کے وجود سے لے کر آج تک ملت اسلامیہ کا جو نقصان ہوا ہے اور تاہنوز جاری ہے اور کس طرح صہیونی افراد عالم اسلام کے تار و پود بکھیرنے میں مصروف ہیں اور گریٹر اسرائیل کے اپنے خواب کی تکمیل میں لگے ہوئے ہیں، اس مقصد کی خاطر انہوں نے میڈیا پر اس طرح قبضہ کیا ہوا ہے کہ ان کی مرضی کے بغیر کوئی خبر عام نہیں ہوسکتی اور اگر کوئی خلاف ورزی کرتا ہے تو دہشت گردی اور تشدد پسندی یا دوسرے الزامات لگا کر پس دیوار زنداں

کر دیا جاتا ہے یا موت کی نیند سلا دیا جاتا ہے۔ حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ بڑی حکمت کے ساتھ اچھوتے اسلوب میں ان کے ارادوں اور کام کرنے کے طریقوں سے آگاہ فرماتے تھے۔

عربی ادب آپ کا خاص موضوع تھا، قدیم وجدید ادباء وشعراء کے ادبی اسالیب پر آپ کی گہری نظر تھی، آپ ان کے ادبی شہ پاروں کو بھی لطف لے کر پڑھتے اور پڑھاتے تھے، بالخصوص ابوعثمان عمرو بن بحر الجاحظ کی "البخلاء" کا جس وقت درس دیتے تو ایک جانب تو جاحظ کا اسلوب اور پھر موضوع بھی مزاح کا ہوتا تھا۔ اسی طرح تاریخ ادب عربی کا درس دیتے وقت ہر ایک ادیب و شاعر کے اسلوب کی خوبیوں کا اظہار کرتے جاتے تھے، مصادر ادب کا بھی آپ کا گہرا مطالعہ تھا، اور ادب کے ذریعہ اخلاقیات وافکار پر جو حملے ہوئے ان سے بھی بخوبی واقف تھے، اور اسی کے رد میں رابطہ ادب اسلامی کے قیام اور تعمیر وترقی میں روز اول سے شریک رہے، اسلامی ادب پر وقیع مقالے اور مضامین اور کتابیں تحریر فرمائیں، تاکہ امت کے نوجوان اس الحاد زدہ تخریبی ادب سے محفوظ رہ کر صحیح تعمیری ادب کا مطالعہ کریں۔

مندرجہ بالا سطور کی بنیاد پر یہ بات کہی جاسکتی ہے کہ حضرت مولانا واضح رشید ندوی رحمۃ اللہ علیہ اسلام کے مخلص ترجمان اور سچے داعی تھے، اور اسلام پر اسلامی تعلیمات پر اور اسلامی تمدن پر آپ کا اعتماد نہایت پختہ تھا، باوجود اس کے کہ ندوہ سے فراغت حاصل کرنے کے بعد آپ نے عصری دانش گاہ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی میں رہ کر انگریزی زبان پر عبور حاصل کیا اور پھر طویل عرصہ تک دہلی میں ریڈیو اسٹیشن میں ملازمت کی، لیکن اس کے باوجود بھی آپ کے افکار ونظریات، بود وباش اور طرز زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں پیدا ہوئی بلکہ اگر یوں کہا جائے تو شاید غلط نہ ہو کہ ابتدا میں دین کی محبت اور اسلام پر اعتماد اور غیر اسلامی تہذیب وتمدن سے نفور آپ کے خانوادہ سے آپ کو ورثہ میں ملا، اور حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی نظر کیمیا اثر نے ان کے ذہن ودماغ کو صیقل کر دیا۔ پھر جب آپ نے اس عصری دانش گاہ کا رخ کیا اور پھر دہلی میں طویل عرصہ گذارا تو آپ نے مغربی تہذیب کے اصل مصادر ومراجع کی جانب رجوع کیا اور گہرائی کے ساتھ ان کے عقائد، افکار وخیالات اور اہداف ومقاصد کا مطالعہ کر کے اسلامی تعلیمات اور اسلامی تمدن سے اس کا موازنہ کیا جس کے نتیجہ میں اسلامی تہذیب کے امتیازات وخصوصیات اور مغربی تمدن کی ظاہری نگاہوں کو خیرہ کر دینے والی چمک دمک کی حقیقت کھل کر آپ کے سامنے آگئی جس سے اسلامی تہذیب پر آپ کا اعتماد مزید پختہ ہوگیا، اور آپ اس تہذیب کے نمائندہ اور ترجمان اور مغربی تہذیب کے ناقد بن گئے۔ پھر آپ کے اشہب قلم سے جو تحریریں سامنے آئیں وہ آپ کے طویل ترین مطالعہ کا نچوڑ ثابت ہوئیں جن میں قرآن کریم کے لازوال پیغام کا عکس نمایاں ہوتا تھا، محسوس ہوتا تھا کہ کوئی قرآنی انسان خوانِ قرآن اور خوانِ نبوت سے خوشہ چینی کر کے علمی وفکری اور ادبی شہ پارے پیش کر رہا ہے، آپ جو بھی لکھتے کمال اخلاص کے ساتھ لکھتے تھے، اس وجہ سے آپ کے قلم میں اللہ تعالی نے تاثیر پیدا فرمادی تھی، دوسروں کو بھی اخلاص کی ترغیب دیا کرتے تھے، بار بار فرمایا کرتے تھے کہ اخلاص ہی کے ذریعہ اعمال کے اندر زندگی اور روح پیدا ہوتی ہے۔

قرآن کریم سے آپ کو عشق تھا، قرآن کریم میں غور وفکر اور تدبر کیا کرتے تھے، حضرت مولانا سید عبد اللہ حسنی نور اللہ مرقدہ فرمایا کرتے تھے کہ اس دور میں حضرت مولانا واضح رشید ندوی سے زیادہ قرآن کریم کو سمجھنے والا ہمارے علم میں کوئی نہیں ہے۔ رمضان المبارک میں صبح سے شام تک قرآن کریم کی تلاوت میں مصروف رہا کرتے تھے، بسا اوقات ایک ایک آیت کو بار بار دہراتے اور اس کے معانی ومفاہیم پر غور کرتے، قرآن کریم سننے کا بھی بڑا اہتمام فرماتے تھے۔

ذاتی زندگی میں آپ ایک پیکر صدق ووفا، خاموش مزاج، عابد وزاہد، تواضع وانکساری کا پیکر تھے، آپ نے زندگی بھر کبھی اپنی ذات کو نمایاں کرنے کی کوشش نہیں کی، بلکہ اگر آپ کے شاگردوں میں سے کوئی آپ کی ذات کو نمایاں کرنے کی کوشش کرتا تو اس کو بالکل پسند نہ فرماتے، ندوۃ العلماء کے مہمان خانہ میں لوگ عموماً ملاقات کے لیے حاضر ہوتے تو آپ کو الگ گوشہ میں

بیٹھا ہوا پاتے، اگر کوئی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی سے مصافحہ کرنے کے بعد آپ کے پاس آ کر مصافحہ کرتا اور آپ کے پاس بیٹھنا چاہتا تو آپ فرماتے کہ حضرت کی باتیں سنو، ان کی مجلس میں بیٹھو، تواضع وانکساری کے الفاظ زبان سے ادا کرنا بہت آسان کام ہے، لیکن عملی زندگی میں حقیقی تواضع کا نمونہ پیش کرنا یہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں ہے، حضرت مولانا حقیقی تواضع و انکساری کا اعلیٰ نمونہ تھے، اور اپنے اس طرز عمل سے گویا وہ دوسروں کو بھی اسی کی تعلیم دیتے تھے، بقول شاعر ان کا حال یہ تھا۔

جو اعلیٰ ظرف ہوتے ہیں ہمیشہ جھک کے ملتے ہیں
صراحی سرنگوں ہوکر بھرا کرتی ہے پیمانہ

اور گویا شاعر کی زبانی وہ یہ تعلیم بھی دینا چاہتے تھے۔

تواضع کی صفت کو سیکھ لے صاحب صراحی سے
کہ جاری فیض بھی ہے اور جھکی جاتی ہے گردن بھی

اعلیٰ اخلاق و کردار، وسیع وعمیق علم ومطالعہ کے ساتھ تواضع و انکساری آپ کی زندگی کا نمایاں وصف رہا، چھوٹوں سے بھی شفقت کے ساتھ ملتے اور بڑوں کا بھی حد درجہ اکرام کرتے۔

حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کی وفات سے علمی وفکری اور دعوتی و صحافتی میدان میں جو خلا پیدا ہوا ہے اس کا پر ہونا ممکن نظر نہیں آتا ہے، آپ کی وفات صرف ندوۃ العلماء کے لیے یا صرف حسنی خاندان ہی کے لیے ایک بڑا حادثہ نہیں بلکہ یہ حادثہ پوری ملت کا ہے، چونکہ حقیقت یہ ہے کہ آپ کی وفات سے اسلامی صحافت کا ایک اہم ستون گر گیا، مغربی تمدن کا ایک بڑا ناقد اور اسلامی تہذیب کا ایک مخلص ترجمان رخصت ہوگیا، عربی زبان و ادب کے ایک صاحب طرز ادیب وصاحب اسلوب انشاء پرداز اور ناقد سے ہم محروم ہوگئے، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کے لیے بھی یہ سانحہ بڑا اہم ہے، ایک جانب تو وہ آپ کے برادر خورد بھی تھے اور پھر مشیر خاص اور علمی رفیق بھی، ہمیشہ ساتھ رہتے تھے، کھانا پینا، اٹھنا بیٹھنا اور سفر وحضر ہر وقت آپ کے ساتھ رہتے تھے اور آپ کے راحت و آرام کا بھی پورا خیال رکھتے تھے، اللہ تعالیٰ ہم سب کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین۔

غم یہ کیسا چھوڑ گئے

ڈاکٹر محمد یٰسین ذکی (مہتمم جامعۃ الفیصل-تاچپور)

مولانا واضح ندوی تم غم یہ کیسا چھوڑ گئے
رابع حسنی ندوی کو تم ہائے اکیلا چھوڑ گئے

جن سے دل خوش ہوجاتا تھا کون کرے گا وہ باتیں
بھیگی پلکیں، رنجیدہ دل سب کو تڑپتا چھوڑ گئے

سونا سونا لگتا ہے اب ندوہ کا ماحول ہمیں
استادوں، طلبہ کے لیے جیسے اک صحرا چھوڑ گئے

ندوہ کی مسجد کے منارے بانگ لگائیں یہ کہہ کر
زہد وعمل کے پیکر تھے وہ ہم کو تنہا چھوڑ گئے

فضل وکمال اور علم وادب کے وہ تو ایک سمندر تھے
فہم و فراست، فکر و نظر کا بہتا دریا چھوڑ گئے

قرآں اور حدیث واصول فقہ کے تھے وہ اک مہتاب
علم و بصیرت کی دنیا میں دیا وہ جلتا چھوڑ گئے

رحمت، رافت، پیار، اخوت سب کے لیے اخلاص ووفا
ایک نمونہ امن ومحبت، جود وسخا کا چھوڑ گئے

کروٹ کروٹ چین عطا کرنا میرے اللہ ان کو
کتنے بنا کر اس دنیا میں تیرے شیدا چھوڑ گئے

میں بھی ذکی واضح ندوی کے مداحوں میں شامل ہوں
نام رہے گا ان کا زندہ کام وہ ایسا چھوڑ گئے

فخر العلماء حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ کے اوصاف وکمالات سے متعلق پیام عرفات کے خصوصی اشاعت کا ہم خیر مقدم کرتے ہیں۔

جدید و دلکش سونے چاندی کے زیورات کا حسین مرکز

ایم اختر انصاری صراف

(چھٹکؤ سنار کی پرانی دوکان)

کیپر گنج رائے بریلی Phone : 9336001130 - 9369410626

فخر العلماء حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

ایک دبستان فکر، ایک انجمن، یقین محکم، عمل پیہم، جرأت وشجاعت اور جاں پرسوزی کی عملی تصویر تھے۔

MANIPURI STUDENTS LEAGUE (LUCKNOW)

دارالعلوم ندوۃ العلماء میں زیر تعلیم طلبائے منی پوری کی قائم کردہ انجمن، جس میں طلبہ کی خوابیدہ صلاحیتوں کو اجاگر کیا جاتا ہے۔

مقاصد:

☆ تعلیم وتربیت کے ساتھ تقریری وتحریری صلاحیتوں کی آبیاری۔
☆ عربی مدارس میں پڑھنے والے منی پوری طلباء کے مابین ثقافتی پروگراموں کا انعقاد۔
☆ سالانہ کتابی سلسلہ کی تدوین واشاعت۔
☆ صوبہ منی پور میں دعوتی سرگرمیوں کے لیے خاموش اور موثر جدوجہد۔
☆ ایک وقیع علمی ودینی کتب خانہ کا قیام۔

نگراں	منجانب	ناظم
مفتی محمد نجم الدین ندوی	جملہ اراکین	مولانا محمد طاہر حسین ندوی

حسنی فارمیسی کی

بے حد مفید اور مجرب دوائیں نئی اور دلکش پیک میں دستیاب ہیں

بطینا



قبض اور گیس کی کامیاب دوا

کف زال



ہر قسم کی کھانسی، نزلہ، زکام میں بے حد مفید

زوزامین



فسادِ خون اور جلدی امراض کا سیرپ

برنیسال



تین اہم فوائد

۱- سوزش اور جلن میں فوراً ٹھنڈک پہنچائے
۲- زخم کو جلدی ٹھیک کرے، نشان نہ پڑنے دے
۳- ہر طرح کے مضر اثرات سے پاک ہے

کبدون



جگر اور پتہ کی خرابیوں کو دور کرنے والا بے نظیر سیرپ

اِنڈامول



گہرے زخم، پھوڑوں کا لاجواب مرہم

صبا کا آملہ



بالوں کا بہترین محافظ

صبا کا ہیر آئل



دماغ اور بالوں کا انمول ہیئر ٹانک

ڈسٹری بیوٹر اور ایجنسی کے لیے رابطہ کریں

حسنی فارمیسی

HASANI PHARMACY

177/41, GWYNNE ROAD, LUCKNOW-226 018 (U.P.)

PH: (O) 0522-2202677 - Mobile: 9415105047, 9415028675

e-mail: info@hasanipharmacy.com / hasanipharmacy@yahoo.com

Fax: 0522-4063060 - www.hasanipharmacy.com

افرادساز شخصیت

مولانا ڈاکٹر محمد فرمان ندوی (استاد دارالعلوم ندوۃ العلماء-لکھنؤ)

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ (۱۹۳۳ھ-۲۰۱۹ء) نے علم وعمل سے معمور زندگی گذاری، زندگی کا آغاز بھی علم سے ہوا اور انتہاء بھی علم پر ہوئی، ان کی وفات پر بلاشبہ عربی کا یہ محاورہ صادق آتا ہے کہ "موت العالِم موت العالَم" (ایک عالم کی موت پوری ایک کائنات کی موت ہے) ان کے غم کو سب نے محسوس کیا، یہی وجہ ہے کہ عالمی سطح پر ان کی وفات پر تعزیت کا سلسلہ جاری ہے، اور ہر صاحب علم ان کی وفات پر گریہ کناں ہے، بلاشبہ وہ قول وعمل کے جامع تھے، بلکہ ان کی زندگی قولی سے زیادہ عملی تھی، وہ کام کو پسند کرتے تھے اور کرتے رہنے کو زندگی تصور کرتے تھے۔ ابن درید نے کہا تھا:

انما المرء حدیث بعدہ　　فکن حدیثا حسنا لمن وعی

(انسان اپنے جانے کے بعد صرف تذکرہ چھوڑ جاتا ہے، تو اپنے بعد والوں کے لیے اچھا تذکرہ بن جاؤ)

مولانا نے فراغت کے بعد اپنی زندگی کے تقریباً بیس سال اگرچہ ریڈیو میں گذارے، لیکن وہاں بھی علم سے دور نہیں رہے، واجبی کام کے ساتھ دہلی کے مشہور لائبریریوں میں جاتے اور استفادہ کرتے، اس طرح ان کا مطالعہ تازہ اور جدید وقدیم نیز مستند معلومات کا جامع تھا، وہ علمی اور ادبی اسلوب سے بھی واقف تھے تو دوسری طرف صحافتی اسلوب سے باخبر تھے، ایک انکشاف ان کے ریڈیو نشریات کی ایک کلپ سے ہوا کہ وہ اسلوب خطابی پر گہری نظر رکھتے تھے، ان کا طرز القاء بڑا سلجھا اور سنجیدہ تھا، آواز کے زیر وبم، اتار چڑھاؤ اور سامعین کے ذوق ومزاج کے مطابق تھا، راقم کو مسجد ندوۃ العلماء میں نماز پڑھانے کی بھی سعادت حاصل ہے، اسی لیے ایک موقع پر فرمایا کہ آپ کی آواز مائک کے لحاظ سے معتدل ہوتی ہے۔

مولانا دہلی قیام کے زمانہ میں بھی اپنے تعلیم وتربیت کے مشن سے غافل نہیں تھے، بلکہ جس نہج پر آپ کی نشوونما ہوئی تھی اسی نہج پر آپ ہر ایسے شخص کی تربیت کرتے جو آپ سے مانوس ہوتا یا قریب ہوتا، دارالعلوم ندوۃ العلماء آنے کے بعد آپ کی تربیت اور تعلیم کا دائرہ وسیع ہوگیا، یہاں طلبہ کی خیر خواہی اور ان کی صلاحیتوں کو نکھارنے میں آپ کو بڑا کمال تھا، جو آپ سے قریب ہوتا وہ قریب ہوتے چلا جاتا، راقم نے مسلسل درجہ میں تین سال پڑھا، اور آپ کے اختصاصی موضوعات ہی آپ کے زیر تدریس تھے، عصر عباسی کی تاریخ، مصادر الأدب العربی، کتاب البخلاء اور الصحافۃ العربیۃ اور انشاء وتعبیر وغیرہ، درجہ میں معمول کے مطابق تدریس کا فریضہ انجام دیتے، آپ کے گھنٹے میں تدریس کا انداز کچھ اس طرح ہوتا کہ پہلے عبارت خوانی ہوتی، عبارت کی تصحیح کے بعد آپ موضوع کے مالہ وماعلیہ پر سیر حاصل بحث کرتے اور اس کو ایسا سہل اور آسان بنادیتے کہ وہ ہمیشہ کے لیے ذہن میں محفوظ ہوجاتا، دوران درس موضوع سے متعلق کتابوں کی بھی نشاندہی کرتے، جن سے موضوع کو سمجھنے میں بڑی مدد ملتی، بعض مرتبہ انہیں یہ احساس ہوتا کہ طلباء متعلقہ کتابوں کی مراجعت میں سستی کریں گے تو کسی طالب علم کو مکلف کرتے کہ وہ فلاں کتاب سے اس بحث کی تلخیص لکھ کر لائے، اس طرح چاروناچار اس کتاب کی طرف رجوع کرنا ہوتا اور فائدہ کا دائرہ وسیع ہوتا۔

مولانا کی فکر یہ تھی کہ ندوۃ العلماء نے اپنے بنیادی مقاصد میں عربی زبان وادب پر خصوصی توجہ کا نظام بنایا ہے، اس لیے یہاں کے طالب علم کو عربی زبان وادب پر پوری گرفت ہونی چاہیے، صرف بولنے کی حد تک نہیں، بلکہ اس کے رموز واسرار سے بھی واقف ہونا چاہیے، چنانچہ وہ عربی انشاء وتعبیر پر خود بھی توجہ دیتے

اور دوسرے اساتذہ کو بھی آمادہ کرتے، طلباء کی انشاء کی کاپی چیک کرنے پر بہت زور دیتے تھے، اور کہتے تھے کہ ہمارے زمانہ میں طلباء کی تعداد کم تھی، اس لیے کاپیوں کے چیک کرنے میں بڑی آسانی تھی، لیکن اب جب کہ طلباء زیادہ ہو گئے ہیں تو اس میں دشواری پیش آرہی ہے، لیکن اس دشواری کو بھی خوش اسلوبی سے حل کرنا چاہیے اور طلباء کو زیادہ سے زیادہ وقت دے کر ان کی فنی کمزوریوں کو دور کرنا چاہیے، وہ فرماتے ہیں کہ خود جب میں انشاء اور تعبیر پڑھاتا تھا تو طلباء کی کاپیاں درجہ کے باہر دیگر اوقات میں چیک کرتا تھا، علیا اولی میں ہمارے یہاں انشاء کا گھنٹہ تھا، کبھی پہلے سے کسی عبارت کا ترجمہ کرنے کے لیے کہتے اور کبھی کسی عنوان پر مضمون لکھنے کی فرمائش کرتے اور کبھی بروقت کوئی موضوع دیتے اور انشائیہ لکھنے کی تاکید کرتے اور درجہ ہی میں لکھواتے، اس طرح طلباء کی خفتہ صلاحیتیں منظر عام پر آتیں۔ ایک مرتبہ ہمارے یہاں ایک عنوان دیا "آپ خالی وقت کیسے گذاریں" (کیف تقضی أو تملأ الفراغ؟) طلباء نے طبع آزمائی کی، اس عنوان پر اپنے خیالات چند منٹ میں لکھ کر پیش کیے تو کسی کو سراہا اور کسی کی اصلاح کی۔ یہ درجہ سے متعلق بات ہوئی۔

بعض طلباء جو مولانا سے بہت زیادہ ہم آہنگ تھے وہ الگ سے بھی انشاء اور تعبیر چیک کراتے تھے، اس کی ترتیب یہ تھی کہ مولانا دو کاپیاں بنواتے: ایک کاپی اصلاح کے لیے لے لیتے اور دوسری طالب کے پاس ہوتی، پھر جب پہلی کاپی کی اصلاح ہو جاتی تو دوسری رکھ دی جاتی، اصلاح وتربیت کا یہ عمل خاموشی سے انجام پاتا، اس طرح آپ کی میز پر کئی کاپیاں جمع ہو جاتیں، اور آپ اپنے خالی گھنٹے میں ان کاپیوں کی اصلاح کرتے، اور نئی انشاء بھی دے دیتے، طلباء کے لیے مشکل مرحلہ یہ ہوتا ہے کہ کس طرح کی انشاء بنائیں، اگر اس سلسلہ میں استاذ کی رہنمائی ہوتی ہے تو ان کے لیے بڑی آسانی ہوتی ہے۔

مولانا انشاء اور ادب کے حوالہ سے اساتذہ کو بھی وقتاً فوقتاً نصیحت کرتے رہتے اور زیادہ سے زیادہ وقت دینے کی تاکید کرتے، اپنے بارے میں نقل کرتے کہ مجھے مولانا محمد عمران خان ندوی اور مولانا محبوب الرحمن ازہری سے عربی کا ذوق ملا، انہوں نے عربی اول میں مجھے عربی زبان پڑھائی، ان کا طرز براہ راست عربی سکھانے کا تھا، فرماتے تھے کہ جب تک عربی کی محبت نہیں ہوگی عربی زبان نہیں آسکتی، مزید فرماتے ہیں کہ ندوہ کا امتیاز عربی زبان میں ہے، اس لیے ضرورت ہے کہ متعدد پہلوؤں سے اس پر غور کیا جائے، متنوع پروگرام کیے جائیں، بارہا راقم کو بھی تاکید کی کہ طلباء میں عربی کی صلاحیت پیدا کیجیے، وفات سے پہلے غالباً جنوری کی پانچ تاریخ ہوگی، النادی کے نظام کو مستحکم بنانے کی تلقین کی، وہ فرماتے تھے کہ میں نے اپنے ابتدائی تدریسی دور میں دس دس لڑکوں کی ایک ٹیم بنائی تھی، وہ ٹیم ایک ہفتہ میں ایک موضوع پر اظہار خیال کرتی اور حاصل مطالعہ پیش کرتی، اس طرح طلباء میں علمی ترقی کے مواقع سامنے آتے، اس طریقہ کو جاری کرنے کی ضرورت ہے، مولانا فرماتے تھے کہ میں جب مختارات پڑھاتا تھا تو ترجمہ وتشریح کے علاوہ سبق کا خلاصہ عربی زبان میں طالب علم سے بیان کرواتا تھا، اس سے طلباء میں عربی کی مشق ہوتی اور بولنے کی صلاحیت پیدا ہوتی، نئے الفاظ اور جملے لکھنے کے لیے میں ان سے کہتا، ماشاء اللہ اس وقت کے طلباء نے اس کی پابندی کی تو ان کو فائدہ ہوا، مولانا نے حماسہ اور ادب عربی خاص طور سے اشعار عرب پڑھانے والوں کو تاکید کی اور بار بار کہتے تھے کہ جب تک قبائل سے واقفیت نہیں ہوگی اس وقت تک عربی شعر فہمی کا ذوق پیدا نہیں ہوگا، فرماتے کہ مدارس میں صرف عربی اشعار کے ترجمہ پر اکتفاء کیا جاتا ہے، جس سے طلباء صحیح مفہوم سمجھنے سے قاصر رہتے ہیں، وہ جریر کے مشہور شعر:

فغض الطرف انک من نُمیر فلا کعبا بلغت ولا کلابا

(اپنی نگاہ پست رکھو، کیونکہ تمہارا تعلق قبیلہ نمیر سے ہے، نہ تم کعب کے مرتبہ کو پہونچ سکتے ہو، نہ کلاب کے)

اسکے سلسلہ میں فرماتے کہ جب تک طالب علم قبیلہ کعب اور کلاب سے واقف نہیں ہوگا، اس وقت تک شعر کا صحیح مفہوم نہیں سمجھ سکتا ہے، اسی سلسلہ میں مجھے بھی تاکید کی کہ اس پر زور دیں، میں نے انہیں کے مشورہ سے باب الأدب من دیوان الحماسۃ کو

ایڈٹ کیا اور قبائل کا تعارف کرایا، دیگر ابواب پر کام جاری ہے، دعا ہے کہ اللہ اسے مکمل کرنے کی توفیق دے۔

دار العلوم میں علیا درجات میں پڑھنے والے طلباء کو سو صفحات کے اندر ایک مقالہ لکھنا ہوتا ہے، وہ ایک مستقل موضوع ہوتا ہے، اس پر سو نمبر متعین ہوتے ہیں، طلباء اپنے اپنے ذوق کے مطابق عناوین لیتے ہیں، مولانا کے پیش نظر یہ بات تھی کہ جو طالب علم جس فن کا ہے اسی سے متعلق عنوان لے، میں نے اپنے اختصاصی موضوع سے الگ ایک عنوان لیا تو مولانا نے اس کو بدل دیا اور کہا کہ "وفیات الأعیان" ابن خلکان کی مشہور کتاب ہے، اس کا مطالعہ کرو، میں نے مولانا کی نگرانی میں پوری کتاب بحمد اللہ پڑھی، پھر مولانا نے اس کا موضوع طے کیا: المواد العلمیة والأدبیة فی کتاب وفیات الأعیان (وفیات الأعیان کے علمی اور ادبی مواد کا جائزہ) بحمد اللہ یہ مقالہ ڈھائی سو صفحات میں مکمل ہوا، دار العلوم کے نصاب میں "وفیات الأعیان" کا انتخاب داخل ہے، طلباء فوٹو کرا کے پڑھتے ہیں، لیکن طلباء کو دشواری کا سامنا تھا، اس لیے اس کی ایڈٹنگ کا مشورہ ہوا تو مولانا نے نہ صرف اس کی تائید کی بلکہ وفات سے چند روز قبل اس کا مقدمہ بھی تحریر فرمایا، ماشاء اللہ یہ کتاب حضرت ناظم ندوۃ العلماء اور حضرت مہتمم صاحب کے کلمات سے مزین ہو کر منظر عام پر آرہی ہے۔ یہ چند مثالیں ہیں، ورنہ مولانا کی تعمیری شخصیت کے بے شمار نمونے پیش کیے جاسکتے ہیں، یہ مضمون ایک تاثراتی مضمون ہے، ان شاء اللہ دیگر پہلوؤں کو واضح کیا جائے گا۔

اسلام کے نام سے یہ سراسیمگی کیسی!

"سامراجی طاقتوں نے اسلام کا قلع قمع کرنے اور مسلمانوں کو اپنے اصل سرچشمہ سے قطع تعلق کرنے کے لیے امکانی حد تک پوری کوشش کر ڈالی، ماسونی، صہیونی اور کمیونزم نے دلوں سے شرارۂ ایمانی کو گل کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگا دیا، ان تنظیموں نے اسلامی و تربیتی اداروں کے خلاف اپنی پوری توانائی مرکوز کر دی تاکہ وہاں سے ایسی کھیپ تیار ہو جو سامراجی اسکیموں کو کامیاب بنائے، انہوں نے مغربی مکاتب فکر سے فارغ ہونے والے طلبہ کے لیے حکومت کی کرسی تک پہنچنے کی راہ ہموار کر دی، کیونکہ اسلام کا ان پر ایسا خوف طاری ہے جیسے کسی بادشاہ و حکمراں کا، لہٰذا وہ اسلام کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ ڈالتے ہیں تاکہ یورپی تہذیب و قیادت کو خطرہ لاحق نہ ہو، اس لیے وہ ہر اسلامی تحریک بلکہ ہر اسلامی کوشش کو ناکام بنانا چاہتے ہیں، حتی کہ مساجد کی تعمیر اور نماز کی ادائیگی پر پابندی لگا رہے ہیں، وہ ان سارے اعمال کو اپنے حق میں مضر سمجھتے ہیں جیسا کہ ایک فرانسیسی نے کہا کہ "اسلامی جماعتیں جس عقیدے کی دعوت دیتی ہیں وہ ہماری یورپی تہذیب کے لیے انتہائی خطرناک ہیں۔"

سامراجی مصالح کے پیش نظر جس طرح یورپ کو اسلام اور اس کی ترقی سے اندیشہ ہے، اسی طرح مغرب کی گود میں پلنے والے کچھ نام نہاد مسلم حکمراں بھی اسلامی تحریکوں کو خطرہ سمجھتے ہیں اور یہ خوف اس بات کا نہیں ہے کہ ایک مذہب دوسرے مذہب کے مقابلہ میں یا اسلام عیسائیت کے مقابلہ میں غالب آجائے گا، کیونکہ وہ بھی کسی حد تک مسلمان ہیں، بلکہ ان کے خوف کا حقیقی راز یہ ہے کہ مسلمانوں کی فکری و تمدنی قیادت کا بول بالا ہو جائے گا جیسا کہ اس خطرہ کا اظہار براؤن کے بیان سے ہو چکا ہے۔

یہی وہ خطرہ ہے جو سامراجیوں کو نظام اسلامی اور تہذیب اسلامی کی طرف دعوت دینے والی تمام تحریکات کا قلع قمع کر دینے پر مجبور کیے ہوئے ہے، اور اسی مقصد کے حصول کے لیے تمام مغربی حکمراں تن من دھن کی بازی لگائے ہوئے ہیں۔ لیکن خالق کائنات کا وعدہ برحق ہے "ومکروا ومکر اللہ واللہ خیر الماکرین" ایک تدبیر وہ کر رہے ہیں اور ایک اللہ کر رہا ہے اور اللہ سب تدبیر کرنے والوں سے بہتر ہے۔"

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی ؒ

علم اٹھتا ہے اہل علم کی رحلت سے

ڈاکٹر محمد علی ندوی (استاذ کلیۃ الشریعۃ، مسجد نبوی)

کسے معلوم تھا کہ ۱۶؍جنوری ۲۰۱۹ء کی شب جاتے جاتے کربناک خبر صبح کی گود میں دے کر رخصت ہوگی، حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی ؒ کی رحلت کی خبر آگ کی طرح پھیلی اور پھیلتی ہی چلی گئی، دنیا بھر میں طوفان مچ گیا، آنکھیں نم ہوگئیں، دل مغموم ہوگئے، ہوش اڑ گئے۔

اور زبان رسول اللہ ﷺ سچ ثابت ہوا: "ان اللہ لا یقبض العلم انتزاعا ینتزعه من العباد ولکن یقبض العلم بقبض العلماء" کہ اللہ تعالیٰ علم کو اس طرح نہیں اٹھائیں گے کہ اہل علم کے سینوں سے اسے نکال لیں، بلکہ علماء کو اٹھانے کے ذریعہ علم کو اٹھائیں گے۔ اہل علم ہی امت کے رہبر ہوتے ہیں، اللہ رب العزت نے انہیں کی طرف رجوع ہونے کا حکم دیا ہے: {فاسألوا أهل الذكر ان كنتم لا تعلمون} اہل علم کے تخصصات اور خصوصیات الگ الگ ہونے کے باعث خداوحدہ لاشریک نے ہر مسئلہ کے اس کے میدان کے ماہر کی طرف جانے کو کہا ہے، اسی لیے کہا جاتا ہے کہ قرآن پاک نے اپنے اندر دنیا بھر کے علوم وفنون کو سمولیا ہے: {مافرطنافی الکتاب من شیء}

حضرت مولانا واضح صاحب ؒ ادب اسلامی، فکر اسلامی، صحافت اسلامی جیسے تخصصات کے ماہر ہی نہیں علم بردار تھے، مرد میدان ہی نہیں سالار تھے، قلم کے شہسوار، بہترین نثر نگار، عربی زبان وادب کے مایہ ناز فنکار تھے۔ حضرت مولانا علم وعمل کے جامع، صالحیت و صلاحیت کے سنگم اور اس کے ساتھ نافعیت کے گراں مایہ جوہر کے حامل تھے۔

اگر یہ کہا جائے کہ مولانا برصغیر کی سطح پر عربی ادب ولٹریچر اور اس کے مختلف گوشوں میں منفرد تھے تو غلط نہ ہوگا، لیکن علم وتحقیق کے اس سمندر، کاروان ادباء ہند کے اس سالار کے کیا کہنے کہ وہ زہد و تقوی، تصوف وتزکیہ کے بھی غوطہ زن تھے، تواضع وانکساری میں بھی بلند مقام رکھتے تھے، سادگی وبے نفسی میں اپنی مثال آپ تھے، حضرت ابراہیم بن ادہم ؒ فرماتے ہیں: "ما صدق اللہ عبد أحب الشهرة" یعنی اس بندہ نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ سچ نہیں کیا جس نے شہرت پسند کی۔ مولانا واضح صاحب ؒ وہ بندہ تھے جس نے شہرت کو پسند نہیں کیا، اس سے دوری اختیار کی، نام واضح تھا، لیکن زندگی بھر اپنے کو مخفی رکھا، پھر خوشبو تو خوشبو ہوتی ہے، جتنا چھپاؤ وہ کھلتی پھیلتی ضرور ہے، آج اللہ تعالیٰ نے آپ کی عظمت کو خوب واضح فرمایا۔

مولانا فکر اسلامی کی ترجمانی، مغربی تہذیب وثقافت پر بلا خوف وخطر قلمی یلغار کرتے، قوم وملت کے حالات پر متفکر اور امت کے غم میں ڈوبے رہتے، مولانا کئی اردو، عربی کتابوں کے مصنف ہیں، کئی اداروں کے سرپرست تھے، ان کے لیے متفکر رہتے تھے، اپنی منفرد ومؤثر انداز تحریر، طرز فکر، اسلوب نگارش سے ہند وبیرون میں جانے پہچانے جاتے تھے، ان سب کے ساتھ وہ ایک کامیاب اور بے مثال مدرس اور عظیم مربی بھی تھے، طلبہ ومتعلقین کی تربیت کے ساتھ ان کی قدر کرتے اور محبت کرتے، اور کبھی حوصلہ شکنی نہیں کرتے تھے۔

مولانا قدیم نافع اور جدید صالح کے صحیح مصداق تھے، یہی وجہ تھی کہ راقم سطور کی کتاب "الاعجاز العلمي في القرآن الكريم" جو قرآن پاک کے سائنسی معجزوں پر ہے، کو پسند فرماتے اور قدر کرتے۔

عجیب بات یہ بھی ہے کہ ان ستودہ صفات وخصوصیات کے ساتھ خاموشی کا زندہ نمونہ تھے، حضرت ابوالدرداء ؓ فرماتے ہیں: "تعلموا الصمت كما تعلمون الكلام" (سکوت وخاموشی بھی سیکھو جیسے بات کرنا سیکھتے ہیں)

حضرت ابراہیم بن ادہمؒ فرماتے ہیں: ”رأس العبادة التفکر والصمت الا من ذکر اللہ“ کہ ذکر اللہ کے علاوہ خاموشی اور غور کرنا عظیم عبادت ہے، مولانا کی زندگی اس عظیم عبادت کی عملی نمونہ تھی، جس سے مولانا کو لایعنی سے پرہیز کرنے میں بڑی مدد ملی، اور ”من حسن اسلام المرء ترکہ مالا یعنیہ“ کا زندہ نمونہ بن کر دکھا گئے۔

نہیں منت کش تاب شنیدن داستاں میری
خموشی گفتگو ہے، بے زبانی ہے زباں میری
اٹھائے کچھ ورق لالے نے، کچھ نرگس نے، کچھ گل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری
الٰہی! پھر مزا کیا ہے یہاں دنیا میں رہنے کا
حیات جاوداں میری، نہ مرگ ناگہاں میری
مرا رونا نہیں، رونا ہے یہ سارے گلستاں کا
وہ گل ہوں میں خزاں ہر گل کی ہے گویا خزاں میری

یقیناً مولانا کے جانے سے آسمان بھی رویا، زمین بھی روئی، بر و بحر شریک غم رہے، ہر جاننے والی آنکھ نے آنسو ٹپکائے، آپ کی خصوصیات اور زندگی کے روشن پہلو بہت ہیں، جن کی ایک جھلک پیچھے پیش کی گئی ہے۔

مولاناؒ کی زندگی کا ایک اہم پہلو تدبر قرآن اور کتاب اللہ سے گہرا اور والہانہ تعلق بھی ہے، اسی تعلق کی بنا پر بندہ کا تعلق ان سے ہوا اور ان کی شفقت حاصل ہوئی، حالانکہ ان کا تخصص ادب وصحافت تھا اور بندہ کا تخصص فقہ واصول فقہ جیسے خشک علمی موضوعات رہا، یہ کلام اللہ سے تعلق تھا جس نے دونوں کو ملا دیا، مولانا کتاب اللہ میں غرق تھے، اس کے سننے کا شوق اور اس میں تدبر کرتے، اور اس کی چاشنی وحلاوت، فصاحت و بلاغت کی مٹھاس ولذت سے لطف اندوز ہوتے، اور ادھر بندہ کو اللہ تعالیٰ نے قرآن اور کسی قدر حسن ترتیل وخوش الحانی کی دولت سے سرفراز فرمایا ہے، بارہا ایسا ہوا کہ بندہ نے امامت کی اور مولانا آیات جو پڑھی گئی ہوں دیر تک اس کے ادبی نکات کو بیان کرتے رہے، اور اپنے ساتھ محفل کو بھی محظوظ فرماتے رہے۔

حضرت مولانا کی وفات حسرت آیات سے ایک بڑا خلا وجود میں آیا ہے، یہ نقصان انفرادی اور ملکی سطح سے بڑھ کر پورے عالم اسلام کا نقصان ہے، مولانا خود فرماتے ہیں:

”عالم اسلام کا اس وقت سب سے بڑا خلا اس قائد اور حوصلہ مند انسان کا فقدان ہے جو مغربی تہذیب کا جرأت، اعتماد اور یقین کے ساتھ سامنا کرے، اور اس تہذیب جدید کے مختلف سانچوں، مختلف مکاتب فکر اور راستوں کے درمیان ایک نیا راستہ پیدا کرے، ایسا راستہ جس میں وہ تقلید، نقل، غلو اور انتہا پسندی سے بالاتر نظر آئے، اور ظاہری اشکال، مظاہر اور سطحی نقطہ نظر سے بلند ہو، حقائق اور وسائل، قوت اور مغز کی طرف متوجہ ہو، اور اس کے ظاہری خول میں نہ الجھے۔“ (سلطان ٹیپو شہید: ۴۷)

مولانا کے ساتھ سچی وفاداری یہ ہے کہ ہم ایک طرف ان کے لیے دعا گو ہیں، تو دوسری طرف ان کی خوبیوں میں اقتداء کریں، اپنے اندر صالحیت اور نافعیت پیدا کریں، اور قوم وملت کے غم میں ڈوب کر ان کی خدمت کے تاج کو فخر سے پہنیں، یہی مولانا کی خوبیاں تھیں اور یہی اس حوصلہ مند قائد کی طرف پیش قدمی ہوگی، جس کا فقدان ہے، اور جس کی ضرورت کی طرف مولانا توجہ دلا کر گئے ہیں۔

اللہ تعالیٰ مولانا کے درجات بلند فرمائے اور ہمیں ان کی باکمال صفات کی اقتدا کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

اسلام ایک جامع نظام حیات

”اسلام انسانی زندگی کے تمام پہلوؤں پر محیط ہے، زندگی کا کوئی گوشہ اسلامی تعلیمات سے محروم نہیں، عبادت ہو، سیاست ہو، معاشیات ہو، اخلاقیات ہو، نباتات ہو، جمادات ہو، تعلیم وتعلم کا میدان ہو، غرض یہ کہ اسلام میں ہر ایک کے لیے رہنمائی موجود ہے، کیونکہ اسلام ابدی، جامع اور ہمہ گیر متوازن نظام حیات ہے اور یہی جامعیت اس کی کشش کا سبب ہے اور اسی جامعیت کی وجہ سے وہ اس وقت بھی سب سے زیادہ پھیلنے والا دین ہے، اور اس کی یہ مقبولیت ہی اس کے مخالفین کے لیے پریشانی اور دشمنی کا سبب ہے۔“

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی ؒ

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مولانا محمد اسعد ندوی (استاذ مدرسہ چشمۂ فیض-مدھوبنی)

آج صبح سویرے جب کلاس کے لیے تیار ہورہے تھے کہ اچانک میرے ایک دوست نے مولانا واضح رشید حسنی ندوی کے انتقال کی خبر دی، تصدیق کے لیے رائے بریلی اور لکھنؤ فون کیا، ہر طرف سے خبر کی تصدیق ہوتی گئی، ایک طرح سے سکتہ طاری ہوگیا، ذہن ودماغ محوِ حیرت تھے کہ آخر یہ کیا ہوگیا مگر "فان للہ ما أخذ و لہ ما أعطی" پر یقین کرتے ہوئے اللہ کے فیصلے پر راضی رہنا ایک مومن کی شان ہے، حضرت مولانا واضح صاحب جنہیں رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہوئے عجیب سا محسوس ہورہا ہے، کو پہلی مرتبہ اس وقت دیکھنے کا اتفاق ہوا جب یہ عاجز معہد دارالعلوم ندوۃ العلماء کے درجہ ہشتم میں زیرِ تعلیم تھا، یہ ۱۹۹۴ء کی بات ہے، مولانا اس وقت نیلی شیروانی میں ملبوس، ہاتھ میں بیگ لیے، پندرہ روزہ عربی جریدہ "الرائد" کے آفس کی طرف رواں دواں تھے، مولانا کی چال ڈھال، خاص وضع وانداز سے ایک سادہ ذہن طالب علم کا متاثر ہونا ایک بدیہی بات تھی، جو دارالعلوم ندوۃ العلماء کے زمانہ طالب علمی کے اخیر ایام تک باقی رہی، اور آج تک اسی طرح کا تاثر ذہن ودماغ پر مرتسم ہے۔

مولانا واضح کا شمار ان علمائے کرام میں تھا، جنہیں اللہ نے علم کے ساتھ تربیت کرنے کی بیش بہا دولت سے نوازا تھا، یہی وجہ ہے کہ جو طالب علم آپ سے ایک بار قریب ہوتا وہ آپ ہی کا ہو کر رہ جاتا، کیوں کہ مولانا کی بے مثال علمی کشش، تربیت کا نرالہ انداز، اور ان کی علمی اور تحقیقی امور میں رہنمائی طالب علم کی زندگی کا راستہ طے کردیتی، چنانچہ ان کے شاگردوں میں ایک بڑے محقق نے ان کے بارے میں لکھا ہے، مولانا کے ہر درس میں عقل ودماغ کو نئے مواد ملتے، ہر مجلس میں علم وادب کی نئی معلومات حاصل ہوتیں اور ہر صحبت میں اخلاق وتربیت کا نیا سامان بہم ہوتا، نہ کہیں تکرار مملّ، نہ ہی علم وادب کی سطح سے فروتر کوئی گفتگو اور نہ ہی اخلاق وشائستگی سے دور کوئی تبصرہ۔

مولانا کے اندر علمی گیرائی اور گہرائی کوٹ کوٹ کر بھری ہوئی تھی، عربی زبان وادب کے ساتھ ساتھ قرآنی علوم سے بھی گہری وابستگی رکھتے تھے، جس کا اندازہ طلبہ کو اس وقت ہوتا جب وہ فضیلت دوم کے مناقشہ کے مضمون کا زبانی امتحان لیتے، ساتھ ہی اختصاص فی الفقہ کے طلبہ سے جدید فقہی مسائل پر تبادلۂ خیال کے انداز میں ان کی رائے معلوم کرتے، ساتھ ہی دلیل بھی پوچھتے تو طلبہ حیران وششدر رہ جاتے اور یہ کہتے کہ ہم تو یہ سمجھتے تھے مولانا تو اپنے موضوع سے متعلق سوال کریں گے، مگر قربان جائیے مولانا کی معلومات کی وسعت پر، کہنے کو عربی ادب کے استاد تھے، مگر ہر فن کی جانکاری حد درجہ تھی، عربی ادب کا مضمون جس میں مولانا کو مرجعیت حاصل تھی، ہر خاص وعام کیا طلبہ کیا علماء کیا دانشوران، ہر طبقے کے لیے سند کی حیثیت رکھتے تھے، بالخصوص تاریخ ادب عربی کے موضوع پر پورے ملک میں تنہا انسائیکلو پیڈیا تھے، جب اس موضوع کے کسی ایک پہلو پر مولانا کا محاضرہ ہوتا تو وہ اپنی جامعیت اور معلومات کی وسعت کے لحاظ سے اپنی مثال آپ ہوتا، اور ہر کسی کو اس موضوع پر ایک نئی رہنمائی ملتی۔

مولاناؒ ایک مشہور صحافی تھے، مولانا کے مضامین بالعموم ہند اور بیرون ہند سے شائع ہونے والے عربی مجلات میں طبع ہوتے تھے، دارالعلوم ندوۃ العلماء سے نکلنے والا پندرہ روزہ عربی جریدہ "الرائد" کی ادارت آپ کے ذمے تھی، ماہنامہ "البعث الاسلامی" جو دور اول سے بین الاقوامی شہرت کا حامل ہے، اس کی ادارت میں بھی شامل تھے، پندرہ روزہ "الرائد" کا اداریہ عام طور سے آپ ہی کے قلم گوہر بار سے رقم ہوتا تھا، جس کی زبان بڑی صاف ستھری ہوتی تھی، نئی عربی مصطلحات سے مزین ہوتا، جو عربی زبان کے طالب علم کے لیے بڑی قیمتی چیز ہوتی، "البعث الاسلامی" کا "صورو

اوضاع" کا کالم آپ کے قیمتی مقالات ومضامین سے آراستہ ہوتا، اس کالم میں آپ کے شائع ہونے والے مضامین عالم اسلام کے سیاسی حالات اور ہندوستان کے سیاسی، سماجی اور تعلیمی صورت حال پر ایک اسلامی صحافی کی حیثیت سے بے لاگ تبصرے پر مشتمل ہوتے، جنہیں پڑھ کر ایک انصاف پسند عربی داں کو ہند اور بیرون ہند کی صحیح صورت حال کی جانکاری ہوتی، ان میں بعض ایسے مضامین بھی ہوتے جن میں ہندوستان کے سیاسی پس منظر میں انگریزی اور اردو کے اخبارات میں شائع کیے گئے مضامین کے ان حصوں کے حوالے بھی ہوتے جو عالم عرب کے دیندار طبقے کے لیے دلچسپی کا باعث ہوتے، انہیں خوبیوں کی بنیاد پر ہندوستان کا عربی داں طبقہ اور عرب دنیا کے لکھنے پڑھنے والے لوگ مولانا کے مضامین کا بے صبری سے انتظار کرتے، گویا مولاناؒ اپنی عالی دماغی اور صحافتی بصیرت کے ذریعہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ایک چھوٹے سے دفتر میں بیٹھ کر پوری دنیا کو سیراب کرتے۔

مولانا کہنہ مشق صحافی ہونے کے ساتھ ساتھ ایک قابل مصنف بھی تھے، چنانچہ ان کے قلم سے؛ أدب الصحوة الاسلامية، حركة التعليم الاسلامي في الهند وتطور المنهج، تاريخ الأدب العربي، أدب أهل القلوب، تاريخ النقد العربي مختصر الشمائل النبوية وغیرہ جیسی تقریباً تیس کتابیں جو اپنے موضوعات پر منفرد ہیں، تصنیف ہوئیں۔

مولاناؒ ذاتی طور پر ایک شریف اور سنجیدہ انسان تھے، سادگی ان کی شناخت تھی، خوشامد پسندی سے دور تھے، منکسر المزاج تھے، ہر کسی سے خوش اخلاقی سے پیش آتے، مجلسوں اور محفلوں سے حد درجہ دور رہتے، خلوت پسندی گویا ان کے مزاج میں داخل تھی۔

مولاناؒ بظاہر کم گو تھے مگر طلبہ کے درمیان جب سبق پڑھاتے تو مرتب انداز میں تسلسل کے ساتھ اس طرح بولتے چلے جاتے کہ سننے والا یہ محسوس کرتا کہ ریڈیو کی ریکارڈنگ چالو کردی گئی ہے، درمیان درس خاص انداز میں علمی لطیفے اور چٹکلے بھی سناتے جن سے طلبہ محظوظ ہوتے، بار بار عربی مصطلحات استعمال کرتے جن سے سبق کا لطف دوآتشہ ہوجاتا۔

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن کا دیدہ ور پیدا

وصال الی المولیٰ

۹؍جمادی الاولی ۱۴۴۰ھ-۱۶؍جنوری ۲۰۱۹ء (اذان فجر کے وقت)

نالۂ غم: محمد زاہد حسین ندوی جمشید پوریؔ

صد آہ! علم و فضل کا گوہر نہیں رہا
علمی نکات کا وہ پیمبر نہیں رہا

نازاں تھے جس پہ علمی اداروں کے بام و در
افسوس! وہ علوم کا رہبر نہیں رہا

افکار اور ادب میں تھا یکتائے روزگار
تحقیق و فن کا آخری محور نہیں رہا

یکساں عنایتیں تھیں، وہ اپنے ہوں یا کہ غیر
اخلاق فاضلہ کا گل تر نہیں رہا

تحریر اک اذان تھی ملت کے واسطے
عقدہ کشائے راز مظہر(۱) نہیں رہا

محراب علم و فضل میں پھیلی اداسیاں
دریائے علم و فن کا شناور نہیں رہا

زاہدؔ کو بھی نیاز تھا کچھ ان کی ذات سے
وہ چلتا پھرتا علم کا دفتر نہیں رہا

(۱) علوم قرآنی، اعجاز بلاغت قرآنی

ایک دیا اور بجھا اور بڑھی تاریکی

جناب ابوفہد (مرتب ماہنامہ ذکریٰ جدید-نئی دہلی)

دارالعلوم ندوۃ العلماء سے تعلق رکھنے والوں میں بلکہ علم دین متین اور اردو و عربی زبان و ادب سے شغف رکھنے والوں میں شاید ہی کوئی ایسا شخص ہو جو مولانا سید واضح رشید حسنی ندویؒ کو نہ جانتا ہو اور ان کے فضل و کمال کا معترف نہ ہو۔

گزشتہ دنوں مولانا مرحوم کی اچانک موت نے اہل علم کو گہرے صدمات سے دوچار کر دیا۔ اس اچانک موت سے ہر کوئی سکتہ کے عالم میں ہے۔ ملک و بیرون ملک میں ان سے محبت کرنے والے اور تعلق خاطر رکھنے والے اہل علم و دانش مضامین اور تعزیتی نشستوں کے ذریعے اپنے تاثرات کا اظہار کر رہے ہیں۔ اور اس قدر والہانہ محبت اور شدتِ جذبات کے ساتھ کر رہے ہیں جیسے وہ مسلسل سائے میں تھے اور پھر اچانک بے سایہ ہو گئے۔ جیسے کوئی صحرائی تپتی دھوپ میں تنہا کھڑا رہ جائے، قافلہ گزر جائے اور سواری کھو جائے۔ ایسے شخص کی کیا حالت ہوگی آپ اندازہ کر سکتے ہیں، ایسی ہی کچھ حالت مولانا مرحوم کے محبین اور متعلقین کی اس وقت ہوئی جب ۱۶ر جنوری کی صبح فجر کی اذان کے وقت معتمد تعلیمات دارالعلوم ندوۃ العلماء دنیائے فانی سے رحلت فرما گئے۔

میرے لیے یہ سعادت کی بات ہے کہ میں نے بھی ان سے فیض حاصل کیا ہے اور انہیں تکیہ کلاں رائے بریلی اور ندوۃ العلماء کے احاطے میں چلتے پھرتے، پڑھتے پڑھاتے اور محاضرات دیتے ہوئے دیکھا اور سنا ہے۔ مولانا کی ذات گوناگوں صفات کی حامل تھی۔ وہ ممتاز صاحب قلم تھے، کئی زبانیں جانتے تھے، اردو اور عربی دونوں زبانوں میں لکھتے تھے۔ انہوں نے دونوں زبانوں میں درجنوں کتابیں چھوڑی ہیں۔ ان کی تحریریں میرے خیال میں ندوۃ العلماء کے طلبہ میں اور اساتذہ میں بھی شاید سب سے زیادہ پڑھی جاتی تھیں۔ اس کا ایک ثبوت یہ بھی ہے کہ مولانا کے مضامین جو 'الرائد' میں شائع ہوتے تھے ان کے شاگرد خود اپنی صوابدید پر اردو میں ترجمہ کر کے شائع کرتے تھے۔ میں نے بھی کئی مضامین کا ترجمہ کیا ہے اور میرے ایک دوست خورشید عالم ندوی نے بھی کئی مضامین کا ترجمہ کیا ہے۔ جبکہ ہمیں مولانا کی طرف سے یا ان کے کسی معتمد خاص کی طرف سے کوئی ہدایت یا مشورہ نہیں ملا تھا کہ ہمیں ایسا کرنا چاہیے اور یہ خود ہمارے لیے بھی بہتر ہوگا۔ بس ساری بات یہ تھی کہ ہم مولانا کے مضامین پڑھتے تھے، پسند آتے تھے اور ہم ترجمہ کر دیتے تھے۔ میری نظر سے ایسے بہت سارے مضامین گزرے ہیں جو مولانا کے شاگردوں نے ترجمہ کیے ہیں اور وہ بھی اسی طرح بنا کسی تحریک یا مشورے کے کیے ہیں۔ "تعمیر حیات" کے صفحات اس کی گواہی دیں گے اور وہ بھی جو ماہنامہ "تعمیر حیات" کے مستقل قاری ہیں۔ اور اس کی دو بڑی وجوہات تھیں۔ ایک تو مولانا کی تحریر کا ظاہری حسن اور علمی وزن تھا جس سے قاری متاثر ہوئے بنا نہیں رہ سکتا تھا اور دوسرے ان کی شخصیت کا سحر تھا کہ جو طالب علم ان سے قریب ہو جاتا وہ ان کی شخصیت کے سحر میں گرفتار ہو جاتا تھا اور یہ گرفتاری کسی بھی پڑاؤ پر منقطع نہیں ہو پاتی تھی۔ آج جب مولانا اس دنیا میں نہیں ہیں تو اس بات کی گواہی وہ تمام حضرات دے رہے ہیں جو مولانا کے ساتھی تھے یا ابتدائی دور کے شاگرد تھے۔ مولانا کے مضامین ہر سطح پر اپنا ایک معیار رکھتے تھے، اسلوب تحریر بھی ادبی معیار کا تھا، علمی سطح پر بھی تقریباً ہر تحریر پر مغز ہوتی تھی، ان کی تحریروں کا اصل جوہر نقد تھا، انہوں نے مغربی تہذیب اور اخلاقیات پر جس انداز سے اور جس قدر ٹھوس دلائل اور واضح اور علمی وزن اور مومنانہ وِژن کے ساتھ نقد کیا ہے کم ہی افراد کو یہ سعادت نصیب ہوتی ہے۔

مولانا کی شاید درست تعریف یہ ٹھہرے کہ مولانا دراصل عارف

باللہ تھے۔ ان کی ادبی، صحافتی اور علمی خصوصیات وخدمات ثانوی ہیں، ان کی پہلی اعلیٰ صفت یا خصوصیت ان کا عارف باللہ ہونا ہے۔ انہیں کتاب اللہ سے حد درجے عشق تھا، ہم نے انہیں نہایت توجہ اور انہماک کے ساتھ تلاوت کرتے ہوئے دیکھا ہے۔ مولانا صرف صاحب قلم ہی نہیں تھے، بلکہ اس سے بڑھ کر ان کی خصوصیت یہ رہی کہ انہوں نے اپنے زیر تربیت سینکڑوں طلبہ کو صاحب قلم بنادیا۔ اور نہ صرف صاحب قلم بنادیا بلکہ صاحب فکر و وژن بھی بنادیا۔ میرا تو یہ خیال ہے اور پہلے بھی تھا کہ جو طلبہ بھی ان سے علمی استفادے میں آگے رہے وہ کامیاب ہو گئے اور علم وادب اور نقد وجرح کے اس جوہر کا وافر حصہ ان کی زبان وقلم کی طرف بھی منتقل ہو گیا جس میں مولانا کو امتیاز حاصل تھا۔

مولانا کی اس جوہری صفت کی شہادت وہ تمام حضرات دے رہے ہیں جنہوں نے مولانا کی اس خاص صفت سے تھوڑا بہت فائدہ اٹھایا ہے۔ مولانا رضی الاسلام ندوی اپنے تاثراتی کلمات میں لکھتے ہیں:

"مولانا حقیقت میں بہترین مربی تھے۔ انھوں نے بے شمار طالب علموں کو لکھنا اور ترجمہ کرنا سکھایا۔ وہ ندوہ کے پندرہ روزہ عربی جریدہ "الرائد" کے ایڈیٹر تھے۔ انگریزی اور اردو اخبارات میں اہم خبروں کو نشان زد کر کے وہ ہمیں عربی میں ترجمہ کرنے کے لیے دیتے۔ ہم جیسا بھی ترجمہ کرتے، مولانا اسے اشاعت کے قابل بنا دیتے۔ وہ ترجمہ ہمارے ہی نام سے شائع ہوتا، چاہے اس میں ایک بھی لفظ ہمارا نہ بچا ہو۔ اسی تربیت کا فیض تھا کہ بعد میں میں نے کئی کتابوں کا اردو سے عربی میں اور خاصی کتابوں کا عربی سے اردو میں ترجمہ کیا۔"

ایک دوسری شہادت دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ممتاز فاضل ڈاکٹر اکرم ندوی صاحب کی ہے۔ وہ بتا رہے ہیں کہ مولانا مرحوم نے کس طرح اپنے زیر تربیت طلبہ کی نہ صرف علمی رہنمائی کی بلکہ ان کے ساتھ اس طرح کا عمل کیا جیسے کوئی مشفق باپ اپنے بچوں کے ساتھ کرتا ہے کہ ان کی انگلی پکڑ کر انہیں چلنا سکھاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں:

"الرائد میں شائع ہونے والے مضامین وترجمے جن طلبہ یا اہل علم کے ہوتے ہیں انھیں کے نام سے شائع ہوتے ہیں، مگر جاننے والے جانتے ہیں کہ ان میں مولانا کا کتنا اہم حصہ ہوتا ہے، مولانا بہت محنت اور سلیقہ سے ترجموں اور مضامین پر نظر ثانی کرتے ہیں، نہایت دیدہ ریزی سے ان کو درست کرتے ہیں، اہل علم وادب پر مخفی نہیں کہ مفہوم کو برقرار رکھ کر دوسروں کی تحریروں کی اصلاح کرنا اور ان کی زبان درست کرنا ہر کسی کا کام نہیں، "الرائد" میں اشاعت کے لیے جو ترجمے یا مقالے آتے ہیں ان میں سے اکثر غلطیوں کا انبار اور زلیدہ بیانی کا طومار ہوتے ہیں، مولانا ہی ان کو اشاعت کے قابل بناتے ہیں، مولانا کی اہم خوبی ہے کہ ہر ایک کا احترام کرتے ہیں، اور غلطی کو غلطی سمجھتے ہیں، کسی شخص کی غلطی کو خواہ مخواہ اہمیت دے کر رائی کا پہاڑ نہیں بناتے، بلکہ معمولی اور ناقابل التفات کام سمجھ کر اسے درست کر دیتے ہیں، سالوں مولانا کے قریب رہنے کا موقع ملا ہے، لیکن کبھی مولانا کی زبان سے یہ نہیں سنا کہ فلاں کے مضمون میں اس قدر غلطیاں تھیں یا فلاں مضمون یا ترجمہ کی میں نے اصلاح کی ہے۔

اس حقیقت کے اظہار میں کوئی تردد نہیں کہ دارالعلوم ندوۃ العلماء کے فارغین کی نئی نسل میں جو لوگ بھی عربی زبان میں کچھ لکھنا جانتے ہیں وہ بڑی حد تک ممنون ہیں مولانا کی تربیت کے، میں جب بھی عربی میں کوئی چیز لکھتا ہوں اسے مولانا ہی کا فیض سمجھتا ہوں۔"

علمی درسگاہوں کے مخصوص ماحول میں یہ اکثر ہوتا ہے کہ طلبہ اپنے اساتذہ کا قد ناپتے رہتے ہیں۔ کبھی دل ہی دل میں اور کبھی برسر بزم بھی۔ اور نہ صرف قد ناپتے ہیں بلکہ قد کاٹھ کے اعلیٰ واسفل زاویوں پر رائے زنی بھی کرتے ہیں بلکہ یہ رائے زنی کبھی بار تو کردار کشی تک بھی جا پہنچتی ہے۔ میں نے ایسا بہت دیکھا ہے اور اکثر دیکھا ہے۔ مگر کئی اساتذہ ایسے بھی ملے ہیں ندوے میں بھی اور ندوے کے باہر بھی کہ کبھی بھی ان کا قد نہیں ناپا گیا یہاں تک کہ ان طالع آزما اور شوخ طبیعت کے حامل طلبہ کے ذریعے بھی نہیں کہ جن کا محبوب اور مرغوب مشغلہ یہی قد کاٹھ ناپنا اور مثبت ومنفی کمینٹ پاس کرنا ہی رہا کرتا ہے۔ مولانا مرحوم کی ذات والا صفات بھی ایسے ہی اساتذہ کی مانند تھی کہ انہیں جب بھی اور جس نے بھی دیکھا حسن نظر

سے ہی دیکھا بلکہ عقیدت ومحبت کی نظر سے دیکھا اور کہیں بھی اور کسی نے بھی زبان کھولی تو مولانا کی تعریف وتوصیف میں رطب اللسانی ہی اس کا مقدر ہوئی۔

اگر کسی عالم دین کی شخصیت کی ایسی دلآویز تصویر ہو تو آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ وہ کس قدر باکمال عالم دین ہوگا۔ یوں تو یہ پورا حسنی خاندان ہی 'این خانہ ہمہ آفتاب است' کا مصداق ہے مگر مولانا علی میاںؒ کے بعد اس خاندان کے جو چند بڑے نام ہیں ان میں ایک نام مولانا مرحوم کا بھی ہے۔ مولانا مرحوم؛ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے سچے جانشیں اور اپنے بڑے حقیقی بھائی مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے دست راست تھے۔ مولانا رابع حسنی ندوی اور مولانا واضح حسنی ندوی اس لحاظ سے بھی ایک مثال ہیں کہ ان دونوں بھائیوں میں جس قدر محبت اور ایک دوسرے کا احترام ولحاظ تھا وہ بھی اپنے آپ میں مثالی تھا۔ کم ہی بھائی ایسے ہوں گے جو یکساں صلاحیت اور ہنر رکھنے کے باوجود اس طرح ایک دوسرے کے لیے ہر دم بچھے رہتے ہوں۔ مولانا محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی جب بھی کوئی بڑا کام کرتے یا بڑا قدم اٹھانے کا فیصلہ لیتے تھے تو اپنے چھوٹے بھائی سے صلاح ومشورہ ضرور کرتے تھے اور خود مولانا مرحوم کا حال یہ تھا کہ وہ اپنے بڑے بھائی کی موجودگی میں طلبہ کو خطاب کرنا بھی گوارہ نہ کرتے تھے۔

مولانا کی زندگی ایک کھلی کتاب کی طرح تھی، جسے کوئی بھی پڑھ سکتا تھا اور اس کے صفحات پر مثبت نقوش پا دیکھ کر رہنمائی حاصل کر سکتا تھا۔ مولانا کی طبیعت میں سادگی تھی، سکوت تھا اور درویشانہ شان تھی، نخوت وغرور اور نمود ونمائش سے کوسوں دور تھے، انہیں نہ کسی سے پرہیز تھا اور نہ ہی کسی خاص چیز سے چڑھ تھی، ہر کوئی ہر وقت ان سے مل سکتا تھا اور کسی بھی طرح کے سوالات پوچھ سکتا تھا۔

وہ جو غالب نے کہا ہے: ''نہ ستائش کی تمنا نہ صلے کی پروا'' مولانا کے مزاج کا درست نقشہ ہے، ایک طرف اس پائے کا استغنا و بے نیازی والا مزاج، دوسری طرف سادہ بلکہ درویش صفت زندگی اور تیسری طرف بلند عالمانہ اور عارفانہ شان، ان سب چیزوں نے مل کر مولانا کی شخصیت کو کچھ اس طرح کے سانچے میں ڈھال دیا تھا کہ کوئی بھی ان سے محبت کیے بنا نہیں رہ سکتا تھا۔

مولانا چونکہ دو زبانوں میں لکھتے تھے اور دونوں زبانیں ہی ادبی معیار کی لکھتے تھے، اس لیے ان دونوں زبانوں کے جاننے والے جہاں جہاں بھی ہیں اور پڑھنے پڑھانے یا لکھنے لکھانے کا شغل کرتے ہیں وہ مولانا مرحوم کو ان کی تحریروں اور کتابوں کے ذریعے انہیں جانتے ہیں اور محبت رکھتے ہیں، بھلے ہی وہ مولانا سے زندگی میں کبھی بھی نہ ملے ہوں۔ یہی وجہ ہے کہ عالم اردو اور عالم عربی، دونوں جہان میں جہاں جہاں بھی مولانا کے انتقال کی خبر پہنچی ہر جگہ صف ماتم بچھتی چلی گئی اور تعزیت کے اظہار کا سلسلہ شروع ہوگیا۔ اللہ انہیں غریق رحمت کرے۔ آمین!

امریکہ کی مسلم دشمنی

''جو لوگ دعوت اسلامی کا کام کر رہے ہیں، دینی تعلیم عام کرنے کی کوشش کر رہے ہیں، معاشرہ کی اخلاقی اصلاح کے لیے سرگرم عمل ہیں، دیگر مذاہب کے ماننے والوں کے ساتھ انسانی سلوک کی دعوت دیتے ہیں اور دوسرے مذاہب کا احترام بھی کرتے ہیں تو ایسے لوگوں کی سرگرمیاں اور کوششیں امریکی حکام کی ڈکشنری میں ''دہشت گردی'' ہیں۔ یہی حال یورپ کے دوسرے حکام کا بھی ہے جو امریکی حکام کی ہاں میں ہاں ملا رہے ہیں، اور اسلامی سرگرمیوں کے سوتوں کو خشک کر دینے کا منصوبہ بنا رہے ہیں، کیوں کہ ان کی نظر میں یہ سوتے ان کے مفادات کے لیے خطرہ ہیں، جب کہ خود امریکہ میں مختلف بنیاد پرست تنظیمیں اور دہشت گرد تحریکیں سرگرم عمل ہیں، ان میں سے متعدد مذہبی تنظیمیں تشدد کی قائل ہی نہیں بلکہ عامل بھی ہیں، لیکن امریکہ نے اپنے ملک کے اندر سرگرم ان تحریکوں، بنیاد پرست اور دہشت گرد تنظیموں کو کھلی چھوٹ دے رکھی ہے جس طرح اس نے اسرائیل کی دہشت گردی و نسل پرستی سے چشم پوشی کر رکھی ہے، اور دنیا کے مختلف خطوں میں اسلام اور مسلم دشمن تنظیموں اور تحریکوں کی دہشت گردی اور انتہا پسندی کو نظر انداز کر رکھا ہے۔

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

فخر العلماء حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ کی وفات

صرف ایک شخصیت کی وفات نہیں بلکہ یہ ایک رجال ساز شخصیت کا سانحہ ارتحال ہے، ایک دور و عہد کا خاتمہ ہے، یہ کسی جماعت یا تنظیم کا خسارہ نہیں بلکہ پوری امت کا بلکہ انسانیت کا خسارہ ہے۔

منجانب

❁ فضلاء ندوہ، علمائے کرام و دانشوران قوم وملت

(صوبہ ہریانہ، پنجاب، ہماچل پردیش، چنڈی گڑھ)

❁ ذمہ داران مدارس خصوصا حلقۂ پیام انسانیت، تحریک اصلاح معاشرہ کمیٹی ہریانہ

❁ جمعیۃ علماء ہند شاخ متحدہ پنجاب ❁ آل انڈیا ملی کونسل (شاخ ہریانہ)

❁ دینی تعلیمی کونسل متحدہ پنجاب ❁ مجلس تحفظ ختم نبوت صوبہ ہریانہ،

الداعی

(حضرت الحاج پیر جی حافظ)

حسین احمد قادری مجددی

صدر الکریم ایجوکیشنل اینڈ ویلفیئر ٹرسٹ آف انڈیا

واقع احاطہ فیض العلوم بوڑیہ، ضلع یمنا نگر، ہریانہ

آہ! تجھ سا کسے کہیں

فخر العلماء حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ کی خدمات جلیلہ اور اوصاف حمیدہ پر پیام عرفات کی اس خصوصی شمارے کا ہم خیر مقدم کرتے ہیں، ہمیں امید ہے کہ یہ رسالہ حضرت مولاناؒ کے مشن کو آگے بڑھانے میں کلیدی کردار ادا کرے گا۔ اللہ تعالی حضرت مولاناؒ کی قبر کو نور سے بھر دے اور مولاناؒ کو غریق رحمت فرمائے۔ آمین

منجانب

(مفتی) محمد ناصر ایوب ندوی وارا کین کمیٹی

مدرسہ نور القرآن کریمی، پبلک اسکول

(ملحقہ فیض العلوم خانقاہ بوڑیہ) مانک پور للہاڑی، ضلع یمنا نگر، ہریانہ

Mobile: 9034882565

عالم اسلام کی عظیم شخصیت فخر العلماء حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ کے سانحۂ ارتحال پر پیام عرفات کے خصوصی اشاعت پر خراج تحسین پیش کرتے ہیں۔ اللہ تعالی مولاناؒ کو کروٹ کروٹ چین وسکون عطا فرمائے۔ آمین

منجانب

(مولانا) محمد سہیل غازی

صدر پیام امن فاؤنڈیشن اوکھلا، نئی دہلی، انڈیا

Mobile: 9212299885

مدرسہ ہذا کی سنگ بنیاد کے موقعہ پر حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کی معیت میں حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ کی تشریف آوری بر دعوت رہبر ملت حضرت الحاج پیر جی حافظ حسین احمد قادری مجددی حفظہ اللہ رئیس فیض العلوم خانقاہ بوڑیہ و سرپرست ادارہ ہذا کا منظر آج بھی آنکھوں کے سامنے ہے۔ اللہ تعالی مولاناؒ کے درجات بلند فرمائے۔ آمین

آپ کے حیات وخدمات پر مجلّہ پیام عرفات کی خصوصی اشاعت پر مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ (قاری) شمشاد احمد کریمی قاسمی

(ناظم مدرسہ الکریم معارف القرآن، لاپرہ کلاں، ضلع یمنہ نگر ہریانہ۔ موبائل: 9050916231) پیش کش: محمد ناصر ایوب ندوی بوڑیاوی

پیام عرفات کی خصوصی اشاعت کے موقع پر

مولانا سید واضح رشید حسنی ندویؒ کو خراج عقیدت ومحبت پیش کرتے ہیں۔

الحسن ٹور اینڈ ٹریولس

ہیڈ آفس: محلہ منہاران، تحصیل بہٹ، ضلع سہارن پور

Haji M. Haidar Siddiqui
Mob: 7520365700, 8279500964

Mohd. Jamal
Mob: 9897120682

AL-HASAN TOUR & TRAVELS

H. Office. Mohalla Maniharan, Tehsil. Behat, Saharanpur (U.P.) India

حج | عمرہ | زیارت

فلک کا ستارہ چراغ زمیں وہ

نتیجۂ فکر:- سیدہ زُہرہ حسنی (دائرہ شاہ علم اللہ-رائے بریلی)

فلک کا ستارہ چراغ زمیں وہ
وہ بجھ کر بھی روشن جہاں کر گیا ہے
وہ صدق و صفا اور شجاعت کا پیکر
وہ قرآن و سنت کا پابند انساں
وہ آغوش رحمت میں یوں سو گیا ہے
وہ زہد و توکل کی تصویر کامل
سبق اس کا ہم کو بتاتا گیا ہے

تواضع کی ان کی عجب داستاں تھی
عجب خاکساری، عجب انکساری
وہ شہرت بلندی وہ دنیا سے بچنا
ادیب و مفکر وہ بے لوث داعی
محدث مربی وہ رشد و عمل بھی
کہ جس کی زبانی قلم بولتا تھا
سکوت ایسا جس پر تکلم فدا تھا

سراپا کرم تھے محبت کے پیکر
محبت تھی ان کو سبھی سے وہ ایسی
اقارب ہوں یا غیر ہوں وہ سبھی کے
محبت و الفت کا پیغام دے کر
حدیثوں کو دل سے لگا کر وہ ہم کو
وفا اور ایثار کا درس دے کر
سبق اس کا ہم کو بتاتا گیا ہے

لقاء الٰہی ہو دیدار رب ہو
وہ مشتاق ایسا جو دیکھا تھا میں نے
وہ رحمت کی ٹھنڈی ہواؤں میں گم ہے
حدیثوں سے نسبت عمل باعمل تھی
قرآن اور سنت سے اتنی محبت
شب و روز اس کی تلاوت وہ کر کے
سبق اس کا ہم کو بتاتا گیا ہے

تھی امت کی راتوں پہر فکر اس کو
دل و جان اسلام پر کر کے قرباں
ترے دین پر اور امت کے غم میں
خدارا ہمیں تو چلا جانب حق
بنا اپنا محبوب ہم کو خدارا
ہمیں بھی تو کردے عطا ایسی خصلت
یوں گزرے عمر اور انجام بہتر

انسان-اسلام کی نظر میں

"انسان کے متعلق اسلام کا نظریہ مغربی اور مادی نظریہ سے بالکل جدا ہے، مغربی علوم اور مادی نقطہ نظر سے انسان حیوانی فطرت کا ترقی پذیر امتداد ہے، جو عقل و شعور سے ممتاز ہے، جب کہ اسلام کی نظر میں انسان اشرف المخلوقات اور روئے زمین پر اللہ کا خلیفہ ہے، مسجود ملائکہ ہے، اسلام مسیحیت کی طرح انسان کے جائز فطری تقاضوں اور خواہشات پر نہ تو پابندی لگاتا ہے، اور نہ ہی انسان کو بالکل آزاد چھوڑتا ہے جیسا کہ مادہ پرست یورپ کا نظریہ ہے کہ انسان بالکل آزاد ہے، وہ کسی قانون اور اخلاق کا پابند نہیں ہے۔"

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی ؒ

وہ پتھروں کے شہر میں ہیرے کی کان تھا

مولانا سید ہاشم نظام الدین ندوی (ایڈیٹر انچیف فکر و خبر ڈاٹ کوم۔ بھٹکل)

کہتے ہیں کہ بعض اوقات نہایت قدآور اور بڑی بڑی شخصیات ہمارے اردگرد موجود ہوتی ہیں مگر ہمیں اس کا احساس نہیں ہو پاتا کہ وہ ہمارے قریب ہی کہیں موجود ہیں یا ہماری غفلت کی وجہ سے ہم ان کی زندگیوں میں قدر نہیں کر پاتے ہیں، ایسی شخصیات کے دنیا سے گزر جانے کے بعد پتہ چلتا ہے کہ کس قدر بڑا انسان ہمیں داغِ مفارقت دے گیا، قوم کس سرمایہ سے محروم ہوگئی، گویا کارواں سے میرِ کارواں چل بسا۔

جی ہاں اسی طرح کی ایک شخصیت جو انتہائی قدآور تھی، اسلامی صحافت کے علمبردار، عربی زبان کے مایہ ناز فنکار، قلم کے شہسوار، بہترین نثر نگار، ادبِ اسلامی کے قافلۂ ادباء کے سالار تھے، جسے مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی سے یاد کیا جاتا ہے، بدھ کی شب تھی، رات کی تاریکی پر صبح صادق کی مدھم مدھم روشنی غالب آرہی تھی، آپ سخت سردی میں ٹھنڈے پانی سے وضو فرما چکے تھے، وضو کے فوراً بعد طبیعت میں گرانی محسوس ہوئی اور اس قدر مضمحل ہوتی گئی کہ احباب کو بات سمجھ میں آتی، اس سے پہلے ہی معاملہ ہاتھ سے نکل گیا، حضرت نے معافی کے ساتھ دعا و درود کی تلقین فرمائی، سب دعا و مناجات میں مشغول ہو گئے، سورۂ یٰسین کی تلاوت بھی شروع ہوئی، تکلیف میں بظاہر کچھ تخفیف معلوم ہونے لگی کہ اذان فجر کا وقت آپہنچا، مؤذن نے اذان شروع کی، اور اسی دوران باوضو اذان کے کلمات سنتے سنتے آپ نے داعیٔ اجل کو لبیک کہا۔ انا للہ و الیہ راجعون۔

آپ چلے گئے مگر آپ کا جانا عام آدمیوں کے جانے کی طرح نہیں تھا، اور آپ کے جانے سے ایسا خلا پیدا ہو گیا جس کو پر ہوتے ایک زمانہ لگے گا، آپ کی وفات سے فرزندان دار العلوم ندوۃ العلماء کے سروں سے علمی و تعلیمی سرپرستی کا سایہ اٹھ گیا، خاندانِ حسنی اور خانوادۂ علم الٰہی کا روشن چراغ گل ہوا، دار العلوم ندوۃ العلماء کا ایک قابل فخر سپوت چل بسا، ندوہ اپنا معتمد تعلیم، مجلہ "البعث الاسلامی" اپنا مدیر معاون اور جریدہ "الرائد" اپنا مدیر اعلی کھو بیٹا، آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ میں ایک بنیادی رکن اور رہبر کا خلا پیدا ہوا، حلقۂ پیامِ انسانیت کا مخلص مشیر کوچ کر گیا، عالمی رابطہ ادب اسلامی کا جنرل سکریٹری داغِ مفارقت دے گیا، کئی مدارس اور مکاتب اپنے ناظم اعلی و سرپرست سے اور عالم اسلامی ایک عظیم ادیب اور مصنف، دانشور اور مشیر اور خاموش مجاہد و صحافی سے محروم ہو گیا۔

آخری وصیت : آپ چلے گئے، لیکن چلتے چلتے چند وصیتوں اور نصیحتوں کے ساتھ اپنا آخری پیغام بھی امت کے نام دے گئے، جن کا خلاصہ رفیق مکرم مولانا کے بھتیجے مولانا محمود حسن حسنی ندوی نے یوں بیان فرمایا: پہلی وصیت سورۂ آل عمران کی آخری آیت پڑھ کر، اس سے لطف لیتے ہوئے فرمانے لگے کہ زندگی کے نشیب و فراز میں صبر و تقوی کو تھامے رکھو، قربانیوں کے لیے تیار رہو، اسی میں کامیابی مضمر ہے، یہی دین کا خلاصہ ہے اور اسی میں زندگی کی حقیقی کامیابی کا راز بھی ہے۔

دوسری نصیحت یہ تھی کہ اہلِ کفر و نفاق کے غلبہ اور ان کے دور دورے سے مسلمانوں کو پریشان نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی اس سے دھوکہ میں آنے کی ضرورت ہے، اہل ایمان کے لیے آخرت ہے، یہ دنیا چند روزہ ہے۔

تیسری وصیت پہلی وصیت ہی کے ضمن میں تھی کہ سورۂ آل عمران کی اس آخری آیت کو لکھ کر در و دیوار پر آویزاں کرنا چاہیے ﴿یا أیھا الذین آمنوا اصبروا و صابروا و رابطو و اتقوا اللہ لعلکم تفلحون﴾ (آل عمران ۲۰۰) (اے ایمان والو تم ثابت قدم رہو، اور ایک دوسرے کو تھامے رکھو اور جہاد کے لیے تیار رہو اور اللہ تعالی سے ڈرتے رہو تا کہ تم مراد کو پہنچو)

ذات وصفات اور خصوصی امتیازات

آپ نجیب الطرفین تھے، شجرۂ نسب مبارک تھا، دونوں طرف سادات کا سلسلۂ ذریں تھا، نسبی برکت کے ساتھ ساتھ علم وحکمت بھی موجود تھی اور روحانیت ومعرفت بھی، جس کا اثر آپ پر بھی نمایاں تھا، آپ علم وعمل کی جیتی جاگتی تصویر تھے، پرہیزگاری وپاکبازی کا اعلیٰ نمونہ تھے، ولی صفت انسان تھے، آپ کی زندگی صدق وصفا کی کتاب تھی، زہد وتقوی سے عبارت تھی، ساتھ میں رہنے والوں کا بیان ہے کہ آپ میں آخرت کا استحضار ہمہ وقت رہتا، آخری درجہ کا مراقبہ فرماتے، ہر دن کو زندگی کا آخری دن اور ہر گھڑی کو آخری گھڑی گردانتے، حقیقی معنی میں نمونۂ سلف تھے، انتہائی متواضع ومنکسر المزاج تھے، نمازوں کے بعد تلاوت قرآن کا اہتمام کرتے، تلاوت بھی ایسی کہ ایک ایک حرف سمجھ سمجھ کر عشق الٰہی میں سرشار ہو کر کرتے، آخری عمر میں جب بینائی متاثر ہوگئی تھی، دیکھ کر پڑھنے میں دقت ہو رہی تھی، اس لیے آپ کے پوتے مولوی خلیل حسنی سلمہ اللہ تعالی پڑھ کر سناتے، لکھنا اور پڑھنا زندگی کے معمولات میں شامل تھا، اپنی ذات کو شہرت نام ونمود سے محفوظ رکھا، بڑی سے بڑی کمیٹیوں اور عہدوں تک رسائی پائی، مگر عہدوں پر فخر کرنے کے بجائے اس کو بارِ امانت گردانا، احساس ذمہ داری کو اپنے اوپر سوار کیا، اس کے نبھانے کے لیے فکریں کیں، اپنا ہر ممکن تعاون پیش کیا، اس نام ونمود کے دور اور شہرت کے بازار میں اس طرح کی بے نفسی اور منکسر المزاجی کی مثالیں خال خال نظر آتی ہیں، نخوت اور خود بینی کا مفہوم ہی ان کے ذہن سے غائب تھا، کبھی کسی ملاقاتی کے سامنے اپنی شخصیت کا اظہار نہیں فرماتے۔ اپنے حسن اخلاق کے طفیل اپنا مخالف شاید ہی کسی کو چھوڑا ہو، ہر مکتبۂ فکر کے افراد کے ساتھ محبوبیت کا اظہار فرماتے، بدگمانی سے پرہیز کرتے، عوام وخواص سے یکساں محبت کرتے، استغناء اور خودداری ورثے میں ملی تھی، حیا کا حقیقی مفہوم آپ کی زندگی پر منعکس تھا، عزم واستقلال کے پہاڑ تھے، کہتے کم اور لکھتے زیادہ، بولتے کم اور کرتے بہت تھے، گفتار سے بڑھ کر کردار کے غازی تھے، تقریر کے شوقین نہ تھے، بلکہ ضرورت کے وقت بقدرِ ضرورت بولتے، انتہائی اختصار کے ساتھ جامع الفاظ میں مافی الضمیر ادا فرماتے، پانچ منٹ میں پچاس منٹوں کا خلاصہ کرتے، گھنٹوں کو منٹوں میں سمیٹ دیتے۔

فکر اسلامی کی صحیح ترجمانی

آپ زبان کی باریکیوں، الفاظ کے حسنِ انتخاب اور معانی کی لطافتوں ونزاکتوں سے بخوبی واقف تھے اور ہر موضوع کو زبان کی لطافت اور کمالات کی وسعت کے ساتھ پیش کرنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ جس موضوع پر لکھتے اپنی انفرادیت قائم رکھتے، زبان وبیان کے جمال کو دوبالا کرتے، جملہ اسلامی علوم پر آپ کی فکر نہایت گہری اور انتہائی وسیع تھی، فکر اسلامی پر حد درجہ دسترس تھی، آپ نے مطالعہ کا محور کسی خاص فکر وخیال کو نہیں رکھا، صرف ایک تہذیب وتمدن تک محدود نہیں رکھا تھا، بلکہ تمام اسلامی مفکرین کی کتابوں سے حتی المقدور مستفید ہوئے تھے۔

آپ کی تحریریں اور کتابیں فکر کی بلند پروازی کا بین ثبوت ہیں، آپ کا مفکرانہ ذہن قرآنی بصیرت کی روشنی میں معاملات پر غور وفکر کرتا، جس میں ایمانی حرارت بھی شامل ہوتی، فکر ولی اللہی کے حقیقی ترجمان اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کے افکار کے حقیقی داعی اور ان کی تحریروں کے امین تھے، قدیم وجدید کا حسین امتزاج، ندوۃ العلماء کے تخیل کا زندہ جاوید پیکر تھے، قدیم صالح اور جدید نافع اور خُذ ما صفا ودع ما کدرؔ کے اصول پر عمل پیرا تھے، علی گڑھ اور ندوہ کی تعلیم اور وہاں کے ماحول کے حسین امتزاج نے فکر میں اعتدال اور توازن پیدا کر دیا تھا، ہر خیر کو سراہتے، تدریس ہو کہ صحافت، دعوتی وفکری محاذ ہو یا مستشرقین کی یلغار، ہر محاذ پر مؤثر انداز اور حکیمانہ اسلوب میں اسلام کا دفاع فرماتے، علمی گہرائی کے ساتھ فکر اسلامی کی تشریح کرتے، اپنے ارشادات وفرمودات سے ٹھنڈے دلوں میں زندگی کی ایک روح پیدا کر دی، کتنے بے ہمت اشخاص بلند حوصلہ ہوئے اور کتنے مایوس افراد منزل مقصود پا گئے۔

اسلامی صحافت سے فریضۂ دعوت

آج صحافت کے نام پر تجارت ہو رہی ہے، پیشہ ور صحافیوں کو قلم کا تاجر کہا جاتا ہے، صحافت آپ کے یہاں پیشہ نہیں تھا، تجارت نہیں تھی، بلکہ زندگی کا ایک مشن تھا، دعوت الی اللہ کا وسیلہ اور عبادت

کا ذریعہ تھا، ملت کی ٹھوس تعمیری خدمت اور فکری راہنمائی ان کا نصب العین تھا، وہ ایک باضمیر صحافی تھے، بامقصد ادیب تھے، بغیر کسی کی خوش آمد کیے ہوئے ایک زندہ ضمیر کے ساتھ اسی خدمت میں لگے رہے، اپنی قلمی صلاحیتوں کو دین وملت کی خدمت کے لیے وقف کر دیا، ملک ووطن کو مستفید کیا، صحافت مولانا کی زندگی کا ایک حصہ تھا، صحافت کو آپ سے اور آپ کو صحافت سے جدا نہیں کیا جاسکتا، آپ نے صحافت کے ذریعہ عربی اردو اور انگریزی تینوں زبانوں میں عظیم خدمات انجام دیں، تینوں زبانوں کی صحافت سے باخبر رہے، عالمی حالات پر گہری نظر رکھی، اس پر بے لاگ اور مثبت تجزیے فرمائے، مغربی تہذیب کے خطرات سے آگاہ فرمایا، تعلیم وصحافت کے ذریعہ آنے والے مضر اثرات اور ارتداد کے خطرات سے آگاہ فرمایا، بالخصوص آپ کے قلم گوہر بار سے عربی زبان کی غیر معمولی خدمات انجام پائیں اور جہاں دامن عربی میں ایک بڑا ذخیرہ جمع ہوگیا، وہیں اربابِ اردو نے بھی ایک قیمتی سرمایہ پایا، اس طرح آفاقی اور عالمی زبانوں کی خدمت کے ذریعہ آپ کی شخصیت بھی عالمی اور آفاقی بن گئی، آپ کی ذات سے عرب وعجم کو یکساں فیض پہنچا، آپ کے علمی محاضرات، ثقافتی وفکری خطبات اور افکار وخیالات سے لاکھوں بندگان خدا نے فائدہ اٹھایا، اور ان شاء اللہ مولانا کی وفات سے یہ سلسلہ ختم نہیں ہوگا، بلکہ یہ سلسلہ جاری رہے گا اور اس چشمہ سے آنے والی نسلیں سیراب ہوتی رہیں گی اور جریدہ "الرائد" نے جہاں امت مسلمہ کی فکری رہنمائی میں حصہ لیا وہیں انھیں صحافیانہ ذمہ داریاں نبھانے، سچائی وصداقت اور حق وحقیت کے چراغ روشن کرنے کے گر بتلائے۔

آپ کا مزاج خالص دعوتی تھا، جماعت دعوت وتبلیغ سے بھی بڑی مناسبت تھی، اس کی افادیت کے قائل ہی نہیں بلکہ اس میں عملاً شریک بھی رہے، اپنی جوانی کا ایک حصہ لگایا، حضرت جی مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلویؒ کے ساتھ تبلیغی محنت میں شریک ہوئے، جبکہ حضرت جی مولانا انعام الحسنؒ کے ساتھ چلہ میں وقت بھی گزارا۔

درس وتدریس سے افراد سازی تک

جی ہاں یہ بات بالکل صحیح ہے کہ "استاد ہی لکھتے ہیں نئی صبح کی تحریر"، وہی مستقبل کے معمار ہوتے ہیں، انہیں کے ہاتھوں قوم کا مقدر چمکتا ہے، انہیں سے قوم وملت کی امیدیں وابستہ ہوتی ہیں، آپ کی خدمات کا ایک سلسلہ درس وتدریس سے بھی جڑا ہوا ہے، سنہ ۱۹۷۱ء سے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں بحیثیت استاد ادب عربی تقرر ہوا، ذرا غور کیجیے کہ یہ کس قدر قربانی کا مرحلہ تھا کہ آپ دہلی میں رہ کر آل انڈیا ریڈیو میں عربی زبان کی ہی خدمت انجام دے رہے تھے، جہاں کا قیام بھی حیثیتوں سے مفید اور بہتر تھا، مادی اعتبار سے بھی آپ کا روشن وتابناک مستقبل وہیں سے وابستہ تھا، مگر آپ نے اپنے بڑوں کے اشارے اور اپنے خالِ معظم سابق ناظم ندوۃ العلماء مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی کے ایماء پر ان تمام مفادات کو قربان کر دیا اور اپنے مادرِ علمی دارالعلوم کو ترجیح دی، ریڈیو کی اعلی درجہ کی ملازمت کو خیرباد کیا، دینی خدمت کے جذبہ سے دارالعلوم سے جڑ گئے، آپ نے جس قربانی کے ساتھ دار العلوم میں قیام فرمایا تھا، یقیناً یہ قربانیاں رنگ لائیں اور ان کا تذکرہ ان شاء اللہ العزیز تاقیامت باقی اور آپ کے فیوض کا سلسلہ جاری رہے گا۔

دارالعلوم میں رہ کر آپ نے افراد سازی کی طرف اپنی توجہ مبذول فرمائی، کئی نسلوں کی تربیت کی، آپ قلم کار نہیں بلکہ قلم گر ٹھہرائے، کتنوں کو عربی کا اچھا انشاء پرداز بنایا، ہزاروں کو سوچنے کے زوایے دئے، سمجھنے کے گر سکھلائے، خدمتِ دین میں ترجیحات کو اپنانے کا سلیقہ بتلایا، روز مرہ کی خبروں پر بے جا تبصروں کے بجائے بامقصد رخ پر کام کرنے کی صلاح دی، آپ نے درس وتدریس، صحافت اور ہر شخصی ملاقاتوں سے ہر میدان کے افراد تیار کیے۔ اور اپنی شبانہ روز کوششوں سے کچھ ایسے نامور اہل قلم اور صحافیوں کی بھی کھیپ تیار کی جو آج ایک اچھے دانشور اور کامیاب صحافی کی حیثیت اختیار کر چکے ہیں، ایک چراغ گل ہونے سے پہلے ہی ہزاروں چراغوں کو روشن کر گیا، ایک چشمہ سے ہزار چشمے پھوٹے، جس سے آنے والی نسلیں سیراب ہوتی رہیں گی، درس وتدریس اور افراد سازی کی یہی ایک خدمت آپ کو ممتاز بنانے کے لیے کافی تھی۔

تحریر سے تصنیف وتالیف تک:

محض توفیق الٰہی اور فضل ربانی ہی کہا جا سکتا ہے کہ آپ کی پیدائش ایک ایسے خاندان میں ہوئی، جو علم وادب کا گہوارہ ہے، فکر وفن کی قدر جس خاندان کا حقیقی ورثہ ہے، علم وحکمت سے وابستگی اس کا لازمی لاحقہ ہے، تحریر وتصنیف جس کا امتیاز ہے، لہٰذا اس عظیم علمی خانوادہ کا علمی ذوق وشوق آپ کو ورثہ میں مل گیا، بچپن ہی سے علمی اور تعلیمی ماحول میسر آیا، مزید آپ کی کوششوں اور شبانہ روز کے علمی شغف نے اور جلا بخشا۔

آپ کی تحریر رواں اور ادیبانہ، زبان میں برجستگی، انداز بیان میں شگفتگی، اسلوب میں سنجیدگی اور الفاظ میں حسنِ معنوی اور صوری بھی رہتا، اور یہ اسلوب ایسا تھا جو نازک ترین فکری، اجتماعی اور سیاسی مسائل پر لکھتے وقت بھی آپ کے ساتھ رہتا، پورے حکیمانہ انداز میں پیش کرتے، آپ نے اپنے وسیع مطالعہ کے حاصل مطالعہ کو قلمبند کر کے نئی نسل پر احسان کیا، اپنے افکار ونظریات کو تحریر کا جامہ پہنایا، اپنے خیالات وتجربات کو الفاظ کا پیراہن دے کر اسے تاریخ کا حصہ بنا دیا، وقت تو گزر جاتا ہے مگر بیتے لمحوں کو اپنے قلم کی روشنی سے اسیر کرنا کسی کسی کے نصیب میں آتا ہے، کس قدر رواں اور شستہ تحریر فرماتے، واقعات سے عبرت حاصل کرنا اور اس کا تجزیہ کرنا یہ ہر لکھاری کے بس میں کہاں؟

آپ نے عربی اور اردو دونوں زبانوں میں تحریر فرمایا، البتہ اکثر وبیشتر تصنیفات عربی میں ہیں، مقالات بھی عربی ہی میں تحریر کرنا پسند فرماتے، اپنی تحریروں سے مغربیت کا چہرہ دکھلایا، مستشرقین پر لکھا اور اسلام کی حقانیت، اس کی برتری اور فوقیت کو ظاہر کیا، نظامِ تعلیم وتربیت پر عالمانہ تبصرے کیے، مبصرانہ تجزیے لکھے، تعلیمی راہ سے آنے والے اندیشے اور تقاضے بتلائے، عربی زبان وادب، اس کی خصوصیات اور امتیازات پر بھی مستقل تالیف فرمایا، ادب اسلامی کے ساتھ ساتھ ادبِ جاہلی پر بھی خوب لکھا، ادبِ عربی میں نصابی کتابوں کے لیے تصنیفی مواد فراہم کیا، زمانہ جاہلیت سے لے کر عصرِ حاضر تک کے اہم ادباء اور اہلِ قلم کی نشاندہی فرمائی، شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریا رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب فضائل قرآن اور فضائل درود کا سلیس عربی میں ترجمہ کر کے عربی کتب خانہ میں گرانقدر اضافہ فرمایا، حجازِ مقدس اور جزیرۃ العرب کے سفرنامے قلمبند کیے۔ سوانح میں حضرت سید احمد شہیدؒ اور ان کی تحریک کے علاوہ اپنے کرم فرما مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی پر لکھ کر ان کے فکری پہلوؤں کو واضح کیا، ان کے افکار کی روشنی میں دعوت اسلامی کے تقاضوں کی طرف نشاندہی کی، مختصر شمائل محمدیہ پر لکھنے کے بعد سیرتِ محمدیہ اور ادب نبوی پر گرانقدر مواد جمع فرمایا اور آخری کتاب جو انتقال سے دو ہی دن قبل زیورِ طبع سے آراستہ ہو کر آئی، وہ حضراتِ صحابہ کرام کی مثالی زندگی تھی۔

قابلِ تقلید رفاقت: آج مولانا کی جدائی پر زمانہ سوگوار ہے، مگر ذرا اس بڑے بھائی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی (ناظم ندوۃ العلماء) مدظلہ العالی کا سوچیے، جو عمر کے تفاوت میں تقریباً چار سال بڑے ہیں، مگر جو دونوں "اک جان دو قالب" کے مصداق رہے، جن دونوں کا ساتھ عمر عزیز کے اکثر حصہ پر محیط تھا، دونوں ایک دوسرے سے الگ ہونا پسند نہیں کرتے، حضرت مولانا کے لیے آپ ایک نہیں دونوں بازوؤں کی طرح تھے، ایک ہی کمرہ میں دونوں کا قیام رہتا تھا، تقریباً ہر سفر میں دونوں ساتھ رہتے، ہمہ وقت دینی اور تعلیمی امور پر تبادلہ خیالات کرتے، قومی اور ملی مسائل پر گفت وشنید ہوتی، آپ کا مشورہ کامیابی وروشن مستقبل کی ضمانت ہوتا، مسائل کے صحیح پیش کرنے میں آپ بھی بحیثیت مشیر شریک رہے، جس طرح ایک سایہ کے مانند ہمہ وقت اپنے بھائی کے ساتھ رہے ہیں اور ہر ایک معاملہ میں باہمی مشورہ کے ساتھ طے کیا ہے، یقیناً ایک قابل تقلید عمل ہے۔ اللہ تعالیٰ مخدومی حضرت مولانا رابع صاحب دامت برکاتہم کا سایہ عاطفت امت پر تادیر باقی رکھے، اس اندوہ ناک سانحہ اور چھوٹے بھائی کے فراق پر صبر جمیل عطا فرمائے۔

کچھ یادیں: توفیق الٰہی اور فضل خداوندی کے سبب حضرت والا رحمہ اللہ سے شرفِ تلمذ حاصل ہوا، استفادہ کے مواقع

ملے، دار العلوم ندوۃ العلماء سے فراغت کے بعد بھی روابط بحال رہے، موقعہ بہ موقعہ خدمتِ گرامی میں حاضری کے مواقع ملے، شکر و سپاس کے جذبہ سے سرشار ہو کر یہ اعتراف بھی میرا واجبی حق ہے کہ اس خانوادہ کے اکابرین سے ملاقاتوں اور ان سے روابط کو بنائے بلکہ نبھائے رکھنے میں رفیق مکرم اور مخلص دوست مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی مدظلہ العالی کا بہت بڑا حصہ ہے، اس لیے مولانا مرحوم کے تعلق سے بھی متفرق یادیں ہیں جو ماضی کے حسین لمحات بن چکے ہیں، مناسب معلوم ہوتا ہے کہ زیرِ نظر مضمون میں دو تین کو بر سبیل تذکرہ رقم کیا جائے، تاکہ ذکرِ خیر کا کچھ حق ادا ہو سکے۔

گزشتہ سال بھٹکل میں منعقدہ حضرت مولانا پر عالمی سمینار میں راقم الحروف کا موضوع تھا "اسلامی صحافت اور مفکرِ اسلام" جو کافی ضخیم مقالہ بلکہ ایک کتابچہ کی شکل اختیار کر چکا تھا، تیار کرتے ہی ایک سرسری نظر استادِ گرامی قدر مولانا نذر الحفیظ صاحب کو دکھایا، پھر اپنے دوست فاضل مصنف مولانا محمود حسنی ندوی نے بھی طائرانہ نظر ڈالی، اس کے بعد مہمان خانہ میں مولانا کے کمرہ کا رخ کیا، مولانا کی خدمت میں مقالہ پیش کیا، آپ نے شروع کے دو تین صفحات پر نظر ڈالی، اس کے بعد صحافت کے تعلق سے انتہائی قیمتی باتیں گوش گزار فرمائیں، اس موضوع کی حساسیت کی طرف اشارہ فرمایا، ضرورت اور تقاضوں کو بتلایا، میرا یہ پہلا موقعہ تھا کہ مولانا کی زبانی اتنی گہرائی اور پوری وضاحت کے ساتھ میڈیا پر بات رکھی ہو، حضرت مولانا نے اسلامی صحافت میں جو کارہائے نمایاں انجام دیے تھے اس کا جامع خلاصہ پیش فرمایا، میں گھر گیا، دوسرے دن مجھے مقالہ پیش کرنا تھا مگر موضوع کا حق ادا نہ ہونے اور مواد میں اضافہ کرنے کی غرض سے بیٹھ گیا اور ایک دن میں اس کو تکمیل تک پہنچانے کی کوشش کی۔

"مرکز جمعۃ الماجد للثقافۃ والتراث" کی طرف سے ڈاکٹر عز الدین بن زغیبۃ الجزائری کے ساتھ جب ندوۃ العلماء حاضری ہوئی تو آپ نے دو نشستوں میں مختصر اور جامع انداز میں عالمی حالات پر تبصرے فرمائے، دینی تقاضوں کو سامنے رکھا۔ اسی لیے موصوف کی زبان پر آپ کا تذکرہ رہتا، اور جب انتقال کی خبر سنی تو اسی وقت سوشیل میڈیا کے ذریعہ عرب دنیا میں اس خبر کو نشر کرنے میں سبقت لے گئے۔

راقم کو آپ سے براہِ راست استفادہ کا موقع فضیلت کے دو سال بعد کے خصوصی درجہ "المعہد العالی للدعوۃ والفکر الاسلامی" میں ملا، اس وقت ہم پانچ ساتھی تھے، قریب رہ کر استفادہ کیا، جس میں فکر اسلامی کی تشریح کا خاص انداز پایا، مکاتب فکر کی خوبصورت ترجمانی کرتے دیکھا، ہر خیر کو قبول کرنے بلکہ اس کو سراہنے کا جذبہ پایا۔

آج سے چھ سال قبل اپنے بڑوں سے مشوروں کے بعد جب "فکر و خبر" کے قیام کی توفیق ملی تو سوشیل میڈیا میں قدم رکھنے کے بعد قربت اور بڑھتی گئی، ہر ملاقات پر اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کی طرح "فکر و خبر" کے متعلق دریافت فرماتے، اس کی ضرورت کو اجاگر کرتے، تعریفی کلمات سے ہمت افزائی فرماتے، زمانہ کے تقاضوں کو بتلاتے، آگے بڑھنے کا حوصلہ دیتے اور کبھی مفید مشوروں سے نوازتے۔

دست قضا نے ہم سے جدا کر دیا جسے
وہ تو دیارِ علم کا روشن نشان تھا
تاریکیوں میں شمعِ ہدایت تھا اس کا نام
وہ پتھروں کے شہر میں ہیرے کی کان تھا

دنیا کے عظیم انسان

"نبویؐ درس گاہ کے تربیت یافتہ حضرات صحابہؓ کا شمار دنیا کے عظیم الشان انسانوں میں ہوتا ہے۔ دعوت و جہاد، حکومت و سلطنت اور آگے چل کر تہذیب و ثقافت سب انہیں کے دم سے قائم ہوئی۔ تاریخ انسانی ابو بکر و عمر، عثمان و علی یا سعد بن ابی وقاص اور معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہم جیسی کوئی ایک بھی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے۔"

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی ؒ

مردم گر و مردم ساز

مولانا محمد سمعان خلیفہ ندوی (استاذ جامعہ اسلامیہ، بھٹکل)

۱۶؍جنوری کی صبح وقت سے کافی پہلے اچانک آنکھ کھل گئی، انجانا خوف اور ایک وحشت سی محسوس ہوئی، ایسا لگا جیسے کوئی ڈراؤنا سا خواب دیکھا ہو، اچانک اٹھ کر بیٹھ گیا اور دعائیں پڑھیں، پھر نیند ہی نہ آئی اور دل میں ایک عجیب سی کیفیت پیدا ہوئی، وقت سے قبل ہی مسجد گیا، دوگانہ فجر ادا کر کے جیسے ہی گھر پہنچ کر موبائیل کھولا تو ایک دل دہلانے والی خبر دوستوں کے ذریعے نشر ہو چکی تھی کہ ہمارے مولانا واضح رشید صاحب حسنی ندوی اللہ کو پیارے ہو چکے ہیں۔ اہل تعلق کو فون کر کے خبر کی تحقیق کی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون، رہے نام اللہ کا۔

مولانا واضح رشید صاحب حسنی ندوی؛ نام ایک فرد کا نہیں ایک انجمن کا ہے، شمع محفل کی طرح سب سے جدا سب کا رفیق، مردم گر و مردم ساز، نمونہ اسلاف، جامِ شریعت اور سندانِ عشق دونوں کو نباہنے والا، اگرچہ اس نے اپنی انجمن بنانے کی فکر نہ کی، اپنی محفل سجانے کی طرف توجہ نہ دی، نہ صلے کی تمنا کی، نہ ستائش کی پروا۔

حدیث شریف کی زبانی جس کو مژدۂ جاں فزا اور نویدِ مغفرت سنائی گئی اور تمام انسانوں میں سب سے افضل کا طغرائے افتخار جس کے سر پر سجایا گیا وہ شخص ہے جس نے زبان سچی پائی ہو اور دل ایسا کہ پاک و پاکیزہ، ستھرا و نکھرا، جس میں نہ گناہ کا خیال آئے نہ سرکشی کا ابال، نہ کینہ جنم لے نہ حسد کے جذبات ابھریں۔ مولانا واضحؒ اس کی واضح تصویر تھے۔ اور اس کی گواہی ہر وہ شخص دے سکتا ہے جس کو آپ کے سامنے زانوئے تلمذ تہہ کرنے کا شرف حاصل ہوا ہو یا استفادے کا کوئی موقع ملا ہو۔

آپ کے بڑے ماموں (برادرِ مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاںؒ) ڈاکٹر عبد العلی حسنیؒ کے بارے میں بہت سے اہل اللہ نے اس کی گواہی دی ہے اور خود بزم اشرف کے ایک روشن چراغ فیلسوف اسلام کہ جن کے ہاتھ پر فلسفہ نے اسلام قبول کیا، ندوہ کے ایک قابل فخر سپوت مولانا عبد الباری ندویؒ نے بھی گواہی دی کہ وہ فرشتہ صفت انسان تھے۔ ان کی اس صفت کا عکس جمیل بھی ان کے بھانجے مولانا واضح صاحبؒ میں نظر آتا تھا۔ آج کی اس نفسانیت سے بھرپور اور مادیت کی ماری مشینی دنیا میں اب کہاں ایسے پاک دل و پاک باز انسان نظر آتے ہیں جن کے آئینہ خانہ دل میں دوسرے کے متعلق کینہ، حسد اور بغض و عداوت کے جذبات نہ ابھریں۔

چھوٹے ماموں، ندوہ کے گل سرسبد مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی علم و عمل سے بھرپور زندگی بھی ایک روشن مینار کی حیثیت رکھتی ہے؛ اور پھر صحبت بھی ماموں جان کی آپ کو ملی اور تربیت کا بھی وافر حصہ پایا۔

خود واضح کے نام سے بھی اجداد میں بڑے بزرگ گزرے ہیں۔ ایک دو مثالیں نہیں پورا سلسلہ طلائے ناب ہے، اس خانوادۂ حسنی میں ہر دور میں ایسے بے شمار و نایاب آپ کو نظر آئیں گے جنھوں نے تحقیق کے موتی لٹائے، علم کی سبیلیں جاری کیں، راہِ عمل میں قندیلیں فروزاں کیں، زہد و تقویٰ کے نقوش چھوڑے، اور ہر زمانے میں امت کی مسیحائی و ناخدائی کا فریضہ اس خانوادۂ نبوت نے انجام دیا؛ راہِ عزیمت کا راہی بن کر، لشکر ایمان کا سپاہی بن کر، لذتِ آشنائی پا کر، دو عالم سے دل کو بیگانہ کر کے، رب سے وفاداری اور اس سے کیے گئے پیمانِ وفا کو نباہنے میں اور اپنے فرائض منصبی کی ادائی میں نہ زمانے کی طغیانی ان کے پائے ناز میں جنبش لا سکی اور نہ وقت کی آندھیاں ان کی عزیمت کے سفر میں آڑے آسکیں۔

کیا لوگ تھے جو راہِ وفا سے گزر گئے
دل چاہتا ہے نقش قدم چومتا رہوں

خالق کے قانون اور نظامِ زندگی کو سینے سے لگا کر، زندگی بھر

اس کو پڑھ پڑھا کر، اسی کی تعلیم وتعلم کے حلقے لگا لگا کر، عمر بھر راہِ وفا کی طرف لوگوں کو بلا بلا کر، پیمانِ وفا کو نباہنے کی فکریں دلا دلا کر، ہر ایک کو خدا کی ذات کے عرفان اور محبوبِ خدا کی اداؤں کی پہچان کا سبق سکھا سکھا کر، خالق کی رضا کی جستجو لے کر، اس کے دین کی سرفرازی کی آرزو اور اس کی راہ میں سرفروشی کی تمنا لے کر، احیائے اسلام کے خواب آنکھوں میں سجا کر، نسلِ نو کے ایمان اور عقیدے کے تحفظ کی فکریں لے کر، ملت اسلامیہ کی سربلندی کا عزم جواں اور اس کے لیے اپنے اندرون میں سوزِ پنہاں لے کر۔

خانوادۂ علم الٰہی کے ان عاشقانِ پاک طینت نے خالق سے بھرپور محبت کی اور اس کی دعوت دی؛ وادیِ محبت میں پھونک پھونک کر قدم رکھتے ہوئے، دل کے آئینے کو ہر طرح کی آلودگی سے پاک رکھتے ہوئے، تواضع وخاکساری کا پیکر اور فنائیت کا عکسِ جمیل بن کر، اخلاص وللہیت کے نغمے سازِ دل پر چھیڑ چھیڑ کر، نام ونمود اور ریا وشہرت طلبی کی آلائشوں سے بریطِ دل کو بچا بچا کر، خالق کی پسند وناپسند کے مستقل استحضار کے ساتھ، پسند پر قربان ہو کر، ناپسند سے بچ بچا کر، خود بھی رک کر، اوروں کو روک کر، شانِ استغنائی کے حامل بن کر اور دوسروں کو بنا کر، "محبوب" کے سامنے راتوں کی سوغاتیں پیش کیں، اس کے لیے سجدہائے نیاز گزار کر۔ دنوں کے نذرانے پیش کیے "رازہائے درسِ محبت" کی شرح کو عام کرتے ہوئے، خمخانۂ سنت سے جام کے جام بھرتے ہوئے اور اس "جامِ محبت" کی سبیلیں عام کرتے ہوئے، سینوں میں دل رکھنے والوں کو "محبوب" کا پتہ بتاتے ہوئے، دل کی نگری ویران رکھنے والوں کو "نورِ محبوب" کے جلووں سے آباد کرنے کا قرینہ سکھاتے ہوئے۔

مولانا ماہر القادریؒ کے بقول "شجرة طيبة أصلها ثابت وفرعها في السماء" کا مصداق اور "یہاں تو روشنی ہی روشنی معلوم ہوتی ہے" کی ایک عملی تصویر۔

مولاناؒ کی تربیت جس انداز سے ہوئی اس نے اس چراغ کو سہ آتشہ بنا کر خاندان کے اس رنگ کو اور نکھار دیا اور علم وعمل کا ایک مرقع بنا دیا پُرنور مرقع، ممکن ہے لکھنے والے کسی ایک گوشے پر لکھیں اور بہت سے گوشے تشنہ رہ جائیں۔ جس ذات کے لیے تواضع اور فنائیت کا عکسِ جمیل بن کر مولانا نے زندگی تج دی وہی بھرپور جانتا ہے کہ اس خاک نشیں کے پردے میں کون سا گوہرِ نایاب امت نے کھو دیا ہے۔

علم وعمل کے بہت سے گوشے ہیں جن سے آپ کی ذات معمور تھی؛ کتابِ زندگی کا ایک جلی عنوان فکرِ اسلامی کا تھا اور یہ آپ کی ایک اہم پہچان تھی۔ فی زمانہ فکری طور پر ایسی مرجعیت کے حامل افراد بہت کم نظر آتے ہیں، حضرت مفکرِ اسلامؒ نے فکرِ اسلامی کے جو متوازن اور معتدل نقوش چھوڑے مولانا واضح مرحوم اس میراث کے امین اور نقیب تھے۔ استشراق مولانا کا خاص موضوع تھا بلکہ بارہا اس خیال کا بھی اظہار فرمایا کہ جس طرح استشراق وجود میں آیا اسی طرح ضرورت اس بات کی ہے کہ یورپ کو آئینہ دکھایا جائے اور اس کی تاریخ کے سیاہ باب اس کے سامنے لائے جائیں تاکہ اسے آج جو اپنی امامت کا غرہ ہے اس کی پول کھل جائے اور اپنے سیاہ ماضی کے آئینے میں اپنا بھیانک اور تاریک مستقبل بھی وہ دیکھ لے اگر اپنی اسی روش پر وہ قائم رہا۔ لہٰذا استشراق کا مقابلہ "استغراب" ہی سے ممکن ہے؛ یعنی ہمارے دینی مدارس کے فارغین اپنے بنیادی علوم میں رسوخ حاصل کر کے یورپی علوم میں بھی اتنی مہارت حاصل کریں کہ اپنے دفاع کے بجائے علمی طور پر یورپ پر اقدامی یلغار کریں جس طرح مستشرقین نے اپنے علوم میں گہرائی وگیرائی حاصل کر کے مشرقی علوم پر دست رس حاصل کی اور امتِ مسلمہ کو بیک فٹ پر دھکیل دیا۔

دشمن کی سازشوں کا ادراک، اور اس کے سدباب کے لیے علمی تگ وتاز کوئی آپ سے سیکھے۔ صحیح معنوں میں آپ ایک عبقری انسان تھے۔ ایسے موضوعات پر لکھنے کی آپ ہمت افزائی کرتے جن سے یورپ کو اس کی تاریخ معلوم ہو، کلیساؤں کے مظالم واشگاف ہوں، اور مستشرقین نے اسلامی تاریخ سے متعلق جو اعتراضات کیے ہیں ان کا بھرپور جواب دیا جائے، ایسے کئی موضوعات پر آپ نے اپنے شاگردوں کی کھیپ تیار کی جو آج فکر

اسلامی کے سرمایے میں قیمتی اور وقیع اضافہ کر رہے ہیں اور اسلامی بیداری کی روپہلی کرنیں صبحِ روشن کی نوید سنا رہی ہیں۔

آپؒ کی نگاہ بڑی دور رس تھی، وہ چیز دیکھ لیتے تھے جس پر بہت کم لوگوں کی نگاہ جاسکے، ایک مرتبہ جب میں نے عالم عرب کے ایک مشہور مصنف کی کتاب "انسانیات محمد" کو سامنے رکھ کر زمانے کے مزاج ومذاق کے مناسب رسول اللہ ﷺ کی انسانیت نوازی پر کچھ لکھنا چاہا اور اس سلسلے میں آپ سے مشورہ کیا تو آپ نے ایک عجیب وغریب بات فرمائی کہ ذرا دیکھ لو اچھی طرح سے، مصنف کتاب کی آراء متنازع رہی ہیں، کہیں ایسا تو نہیں کہ انسانیات محمد کے پردے میں نبوت محمدیؐ کے پہلوؤں کو چھپا دیا جائے۔ مولاناؒ کی اس بات کا بہت فائدہ محسوس ہوا اور پھر از سرِ نو ہم نے اس کتاب کا جائزہ لیا اور ممکنہ خطرات اور اندیشوں کا جائزہ لیا اور اس کے مضامین کو سامنے رکھ کر انسانِ کامل ﷺ کے کمالاتِ انسانیت کا ایک مرقع "رسولِ انسانیت ﷺ" نامی کتاب میں پیش کیا۔

قرآن سے تعلق ہے ہی ایسی چیز کہ اس کا سودا سر میں سما جائے تو سر کو وبالِ دوش بنا دے۔ مولاناؒ کا قرآن سے تعلق بھی مثالی تھا، ایک زندہ کتاب کی حیثیت سے آپ نے قرآن کو دیکھا، اپنی زندگی میں برتا، اسے آنکھوں کا نور اور دل کا سرور بنایا، اس سے رہنمائی حاصل کی اور زندگی کی تاریک راہوں میں اس سے اکتساب نور اور زمانے کے پیچیدہ مسائل کے قفل کو اس کی شاہ کلید سے کھولنے کی دعوت دی۔ اور خود بھی ایسا تعلق رکھا جو قابل رشک ہے۔ تلاوت ہو یا اس سے اثر پذیری؛ ہر اعتبار سے آپ قابل رشک رہے۔ سب دیکھنے والوں نے دیکھا کہ جب تک آنکھیں سلامت رہیں مسجد کے ایک کونے میں اکثر آپ تلاوت کرتے ہوئے پائے گئے اور جب آنکھوں میں کمزوری آئی تو خوش الحان حفاظ سے روزانہ کبھی پارے سننے کا اخیر تک معمول رکھا۔

کلام الٰہی کے الفاظ اور معانی ومفاہیم کے لازوال وبے مثال اعجاز کو خوب بیان کیا، زبان وبیان کے چوں کہ آپ شہسوار تھے اس لیے الفاظ کے نشیب وفراز اور مزاج ومذاق سے خوب واقف تھے، ادبی اعتبار سے قرآنی آیات کے مقام کو آپ نے خوب پہچانا اور اپنے شاگردوں کو بھی اس سے خوب واقف کرایا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ مولانا کی کم گوئی اور کم آمیزی کی وجہ سے درجے کے باہر بہت سے طلبہ آپ سے استفادے میں پیچھے رہتے، تو ہم لوگ بھی قیام رائے بریلی سے قبل ابتداءً تفصیلی استفادے سے محروم رہے مگر جب مخدوم ومربی مولانا عبد اللہ حسنی ندوی مرحوم کی مجلسوں میں جاتے تھے تو اس دن کا ہمیں انتظار ہوتا جس دن برادران عالی مقام حضرت مولانا رابع حسنی دامت برکاتہم اور مولانا واضح صاحبؒ کی خاتون منزل تشریف ارزانی ہوتی اور اندر مجلس لگتی تو مولانا عبد اللہ صاحب ان مجلسوں میں نچھاور ہو رہے لعل وجواہر بالخصوص قرآنی اعجاز کے جواہر پارے ہمارے شوق طلب کے حوالے کرتے۔ اور پھر ندوے سے فراغت کے بعد مرحوم مولانا عبد اللہ صاحبؒ ہی کی کرم فرمائی سے رائے بریلی میں قیام کا زریں موقع اس ناچیز کو نصیب ہوا تو مولانا واضح صاحب مرحوم سے قرآنیات پر استفادے کا خوب موقع ملا اور میرا خیال یہ ہے کہ اس حیثیت سے شاید مولانا کو کم ہی سمجھا گیا بلکہ خود مولانا ہی کی زبانی حدیث کی خدمت کے تعلق سے جتنا کام اردو میں ہوا اتنا قرآنیات پر نہیں ہوا اور بالخصوص مکتب فکر سے اوپر اٹھ کر۔

اردو تراجم قرآن میں موجود فروق اور ان کے اصل مصادر تک رسائی اور عربی زبان کے مزاج ومذاق اور مراد قرآنی سے قریب تر ہونے کے حوالے سے اردو تراجم قرآن کے تقابلی مطالعے کا کام مولاناؒ نے اس ناچیز کو سونپا جو الحمد للہ تکمیل کو پہنچا مگر ابھی زیور طبع سے آراستہ نہیں ہو سکا۔ اس کام کے دوران مولانا کے قرآنی ذوق کا بہت اندازہ ہوا، اگر اللہ نے چاہا تو ان شاء اللہ اس حوالے سے کبھی تفصیل سے لکھنے کی کوشش کی جائے گی۔

اللہ سے دعا ہے کہ مولانا کی خدمات کو اس کی بارگاہ میں حسن قبول نصیب ہو، مغفرت تامہ اور درجات عالیہ آپ کو ملیں اور پس ماندگان اور متعلقین کو صبر جمیل عطا ہو، بالخصوص ملت اسلامیہ ہندیہ کے قافلہ سالار حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی کا سایہ صحت وعافیت کے ساتھ تادیر سلامت رہے۔

جانے والے! تو ہمیں یاد بہت آئے گا

شاہ اجمل فاروق ندوی (نگراں شعبۂ اردو، انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، نئی دہلی)

"کہنے والے کہتے ہیں کہ جانے والا چلا گیا اور کام ادھورا چھوڑ گیا۔ حالاں کہ آدمی اسی وقت اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے جب وہ اپنا مشن پورا کر چکا ہوتا ہے۔"

یہ جملے استاذ الاساتذہ مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ نے اپنے عزیز شاگرد مولانا محمد رضوان ندویؒ کی اچانک وفات پر اپنے مضمون میں لکھے تھے۔ افسوس! آج وہ بھی اپنا مشن پورا کر کے اس دنیا رخصت ہو گئے۔ اگرچہ مولانا نے لمبی عمر پائی، اس کے باوجود اُن کے فضل و کمال کی وجہ سے ہر شخص یہی حسرت کر رہا ہے کہ کاش مولانا ابھی نہ جاتے۔ اُن کے اچھی عمر گزارنے کے باوجود یہ محسوس ہو رہا ہے کہ مولانا اپنے مشن میں لگے لگے اچانک اس دنیا سے اٹھ گئے اور کام ادھورا چھوڑ گئے۔ جب مولانا کی جدائی کا احساس کلیجے کو چھلنی کرتا ہے تو ہم اُن کے قلم سے نکلے ہوئے مذکورہ جملوں کو پڑھ کر سکون حاصل کرتے ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ مولانا ہمارے درمیان موجود ہوں اور ہمیں کائنات کی یہ حقیقت سمجھا رہے ہوں کہ ہر انسان اپنے مقدر کا لکھا پورا کر کے ہی جاتا ہے۔ وہ جو کام ادھورے چھوڑ جاتا ہے، وہ بھی حقیقت میں مکمل ہی ہوتے ہیں۔ بعد والوں کی ذمے داری ہوتی ہے کہ اُس کے چھوڑے ہوئے کام کو آگے بڑھائیں۔

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ ہمارے دل میں کسی شخصیت کے لیے پائی جانے والی عقیدت و محبت ہمیں مختلف کیفیات و تجربات سے ہم کنار کرتی ہے۔ مجھے بھی اپنی زندگی میں اس طرح کے کچھ تجربات حاصل ہوئے ہیں۔ اُن میں سے ایک تجربہ یہ بھی رہا ہے کہ جب کبھی اپنی کسی محبوب شخصیت کی وفات کا وقت قریب آیا تو سیکڑوں ہزاروں کیلومیٹر کی دوری کے باوجود دل پر گھبراہٹ کی سی کیفیت طاری ہو گئی۔ اُس وقت اس گھبراہٹ کی کوئی وجہ سمجھ میں نہیں آئی، لیکن بعد میں جب حادثے کا علم ہوا تو وہ کیفیت بھی ختم ہو گئی اور اس کیفیت کے طاری ہونے کی وجہ بھی سمجھ میں آ گئی۔

۱۵، ۱۶؍جنوری ۲۰۱۹ کی درمیانی شب کو بھی میں اسی کیفیت سے دو چار ہوا۔ ایک ضروری علمی کام کی وجہ سے میں تقریباً پوری رات جاگا اور چار بجے کے قریب کچھ دیر سونے کے ارادے سے لیٹ گیا۔ لیکن کسی طرح نیند نہیں آئی۔ بہت حیرت اور جھنجھلاہٹ تھی کہ شدید تھکن کے باوجود نیند کیوں نہیں آ رہی ہے۔ ایک آدھ گھنٹے کروٹیں بدل کر اٹھا کہ اب اول وقت میں فجر کی نماز ادا کر کے سو جاؤں گا۔ نماز پڑھ کر پھر لیٹا، لیکن طبیعت میں بے چینی اور دل پر گھبراہٹ تھی کہ ختم ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ اب اچھی خاصی روشنی ہو چکی تھی۔ عاجز آ کر موبائل اٹھایا تو کسی واٹس ایپ گروپ پر استادِ عالی مقام مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کی وفات کی خبر پڑھی۔ کئی بار رک رک کر پڑھی۔ اپنے کمرے میں تنہا ہونے کی وجہ سے بالکل سناٹے میں بیٹھا رہ گیا۔ اسی درمیان کئی لوگوں کے فون آنے لگے۔ ندوے سے آنے والے فونوں کے ذریعے اس جاں کاہ خبر کی تصدیق ہوئی۔ عقل نے کام کرنا بند کر دیا کہ اچانک یہ کیا ہو گیا؟ ہمارے سوچنے سمجھنے سے ہوتا بھی کیا ہے۔ جو ہونا تھا، وہ ہو چکا تھا۔ یعنی قادرِ مطلق کے فیصلے نفاذ۔

مجھے یہ بات ہمیشہ بڑے تعجب میں مبتلا کرتی ہے کہ بہت سے لوگ اپنے سگے رشتے داروں کے حادثاتِ وفات کی تازہ ترین اطلاعات سوشل میڈیا پر عام کرتے رہتے ہیں۔ خدا جانے وہ ایسا جگر کہاں سے لاتے ہیں۔ لیکن مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ کی وفات پر دل پر پتھر رکھ کر مجھے خود بھی یہ کام کرنا پڑا۔ دراصل برگزیدہ

شخصیات کی خاکِ پا بھی عام لوگوں کی نظر میں اہمیت اختیار کر جاتی ہے۔ بالکل اسی طرح اپنے بزرگوں سے عقیدت و محبت کے نتیجے میں بہت سے لوگ ہم جیسوں کو بھی اُن کا مقرب سمجھ لیتے ہیں۔ اسی لیے مولانا کے حادثۂ وفات کی تصدیق کے لیے مجھے مسلسل فون اور پیغام موصول ہونے لگے۔ لہٰذا میں نے اپنی فیس بک وال پر اس سانحے کی خبر عام کرنے کا فیصلہ کیا اور دو چار سطروں میں یہ خبر لکھ کر عام کر دی۔

لکھنؤ میں نماز جنازہ ظہر بعد ہونی تھی۔ اُس وقت تو جہاز سے پہنچنا بھی بہت مشکل تھا۔ رائے بریلی میں مغرب بعد نماز ہونی تھی، لیکن اُس وقت سیدھے رائے بریلی کے لیے دہلی سے کوئی اچھی ٹرین نہیں تھی۔ جو لوگ کار سے نکلے، اُن لوگوں کو بھی جنازہ نہ مل سکا۔ دن بھر غم گین ماحول میں تجہیز و تکفین کی خبریں لیتے رہے اور حسب توفیق دعا و ایصال ثواب کرتے رہے۔ مرشد و مربی، استاد و مزکی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کا خیال بار بار دل پر تیشے چلا رہا تھا کہ وہ کس کیفیت سے دو چار ہوں گے؟ اس طرح کا خیال اس لیے آتا ہے کہ ہم لوگ ان بزرگوں کو اپنے ایمان کے ٹوٹے پھوٹے اور گرد آلود دھندلے چشموں سے دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ کمال یہی ہے کہ یہ قدسی نفوس اپنی باطنی طہارت اور روحانی لطافت کی وجہ سے ہم جیسوں سے ہزار گنا حساس اور رقیق القلب ہوتے ہیں، لیکن صبر و استقلال اور عزم و ہمت میں ہمالہ سے بھی مستحکم اور ناقابل تسخیر ہوتے ہیں۔ چھ سال پہلے ہی تو مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کی وفات کا الم ناک سانحہ پیش آیا تھا۔ عزیز از جان بھتیجا، پیارا داماد اور مستقبل میں بے شمار امیدوں کا مرکز، اچانک ایسے اٹھ گیا تھا کہ سب دیکھتے رہ گئے۔ جنازے میں لوگ دہاڑیں مار مار کر رو رہے تھے، لیکن مرشد الامت رنج و الم کا شدید بار اپنے بوڑھے کاندھوں پر اٹھائے دوسروں کی دل جمعی کا ذریعہ بنے ہوئے تھے۔ اب جب کہ عمر مبارک ۹۰ر تک پہنچ چکی تو اسی پچاسی سال سے جزوِ زندگی بنا رہنے والا چھوٹا بھائی اور دن رات سائے کی طرح ساتھ رہنے والا سب سے مضبوط سہارا آناً فاناً چھوٹ گیا۔ لیکن کیا مجال کہ ایک حرف شکایت بھی زبان پر آجائے۔ غم ہے اور شدید ترین ہے، صدمہ ہے اور اعصاب کو توڑ کر رکھ دینے والا ہے، اس کے باوجود جس کو صبر و ثبات کا نورانی پہاڑ دیکھنا ہو، وہ ندوے کے مہمان خانے میں جا کر دیکھ لے۔

استاد گرامی مرتبت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ کی وفات پر قومی و بین الاقوامی سطح پر مدرسوں اور خانقاہوں، جماعتوں اور تنظیموں اور مرکزی و ریاستی سرکاری حلقوں میں جس طرح اضطراب کی کیفیت محسوس کی گئی اور تعزیتی پیغاموں اور جلسوں کا جو سلسلہ شروع ہوا، اُسے دیکھ کر مولانا کی مقبولیت و محبوبیت کا اندازہ ہوا۔ سچ یہ ہے کہ مولانا کی عظمت و رفعت کے پورے اعتراف کے باوجود مجھے اندازہ نہیں تھا کہ مولانا لوگوں کے دلوں میں اس طرح سمائے ہوئے ہیں۔ ہم تو سمجھتے تھے کہ اُن کی خاموش مزاجی اُن کی مقبولیت و شہرت میں رکاوٹ بنی ہوئی ہے۔ لیکن اُن کی وفات نے ثابت کیا کہ ہمارا اندازہ غلط تھا۔ وہ اپنی حد درجہ خاموش مزاجی کے باوجود سب کے جانے پہچانے اور محبوب و مقبول تھے۔ البتہ اتنا ضرور تھا کہ اُن کی فطری خاموشی کی وجہ سے لوگ اُن سے استفادہ نہیں کر پاتے تھے۔

جس دن مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ اس دنیا سے رخصت ہوئے، اُسی دن دوپہر میں مولانا ڈاکٹر محمد رضی الاسلام ندوی کا فون آیا۔ انھوں نے بتایا کہ انڈین انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک اسٹڈیز، نئی دہلی میں مولانا کی وفات پر ایک تعزیتی جلسہ ہے۔ تمھیں بھی اس میں اپنی بات رکھنی ہے۔ مولانا کے حادثۂ وفات کے صدمے کی وجہ سے میں دن بھر اپنے دفتر میں خاموش بیٹھا رہا تھا۔ اس وقت بھی یہی کیفیت طاری تھی۔ لکھنؤ میں نماز جنازہ کے بعد جسد خاکی کو رائے بریلی لے جانے کی اطلاعات مل رہی تھیں۔ کسی نے جنازے کو ندوے سے لے کر باہر تک لے جانے کی ویڈیو بنا کر سوشل میڈیا پر عام کر دی تھی۔ اُسے دیکھ کر شدید حزن و ملال کا احساس ہو رہا تھا۔ لیکن میں مولانا رضی الاسلام ندوی کا حکم ٹال نہ سکا۔ اس کی ایک وجہ یہ خیال بھی تھا کہ ہم استاد محترم کی آخری زیارت نہ کر سکے تو کم از کم اُن

کے تذکرے میں ہی شامل ہو جائیں۔ شاید دل کو کچھ قرار آجائے۔ یہ سوچ کر وقت مقررہ پر جلسہ گاہ پہنچ گیا۔ جلسے کی صدارت پروفیسر شفیق احمد خان ندوی کر رہے تھے۔ دو تین مقررین کے بعد مجھے گفتگو کی دعوت دی گئی۔ میں نے حاضرین کو مولانا کے متعلق ابتدائی معلومات دینے کے بعد اُن تین اوصاف کا ذکر کیا، جنھوں نے مجھے ہمیشہ سخت متاثر کیا:

۱۔ تعلق مع القرآن ۲۔ سادگی و بے ریائی

۳۔ چھوٹوں کو آگے بڑھانا

ایسا نہیں ہے کہ میں نے کچھ نہ کچھ بولنے کے لیے یہ باتیں بیان کی تھیں۔ مولانا کے ان تینوں اوصاف نے مجھے کل بھی بے حد متاثر کیا اور آج بھی میں ان سے متاثر ہوں۔ یہ لفاظی نہیں، میرے دل کی بات تھی۔

ہم ہمیشہ سے دیکھتے آرہے تھے کہ مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ قرآن حکیم کی تلاوت کا بہت اہتمام فرماتے ہیں۔ لیکن ہمیں یہ کوئی خاص بات نہیں لگتی تھی۔ اللہ کے فضل و کرم سے مولانا کے اجداد کو بھی کلام پاک سے خصوصی شغف رہا اور ندوے میں بھی تلاوت قرآن کا بہت زیادہ ماحول ہے۔ فجر، عصر اور مغرب کے بعد مسجد میں بہت اہتمام کے ساتھ تلاوت کی جاتی ہے۔ اسی تناظر میں ہم مولانا کو بھی قرآن کی تلاوت کرتے دیکھتے تھے۔ کچھ سال قبل رمضان کے آخری عشرے میں حسب معمول دائرہ شاہ علم اللہؒ پہنچا تو عجیب منظر دیکھا۔ مختلف اوقات میں مولانا مسجد کے کسی گوشے میں تشریف فرما ہوتے ہیں اور مختلف طلبہ دیر تک انھیں قرآن کی تلاوت سناتے ہیں۔ بعد میں معلوم ہوا کہ آنکھ کی تکلیف کی وجہ سے مولانا دیر تک نظر جما کر تلاوت نہیں کر سکتے، اس لیے مختلف طلبہ کو قرآن سنانے کے لیے طے فرما رکھا ہے۔ اب اندازہ ہوا کہ اُن کے لیے تلاوت قرآن کریم کی وہی حیثیت ہے، جو حیثیت مچھلی کے لیے پانی کی ہوتی ہے۔ اُس کے بغیر جینے کا تو خیر سوال ہی نہیں، وہ اُس میں کمی بھی نہیں کر سکتے۔ مجھے یہ منظر اتنا حسین لگتا تھا کہ بسا اوقات میں بھی مولانا کے قریب جا کر بیٹھ جاتا تھا۔ اس طرح کہ وہ مجھے نہ دیکھ سکیں، لیکن میں اُن کو دیکھتا بھی رہوں اور تلاوت بھی سنتا رہوں۔ مولانا دوران قرأت قاری کو روکتے بھی تھے۔ کسی آیت کو مکرر پڑھنے کے لیے کہتے، کسی لفظ کی حکمت بیان کرتے اور پھر اپنے مخصوص انداز میں سر جھکا کر تلاوت سننے لگتے۔ کئی بار سوچا کہ میں بھی مولانا کو قرآن سنانے کا شرف حاصل کروں، لیکن اُن کے مقررہ نظام میں خلل اندازی کے خوف سے کبھی ہمت نہ کر سکا۔

آج سوچتا ہوں کہ مولانا کی آنکھ کی یہ تکلیف ظاہری طور پر تو زحمت تھی، لیکن حقیقی طور پر یہ ایک رحمت تھی۔ مولانا اپنی خاموش مزاجی اور انتہائی انکسار و تواضع کی وجہ سے نہ جانے کیا کیا مخفی رکھ کر چلے گئے۔ خدا جانے اُن کی کتنی ایسی فضیلتیں ہوں گی، جن کی ہم جیسوں کو بھنک بھی نہ لگ سکی۔ اگر انھیں تکلیف نہ ہوتی تو ہم جیسے بے بصیرت ان کے تعلق مع القرآن کا اندازہ ہی نہ لگا پاتے۔ گویا اللہ تعالیٰ نے انھیں ایک تکلیف میں مبتلا کر کے دنیا کو یہ دکھا دیا کہ دیکھ لو! آج بھی میرے پیارے بندے میرے کلام کے حرف حرف میں میری تجلیات کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ کے دوسرے بڑے وصف سادگی و بے ریائی کے متعلق کچھ کہنے کی ضرورت نہیں ہے۔ جس نے انھیں ایک نظر بھی دیکھا ہوگا، وہ گواہی دے گا کہ مولانا سادگی و بے ریائی کا مجسمہ تھے۔ خود علمی شان اور اعلیٰ مناصب کے حامل ہونے اور مفکر اسلام کے محبوب بھانجے اور مرشد الامت کے چھوٹے بھائی ہونے کی وجہ سے وہ کیا کچھ نہ کر سکتے تھے؟ کیا مجال کہ کوئی اُن کے کسی قدم میں رکاوٹ بنتا۔ کوئی اور ہوتا تو ہر طرف دندناتا پھرتا۔ نئے نئے فرمان جاری کرتا اور نت نئے ہنگامے کھڑے کرتا۔ کیوں کہ آج دنیا میں یہی ہو رہا ہے۔ لوگ اپنے اور اپنے بڑوں کے مقام کو بھنانے میں ذرا نہیں چوکتے۔ اس میں اسلامی اور غیر اسلامی حلقوں کی کوئی تفریق نہیں ہے۔ سب کا حال ایک جیسا ہے۔ لیکن قربان جائیے رشید ابن رشید کے، جنھوں نے کبھی بھول کر بھی رعب گانٹھنے یا اپنی چلانے کی کوشش نہیں کی۔ اِن آنکھوں نے جانے کتنی بار یہ منظر دیکھا کہ مرشد الامت مولانا

سید محمد رابع حسنی ندوی کے پاس معتقدین کی بھیڑ ہوگئی تو مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ خاموشی سے وہاں سے ہٹ کر الگ جا بیٹھے۔ اُن میں سے بعض ناواقف مولانا کے ٹھوکر مار کر بھی گزر جاتے تھے، لیکن مولانا ناراض ہونے کے بجائے اور سمٹ سکڑ کر بیٹھ جاتے تھے۔ بے نفسی و بے ریائی کا ایسا نمونہ اب کہاں دیکھنے کو ملے گا؟

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ نے اپنے چھوٹوں کی تربیت کرنے اور اُن کو آگے بڑھانے کی جو مثال چھوڑی ہے، وہ بھی اپنے آپ میں بے نظیر ہے۔ دنیا بھر میں کتنے ندوی فضلا ہیں، جن کی اسی نوے فی صد تعمیر مولانا کے ذریعے انجام پائی۔ کتنے ہی علماء و اسکالرز کی تحقیقات مولانا کی رہ نمائی میں اتمام تک پہنچیں۔ ماضی قریب میں ندوی حلقے سے شائع ہونے والی متعدد اہم کتابیں، مولانا کے نظریات و خیالات کا مجموعہ ہیں۔ کوئی اچھا علمی و تاریخی نکتہ ذہن میں آتا ہے، تو انسان اُسے چھپائے چھپائے پھرتا ہے کہ کسی وقت اس پر تفصیل سے کام کریں گے۔ لیکن ہمارے مولانا کا معاملہ برعکس تھا۔ وہ اپنے نظریات کی بنیاد پر اپنی رہ نمائی میں دوسروں کی عمارت کھڑی کرا کے خوش ہوتے تھے۔ تحقیق و تصنیف کے لیے قائم اداروں میں بھی ایسی دوسری مثال شاید ہی ملے۔

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ بولتے کم اور سوچتے زیادہ تھے۔ اگرچہ علمی دنیا کہ خوش نصیبی یہ رہی کہ مولانا نے اپنی زندگی کے آخری چند برسوں میں اردو زبان میں تقریر کرنا شروع کر دیا تھا، اُس کے باوجود اپنی قلت کی بنا پر وہ اُن کے افکار و نظریات کو سمجھنے کے لیے ناکافی ہیں۔ فی الحال تو سب سے پہلے اُن کی جو تصانیف کسی وجہ سے اشاعت کی منتظر ہیں، اُن کی اشاعت ہونی چاہیے۔ اس کے بعد انھوں نے بیس سال آل انڈیا ریڈیو پر جو Talks اور دوسرے پروگرام پیش کیے، اُن کا حصول اور جمع و ترتیب بھی ایک بڑا کام ہوگا۔ ان کے علاوہ سب سے ضروری کام یہ ہے کہ مولانا کے کاموں کی تعیین قدر اور موضوعاتی اعتبار سے اُن کے نظریات کو ترتیب دیا جانا چاہیے۔ ان شاء اللہ دیر سویر یہ سب کام ہو ہی جائیں گے۔ مولانا کے اولاد و احفاد اور لائق تلامذہ میں دسیوں افراد یہ کام کرنے کی پوری صلاحیت رکھتے ہیں۔ مولانا نے مولانا سید عبداللہ حسنی ندویؒ کے متعلق میری کتاب "داعی اسلام: شخصیت اور پیغام" کو بہت پسند فرمایا تھا اور کئی مرتبہ میری موجودگی و غیر موجودگی میں اس کتاب کے طرز و اسلوب کی تحسین فرمائی تھی۔ اس لیے اگر اُن کے لائق تلامذہ میں سے کسی کو موقع نہ مل سکا تو ان شاء اللہ یہ نالائق شاگرد ہی اس بڑی ضرورت کی تکمیل کی کوشش کرے گا۔ بہ ہر حال یہ کام ہونا ضرور چاہیے۔

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ جس خاموشی کے ساتھ دنیا میں رہے، اُسی خاموشی کے ساتھ دنیا سے چلے گئے۔ لیکن جس طرح اپنی زندگی میں خود کو چھپانے کے باوجود اللہ تعالیٰ نے دنیا میں اُن کو ظاہری مقام عطا فرما دیا تھا، اُسی طرح اُن کے حسن خاتمہ کے ذریعے اُن کی باطنی شان کو دنیا کے سامنے واضح فرما دیا۔ وہ دنیا سے چلے گئے لیکن ہمارے دل کی دنیا میں ہمیشہ پوری شان کے ساتھ جلوہ فرما رہیں گے۔

آنکھ سے دور سہی، دل سے کہاں جائے گا
جانے والے! تو ہمیں یاد بہت آئے گا

اسلامی تعلیمات سے ناواقفیت کا نتیجہ

"اسلام سے خوف اور اسلامی ذہن رکھنے والوں سے جو وحشت اور دہشت ہے اس کا ایک بڑا سبب اسلام کی تعلیمات سے ناواقفیت ہے، خاص طور سے اسلامی نظام میں جرائم کو روکنے کے لیے جو سزائیں رکھی گئی ہیں وہ سب سے زیادہ اسلام سے خوف کا سبب بنی ہیں، لیکن اسلامی نظام کا فرد و سماج کی حفاظت اور جرائم سے محفوظ معاشرہ کا تصور ان قائدین کے ذہن میں نہیں آتا، اس لیے کہ ان ملکوں میں اس کا تجربہ نہیں کیا گیا۔"

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

علم وادب کا درخشاں ستارہ

مولانا اظہر الدین اظہر ندوی (مہتمم مدرسہ مدینۃ العلوم، شیموگہ۔ کرناٹک)

مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیم، ہر دل عزیز استاد، مشہور عالم دین، عظیم مفکر، علم وعمل کے پیکر، زبان و ادب کے میدان کی نہایت قد آور شخصیت، عربی زبان کے بے مثال اور مایہ ناز ادیب، نیک سیرت وخوش خو حضرت مولانا سید واضح رشید حسنی ندویؒ کے اچانک انتقال کی المناک وغم انگیز خبر ۱۶ر جنوری ۲۰۱۹ء کو بجلی بن کر گری، انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اور یہ اندوہناک خبر جیسے ہی مجھ تک پہنچی تو میرے قدموں تلے زمین کھسک گئی اور میں سوچنے پر مجبور ہوگیا کہ ابھی تو میری ملاقات مولانا سے دس روز قبل ہوئی تھی اور ہشاش بشاش نظر آرہے تھے۔

تاہم حضرت مولانا کے انتقال سے نہ صرف ندوۃ العلماء بلکہ پورا عالم ایک جید عالم دین، عظیم مفکر، بے لوث داعی، عربی زبان کے مایہ ناز ادیب، باکمال صحافی اور محسن عالم و ادیب سے محروم ہوگیا، مولانا ۸۳ ربرس کے تھے، اللہ تعالیٰ نے مرحوم کو علم وعمل، دین وتقوی، اخلاق وسلوک اور رواداری کی عظیم نعمتوں سے نوازا تھا، وہ دین کے سچے علم بردار تھے، ان کی زندگی انتہائی سادگی وتواضع، فنائیت، استغنا، بے نفسی اور بے غرضی سے عبارت تھی، مولانا کا ایک نمایاں وصف خاموشی تھا، بلاضرورت نہیں بولتے تھے، وہ برصغیر ہندو پاک میں عربی زبان وادب اور جدید عربی صحافت کی آبرو تھے، عربی زبان وادب حضرت مولانا کا خاص موضوع تھا، آپ عربی ادب کے بے تاج بادشاہ تھے۔

استاذ محترم مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ سے میں نے کئی سال باقاعدہ تعلیم حاصل کی اور مدتوں استفادہ کیا ہے، دار العلوم ندوۃ العلماء سے جدائی کو کئی سال گزر چکے ہیں، لیکن آج بھی میرا دل مولانا کی محبت وعقیدت سے اسی طرح لبریز ہے، مولانا کی مجالس کی یاد ہمہ وقت ستاتی رہتی ہے، مادر علمی میں گزارے ہوئے وہ لمحات یاد آتے ہیں جب کلاس روم میں ہم مولانا کے درس سے مستفید ہوتے اور مولانا ہمیں اپنے سامنے بیٹھا کر عربی عبارات پڑھنے پر زور دیتے، مولانا سے استفادہ کی عجب دھن سوار رہتی، مولانا کی صحبت سے اس قدر فیض حاصل ہوتا کہ بیٹھ کر اٹھنے کو جی نہ چاہتا اور نہ ہی وقت گزر جانے کا احساس ہوتا، مولانا کی ہر ادا نشست و برخاست، سکوت ونطق، تعلیم وتربیت کے دروس واسباق ہیں، ماضی کی یہ یادیں کتنی فرحت بخش بھی ہیں اور کس قدر باعث رنج والم بھی۔

ہمارے آگے تیرا جب کسی نے نام لیا
دل ستم زدہ کو ہم نے تھام لیا

اور پھر یہ عبارت زبان زد ہوئی؛ ان اللہ ما أخذ ولہ ما أعطی وکل شئ عندہ بأجل مسمی۔

مغربی تہذیب کا خمیر

”مغربی تہذیب کا خمیر جن عناصر سے مرکب ہے وہ جرم و تشدد اور مقاصد کی تکمیل کے لیے جائز وناجائز وسائل کو اختیار کرنا ہے، خاص طور سے جرم وتشدد اس کی زندگی کا ایک اہم عنصر وحصہ بن گیا ہے، جس کا طبعی اثر یہ ہوا کہ اس مرد بیمار کی تقلید ونقالی میں بہت سی موجودہ تحریکیں بھی اسی روش پر گامزن ہیں۔ موجودہ خطرناک صورت حال سے معاشرۂ انسانی کے پورے ڈھانچے کو صرف ایک طریقہ سے بچایا جاسکتا ہے اور وہ یہ ہے کہ انسانی اقدار، اخلاق کریمانہ، دینی تعلیمات کی طرف بازگشت کی دعوت دی جائے، تاکہ انسان اپنے انسانی تشخص ووجود کو برقرار رکھتے ہوئے پرسکون زندگی گذار سکے۔“

● حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

مدرسہ احیاء العلوم

خانقاہ امیریہ، دبنی والا، انبالہ روڈ، سہارنپور



قائم فرمودہ

حضرت الحاج ملاّ جی محمد عبدالکریم صاحب قادری مجددی بوڑیوی نوراللہ مرقدہٗ

تعارف

بیادگار : حضرت الحاج مولانا محمد امیر باز خاںؒ صاحب قاسمی (صدرالمدرسین مظاہر علوم، سہارنپور)

زیرِ سرپرستی : رہبرِ ملت حضرت الحاج پیر جی حافظ حسین احمد صاحب قادری مجددی مدظلہٗ العالی خانقاہ بوڑیہ

ناظم و مہتمم : (حافظ) عبدالوہاب صاحب • سن قیام — ۱۳۳۲ھ مطابق ۱۹۱۴ء

نشأۃ ثانیہ : محرم الحرام ۱۳۹۲ھ مطابق مارچ ۱۹۷۲ء

تعلیم : ناظرہ و حفظ قرآن مجید مع مختصر تجوید - اردو، ہندی، انگلش، دینیات درجہ (۵)

شعبہ جات : ۹ • تعداد طلبہ و طالبات (امدادی) — ۲۵۰ • مدرسین حضرات و دیگر ملازمین — ۱۶

المشتہر

زبیر احمد کریمی قادری مجددی

نائب ناظم مدرسہ احیاء العلوم

خانقاہ امیریہ، دبنی والا، انبالہ روڈ، سہارنپور

(سکریٹری الکریم چیری ٹیبل اینڈ ایجوکیشن ٹرسٹ)

Zubair Ahmad Karimi

Madarsa Ehya Ul Uloom

Khanqa Ameeriya, Dabni Wala
Ambala Road, Saharanpur-247001 (U.P.)
Mob. : 9412232314
(Secretary Al-Karim Charitable and Education Trust)



فخر العلماء حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ
کی حیات وخدمات پر ماہنامہ **پیام عرفات**
کی اس خصوصی اشاعت کا ہم تہہ دل سے خیر مقدم
کرتے ہیں، اور دعا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمیں
بھی حضرت مولاناؒ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق عطا
فرمائے۔ آمین!



حاجی محمد الیاس (عرف منی)
سابق چیئرمین، نگر پالیکا، رائے بریلی

وہ رحمت میں اللہ کی سوگیا ہے

نتیجۂ فکر:- سید ابوالحسن علی حسنی (دائرہ شاہ علم اللہ-رائے بریلی)

جو لعل بدخشاں تھا وہ کھو گیا ہے
وہ رحمت میں اللہ کی سو گیا ہے
کہ وہ علم و حکمت کی تلوار سا تھا
قلم سے جو باطل کو للکارتا تھا
تھی پرواز جس کی بلندی کی حد پر
بلندی وہ حالاں کہ نہ چاہتا تھا
مگر اب وہ اتنا بلند ہوگیا ہے
وہ رحمت میں اللہ کی سوگیا ہے
ہے اس کے قلم نے وہ تاثیر پائی
کسی اور قلم میں نظر وہ نہ آئی
مہارت نہ تھی ایک ہی فن پر ان کو
کئی اور فنوں تک انہیں تھی رسائی
وہ مینار علم و ہنر کھوگیا ہے
وہ رحمت میں اللہ کی سوگیا ہے
کہ تھی زندگی جس نے سادہ گزاری
کہ جس نے دکھائی تھی بس خاکساری
رہے گی ہمیں یاد ہر بات ان کی
وہ شفقت محبت وہ خدمات ساری
جو انسانیت کے لیے رو گیا ہے
وہ رحمت میں اللہ کی سوگیا ہے
وہ علم اور فن کا چمکتا ستارہ
ہے جس نے جہاں کو قلم سے پکارا
مدارس کو اپنے ہنر سے سنوارا
گیا چھوڑ کے ہم کو قائد ہمارا
مگر بیج علم اور فن بوگیا ہے
وہ رحمت میں اللہ کی سوگیا ہے
رہے گا ہمیں یاد وہ ماہ پارہ
جو تھا دین اسلام کا اک ستارہ
اے اللہ توفیق دے ہم کو یا رب
اسی کی طرح گزرے ہر پل ہمارا
بہت سے دلوں کو جو دل دھو گیا ہے
وہ رحمت میں اللہ کی سوگیا ہے

صحابہ کرامؓ معیارِ حق ہیں

"درحقیقت صحابہؓ سب کے سب عادل اور تام الضبط ہیں، شریعت اسلامی کے مرجع ہیں اور تمام فقہی مذاہب ومسالک انہیں پر منتہی ہوئے ہیں، دین وشریعت میں انہیں کا علم سب کے علم کی بنیاد ہے، ان سے محبت رسول اللہ ﷺ سے محبت ہے اور اللہ کی رضا کا سبب اور آخرت میں اچھے انجام کا ذریعہ ہے۔ یہ رجال ہیں، لیکن ہماری اور آپ کی طرح نہیں۔ رسول اللہ ﷺ کی صحبت ورفاقت نے ان کو کہیں سے کہیں پہنچادیا۔ وحی نازل ہوتی تھی، اس کا پس منظر ان کے سامنے ہوتا تھا۔ وحی کو یہ لکھنے والے ہوتے تھے اور پھر اللہ نے قرآن مجید کے جمع وتدوین کا کام اسی قدسی جماعت سے لیا۔ عام امت اور رسول اللہ ﷺ کے درمیان یہی واسطہ ہیں۔ ان کو الگ کردیا جائے تو امت کا سلسلہ نسب منقطع ہوجائے گا۔ نہ ہی ان کو الگ کرکے قرآن کو، نہ ہی حدیث کو، نہ ہی دین وشریعت اور فقہ وتاریخ کو سمجھا جاسکتا ہے۔"

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی ؒ

صاحب قلب و نظر عالم ربانی

(''ادب اہل القلوب'' کی روشنی میں)

مولانا محمد خالد باندوی ندوی (استاذ دارالعلوم ندوۃ العلماء۔لکھنؤ)

انسان کی زندگی محض ایک افسانہ ہے، ہر شخص اس دنیا میں اپنی حیات مستعار کے دن گذار کر رخصت ہو جاتا ہے، صرف اس کی یادیں باقی رہ جاتی ہیں، تلخ وشیریں یادیں، دلربا و دل شکن یادیں، انسان کی حیثیت ایک افسانہ سے زیادہ نہیں، افسانہ وہ جو نا تمام سارہ گیا ہو، افسانہ وہ جو ایک نتیجہ خیز انتہائیہ کا منتظر ہو، ایک حکیم شاعر ابن درید کہتا ہے۔

إنما المرأ حديث بعده　　فكن حديثا حسنا لمن وعى

ایک ایسا ہی خوبصورت افسانہ بن گئی ہے میرے مشفق و مربی مولانا واضح رشید حسنی کی شخصیت، ذہن وخیال میں ان کا تصور آتے ہی خوبصورت یادوں کی ایک کہکشاں سی سج جاتی ہے، یادیں شفقت ومحبت کی، اپنائیت اور خیر خواہی کی، اخلاص وہمدردی کی، صدق وصفائے باطن کی، شفقتوں وعنایتوں کی، سادگی وتواضع کی، جس نے ان کی عبادتیں دیکھی ہوں گی اور خدائے واحد کے سامنے تنہائیوں میں تضرع وابتہال اور ذوق وشوق کے ساتھ دعاؤں میں مصروف دیکھا ہوگا، تو ضرور گواہی دیں گے کہ عبادتوں کا یہ انداز ہوتا ہے، بعض نے ان کے علم وتحقیق اور فکر سلیم سے معمور حلقہائے درس میں شرکت کی ہوگی تو بیساختہ اس کی زبان سے نکلے گا کہ شان درس تو یہ ہے، اور منہج تدریس کا یہ مثالی ومعیاری انداز ہے، بعض کے حق میں ان کی روحانی وربانی شخصیت کا جمال، باعث تسکین قلب وروح ہوا ہوگا۔

الغرض مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی ؒ کی زندگی متنوع وشش جہت ہے، زندگی کا ہر پہلو خوبیوں کا حامل، آپ بیک وقت ایک با کمال عالم، مثالی مدرس، کامیاب مربی، بصیرت مند قائد، بے مثال صحافی، مایہ ناز ادیب، تجربہ کار مدبر، ماہر انشاء پرداز تھے، اور سب سے بڑھ کر ایک ''انسان'' تھے، صحیح اور کامل انسان، انسانی صفات سے آراستہ ایک عظیم انسان، اور شاید وہی انسان جس کی تلاش حکیم روم کو تھی، اقبال کو ساری زندگی جس کی جستجو رہی، ہر دور کے اہل صفا نے جس کی خاطر ریاضت ومجاہدے کیے، ایک ''عظیم انسان'' جو انسانی خوبیوں کا حسین پیکر تھا، اخلاص وبے لوثی کا حسین چمن زار تھا، جہاں کے سرو وسمن اور سوسن ونسترن، شفقت ومحبت، اخلاص اور سادگی تھے، انسانی ہمدردی کا منارۂ نور تھا وہ، سادگی وہ کہ جس سادگی پر مر مٹنے کو دل چاہے، تواضع وہ کہ جس کے در پر خود تواضع جبہ سائی کرے، صداقت وراستی اور حق گوئی ایسی کہ خود صداقت بھی جس کی صداقت کا اعتراف کرے، عزم وہمت کا کوہ ہمالیہ جس کی جبین ناز کا بوسہ لینے کی منتظر آسمان کی رفعتیں ہوں، علم وافر کا وہ حصہ پایا کہ رشک نگاہ علماء بن گیا، ''نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو، رزم ہو یا بزم ہو پاک دل وپاک باز'' کا چلتا پھرتا نمونہ، اور ''قولوا للناس قولا حسنا'' کی عملی تفسیر، وہ مرد باصفا کہ جس کی زندگی ظاہر پرستی اور تکلفات سے کوسوں دور تھی، وہ جس کی خلوتیں اور جلوتیں یکساں تھیں، یعنی بغض وحسد اور غیبت وخودرائی وخودستائی سے پاک، غیرت اسلامی کا علمبردار اور محبت رسول کی شراب طہور سے اس کا باطن سرشار تھا، اس کی زندگی اور تگ ودو کا صرف ایک مقصد تھا؛ انسان اور انسانیت کی اصلاح وتعمیر، اور اسلامی تعلیمات واقدار سے انسانیت کو باخبر کرانا، آپ کی تمام نگارشات عربی میں ہوں یا اردو میں سب اسی مقصد کی خاطر ہیں، موضوع خواہ کوئی ہو ہر جگہ اعلائے کلمۃ اللہ اور حق گوئی آپ کا خاص وطیرہ ہے، لیکن متانت کے ساتھ، اسلوب کی شگفتگی کے ساتھ، نہ شدت آمیزی اور نہ ہی جانبداری، اعتدال ووسطیت کی آئینہ دار اور خاص طور پر آپ کی کتاب ''**أدب أهل القلوب**'' تو اس

مقصدیت کی واضح ترجمان ہے۔

"أدب اهل القلوب" ایک تعارف: اس کتاب میں ان اہل دل اشخاص عظام کا تذکرہ ہے جن کو خلاقِ عالم نے ادبی صلاحیتوں اور زرخیز فکر سے وافر حصہ عطا فرمایا تھا، حتیٰ کہ ان میں ہر ایک اسلام کی دعوتی وتربیتی تاریخ کا خود ایک روشن باب اور مدرسہ کی حیثیت رکھتا ہے، اسی لیے تاریخ اسلام کے ہر عہد میں اسلام پسند ادباء واصحابِ علم وقلم میں ان کا نمایاں مقام ومرتبہ رہا ہے، مشتِ نمونہ از خروارے کے طور پر چند نام ذکر کیے جاتے ہیں:

امام حسن بصریؒ، امام ابو حامد غزالیؒ، شیخ عبد القادر جیلانیؒ، عبد الرحمن جوزیؒ، فضیل ابن عیاضؒ، جنید ابن محمد بغدادیؒ، شیخ جلال الدین رومیؒ، امام ابن تیمیہؒ، ان کے نامور شاگرد علامہ ابن قیم جوزیؒ، مخدوم الملک شیخ شرف الدین یحیٰ منیریؒ، شیخ نظام الدین اولیاء وغیرہ۔

مولانا مرحوم نے اس کتاب میں انسانی کردار کی تعمیر وتشکیل کے ارادہ سے اہل دل اور صاحب قلب ونظر علماء وصوفیاء کی زندگی اور ان کے ادب کے وہ شہ پارے جمع کیے ہیں اور حسنِ انتخاب کا وہ معیار پیش کیا ہے جو خود ان کے ذوق ووجدان اور فکر سلیم اور اس موضوع سے فطری وطبعی لگاؤ کی واضح دلیل ہے، حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی (حفظہ اللہ ورعاہ وأطال عمرہ) کتاب کی اہمیت وافادیت اور موجودہ وقت میں اس کی ضرورت پر اظہار خیال کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"چونکہ موجودہ وقت میں لوگوں کی توجہ کا مرکز سیاسی وثقافتی اور علمی موضوعات ہیں اور ان کی توجہ ان ائمہ دین اور اصحابِ حال وقال علماء کی طرف نہ کے برابر ہے، لوگ عموماً ایسی چیزوں کا مطالعہ پسند کرتے ہیں جن میں تفریح ودل لگی اور مادی اغراض ومقاصد کی تکمیل کا سامان ہو، اس سطحی فکر کے غلبہ کی وجہ سے ان کی توجہ تزکیہ قلب وروح، اور اصلاح باطن کی موضوعات کی طرف نہیں ہے، برادر عزیز نے یہ کتاب تالیف کی ہے اور اس میں اعلیٰ عربی زبان، ادبِ عالی کے عمدہ وخوبصورت روحانی اقتباسات کا ایک حسین چمن زار آراستہ کیا ہے، ان ادبی مہ پاروں میں زندگی کی حرارت، اور طاقت واثر آفرینی کا ایک سیل رواں پوری آب وتاب سے جاری وساری ہے، یہی وہ زندہ وسرمدی ادب ہے جو بقائے دوام کا مستحق ہے، مؤلف موصوف نے اس کتاب میں تاریخ وسیرت، تذکرہ وسوانح اور فکر اسلامی کی کتابوں میں غواصی کرکے یہ قیمتی لعل وگہر عاشقان عرفان وآگہی کے سامنے پیش کر دیے ہیں، یہ کتاب ان نوجوانوں کی بھی ضرورت کی تکمیل ہے جو مغربی میڈیا کے اباحیت پسند اور تفریحی ادب سے مبہوت ومسحور ہیں اور جس کا ان کے ذہن ودماغ، رجحانات واحساسات، طرزِ حیات اور تصورات پر بہت عمیق اثرات پڑے ہیں، یہ کتاب "ادب اہل القلوب" ادب اسلامی کے سرمایہ میں ایک وقیع اضافہ ہے۔"

اسلام اور مسلمان

"یہ ایک حقیقت ہے کہ اسلام نے اپنی پاکیزہ فکر اور آسمانی پیغام کی صداقت کی بنیاد پر لوگوں کے دل جیت لیے، ان کے نفوس کو متاثر کیا، ان کے قلوب کو مسخر کیا، پھر اسلامی تعلیمات سے مطمئن ہو کر انہوں نے اسلام قبول کر لیا، یا قبول کرنے کا ارادہ کر لیا لیکن مسلمانوں کے حالات اور ان کے غیر اسلامی طریقہ زندگی نے ان کو اسلام کے بارے میں شک وشبہ میں مبتلا کر دیا اور جادۂ حق سے ان کے قدم ڈگ مگا گئے، اس لیے اگر ایسا کوئی شخص یہ محسوس کرتے ہوئے دین سے منحرف ہوتا ہے کہ اسلام انسانی زندگی کو ابدی سعادتوں سے ہمکنار نہیں کر سکتا تو اس کی سب سے بڑی ذمہ داری علمائے اسلام اور عام مسلمانوں پر عائد ہوتی ہے لہٰذا مسلمانوں کو اس بات کا احساس ہونا چاہیے کہ لوگوں کی نگاہیں ان کا تعاقب کر رہی ہیں، اور ان کے ایک ایک عمل پر لوگوں کی نظریں ہیں، کتابوں میں پڑھنے کے بعد عام مسلمانوں کی زندگیوں میں ہی وہ اسلام کی حقانیت کو تلاش کرتے ہیں اور اسی کو اپنے لیے معیار تسلیم کرتے ہیں۔"

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی ؒ

قائدانہ تربیتی نظام کے رہنما خطوط

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید ندویؒ کے نظریہ کی روشنی میں

ڈاکٹر محمد حاذق ندوی (اکیڈمک ڈائرکٹر دارالامور- کرناٹک)

مؤرخہ ۱۶؍جنوری بروز چہارشنبہ ۲۰۱۹ء کی صبح حضرت مولانا سید محمد واضح رشید ندویؒ کے وصال کی پُرملال خبر نے جہاں پورے عالم کو سکتہ میں ڈال دیا، وہیں ہزاروں تلامذہ اچانک ایک مشفق مربی سے محروم ہو گئے۔ ان سب سے بڑھ کر دارالعلوم ندوۃ العلماء کے ساتھ ساتھ بیسیوں ادارے ایک ایسا سائبان کھو بیٹھے جس کی تلافی ممکن نہیں، ان ہی اداروں کی فہرست میں (جہاں حضرت والا کے تخیلات کی بنیاد پر نظام مرتب کیا جاتا تھا) دارالامور ٹیپو سلطان اعلیٰ تعلیمی و تحقیقی مرکز میسور بھی ہے۔

۴؍مئی ۱۹۹۷ء کو حضرت ٹیپو سلطان شہیدؒ کے جوار میں عظمت رفتہ کی ایک تاریخ کے تعلیمی باب کو پھر سے کھولنے کا منصوبہ تیار ہوا، جس کے بارے میں مؤرخین کا خیال ہے کہ ٹیپو شہیدؒ نے ایک ایسے ادارے کے قیام کا منصوبہ تیار کیا تھا جو دین و دنیا کا سنگم ہو، اس کا نام بھی "جامع الامور" تجویز ہوا تھا، اسی تخیل کو مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے از سر نو زندہ کیا، جس کا بار آپؒ کے میزبان خاص ضیاء اللہ شریف نے اپنے ذمہ لیا اور ادارہ کا نام "دارالامور" طے ہوا، لیکن جب ادارہ میں تعلیمی سلسلہ شروع ہوا تو اس وقت مفکر اسلامؒ دنیا سے رخصت ہو چکے تھے، آپ کے بعد اس ادارہ کی تعلیمی و تربیتی سرپرستی آپؒ کے عکس پُرنقش حضرت مرشد ملت سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب دام ظلہم اور آپ کے جزو لاینفک برادر حضرت مولانا سید محمد واضح رشید ندویؒ کے زیر سایہ ہونے لگی اور نصاب و نظام جاری ہو گیا، حضرت مولانا سید محمد واضح رشید ندویؒ "دارالامور" میں زائرین کی ڈائری میں اپنے اولین تاثرات بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

دارالامور کے سنگ بنیاد کے وقت حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے ساتھ جب حاضری ہوئی تھی، اس وقت حضرت نے اپنی تقریر میں جو خاص بات فرمائی تھی وہ یہ تھی کہ موجودہ حالات میں مغربی افکار اور نظریات کی جو کش مکش اسلامی افکار و نظریات کے ساتھ جاری ہے اس کو سمجھا جائے اور پورے عالم اسلام کو اس سے محفوظ کر دیا جائے، اس کی خاطر ایسے افراد کی ضرورت ہے جو ان حالات کو سمجھ کر امت کی رہنمائی کا فریضہ انجام دیں۔

ان ہی بنیادوں کو مدنظر رکھتے ہوئے حضرت مولانا سید واضح رشید ندویؒ نے جو رہنما خطوط "دارالامور" کے نام قولاً و تحریراً دیے ہیں، یہاں مختصراً پیش کیے جاتے ہیں، جو نہ صرف دارالامور کے نظام تربیت کا خاکہ ہیں بلکہ ہر اس ادارے کے لیے رہنما ثابت ہو سکتے ہیں جو عصری ماحول میں، عصری افراد اور جدید ٹکنالوجی کے ساتھ جدید فارغین مدارس کی تربیت کرنا چاہتے ہوں اور جہاں تک دارالامور کا ۱۸؍سالہ تجربہ ہے، اس کی روشنی میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اگر ان میں سے کسی ایک سے بھی بے اعتنائی برتی گئی تو وہ ادارہ اپنی راہ سے ہٹ کر یا تو محض کوچنگ سنٹر بن جائے گا یا اپنی ڈگر کھو دے گا:

۱- قائدانہ تربیت کی کامیابی مخصوص و محدود تعداد اور منظم نظام اوقات پر منحصر ہے: اس طرح کے اداروں میں ایک تو تربیت یافتگان کی تعداد مخصوص رکھی جائے تاکہ ہر ایک پر برابر کی نظر رہے جیسا کہ دارالامور نے طلباء کی تعداد ۲۰؍تک محدود رکھی ہے، اس میں ۴۰؍تک کی گنجائش بڑھائی جا سکتی ہے، اسی طرح جدید فارغین کو قائدانہ تربیت کی خاطر نماز فجر سے رات تک کا مختلف الجہات

نظام بنانا اور پابندی سے اس پر کار بند رہنا کامیابی کا ضامن ہے۔

۲-اس طرح کے تربیتی اداروں کے دو رخ ہو سکتے ہیں، ایک تو یک سالہ نظام جہاں معاشرہ کی ضرورتوں سے ہم آہنگی سکھائی جاتی ہے (عصر حاضر میں اس کی بہت اہمیت ہے) لیکن زمانہ میں مؤثر قائدانہ کردار ادا کرنے کے لیے اس طرح کا نظام دو سالہ ہونا چاہیے، لیکن محض رسمی طور پر نہیں بلکہ پہلے سال ایسا ہی تعارفی نظام چلے اور اُن ہی میں سے صلاحیت اور شوق کی بنیاد پر چند ممتاز طلباء کا انتخاب ہو اور پھر انہیں کم از کم ایک سال اہم تحقیقی کام دے کر ممتاز مدارس، ممتاز شخصیات کے پاس رکھ کر کام کرایا جائے، ان اسکالرز کے لیے گرانقدر وظیفہ مقرر کیا جائے (میڈیکل انٹرن شپ کی طرح) نگرانی اور اخراجات ادارہ اپنی جانب سے ادا کرے، اور آخر میں متعلقہ افراد کی شہادت کی بنیاد پر انہیں سند دی جائے، اس طرز پر عصری تقاضوں کے لحاظ سے آنے والے دس سالوں میں چند ماہرین ہمیں مل سکتے ہیں۔

۳-جدید فارغین مدارس کی عصری تقاضوں کی تربیت کے لیے مخصوص ادارہ کا قیام اس لیے ہوتا ہے کہ مدارس میں نصاب کی زیادتی کے سبب جو علوم طلباء کو نہ سکھائے جا سکیں اس کی تکمیل کے لیے وہاں مواقع پیدا کیے جائیں، اس لیے ان اداروں کے لیے ضروری ہے کہ مدارس کے نصابی علوم میں دخل نہ دیں، مگر مدارس کے سرمایہ کی حفاظت بھی کریں، اس لیے کہ ایمان، عقیدہ، تقویٰ ایک امانت ہیں، اس میں کسی قسم کی کمی واقع نہیں ہونی چاہیے، اس کی حفاظت کی خاطر اعلیٰ اسلامی ماحول قائم کیا جائے اور ادارہ میں طلباء کی تربیت کے لیے ایسے افراد اور اساتذہ کو دور رکھا جائے جو مدارس کے ناقد ہوں یا ان کے نظریات اسلامی شریعت، مدارس اسلامیہ اور علماء سے کسی بھی طرح متصادم ہوں۔

۴-دعوتی مقاصد کو ہمیشہ ترجیح دینی چاہیے اور ایسے افراد کی جماعت تیار کرنے کی فکر کی جانی چاہیے جو باطل نظریات کا اُن ہی کی زبان میں تحریری تقریری بہر صورت جواب دے سکیں، انگریزی زبان میں عبور حاصل ہو اسی زبان میں بہترین مواصلات و مناقشہ کی صلاحیت ہو۔ آج ایسے دینی مزاج افراد کی سخت ضرورت ہے جو میڈیا کی زبان میں اسلامی فکر کی نمائندگی کر سکیں۔

۵-کمپیوٹر مواصلات کا ایک اہم ذریعہ ہے وہ بھی نصاب کا حصہ ہونا چاہیے، اس سے واقفیت ہو کیونکہ اس سے بات پہنچانے کی سہولت بھی ہو جاتی ہے اور معاش کی صورت بھی، تاہم دعوتی نقطہ نظر غالب ہونا چاہیے۔

۶-موجودہ حالات میں مغربی افکار اور نظریات کی جو کشمکش اسلامی افکار و نظریات کے ساتھ جاری ہے اس کو سمجھنے کی ضرورت ہے، نصاب میں اس کی خاطر حضرت مولانا (علی میاں ندویؒ) کا فکرہ جو ان کی تحریروں میں موجود ہے اس کو نکال کر پیش کرنے کی ضرورت ہے تاکہ مغربی نظریات جن کی زد میں آ کر جو مسلم دانشوران تک اُس کے گن گاتے ہیں اُن تک صحیح رخ پہنچے۔ حضرتؒ کی مذکورہ کتابیں "انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر" "مسلم ممالک میں اسلامیت و مغربیت کی کشمکش" "تاریخ دعوت و عزیمت" "ہندوستانی مسلمان" "منصب نبوت اور اس کے عالی مقام حاملین" اسی طرح حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی صاحب کی کتاب "عالم اسلام اور سامراجی نظام" نصاب میں شامل کر کے ان پر سیمینار کرائیں۔

۷-تقابلی مطالعہ میں مغربی مفکرین کے نظریات، مستشرقین اور مغربی معاشی و معاشرتی نظام کی معلومات تعارف کی حد تک فراہم کرائی جائے، لیکن اس کے مقابلہ میں مسلم مفکرین کو اسلامی نظام معیشت و معاشرت پر خوب گہرائی پیدا کی جائے تاکہ کسی باطل نظریہ سے مرعوبیت نہ ہو اور نہ کم علمی کی بناء پر کسی باطل کی تنقید پر خاموش تماشائی بنیں۔

۸-طلباء کی تربیت یا ذہن سازی کے لیے ایسے ماہرین کا انتخاب ہو جو اسلامی اعلیٰ مزاج کے حاملین ہونے کے ساتھ فکر اسلامی کے ماہرین ہوں اور یورپ اور مغرب کے جملہ نظریات پر بھی ان کی نظر ہو، ایسے افراد تربیت دینے کے لیے زیادہ مؤثر ثابت ہوں گے۔

وسعتیں-خاموشیاں-گہرائیاں

مولانا محمد اعظم ندوی (استاذ المعہد العالی الاسلامی-حیدرآباد)

ہم سب کے بزرگ استاذ، فخر روزگار، سب سے جدا سب کے رفیق حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی ؒ معتمد تعلیم ندوۃ العلماء اب اس دنیا میں نہیں رہے، ۱۶؍جنوری ۲۰۱۹ء کو علی الصباح جب اس طرح ان کی وفات کی خبر ملی تو یقیناً یہ ایک اندوہ گیں اور صاعقہ اثر خبر تھی، وفات کی خبر ملتے ہی سب سے پہلے ذہن سیدی و مرشدی سالار کارواں حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم ناظم ندوۃ العلماء کی طرف منتقل ہوا کہ ان کا تو زندگی بھر کا رفیق اور شقیق (سگا بھائی) ہمدم و دمساز، ہم سفر اور ہم صفیر چلا گیا، ان کے دل پر کیا گزری ہوگی، اس پیر کہن سال نے غم کا بار کس طرح اٹھایا ہوگا، پھر دعاء کی کہ خدائے رحمن و رحیم حضرت مولانا اور خانوادۂ علم الٰہی کو صبر جمیل عطا فرمائے، آمین۔

دنیا ہے ہی وہ مقام جسے دوام نہیں، اور جس کا قیام مدام نہیں، جو اپنی تمام تر جلوہ سامانیوں، رونق محفل، ہنگامۂ حیات اور گرمیٔ بازار کے باوجود ایک دن جدائی قبول کر لیتی ہے، جانے والا چلا جاتا ہے اور داغ فراق دے جاتا ہے، یوں تو ہر روز لوگ آتے ہیں اور جاتے ہیں لیکن کچھ لوگ جاتے ہوئے اپنے پیچھے گہرے نقوش چھوڑ جاتے ہیں، جن کی یادیں رہ جاتی ہیں، باتیں رہ جاتی ہیں، جو دور تک جاتی ہیں اور دیر تک باقی رہتی ہیں، مولانا ایسے ہی بافیض اور عظیم انسان تھے، ان کو کھو کر ہم نے ایک مردحر، ایک مفکر، ایک مدبر، ایک ناقد اور ادیب، نصف صدی تک بلاد حرم سے دور بلاد عجم میں عربی مبین کی خدمت کرنے والے ایک مخلص اور دردمند کو کھو دیا، مولانا کی خوبیاں، ان کی کامرانیاں، انداز بیاں، اسلوب نگارش، خیال آفرینی، وسعت نظر، روشن چہرہ، اس پر معصومیت، چمکتی پیشانی اور اس پر وجاہت کے نشان، لبوں پہ تبسم، وہ ان کا "مقامی" سا رہنا سہنا اور "آفاقی" سا لکھنا پڑھنا، کیا کیا ذہن کے دھندلے افق پر بار بار اور بے اختیار ابھرتا رہا۔

گھر سے یادوں کے ایک ہجوم میں کشاں کشاں حیدرآباد سے لکھنؤ کی طرف روانہ ہوا، اور وہاں سے رائے بریلی جا پہنچا، جنازہ میں شرکت کی، مولانا عوامی قسم کے آدمی نہ تھے لیکن جنازہ میں عاشقوں کا ہجوم تھا، جیسے منادی کرادی گئی ہو کہ میرا ایک محبوب بندہ میری جناب رحمت میں حاضر ہوتا ہے، جاؤ اس کی مشایعت کرو، "پیش خدا دو خلق" ان کا یہ رتبہ تھا پس مرگ اس کا راز کھلا،، ماہ جنوری کی یخ بستہ رات تھی جب ہم نماز مغرب کے بعد چشم نم اور قلب حزیں کو طفل تسلیاں دے کر اس "گنج گراں مایہ" کو سپرد خاک کر آئے، رحمہ اللہ رحمۃ واسعۃ۔

ایسا لگا کہ مولانا کا ابھی بہت کچھ اور اعتراف ہونا تھا، اور یہ حسرت رہ گئی کہ کاش کچھ قدر کی ہوتی اور فیض اٹھانے کے نئے مواقع تلاش کرتا، ندوہ کی جدائی، دوری و مجبوری اور ان عظیم انسانوں کا فراق، سفر کے دوران جگن ناتھ آزاد کے یہ دو شعر یاد آتے رہے کہ:

پھر بھی کم تھا گرچہ تیری ذات سے پایا بہت
تو ہوا رخصت تو مجھ کو یہ خیال آیا بہت
گھر سے اک ویرانیٔ دل لے کے نکلا تھا مگر
کارواں یادوں کے میں دل میں بسا لایا بہت

عام طور پر جب ہم کسی باکمال شخصیت کی وفات پر خراج عقیدت پیش کرتے ہیں یا مولانا عبد الماجد دریابادی کی تعبیر میں "نثری مرثیے" لکھتے ہیں تو اس میں یہ لکھنا ضروری سمجھتے ہیں کہ ان کی شخصیت ہشت پہل اور ہمہ جہت تھی، لیکن مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی کا معاملہ دوسرا تھا، انہوں نے ہشت پہل بننے اور ہفت اقلیم کو اپنی طرف متوجہ کرنے کی کبھی کوشش نہ کی، نہ وہ ہمہ

جہت ہونے میں دلچسپی رکھتے تھے، وہ بس یک جہتی کے قائل تھے، وہ تا حیات "قبلہ رو" رہے، ان کی زندگی میں "تحویل قبلہ" کا واقعہ ایک ہی بار پیش آیا، آل انڈیا ریڈیو سے ندوۃ العلماء کے دار العلوم کی طرف، اور پھر وہ "یک در گیر و محکم گیر" کے بوصف تا حیات اسی چہار دیواری میں اپنی تمام تر توانائیاں صرف کرتے رہے، جب ملازمت بولنے کی ہی تھی تو بول کر داد وصول کی، اور جب مشغلہ خالص لکھنے پڑھنے کا ہوگیا تو ایسے یکسو ہوئے کہ نہ تو ان کو بجی محفلوں میں زیادہ بولتے دیکھا گیا نہ اسٹیج پر، لیکن مولانا جب اسٹیج پر گویا ہوتے تو پھر اپنی مثال آپ ہوتے، جچے تلے جملے، واضح فکر، جتنے معنی کی ترسیل مقصود اسی کے مطابق الفاظ، نہ مترادفات سے خانہ پری ہوتی، نہ بے جا جوش و خروش، نہ تمہید کا سابقہ، نہ آخری بات کا لاحقہ، نہ دراز نفسی، نہ ژولیدہ بیانی، نہ مواد کی کمی کو الفاظ سے اور الفاظ کی کمی کو آواز و انداز سے پوری کرنے کی کوشش، بایں ہمہ جو سننا دم بہ خود ہوتا اور تین باتوں کا ضرور اعتراف کرتا: ایک تو یہ کہ مولانا لائبریری کے راستہ سے ہو کر آئے ہیں، دوسرے یہ کہ مولانا کی معلومات سکنڈ ہینڈ نہیں ہیں، تیسرے یہ کہ مولانا کا اصل موضوع "اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش" ہے۔

مولانا نے فکر اسلامی، خالص اسلامی معاشرہ اور اسلامی نظام زندگی کی خصوصیات پر لکھنے کو اپنی زندگی کا مشن بنالیا تھا، اور ان کی زیادہ تر تحریریں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ کی دو معرکۃ الآراء تصانیف "ماذا خسر العالم بانحطاط المسلمین" اور "الصراع بین الفکرۃ الاسلامیۃ والفکرۃ الغربیۃ في الأقطار الاسلامیۃ" کے مضامین کا امتداد اور ان کا تسلسل معلوم ہوتی ہیں، ہم انہیں ان کتابوں کا ضمیمہ کہیں یا تتمہ، یہ حقیقت ہے کہ فکر و نظر کے دونوں دھارے کسی ایک ہی سلسبیل سے نکلے ہیں، مولانا نے زیادہ تر عربی زبان میں ہی اپنے خیالات کا اظہار کیا، اردو میں ان کے ترجمے ہوئے اور جو کچھ آپ نے راست اردو میں لکھا وہ بھی اختصار و جامعیت کے ساتھ اسلوب کی روانی اور زبان کی چاشنی میں عربی سے کسی طرح کم نہیں۔

مولانا کی وہ مابہ الامتیاز صفت جو انہیں اپنے ہم عصر اہل فکر و نظر اور اہل قلم میں نمایاں کرتی ہے وہ ہے تاریخی حوالوں سے اسلامی اور مغربی تہذیب کا تقابلی مطالعہ، جہاں کہیں بھی وہ اسلام کی خوبیاں بیان کرتے اس میدان میں مغرب کا انحطاط دکھاتے، اور جب بھی مغربی تہذیب کی کسی رائے، نظریہ یا طرز عمل پر تنقید کرتے اس کے مقابلہ میں اسلام کو ایک مکمل ضابطۂ حیات اور تمام مسائل کے حل کے طور پر پیش کرتے، وہ اکثر اپنی تحریروں میں یورپ کے قرون مظلمہ کی شکست خوردہ ذہنیت، اس دور انحطاط میں مسیحی رہنماؤں کی علم دشمنی The Holocaust (ہولوکاسٹ یا مرگ انبوہ) کے یہودی پروپیگنڈہ کا پردہ فاش کرتے اور عبد الرحمن حبنکہ المیدانی کے الفاظ میں "أجنحة المكر الثلاثة: التبشير الاستشراق، العلمانية" (مکر و فریب کے تینوں بازوؤں: عیسائی مشنری، استشراق اور لادینیت) کی دسیسہ کاریوں اور ریشہ دوانیوں کا سرگرم تعاقب کرتے۔

دوسرا وصف ان کی مقصدیت اور واقعیت پسندی تھی، انہوں نے عربی زبان کو صرف انشاء نگاری کا ذریعہ نہیں بنایا بلکہ اس کو ذریعۂ اظہار کے طور پر استعمال کیا، فکر رسا کی ترجمانی ان کا اصل مطمح نظر تھا، اس لیے ان کی تحریروں کو اپنے حسن معنی کے لیے صنائع، بدائع، مناسبت لفظی، مترادفات اور بھاری بھرکم اصطلاحات کی ضرورت کم پڑتی تھی، مولانا کی تحریروں میں بیساختگی اور سادگی ہے، مشکل تشبیہات و استعارات، شاعرانہ نزاکتوں اور تلمیحات سے گریز کے ساتھ وہ ایک معنی خیز اسلوب اختیار کرنے میں کامیاب تھے، جس میں نہ مولانا سید ابو الحسن علی حسنی ندویؒ کے اسلوب کا تفنن اور بانکپن تھا، نہ شیخ محمد الحسنیؒ کی گھن گرج اور شکوہ، نہ وہ مولانا محمد رابع حسنی ندوی کا سہل ممتنع اور آب رواں تھا، نہ اس میں ڈاکٹر سعید الاعظمی ندوی کی انشاء پردازی، اور تعبیرات کی جدت و ندرت تھی۔

ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است

یہ ایک بالکل سنجیدہ اسلوب تھا جس کے ذریعہ ان کی گہری سوچ صحافتی قالب میں بہ آسانی ڈھل جاتی تھی، جس میں جذبات کی سچائی بھی ہوتی تھی اور تخیلات کی بلندی بھی، حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ نے غالباً "کاروان زندگی" میں کہیں لکھا ہے کہ واضح رشید ندوی کا قلم رواں اور شاداب ہے، یہی وجہ تھی کہ مولانا جو دل پہ

گزرتی تھی بے تکلف رقم کرتے تھے، اس میں کاری ضرب بھی ہوتی تھی اور درد وکرب بھی، عشق کی دھیمی آنچ بھی، اور فکر کی روشنی بھی، ایک سنجیدہ اور دانشمند قاری اس کو پڑھنے کے بعد دل پر اس کی چوٹ محسوس کرتا تھا، "از دل ریزد بر دل خیزد" کی تعبیر پاتا تھا اور یہ کہنے پر مجبور ہوتا تھا کہ ؎

شعر اکبر میں کوئی کشف وکرامات نہیں
دل پہ گزری ہوئی ہے اور کوئی بات نہیں

عربیت ایسی کہ جیسے وہ ہندی نژاد ہونے کے باوجود راست عربی میں ہی کسی مضمون کا خاکہ اپنے ذہن ودماغ میں بٹھاتے ہیں، ایسا لگتا ہے کہ اردو تراکیب اس سوچ میں بھی راہ نہیں پاتی تھیں جو کسی بھی مضمون کے کاغذ پر ڈھلنے سے پہلے ذہن ودماغ میں تیار ہوتی ہے، اور غیر محسوس طریقے سے اس کے الفاظ بھی زبان پر بھی آتے رہتے ہیں، مولانا کے یہاں ہمیں اشعار، ضرب الامثال، عربی محاورات اور روزمرہ وغیرہ کا استعمال بھی برائے نام ملتا ہے، شاید وہ جدید عربی صحافت کی دین تھی، جس میں کم الفاظ میں اپنی بات کہنی ہوتی ہے، اور دل کی بات بغیر کسی تصنع اور بناوٹ کے پیش کرنا ہوتا ہے، لیکن اسلوب کی خوبصورتی یہ بتاتی ہے کہ عربی زبان وادب سے ان کا شغف پوری طرح اس میں کارفرما ہے، اور جو کچھ انہوں نے پڑھا ہے وہ ان کی تحریروں میں رچ بس گیا ہے اور ایک نیا رنگ وآہنگ پا گیا ہے، آج جو زبان ہم "الشرق الاوسط" یا "الأهرام" یا "المجتمع" وغیرہ میں پڑھتے ہیں، یا بی بی سی عربی اور "الجزیرہ" ٹی وی چینل پر سنتے ہیں، صحافت کی وہی زبان ہمیں واضح رشید حسنی ندویؒ کے یہاں نظر آتی ہے، جس میں کلاسیکل کی جھلک اور قواعد وضوابط کی پابندی بھی ہے، اور انگریزی میڈیا سے مثبت استفادہ بھی، جس میں عربی تراکیب والفاظ کی اپنی روح باقی رہے، ہم کہہ سکتے ہیں کہ ان کی تحریریں جدید وقدیم کا حسین امتزاج ہیں۔

عموماً ہمارے یہاں مدارس میں عربی انشاء پردازی کا سفر ترجمہ نگاری سے آگے نہیں بڑھ پاتا، اور وہاں تعبیر کے نام پر ترجمہ پڑھایا جاتا ہے، لیکن مولانا تعبیر اور ترجمہ میں واضح فرق رکھتے تھے، جو کہ فی الواقع ہے بھی، گو کہ ہماری علمی کم مائیگی کی وجہ سے دونوں ایک ہی چیز سمجھی جانے لگی ہیں، اور ہم ترجمہ پر ہی اکتفا کرتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ راست عربی میں اظہار مافی ضمیر کی قدرت کمزور ہوتی ہے، اور جب ہم بہ تکلف تقریر وتحریر میں طبع آزمائی کرنا چاہتے ہیں تو اسے اردو آمیز بنا دیتے ہیں، اور اسے اپنی مادری زبان کے اثرات سے پاک نہیں کر پاتے۔

یہ کہتے ہوئے ہمیں ذرا تامل نہیں کہ جس کے سر میں راست عربی لکھنے پڑھنے کا سودا سمایا ہو اور تکلف وتصنع سے بری ہو کر بے ساختہ اور برجستہ اپنی بات کسی عربی نژاد کی طرح پیش کرنے کا شوق ہو وہ واضح رشید حسنی کی تحریروں کی ریڈنگ کی عادت بنالے، دیکھیے وہ کس بے ساختگی سے اپنے دل کی بات کرتے ہیں: "إن العمل للإصلاح مهما كان نوعه، عمل محفوف بالمكاره، وطريقه مفروش بالأشواك، أما العمل للإ فساد و الإساءة فهو عمل يسير، لأنه يجد تجاوبا سريعا من الناس الذين يحملون طبائع تتلائم مع ذلك العمل، ولا يحتاج عمل الإفساد إلى تلقين أو تنبيه أو دعوة طويلة، لأنه بمثابة الانزلاق والانحدار من المرتفعات العالية، ولا يجد المنزلق أي صعوبة، أما الصعود والتسلّق فإنه عمل عسير يجهد الإنسان ويرهقه، فلا تحتمله إلا الهمم العالية، والنفوس الطامحة" (إلى نظام عالمي جديد: ۱۷۵)

(اصلاح کا کام جس نوعیت کا بھی ہو گراں باریوں اور دشواریوں سے گھرا ہوا ہوتا ہے، اس کی راہیں کانٹوں بھری ہوتی ہیں، جہاں تک فساد اور بگاڑ کا کام ہے وہ آسان کام ہے، اس لیے کہ اسے بہ آسانی ان لوگوں کی طرف سے پذیرائی ملتی ہے جو اس کام سے فطری طور پر ہم آہنگ ہوتے ہیں، بگاڑ کے کام میں بار بار کی تلقین، توجہ دہانی، اور کسی طول طویل پروپیگنڈے کی ضرورت نہیں ہوتی، چونکہ اس کی مثال اونچائیوں سے پھسلنے یا لڑھکنے کی ہے، اور ظاہر ہے پھسلنے والے کو کوئی زور نہیں لگانا ہوتا، ہاں بلندیوں کا سفر اور کوہ پیمائی ایک مشکل ترین عمل ہے، جو انسان کو تھکا کر چور کر دیتا ہے، چنانچہ یہ کام وہی لوگ کر پاتے ہیں جن کے حوصلے بلند اور جن کی طبیعت میں اٹھان ہوتی ہے۔)

مولانا کی واقعیت پسندی کی شہادت ان کے مضامین کے عناوین بھی دیتے ہیں، بہت ہی دوٹوک اور واضح، مثلاً: ”من الخطب إلی الخطط“ ”قهر الشعوب باسم تحرير الشعوب“ ”الإنسان هو الضحية الأولى في الحضارة الغربية“ ”من تصدير البضائع إلى تصدير الأفكار والثقافة“ ”العلم بين قوة تبني وقوى كثيرة تهدم“ ”الحوار لا يجدي إلا اذا كان بين فرقاء متساوين“

یہ عناوین بتاتے ہیں کہ مولانا عقل وفکر کے ساتھ چلنے کے عادی تھے، زندگی کے حقائق پر ان کی نظر تھی، جذباتیت اور عبارت آرائی سے ان کو طبعی نفور تھا، لیکن جیسا کہ کہا گیا ہے: ”من لم يذق طعم المحبة لم يدرک سر الحياة“ (جسے محبت کی چاشنی نہیں ملی وہ زندگی کی حقیقت سے ناواقف رہا) چنانچہ خاندانی تربیت کے اثرات تھے کہ مولانا کا دل عشق ومحبت کے جذبات سے آباد تھا، اس کا اظہار ان کی کتاب ”ادب اهل القلوب“ سے ہوتا ہے، ان کی مجلسوں میں بھی بارہا اس کا تجربہ ہوا، لیکن یہاں اخفائے حال کا جمال تھا، جو کبھی دیدۂ تر میں اور کبھی آہ سحر میں ظاہر ہو جایا کرتا تھا، وہ عشق ہی کیا جس میں تپش اور انتظار نہ ہو، اظہار ہی اظہار ہو، دو برس قبل دار العلوم رحمانیہ حیدرآباد میں رابطہ ادب اسلامی کے سیمینار میں جب ڈاکٹر شاہ رشاد عثمانی صاحب مصنف ”شعراء بھٹکل اور اردو نعت“ نے ”دکن میں نعتیہ شاعری“ پر اپنا مقالہ پڑھا اور اس میں شاذ تمکنت کی درد وعشق میں ڈوبی ہوئی نعت کا یہ مصرعہ پڑھا:

آپ اکیلے مل جائیں تو دامن تھام کے رولوں گا

تو نہ صرف یہ کہ مولانا کی آنکھیں اشکبار ہوگئیں بلکہ ضبط غم کی ہزار کوشش کے باوجود مولانا کی ہچکیاں بندھ گئیں، یہ عشق رسول کی ایک جھلک تھی۔

واقعیت پسندی کا ایک واقعہ یاد آتا ہے کہ میں نے ندوہ میں انجمن الاصلاح خورد رواق سلیمانی کے سالانہ مسابقہ کے لیے ایک مقالہ لکھا تھا، ہمت جٹا کر مہمان خانہ جا پہنچا کہ مولانا واضح صاحب سے اس پر تصحیح لوں گا، مقالہ کا موضوع تھا: ”عالم انسانیت پر قرآن مجید کے اثرات“، مولانا دیکھ کر حیرت میں پڑ گئے کہ یہ تو کسی انسائیکلو پیڈیا کا موضوع ہے، آپ نے سات صفحات میں اس پر کیا لکھ دیا ہے، عالم انسانیت اور پھر قرآن اور پھر اس کے اثرات، ایسا عموم اور اطلاق! وہاں مربی الاصلاح استاذ محترم حضرت مولانا شمس الحق صاحب ندوی بھی تشریف فرما تھے، مولانا نے ان سے فرمایا کہ طلبہ کو پابند کیجئے کہ وہ آپ کو موضوعات دکھالیا کریں۔

جب بھی حضرت مولانا رابع صاحب دامت برکاتہم اور ان کے کاروان صدق واخلاص کا المعہد العالی الاسلامی حیدرآباد میں ورود مسعود ہوتا تو معہد کے روح رواں حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی صاحب زیدت معالیہ کی خوشی کی انتہا نہ رہتی اور مولانا کی کیفیت یہ رہتی جو کسی شاعر نے کہا ہے ؎

کدھر سجدہ کروں کعبہ کدھر ہے
زہے قسمت وہ آئے میرے گھر آج

اور مولانا حضرت مولانا کے خطاب سے پہلے جو خیر مقدمی کلمات پیش کرتے ان میں یہ ضرور فرماتے کہ ”اسلام میں تو صرف دو ہی عیدیں منائی جاسکتی ہیں، اگر کسی تیسری عید کی اجازت ہوتی تو وہ میرے لیے آج کا دن ہوتا“، گذشتہ سال حضرت مولانا محمد رابع صاحب ندوی کے ساتھ مولانا واضح صاحبؒ نے حسب معمول بڑی پر مغز تقریر فرمائی، فرمایا کہ: ”آپ فقہ اسلامی کے طالب علم ہیں، لیکن آپ کے لیے فکر اسلامی کا مطالعہ بھی ضروری ہے، اس کے بغیر آپ بدلتی دنیا میں مسائل کا صحیح حل نہیں پیش کر سکتے، محض جزئیات کا نقل کرنا آپ کی دماغی صلاحیتوں میں اضافہ کی ضمانت نہیں دے سکتا، آپ اپنے علمی کاموں میں پامال راہوں پر چلنے سے بچیں اور مطالعہ میں وسعت اور تنوع کے ذریعہ علم وتحقیق کی نئی راہیں نکالیں، اور ان میں مشرق ومغرب کے بہترین دماغوں کی جو صلاحتیں خرچ ہوئیں ہیں ان سے استفادہ کریں اور ان میں اضافہ کریں، پھر ”اجترار“ اور ”ابتکار“ میں فرق بتایا“۔

بہر حال معہد سے شہر کی طرف واپسی میں مجھے بھی رفاقت کی سعادت ملی، دونوں عظیم بھائیوں کی آپسی محبت اور احترام باہمی دیکھیے کہ بڑے بھائی نے چھوٹے بھائی سے کہا: ”تمہاری تقریر بڑی پر مغز تھی“ تو چھوٹے بھائی نے جواباً عرض کیا: ”تقریر تو آپ کی

ہوتی ہے، آپ کے ہوتے ہوئے مجھے کچھ بولنے کو کہا جاتا ہے تو شرمندگی ہوتی ہے اور ایسا لگتا ہے گستاخی کر رہا ہوں۔"

مولانا کی صلاحیتوں کو تراش خراش، آب و رنگ، صورت و معنی اور حضرت مولانا عبد العزیز بھٹکلی ندوی نائب مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء کی تعبیر میں "فائنل ٹچ اپ" ندوہ میں ملا، اور بطور خاص ان کے خال محترم مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ کے زیر سایہ، آل انڈیا ریڈیو میں ملازمت کے دوران مولانا کا کمال پہلی رات کے چاند جیسا تھا کہ کسی نے دیکھا اور کسی نے نہ دیکھا لیکن ندوہ سے وابستگی کے بعد آپ کا عروج چودھویں رات کے چاند سا ہو گیا جس نے ایک عالم کو منور کیا، مولانا کی رفتار، گفتار اور کردار سب میں شرافت تھی، مزاج میں کسر نفسی تھی، سوچ حقیقت پسندانہ تھی، وہ ایک شاخ ثمر دار اور زمینی حقائق سے مربوط ایک منطقی انسان تھے، انسان کیا تھے، ایک خاموش انقلاب تھے، انگریزی کا وصف down to earth ان کو خوب جچتا ہے، ان کی زندگی ہمیں سکھاتی ہے کہ جاہ طلبی، خود غرضی اور آرام و راحت کی تلاش ایک طالب علم اور رہروِ راہ محبت کا طریق نہیں، زندگی فکر و نظر کے بغیر بے معنی ہے، اور ساحل پر سر پٹکتی موجوں کے شور سے زیادہ سمندر کے سکوت و سکون اور بلند انسانی شعور کی ضرورت ہے، مولانا خود کیف بھوپالی کے اس شعر کی سچی تصویر تھے اور یہی ان کا پیغام تھا کہ ؎

کیفؔ پیدا کر سمندر کی طرح وسعتیں، خاموشیاں، گہرائیاں

پروپگنڈہ کا دور

"موجودہ دور کو بہت سے نام دیے گئے ہیں، سائنس و ٹیکنالوجی کا دور، علم و تحقیق کا دور، جمہوریت کا دور، مگر پروپیگنڈہ کے دور سے اس کی جتنی صحیح عکاسی ہوتی ہے کسی دوسرے لفظ سے ممکن نہیں، خصوصاً تحریکات و نظریات اور سیاسی پارٹیوں کے حق میں پروپیگنڈہ ایک پسندیدہ ہتھیار ہے، وہ ایسا تیر ہے جس کا نشانہ کبھی خطا نہیں کرتا، اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ تنظیمیں اور تحریکیں دوسرے وسائل و ذرائع اختیار نہیں کرتی ہیں اور صرف اسی پر بس کرتی ہیں، بلکہ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ کسی تنظیم و تحریک کی تائید و حمایت یا مخالفت و عداوت میں پروپیگنڈہ جتنا اہم رول ادا کرتا ہے، کسی دوسرے ذریعہ سے اس کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

پروپیگنڈہ کے مختلف طریقے ہیں لیکن سب سے کامیاب و کارگر وہ پروپیگنڈہ ہے جو اخبارات و رسائل میں اہل قلم اور صحافیوں کے ذریعہ ہوتا ہے، قلم و صحافت موجودہ دور میں ایک نفع بخش تجارت ہے، یہ نہ کسی عقیدہ اور نہ کسی نظریہ کے پابند ہوتے ہیں، اور نہ کسی اصول و قانون ہی کے، ان کا دین و مذہب مادی نفع ہے، یہ اس کی پرستش کرتے ہیں اور ان کی پیشانیاں اسی کے سامنے جھکتی ہیں، یہ طبقہ بڑی بے چینی سے اس کا منتظر رہتا ہے کہ مختلف جماعتوں اور پارٹیوں کے درمیان اختلافات رونما ہوں، لوگ آپس میں دست و گریباں ہوں بلکہ کبھی کبھی تو یہ لوگ خود ہی آگے بڑھ کر ایک کو دوسرے کے خلاف صف آرا کر دیتے ہیں، اس کے بعد وہ اور ان کے قلم کسی ایک گروہ کی حمایت و تائید اور دوسرے کی مخالفت و دشمنی کے لیے وقف ہو جاتے ہیں، ان کا کسی ایک گروہ کا ساتھ دینا اس پر منحصر ہوتا ہے کہ ان دونوں میں کون زیادہ قیمت ادا کرتا ہے!

یہی وجہ ہے کہ اس زمانہ میں تمام تحریکوں اور تنظیموں کی بنیاد پروپیگنڈہ پر ہے، ہر تنظیم یا تحریک کی یہ کوشش ہوتی ہے کہ زیادہ سے زیادہ اس کے پاس ایسے افراد ہوں جو پروپیگنڈہ کے فن سے پوری طرح واقف ہوں، ایسے اخبارات و رسائل ان کے قبضہ میں ہوں جن کے صفحات اور اداریے ان کی تائید و حمایت اور دوسروں کی مخالفت یا عداوت کے لیے وقف ہوں، ایسے صحافی ہوں جن کے قلم ان کے اشارہ پر رقص کرتے ہوں۔

قوم و ملک کی بہتری و فلاح اور اس کے مستقبل کے بارے میں سوچنے، فکر کرنے اور امن و امان اور صلح و آشتی کی فضا قائم کرنے کی نہ ان کو فرصت ہے اور نہ اس کی فکر ہے۔"

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

ہر لمحہ تیری یاد کا تاباں درخشاں

ڈاکٹر قمر شعبان ندوی (اسسٹنٹ پروفیسر شعبۂ عربی، بنارس ہندو یونیورسٹی)

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی ؒ کی وفات نے ادب وتنقید، صحافت وتاریخ، علوم اسلامیہ اور فکر اسلامی کے میدانوں میں جو خلا پیدا کیا ہے برسوں میں بھی اس کی بھرپائی ممکن نظر نہیں آتی ہے، اس لیے کہ پوری ایک صدی کے طویل عرصے میں مولانا جیسی گنی چنی چند شخصیات ہی جنم لیتی ہیں۔ عربی ادب، اسلامیات، عربی صحافت، تاریخ، نصاب تعلیم کی تیاری، تدریس وتربیت اور فن ترجمہ میں آپ کے کارنامے بلاشبہ بیش قیمت اور ناقابل فراموش ہیں۔

شبلی نعمانی، عبدالحی حسنی، سید سلیمان ندوی اور ابوالحسن ندوی نے جو سرمایہ علم وادب اور فکر وفن چھوڑا تھا، مولانا واضح رشید اس کے امین وپاسبان تھے۔ شبلی ندوہ کے ان اساطین اولین میں ہیں جنہوں نے اپنے گراں قدر کارہائے نمایاں کے ساتھ ساتھ عیسائی مؤرخین کی تاریخی اور ادبی خیانت وبے راہ روی کا مضبوطی کے ساتھ تعاقب کیا اور جرجی زیدان کی "تاریخ التمدن الاسلامی" کے رد میں "الانتقاد علی تاریخ التمدن الاسلامی" لکھ کر اس کی گرفت کی۔ عبدالحی حسنی نے ہندوستان کے علوم وفنون اور ان کے علم برداروں کو گوشۂ گمنامی سے نکال کر "الاعلام بمن فی تاریخ الهند من الأعلام" کے ذریعے عالم آشکارا کیا۔ رہے سید سلیمان ندوی اور ابوالحسن علی ندوی کے کارنامے تو "حدث عن البحر ولا حرج"

ندوہ کے ان چاروں عباقرہ فکر وفن نے اپنے اپنے زمانوں میں وقت اور حالات کے تقاضوں کی روشنی میں ندوۃ العلماء کے پلیٹ فارم سے عالمی پیمانے پر اپنے خون جگر سے علم وفکر، اصلاح وتربیت اور تصنیف وتالیف کا جو چمن آباد کیا تھا مولانا واضح رشید حسنی ۱۹۷۳ء کو آل انڈیا ریڈیو کی خدمات کو خیرباد کہہ کر جانفشانی، جاں نثاری اور اخلاص ودیانت داری کے ساتھ تادم واپسیں اس کی آبیاری کرتے رہے۔ ۲۰۰۶ء کو ندوہ کے ناظم تعلیمات، عظیم اسلامی اسکالر، ماہر لسانیات، علوم القرآن کے رمز شناس، کہنہ مشق ادیب وقلم کار، عربی، اردو اور انگریزی میں تیس سے زائد کتابوں کے مصنف، کئی اہم فکری، ادبی اور تاریخی کتابوں کے مترجم اور میدان صحافت کے شہسوار اور تجزیہ نگار ڈاکٹر عبداللہ عباس ندوی ؒ کی وفات کے بعد مولانا واضح رشید حسنی نے جب اس اعزازی عہدہ کی ذمے داری سنبھالی تو ندوہ کے تعلیمی معیار کو عصری تقاضوں کے مطابق ڈھالنے کے لیے کئی اہم اور بنیادی پیش رفتیں کیں جن میں مستقل طور پر شعبۂ انگریزی کا قیام قابل ذکر ہے۔

مولانا ایک مبصر اور جہاں دیدہ صحافی تھے، آپ کی ادارت میں بہت ہی کامیابی کے ساتھ پندرہ روزہ عربی جریدہ "الرائد" نے ایک طویل سفر طے کیا، جس کے ذریعہ ہندوستانی عربی صحافت کو عروج وکمال حاصل ہوا، "البعث الاسلامی" میں مولانا کے کالم بعنوان "صور وأوضاع" کی مثال عالم عربی سے شائع ہونے والے بہت سے عربی مجلوں میں نہیں ملتی ہے۔ اسی طرح مغرب کی خوبیوں کا اعتراف کرتے ہوئے مغربی تہذیب وتمدن پر مولانا کے تنقیدی مضامین اپنے آپ میں ایک مثال ہیں۔ بیسویں صدی اور اکیسویں صدی میں یورپ وامریکہ نے جدیدیت، نیو ورلڈ آرڈر اور گلوبلائزیشن کے دلفریب عنوانوں سے پوری دنیا کو فکری یلغار کا شکار بنانے کی جو کوشش کی تھی اس پر مولانا نے ایک لمبے عرصے تک سیر حاصل تنقیدی اور تجزیاتی مضامین اور مقالے شائع کیے اور مغرب کی ریشہ دوانیوں اور سازشوں کو طشت از بام کیا، "الی نظام عالمی جدید" اس موضوع پر ایک شاہکار تصنیف ہے، جس کا دنیا کی مختلف زبانوں میں ترجمہ کیا جانا چاہیے۔ علوم انسانیہ کے مختلف موضوعات پر مولانا نے کتابیں تصنیف کی ہیں، ہندوستان کی اسلامی، تحریکی، تعلیمی اور دعوتی

تاریخ ومنہج پر آپ کی کتابیں "الامام أحمد بن عرفان الشهيد" جو "رجال الفكر والدعوة" کی پانچویں جلد ہے، "مثالی حکمراں ٹیپو سلطان شہید"، "الشيخ أبو الحسن قائدا حكيما"، "الدعوة الاسلامية ومناهجها في الهند"، "حركة التعليم الاسلامي في الهند وتطور المنهج" اور "ندوۃ العلماء ایک رہنما تعلیمی مرکز اور تحریک اصلاح ودعوت" مآخذ کا درجہ رکھتی ہیں۔ عربی زبان میں تالیف کردہ اور ترجمہ کردہ کم وبیش پچیس مطبوعہ کتابیں ہیں جو اپنے اپنے موضوع پر ایک گراں قدر سرمایہ ہیں۔ عربی ادب اور اس کی تاریخ پر مولانا نے اپنی کتاب "اعلام الادب العربی فی العصر الحدیث" میں مفتی محمد عبدہ، مصطفی لطفی منفلوطی، مصطفی صادق رافعی، شکیب ارسلان، ابراہیم عبد القادر مازنی، محمد حسین ہیکل، عباس محمود عقاد، محمود تیمور، طہ حسین، توفیق الحکیم، نجیب کیلانی، نجیب محفوظ، عبد الرحمن کواکبی، محمد کرد علی، مصطفی سباعی، سید قطب شہید، محب الدین خطیب، محمد المبارک، محمد تقی الدین ہلالی، محمد الغزالی، محمود محمد شاکر، عائشہ بنت الشاطی، علی طنطاوی، ابوالحسن ندوی، انور الجندی اور محمد قطب کی ادبی خدمات کا تنقیدی جائزہ پیش کرتے ہوئے دور جدید کے عربی ادب کی تاریخ میں ان کے ادبی مقام ومنزلت کو اجاگر کرنے کی کامیاب کوشش کی ہے "مصادر الأدب العربی" میں جاحظ کی "البيان و التبيين" ابن قتیبہ کی "أدب الكاتب" مبرد کی "الكامل" ابوعلی قالی کی "الأمالی" ابو الفرج اصبہانی کی "الأغانی" ابن عبد ربہ کی "العقد الفريد" اور ابن خلکان کی "وفيات الأعيان" کا مفصل تنقیدی مطالعہ پیش کیا ہے اور دور حاضر کے اسلوب وبیان میں ڈھال کر نسل جدید کے لیے ان سے استفادہ کرنے کی راہیں ہموار کردی ہیں۔ "تاريخ الأدب العربی" جو بھی تعلیمی اداروں کے نصاب تعلیم میں شامل ہے، ہندوستانی طلبائے مدارس کی نفسیات کو پیش نظر رکھتے ہوئے نصاب تعلیم کی تیاری میں ایک کامیاب کوشش بھی ہے اور ایک اہم اضافہ بھی۔ "تاريخ الثقافة الاسلامية" اسلامی علوم وفنون کی تاریخ کو زندہ کرکے عصر حاضر کی اقوام مسلم کا رشتہ ان کے روشن وتابناک ماضی سے مضبوط ومستحکم کرنے کی ایک بہت ہی مخلصانہ کوشش ہے۔ اسی طرح "أدب اهل القلوب" ان ربانیین، مصلحین اور داعیوں کی صاف وشفاف تصویر پیش کرتی ہے جن کے اپنے اپنے زمانوں میں اصلاح ودعوت اور ارشاد وتزکیہ میں نمایاں کارنامے رہے ہیں۔

آپ ایک ماہر فن استاذ، نکتہ سنج ادیب اور باکمال مترجم تھے، آل انڈیا ریڈیو کے بیس سالہ تجربے نے ندوہ سے منسلک ہونے کے بعد ادب وصحافت، تنقید وتاریخ اور دیگر علوم ومعارف کی تدریس کے ساتھ ساتھ مولانا کو انشاء وترجمہ کے ایک ممتاز وماہر استاذ کی حیثیت سے نمایاں کیا، ہزاروں طلباء کسب فیض کرکے عملی زندگیوں میں کامیاب وبامراد ہوئے، نہ جانے کتنے شاگردوں نے قلم پکڑنا سیکھا اور دنیائے علم وادب میں نامور ہوئے۔ مولانا نے کئی اہم کتابوں کا اردو سے عربی میں ترجمہ کرکے اہل عرب کو ہندوستانی تہذیب وتمدن اور معیار فکر ونظر سے متعارف کرایا۔

مولانا کی علمی، ادبی اور فکری زندگی کا ایک اہم اور تابناک باب یہ ہے کہ جب فحش لٹریچر کا بازار گرم ہونے لگا تھا، ادب کا سرمایہ سامان عیش وطرب بن کر بے مقصد ہونے لگا تھا، انسانی قدریں بے معنی ہونے لگی تھیں تو امام عصر مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ نے عالم عرب اور عالم اسلام کے ادباء و مفکرین کے درمیان ادب اسلامی کے فروغ اور اس کی نشر و اشاعت کا اعلان کرتے ہوئے عبد الرحمن رافت باشا، انور الجندی، علی طنطاوی، محمد الغزالی اور دیگر ادباء کے دوش بدوش رابطۃ الادب الاسلامی کے عنوان پر جو عالمی تحریک چلائی تھی مولانا واضح رشید ندوی اپنی عمر کی آخری سانس تک حکمت وبصیرت کے ساتھ اس میں قائدانہ کردار ادا کرتے رہے۔

خاکساری، بے نفسی، تدبر وحق گوئی مولانا کی خاص صفات تھیں، دسترخوان، لباس، رہن سہن، چلنا پھرنا، بات چیت الغرض ہر جگہ مولانا کی پوری زندگی سادہ اور درویشانہ تھی۔ خاموش طبیعت، لیکن عالم اسلام اور ہندوستان کی سیاسی، سماجی، دینی، تعلیمی اور اخلاقی صورت حال پر جب گفتگو فرماتے ایسا محسوس ہوتا کہ کوئی بحر متلاطم ہے جو سینہ میں موجیں مار رہا ہے۔ یہ وہ کمالات تھے جن سے سینکڑوں دانشوروں اور مفکرین کے درمیان مولانا ممتاز اور نمایاں نظر آتے تھے۔

بچھڑا کچھ اس ادا سے کہ رت ہی بدل گئی

مولانا اشرف الدین عظیم قاسمی اعظمی (امام وخطیب مسجد انوار شواجی نگر۔ ممبئی)

زندگی موت کے سائے میں پرورش پاتی ہے، اس کی نشو ونما، اس کی ترقیاں، اس کے منصوبے، اس کی پلاننگ، اس کے روز وشب میں نمودار ہونے والے ہنگامے سب اسی اجل کے دائرے میں محصور ہوتے ہیں۔

زندگی نمودار ہوتی ہے، ابھرتی ہے، شاہ راہ حیات کے روشن اور تاریک نشیب وفراز سے گذرتی ہے، اور پھر موت کے ہنگاموں میں روپوش ہوجاتی ہے، کسی مقصد سے بے نیاز، کسی کارنامے سے بے پروا، ایک بے نام سی رہ گذر پر ظاہر ہوتی ہے، اور پانی کے بلبلے کی طرح فنا ہوجاتی ہے، اس کے سفر میں نہ کوئی شناخت ہوتی ہے نہ معرفت، نہ دین کی خبر ہوتی ہے نہ مقصدیت سے شناسائی، انہیں یہ بھی معلوم نہیں ہوتا ہے کہ اس کارگہ عالم میں انہیں کیوں لایا گیا اور کیوں اس امانت سے محروم کیا گیا۔

لیکن اسی عالم رنگ وبو میں کچھ وجود ایسے بھی ہوتے ہیں جو خاموشی کے ساتھ آنکھیں کھولتے ہیں مگر حیات کے اس سفر میں اپنی خداداد صلاحیتوں، فطری استعدادوں، بے پناہ مشقتوں، مسلسل قربانیوں اور مستقل جاں فشانیوں سے کارناموں کا ایک جہاں آباد کرجاتے ہیں، قدم قدم پر روشنی کا مینار کھڑا کردیتے ہیں، ان کا ہر نقش قدم آنے والی نسلوں کے لیے مشعل راہ ہوتا ہے، وہ اپنے تعمیری جذبات اور لافانی خدمات کے لہو سے صحرا کو گلزار کردیتے ہیں، وہ بے مایہ ذروں کی ایسی پرورش کرتے ہیں کہ انہیں آفتاب کی زندگی مل جاتی ہے، نتیجۃً ان کے افکار وخیالات، تعلیمات وخدمات کے باعث نہ صرف ان کا وجود بلکہ اردگرد کا ماحول اور معاشرہ بھی روشن ہوجاتا ہے۔

ملت اسلامیہ ہند عظیم رہنما، بصیرت مندانہ فکر کے حامل، سرمایۂ ملت کے نگہبان، علم وادب کے قابل فخر پاسبان، تعلیمات نبویؐ کے بے باک ترجمان، دیدہ ور محقق ونقاد، اردو وعربی ادب کے تاجور مولانا محمد واضح رشید ندویؒ انہیں عہد ساز اور نابغہ روزگار ہستیوں میں تھے، جو وقت کے قرطاس پر جابجا تاریخ رقم کرجاتے ہیں، زمانہ ان کے نقش قدم کی پیروی میں سعادت تصور کرتا ہے۔

مولانا واضح رشید ندویؒ نے یقیناً جس ماحول میں آنکھیں کھولی تھیں، جس فضا میں ان کی پرورش وپرداخت ہوئی تھی وہ ماحول سنت نبوی کی شعاع سے جگمگا رہا تھا، درویشانہ مزاج کی خوشبو ہر سو پھیلی ہوئی تھی، فکر وفن کے زمزموں سے پوری فضا گونج رہی تھی، علم وادب کے ساتھ ساتھ فقیرانہ شان کی حکمرانی تھی، فضل وکمال اور قلندرانہ شان کی علامت، برادر اکبر مولانا رابع حسنی ندوی کی تربیت کا سائبان حاصل تھا، مولانا علی میاں ندویؒ جیسے جبال العلم اور درویش وقت کا سایۂ عاطفت وتربیت میسر تھا، جو شخصیت کی تعمیر وتشکیل میں یقیناً سنگ میل ثابت ہوا، تاہم اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ زندگی کو علمی ادبی تربیتی عروج میں، وجود کی روشنی میں، قائدانہ شعور میں، تاریخی شعور کی پختگی اور کرداروں کی بلندی میں، آپ کی جہد مسلسل، آپ کی فکر وتڑپ، آپ کے بامقصد جذبات اور عزم وہمت کے سرمایہ اور استقامت واستقلال کا خاصا انہیں بلکہ بنیادی دخل ہے، انہیں اثاثوں کی بنیاد پر آپ نے عام افراد کی طرح زندگی کا سفر شروع کیا، مگر جب عدم کے سفر پر روانہ ہوئے تو ایک عالم کو سوگوار کرگئے، علم کی محفلوں کو سونی کرگئے، صرف ندوہ نہیں بلکہ اسلامی علوم کی تمام دانش گاہوں کے بام ودر پر اداسی چھاگئی، خانقاہوں میں ماتمی سائے پھیل گئے، قلم وقرطاس کی دنیا میں غل ہوا کہ ایک تابناک ستارہ علمی افق سے ٹوٹ کر تاریکیوں میں گم ہوگیا۔

۱۶؍جنوری کی سیاہ رات جب رخت سفر باندھ رہی تھی کسے خبر

تھی کہ علمی وفکری آسمان کا وہ ستارہ بھی اپنی تاریک زنبیل میں چھپا کر رخصت ہوجائے گی اور سحر کی سفیدی کو بے نور کرجائے گی۔ قدرت کا نظام ہے کہ ہر آنے والے کو ایک نہ ایک دن جانا ہے۔

حضرت مولاناؒ بھی ایمان وعمل کے سرمایہ کے ساتھ رخصت ہوگئے، مگر اس طرح کہ پوری علمی دنیا کو اشک بار کرگئے اور ایک کامیاب اور قابل رشک زندگی کی یہی علامت ہے کہ وہ دنیا والوں کے دلوں میں اپنے کرداروں کی بدولت اس طرح گھر کرجائے کہ اس کی جدائی ہر طرف ماتمی کیفیت پیدا کرجائے۔

حضرت مولانا واضح رشید ندویؒ صاحب روشن ضمیر مفکر، بصیرت مند اسلامی اسکالر، نامور اردو وعربی کے ادیب وانشا پرداز، فیض رساں مدرس، مربی، بے باک وجرأت مند صحافی اور درجنوں کتابوں کے مصنف تھے، ابتدائی تعلیم رائے بریلی وطن مالوف میں ہوئی اور اعلیٰ تعلیم کی تکمیل آپ نے ندوۃ العلماء لکھنؤ سے کی، بعد ازاں علی گڈھ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے اکتساب فیض کیا، اردو انگریزی عربی تینوں زبانوں پر قدرت نہیں بلکہ مہارت تھی، یہی وجہ تھی کہ رسمی تعلیم سے فراغت کے بعد آل انڈیا ریڈیو میں بحیثیت مترجم آپ کا سلیکشن ہوگیا، کچھ عرصہ بعد ان کی صلاحیتوں کے باعث ندوۃ العلماء میں تقرر ہوا، اس مرکزی ادارے میں آپ کی تدریسی اور تربیتی خدمات کے ساتھ ساتھ، قلم کا سفر بھی جاری رہا، عربی مجلہ الرائد اور پندرہ روزہ تعمیر حیات کے صفحات کے ذریعے اردو وعربی میں بے شمار مضامین منظر عام پر آئے اور علمی وادبی زلفوں کو سنوارنے کا یہ عمل زندگی کے آخری مرحلے تک جاری رہا، ان مضامین میں موضوعات کے تنوع کی ایک دنیا نظر آتی ہے، جن میں ادبی بھی ہیں، تاریخی بھی، اصلاحی بھی ہیں، دعوتی بھی، تحقیقی بھی ہیں اور ملکی وعالمی حالات حاضرہ پر بھی، آپ کی تحریریں عموماً دعوتی اسلوب کی حامل ہوتی ہیں، ان میں جہاں اسلامی تعلیمات، اسلامی تہذیب وثقافت کی ترجمانی محسوس ہوتی ہے، وہیں مغربی تہذیب و تمدن، اس کی غیر انسانی معاشرت پر بے باکانہ نقد وجرح کا رنگ بھی نظر آتا ہے، اس کے علاوہ احسان وتزکیہ کے حوالے سے ان کی تحریروں نے اصلاحات کا انقلاب آفریں کارنامہ انجام دیا ہے، درجنوں کتابیں ان کے قلم سے منصۂ شہود پر آئیں اور علمی دنیا میں مقبولیت کے مقام پر پہنچیں۔

مولانا مرحوم سنجیدہ طبیعت کے مالک تھے، کچھ فطری خلوت پسندی خمیر میں شامل تھی، کچھ احسان وتزکیہ کے جام معرفت نے آپ کے وجود کو شہرت وناموری سے بیزار کرڈالا، وہ علم وادب کے آدمی تھے، یہی ان کا قیمتی سرمایہ تھا، یہی ان کی غذا تھی، وہ خاموشی کے ساتھ علم وادب کی پرورش میں مصروف تھے، نہ شہرت کی طلب نہ ستائش کی پروا، بس خاموش فضا میں اپنے کام سے کام، فکر وفن کے ہفت اقلیم کی حکمرانی کے باوجود تواضع، انکساری، خردوں کی حوصلہ افزائی، اخلاص وللہیت اور کسر نفسی وفنائیت کی مثال اس دور میں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے، اس عالم فنا سے بقا کی طرف ہر شخص کو جانا ہے، مولانا مرحوم بھی حیات مستعار کا متعین حصہ گذار کر اس جہان کی طرف رخصت ہوگئے جہاں سے واپسی کے راستے ہر ایک کے لیے بند ہیں، مگر اپنے روشن کارناموں اور زریں خدمات کی بدولت اپنے وجود کو زندگی کی وہ روشنی عطا کرگئے جو ہزاروں شاگردوں، بے شمار علمی، ادبی اصلاحی صفحات اور سیکڑوں مسترشدوں کی صورت میں شمع کی مانند بے شمار قلوب میں اس طرح فروزاں ہے کہ وقت کی تیرگی کو اس کے خلاف صف آراء ہونے کی جرأت نہیں ہے، باد مخالف کے جھونکے اس کی لو پر اثر انداز نہیں ہوسکتے، طوفانوں کا سیلاب جس کی شعاعوں کے آگے سپر انداز ہوجاتا ہے، جس کی کرنیں متلاشیان علم وادب کے لیے ہر دور میں سنگ میل کا کام دیتی رہیں گی، ذرۂ بے مقدار اس سے ہمیشہ فیضیاب ہوتے رہیں گے، فیضان عام سے ہر سو اجالا کرنے والی اسی روشنی کا نام دوام ہے جو مولانا مرحوم کو یقیناً حاصل ہے، اسی زریں وصف کا نام نقش وثبات ہے جو تمام جمالیاتی اوصاف کے ساتھ مولانا کی ذات کو سرمایۂ جاودانی عطا کرتے ہیں۔ بقول اقبال ؎

موت تجدید مذاق زندگی کا نام ہے
خواب کے پردے میں بیداری کا اک پیغام ہے

محفل کون ومکاں میں سحر وشام پھرے　　مئے توحید کو لے کر صفت جام پھرے

فخر العلماء حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ ایک مثالی شخصیت تھے، آپ کا شمار ان اللہ والوں میں ہوتا ہے جنھیں دیکھ کر ایمان تازہ ہو جاتا ہے، اللہ پاک ہمیں بھی آپ کے نقش قدم پر چلنے کی توفیق دے، تاکہ ہماری زندی کا مقصد حاصل ہو۔ آمین!

منجانب

سید رافع رانا

SYED RAFEY RANA

قلعہ بازار، رائے بریلی

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ کی زندگی قابل رشک تھی، وہ دین کے داعی اور اس کے سچے سپاہی تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی قبر کو نور سے بھر دے۔ آمین!

حاجی حبیب اللہ

Raebareli Sultanpur

Forwarding Agency (Regd.)

Head Office : **Kaharon ka Adda Raebareli. Tel: 0535-2212016**

Branch Office : **133/256, T.P. Nagar, Kanpur. Mob: 8795663118**

Mob.:9451763079,9336006693

رخصت ہوا ہم سے دین حق کا ترجمان

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ ان شخصیات میں سے ہیں جنھوں نے مختلف میدانوں میں حیرت انگیز کارنامے انجام دیے ہیں، اور ملت پر نا قابل فراموش احسانات کیے ہیں، آج حضرت مولانا ہمارے درمیان نہیں ہیں لیکن ان کا نام اور ان کا پیغام دنیا ہمیشہ یاد رکھے گی، اور ان کی دی ہوئی تعلیمات کو ہمیشہ سینے سے لگائے رکھے گی۔

منجانب

محمد اکرم اینڈ برادرز

MOHAMMAD AKRAM AND BROTHERS

Qila Bazar, Raebareli

اے فخر العلماء تجھے سلام

فخر العلماء حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ جنہوں نے اشاعت دین میں اپنی ساری زندگی وقف کردی، جن کی زندگی کا مقصد برادران وطن میں اسلام کی حقانیت سے اگاہ کرانا تھا۔ اللہ تعالیٰ حضرت کے حسنات کا بدلہ اضعافا مضاعفہ کردے۔ آمین

منجانب

(مولانا) محمد صادق ایوب ندوی وارا کین کمیٹی

مدرسہ اسلامیہ قاسم العلوم

(ملحقہ فیض العلوم خانقاہ بوڑیہ)

بی بی پور مکار مپور، پوسٹ عماد پور، ضلع یمنا نگر، ہریانہ

Mobile: 9416978786, 9671015425

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے

بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

مدرسۃ رابطۃ الاسلامیۃ للبنات، جو ایک جدید ادارہ ہے، جس میں خاص طور سے ہائی اسکول وانٹر پاس طالبات کو پانچ سال میں عالمہ بنایا جاتا ہے، اور تعلیم وتربیت کا بہترین نظم ہے۔

پیام عرفات کے ذمہ داروں کو ان کی اس پیش کش پر مبارک باد پیش کرتا ہے کہ عالم اسلام کی عبقری شخصیت صحافی اسلام حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ پر خصوصی شمارہ شائع کر رہا ہے۔

عبدالغفار ندوی

بانی وناظم

مدرسہ رابعۃ الاسلامۃ للبنات

چھوٹا کھترانہ، قلعہ بازار، رائے بریلی

Mobile: 8052214753

جو بادہ کش تھے پرانے وہ اٹھتے جاتے ہیں

مولانا سید آصف ندوی (صدر جمعیۃ علماء قدیم شہر ناندیڑ)

۱۹۹۵ء کا سال ہے اور میں بہت خوش ہوں کہ میں عالم اسلام کی انتہائی بافیض اور عظیم ترین دینی درسگاہ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخلہ کے اہلیتی امتحان میں کامیاب ہو چکا ہوں، آخر خوشی کیونکر نہ ہوتی کہ داخلہ ندوۃ العلماء میں ہوا ہے اور جن مؤقر ترین اساتذۂ ندوہ کا نام ندوہ پہنچنے سے پہلے ہی سن رکھا تھا اور جن کی محبت و عظمت میرے دل میں محبت و عظمت کے شعور و ادراک سے پہلے ہی جاگزیں ہو چکی تھیں، آج مجھے ان ہی محبوب ترین شخصیات کی زیارت کرنے اور ان میں سے بعض کے سامنے زانوئے تلمذتہ کرنے کی سعادت نصیب ہونے جارہی تھی، مفکر اسلام حضرت مولانا ابوالحسن علی ندویؒ، حضرت مولانا ڈاکٹر عبداللہ عباس ندویؒ، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی، حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی، حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ وغیرہم۔ دارالعلوم میں تعلیم کا پہلا دن ہے، تفسیر و حدیث کے ابتدائی دو گھنٹوں کے بعد تیسرا گھنٹہ ادب عربی کا ہے جو حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ کے ذمہ ہے، جیسے ہی تیسرے گھنٹے کی گھنٹی بجی، حضرت مولانا تشریف لے آئے، انتہائی سادہ، متواضع، مجسم شرافت، آپ کی پُرنور صورت، متواضع چال ڈھال اور متشرع وضع قطع کو دیکھتے ہی دل آپ کی طرف کھنچتا چلا گیا، بہت ہی آہستہ اور دھیمی آواز میں کانوں میں رس گھولتے رہے اور میرا دل حضرت کی محبت و عظمت سے بھرتا چلا گیا اور آج تک بھی الحمدللہ اس عظمت و محبت میں کوئی فرق نہیں آپایا۔

حضرت مولانا واضح رشید ندوی صاحبؒ نہایت ہی خاموش طبع انسان تھے، باوجودیکہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو عربی اور اردو دونوں ہی زبانوں پر یکساں قدرت و مہارت تامہ عطا فرمائی تھی، پھر بھی آپ کی زبان و قلم سے کبھی کسی کے خلاف ہرزہ سرائی یا خامہ فرسائی اور تیز و تند لب و لہجہ میں کسی پر تبصرہ و تنقید تو درکنار کوئی خفیف بات یا ہلکا سا جملہ بھی نہیں نکلا کرتا تھا، آپ انتہائی سادہ، متواضع، خلیق، خاموش مزاج، کم گو، کم آمیز، عابد و زاہد اور متقی انسان تھے، لیکن نرے زاہد خشک بھی نہیں تھے کہ کبھی کسی سے خندہ پیشانی سے پیش ہی نہ آئے، اللہ تعالیٰ نے آپ کو بے پناہ ملنسار طبیعت، صلح جوئی اور بے طمعی عطا فرمائی تھی، آپ ہر ایک کے ساتھ خندہ پیشانی سے ملا کرتے تھے، جو ایک مرتبہ آپ سے مل لیتا وہ تادم حیات آپ کا گرویدہ ہو جاتا۔ سچی بات تو یہ ہے کہ اس وقت نہ صرف ہندوستان بلکہ پورے عالم اسلام میں ایک سے بڑھ کر ایک بزرگ، عالم دین، خادم قوم و ملت مدبر و مفکر اور صاحب فکر و نظر قلم کار، صحافی و ادیب ایسے ایسے موجود ہیں جو سب ہی ہمارے دلوں کے سرور اور آنکھوں کے نور ہیں لیکن حضرت مولانا کی شخصیت ان تمام میں سب سے نرالی، سب سے انوکھی اور اپنی مثال آپ تھی۔

عالم میں تم سے لاکھ سہی، تم مگر کہاں
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

حضرت مولانا کی ولادت اپنے آبائی وطن رائے بریلی میں حضرت سید رشید احمد حسنیؒ جیسی بے حد قابل احترام شخصیت کے گھرانے میں ہوئی، جو گھرانہ ہر اعتبار سے "ایں خانہ ہمہ آفتاب است" کا مصداق تھا، جہاں ہمہ وقت اللہ اللہ اور الا اللہ کی صدائے دل نواز کی بازگشت ہوا کرتی تھی۔ آپ مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے حقیقی بھانجے اور مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کے خورد سال برادر حقیقی تھے، آپ کی والدہ ہمشیرۂ مفکر اسلام محترمہ سیدہ امۃ العزیز صاحبہ نہایت ہی عابدہ و زاہدہ اور ولی صفت خاتون تھیں، مفکر اسلامؒ نے اپنی شاہکار تصنیف "پرانے چراغ" میں تحریر فرمایا ہے کہ "مرحومہ کا بیعت و اصلاح کا

تعلق حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحبؒ سہارنپور سے تھا، ان کے مشفقانہ خطوط جن میں کہیں کہیں "ہمشیرہ صاحبہ" سے خطاب ہے اکثر محفوظ ہیں۔"

حضرت مولاناؒ پر اللہ تعالیٰ کا یہ عظیم انعام تھا کہ اس نے انہیں فاضل یگانہ، نابغۂ عصر مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کی تربیت و صحبت اور رہنمائی و رہبری نصیب فرمائی، چنانچہ آپ کی ابتدائی تعلیم اپنے ماموں جان مفکر اسلام ہی کے زیر نگرانی مدرسہ الٰہیہ، رائے بریلی میں ہوئی، اس کے بعد آپ کو اعلیٰ دینی تعلیم کے لیے عالم اسلام میں علوم اسلامی اور تعلیم دین کے عظیم ترین مرکز دارالعلوم ندوۃ العلماء میں داخل کیا گیا جہاں سے آپ نے ۱۹۵۱ء میں سند فراغت حاصل کی، حضرت مولانا نے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں اپنے دور طالب علمی کے دوران جن اساتذۂ کرام کا جلوۂ جہاں آرا دیکھا اور جن کے سامنے زانوئے تلمذ تہ کیا ان میں سرفہرست آپ کے ماموں جان مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ، حضرت مولانا محمد ناظم ندوی، حضرت مولانا عبدالحفیظ بلیاوی نوراللہ مراقدہم جیسے ماہرین زبان و ادب، اساطین علم تھے جنہوں نے آپ کے اندر عربی زبان وادب کی محبت اور اس میں خامہ فرسائی کا ذوق پیدا کیا، آپ نے دارالعلوم ندوۃ العلماء میں علوم نبوی اور معارف و اسرار ربانی کے حصول اور درسیات کی تحصیل ہی پر اکتفا نہیں کیا بلکہ اس کے ساتھ عصری علوم کے بحر ذخار میں بھی غوطہ زنی کی، چنانچہ آپ نے دارالعلوم ندوۃ العلماء سے فراغت کے بعد مسلم یونیورسٹی علی گڑھ سے انگریزی میں بی اے کیا

حضرت مولانا نے ندوہ میں تعلیم سے فراغت حاصل کرنے کے بعد ۱۹۵۳ء سے ۱۹۷۳ء تک تقریباً بیس سال آل انڈیا ریڈیو دہلی میں بحیثیت مترجم و اناؤنسر خدمت انجام دی۔ اس کے بعد سے مستقل تادم حیات تقریباً نصف صدی دارالعلوم ندوۃ العلماء میں تدریسی خدمات انجام دیتے رہے۔ عربی زبان و ادب میں آپ کی قدرت و مہارت کے پیش نظر آپ کو دارالعلوم ندوۃ العلماء میں کلیۃ اللغۃ العربیۃ وآدابہا کا عمید (Dean of the Faculty of Arabic Language and Literature) مقرر کیا گیا۔ ۲۰۰۶ء میں استاد محترم حضرت مولانا عبداللہ عباس ندویؒ (سابق معتمد تعلیمات دارالعلوم ندوۃ العلماء) کی وفات کے بعد سے آپ دارالعلوم ندوۃ العلماء میں معتمد تعلیمات کے نہایت ہی اہم ترین اور ذمہ دارانہ منصب پر فائز تھے۔ آپ ندوۃ العلماء میں تدریسی خدمات کے ساتھ ہی ساتھ مدرسہ فلاح المسلمین رائے بریلی کے ناظم اعلیٰ اور دارِعرفات تکیہ کلاں، رائے بریلی کے جنرل سکریٹری بھی تھے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت مولانا کو بڑا حساس دل دیا تھا، آل انڈیا ریڈیو دہلی میں بحیثیت مترجم خدمات انجام دینے کے دوران آپ کو انگریزی زبان وادب اور اس کے ذریعہ مغربی ممالک کی بلاد اسلامیہ سے متعلق مکروہ سیاست، متعصبانہ ذہنیت اور استعماری عزائم کو پڑھنے اور سمجھنے کا خوب موقعہ ملا جس نے آپ کے اندر مغربی اور لادینی افکار پر گہری نظر اور وسعت فکر پیدا کردی اور حالات حاضرہ پر اس گہری نظر اور گرد و پیش سے اس مکمل آگہی نے آپ کو بے چین اور آپ کے قلم گوہر بار کو مضطرب کردیا، چنانچہ آپ اپنے اس درد و کڑھن اور بے چینی و اضطراب کو گذشتہ نصف صدی کے دوران تقریباً ہر ماہ الرائد اور البعث الاسلامی کے اوراق پر بکھیرتے رہے اور اپنے مخصوص انداز اور اسلوب نگارش میں مغربی ممالک کو للکارتے اور بلاد اسلامیہ کو جھنجوڑتے رہے۔ اس کے علاوہ حضرت مولانا نے عربی و اردو دونوں ہی زبانوں میں متعدد کتابیں بھی تصنیف فرمائی ہیں اور وہ تمام ہی تصانیف اس قدر مقبول ہوئیں کہ ہر کتاب کے تقریباً متعدد ایڈیشن شائع ہو چکے ہیں۔ چند اردو کتابوں کا تذکرہ کردینا نامناسب نہیں ہوگا:

۱۔ محسن انسانیت ﷺ: اس کتاب میں اسلام دشمن عناصر کی جانب سے اسلام اور اسلامی تعلیمات کے خلاف پیدا کردہ اس غلط فہمی بلکہ الزام کہ اسلام اپنی بہترین تعلیمات کی بنیاد پر نہیں بلکہ تلوار اور نیزہ کے زور پر پھیلا ہے، کا جواب انتہائی خوبصورت طریقہ سے حقائق کو واضح کرکے اور سیرت نبوی ﷺ کے روشن و تابناک پہلوؤں کو اجاگر کرکے دیا گیا ہے، اور سیرت طیبہ سے متعلق پیدا شدہ

غلط فہمیوں کو ختم کرنے کی کامیاب ترین کوشش کی گئی ہے۔

۲- مسئلہ فلسطین، سامراج اور عالم اسلام: اس کتابچہ میں قضیۂ فلسطین کی اہمیت ونوعیت، سامراجی ممالک کی اس میں دلچسپی کی وجوہات، یہودیوں کے اس سے متعلق ناپاک عزائم، اسرائیل و عالم عرب کی اصل صورت حال جیسے بہت ہی اہم اور حساس ونازک مسائل کو پیش کیا گیا ہے۔

۳- سلطان ٹیپو شہید، ایک تاریخ ساز قائد شخصیت: اس کتاب میں سلطان ٹیپو شہیدؒ کے حالاتِ زندگی، ان کے طرزِ حکمرانی اور ملی و قومی قیادت اور ناقابل فراموش کارناموں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔

۴- نظام تعلیم وتربیت- اندیشے تقاضے اور حل: یہ کتاب دراصل تعلیم وتربیت سے متعلق حضرت مولانا کے لکھے ہوئے مختلف مضامین پر مشتمل ہے جس میں آپ نے پوری دیانت داری کے ساتھ قدیم و جدید دونوں ہی نظام تعلیم کے حسن وقبح کی نہ صرف نشاندہی کی ہے بلکہ انہیں مزید بہتر اور مفید بنانے کے مشورے بھی دیے ہیں۔

حضرت مولانا کا شمار اس دور کے صف اول کے علماء میں ہوتا تھا، آپ کی وفات پورے عالم اسلام کے لیے علم وادب کا ایک ناقابل تلافی نقصان ہے، خصوصاً دارالعلوم ندوۃ العلماء اور ناظم ندوۃ العلماء حضرت مولانا سید محمد رابع ندوی مدظلہ العالی کو جو صدمہ اور کرب آپ کی وفات سے پہنچا ہے، اس کا خیال آتے ہی دل مغموم ہوا جاتا ہے، دل سے دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ استاد محترم کو اپنی جوارِ رحمت میں جگہ عطا فرمائے، زلات کو حسنات سے مبدل فرمائے، ان کے برادرِ بزرگ حضرت مولانا سید محمد رابع ندوی مدظلہ العالی اور صاحبزادہ حضرت مولانا سید جعفر حسنی ندوی اور تمام ہی پسماندگان و لواحقین کو صبر جمیل عطا فرمائے۔ آمین۔

امریکہ کی چودھراہٹ

”امریکہ کا یہ دعوی ہے کہ وہ مصیبت زدہ اور پریشان حال لوگوں کا ملجا وماوی ہے، اس کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ وہ ایک ایسا جمہوری ملک ہے جہاں حقوق انسانی کا پاس ولحاظ رکھا جاتا ہے، اس کا یہ بھی دعویٰ ہے کہ اس نے کبھی کسی ملک پر ناجائز قبضہ نہیں کیا اور نہ ہی کسی قوم کو اپنا غلام بنایا ہے جیسا کہ فرانس اور برطانیہ نے کیا ہے کہ ان دونوں ملکوں نے اپنے نو آبادیات اور اپنے زیر اثر علاقوں میں عقیدہ، ثقافت اور زبان کو تبدیل کر کے قوموں کے مزاج وفطرت کو بدل دینے کی کوشش کی، لیکن ان دعووں کے باوجود آج امریکہ علانیہ اور کھلم کھلا پوری دنیا پر اپنا تسلط اور اقتدار قائم کرنا چاہتا ہے، ماضی میں امریکہ یہ کام دفاعی اور اقتصادی امداد کی آڑ میں کر رہا تھا، دوسری سامراجی طاقتوں کے کمزور ہونے کے بعد امریکہ نے ”نیا عالمی نظام“ کے نام سے پوری دنیا پر ایک ایسا نظام نافذ کرنے کا اعلان کر دیا جس کا مرکز وسرچشمہ امریکہ ہو، اور اب تعاون وامداد کی آڑ میں اپنے زیر اثر ملکوں پر من مانی شرطیں لگانی شروع کر دی ہیں جس سے وہ اپنا سیاسی ودفاعی نظام نافذ کر رہا ہے اور ان ملکوں پر اپنا خاص تصور حیات رائج کر رہا ہے، اس نے یہ نیا نظام اپنی پسند کی حکومتوں کے ذریعے جنھیں عوامی حمایت حاصل نہیں ہے نافذ کرنے کی پالیسی اختیار کر رکھی ہے، جس طرح قدیم سامراجی طاقتیں تہذیبی اور اقتصادی طور پر قوموں کو مغربی تسلط کے ذریعہ اپنا تابع بنانے پر مجبور کرتی تھیں۔ امریکہ نے اپنے نظریے اور تصور حیات کو عام کرنے کی خاطر حکومتوں کو اپنا آلۂ کار بنایا اور قوموں اور عوام کو یکسر نظر انداز کر دیا، ان کی امنگوں، خواہشوں اور آرزوں سے صرف نظر کی، اور ان کی ضروریات زندگی اور مقاصد سے چشم پوشی برتی، چنانچہ جن ملکوں کے حکام اور ارباب حکومت امریکی حکام کی خواہشوں پر چلتے ہیں وہاں کے عوام زندگی کے میدان سے الگ تھلگ ہو کر رہ گئے ہیں، ان کا اپنے ملک کی سیاست سے میں نہ تو کوئی دخل ہے اور نہ کوئی اثر ورسوخ، اس پالیسی کی وجہ سے حکومتوں اور سیاسی لیڈروں کے درمیان اور عوام اور عوامی قائدین کے درمیان زبردست خلیج پیدا ہو گئی جو کہ بڑھتی ہی جا رہی ہے۔“

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

خانوادۂ حسنی کا چشم و چراغ

مفتی محمد ثناء الہدیٰ ایوبی ندوی (معتمد جامعہ دارالسلام مظفر آباد-سہارنپور)

"کل نفس ذائقۃ الموت" ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے، کہیں بھی ہو، موت آ کر رہے گی اور اللہ تعالیٰ کے سامنے کوئی چارہ کار بھی نہیں لیکن دنیا نابغہ روزگار شخصیات سے محروم ہوتی جارہی ہے، یکے بعد دیگرے علمی شخصیتوں کا اٹھ جانا ایک ایسا خلا ہے کہ جس کا پر کرنا ناممکن نظر آتا ہے، یہ علامات قیامت میں سے ہے کہ علم یعنی علماء کو اٹھالیا جائے گا۔

حضرت مولانا سید واضح رشید حسنی ندویؒ صوبہ یوپی کے روح پرور علاقہ ضلع رائے بریلی کے ایک ذی علم، دیندار اور باوقار گھرانہ کے چشم و چراغ تھے، خانوادۂ علی میاں کو نہیں بلکہ امت کو آپ پر ناز تھا، فخر تھا، آپ عظیم مصلح تھے، دردمندی، فکرمندی کی آپ تصویر تھے، آپ متبع سنت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے، قرآن پاک کے انتہائی عاشق اور نبوی مزاج کے مالک تھے، منہاج نبوت پر کام کرتے تھے، آپ نے دارالعلوم ندوۃ العلماء کے نامور اساتذہ سے علم حاصل کیا تھا، طالب علمی ہی کے زمانہ میں اپنی محنت، صلاحیت واستعداد اور قوت حفظ کی بنا پر طلباء بلکہ اساتذہ کے منظور نظر ہوگئے تھے، محبوب العلماء والطلاب تھے، عوام آپ سے محبت ہی نہیں عقیدت رکھتے تھے، آپ کی زبان وتحریر میں اثر تھا، آپ کی نگاہ ذہنوں کو بدل ڈالتی تھی۔

مولانا کلیم دانش ندوی نے ایک مجلس کے تعلق سے بجا تحریر فرمایا: "حضرت نے دشمنان اسلام کا اسلام کے خلاف سازشوں کو بتلاتے ہوئے فرمایا تھا کہ دشمنان اسلام بالخصوص امریکہ واسرائیل اور اس کے حامی آج پوری دنیا میں مسلمانوں کے خون کی ہولی کھیل رہے ہیں، شام، عراق، افغانستان، فلسطین، سب کو صفحۂ ہستی سے مٹانے پر لگے ہیں، اور کہہ رہے ہیں کون ہے جو تمہیں ہم سے بچائے گا؟" حضرت نے فرمایا: وہ سمجھتے ہیں کہ "آج دنیا میں مسلمانوں کا کوئی حامی ومددگار نہیں ہے" یہ کہہ کر حضرت بلا اختیار تڑپ گئے اور رونے لگے، اور تمام سامعین بھی آبدیدہ ہوگئے، گویا مسلمانوں پر ظلم وبربریت کا منظر پس منظر آپ کی آنکھوں میں تیر گیا تھا، اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ امت مسلمہ کا کتنا گہرا درد اور کتنی فکر ان کے قلب وجگر میں موجزن تھی۔

می نہ روید تخم دل از آب وگل بے نگاہِ از خداوندان دل

آپ حضرت مولانا عبدالقادر صاحب رائے پوری سے بیعت تھے، تربیت شیخ الحدیث حضرت مولانا زکریاؒ نے کی اور اجازت و خلافت مرشد الامت حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب حسنی ندوی دامت برکاتہم سے تھی، اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندویؒ کی صحبت نے آپ کو کندن بنادیا تھا، علم وحکمت سے معمور اور سلوک وتصوف کے شراب معرفت سے مخمور کردیا تھا، ان کی فکروں کو آگے بڑھانے میں آپ کا خاص کردار تھا، تمام مکاتب فکر آپ سے مربوط تھے، مردم گر ومردم ساز تھے، آپ کے پروردہ عظیم تحریکات کے ذمہ دار ہیں، راتوں میں بارگاہ ایزدی میں روتے تھے، مختلف انداز سے اپنے کاموں میں مشغول تھے، جسموں پر نہیں قلوب پر حکمرانی کرتے تھے۔

لیکن آہ! آپ کے وصال کے بعد ندوۃ العلماء کے در وبام افسردہ ہیں، طلباء کا جم غفیر ساکت ہے، علماء دین، ارباب مدارس، اصحاب دانش دم بخود ہیں، اور علم کا بحر بے کراں ایسے سفر پر رواں دواں ہے کہ جس سے کبھی واپسی نہیں، اللہ تعالیٰ اس خلا کو پورا فرمائے۔

زمانہ بڑے شوق سے سن رہا تھا تمہیں سو گئے داستاں کہتے کہتے

حقیقت بات یہ ہے کہ مرحوم کی ذات منبع فیض اور مختلف صفات کا خزینہ تھی، وسعت مطالعہ، عبادت وریاضت، فراست ایمانی، درس وتدریس، وعظ ونصیحت، پند وموعظت، شب بیداری، زہد وتقوی، قوت حفظ، استحضار علوم وفنون اور عربی زبان وادب پر کامل دسترس رکھتے تھے، صہیونیت اور صہیونی سازشوں کا انہیں مکمل درک تھا، اسی لیے اس موضوع پر ان کی تحریر دلیل تصور کی جاتی تھی، اسی کے ساتھ خود اعتمادی، راست گوئی، کم گوئی، نکتہ آفرینی، عزم راسخ، علمی بصیرت، غرض کہ اللہ تعالی نے آپ کو ان تمام صفات حسنہ سے نوازا تھا جو ایک متقی اور ولی کامل کا حصہ ہوتی ہیں، جب وہ مسند درس پر رہتے تو ایسا محسوس ہوتا تھا جیسا کہ علم کا دریا بہار ہے ہوں اور جب نصیحت فرماتے تو حکمت وموعظت کو سامنے رکھتے، موقع محل کے علاوہ آپ گفتگو ہی نہیں کرتے تھے، حسد، کینہ، بغض، عداوت، غرور اور خود نمائی کے الفاظ مولانا مرحوم کی ڈکشنری ہی میں نہیں تھے۔

نرم دم گفتگو، گرم دم جستجو رزم ہو یا بزم ہو پاک دل و پاکباز

حضرت حسنیؒ کا ایک خاص وصف فکر اسلامی اور دعوت الی اللہ تھا، وہ خموشی کے ساتھ کام کرنے کے داعی تھے، ان کا خموش نیٹ ورک ہر طبقہ میں پھیلا ہوا تھا، اسی وجہ سے مسلمانوں ہی میں نہیں بلکہ غیر مسلموں میں بھی بڑی جاں سوزی، فکرمندی اور حکمت کے ساتھ اپنا پیغام ان تک پہنچادیا۔

اذان حرم میں دی ناقوس دیر میں پھونکا
کہاں کہاں تیرا عاشق تجھے پکار آیا

ندوۃ العلماء کے طالب علمانہ دور میں حضرت مولانا کی خدمت میں استفادہ کی غرض سے حاضری ہوتی تو مولانا مناسب رہنمائی کے ساتھ شفقت کا معاملہ فرماتے اور جب بھی تعطیل کے بعد حاضر ہوتا تو فرماتے کہ کوئی کتاب نہیں لائے، چونکہ مولانا مفتی مسعود عزیزی ندوی زید مجدہم اپنی تازہ تصانیف اساتذہ کو دینے کے لیے راقم سطور کو تفویض کرتے تھے، حضرت کی خدمت میں جب نئی کتاب لے کر حاضر ہوتا تو حضرت تحسینی کلمات کے ساتھ حوصلہ افزائی فرماتے تھے، یہ خانوادہ ہمیشہ اپنے شاگردوں اور چھوٹوں کے کاموں کو دیکھ کر خوش ہوتا ہے، اللہ تعالی حضرت کی مغفرت فرمائے۔ آمین!

مولانا مرحوم جہاں خود ایک عظیم داعی اور مفکر تھے، وہیں آنے والی نسلوں کے لیے علم ومعرفت کے خشک نہ ہونے والے سوتوں کو چھوڑا ہے، جو ان کے لیے مغفرت اور پڑھنے والوں کے لیے رہنمائی کا وسیلہ ہے، آپ کی نماز جنازہ حضرت مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن صاحب اعظمی ندوی دامت برکاتہم نے پڑھائی، جس میں نمازیوں کا ایک جم غفیر تھا، تدفین رائے بریلی کے مشہور قبرستان میں عمل میں آئی، اللہ تعالی حضرت کی مغفرت فرمائے اور اعلی علیین میں جگہ عنایت فرمائے۔ آمین!

آسماں ان کی لحد پہ شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ اس گھر کی نگہبانی کرے

قدسی جماعت

”رسول اللہؐ کی تربیت کا اعجاز صحابہ کرامؓ کی جماعت ہے۔ یہ قدسی جماعت اسلام کا معجزہ ہے اور ساری انسانی خصوصیات اس مجموعہ میں سمٹ کر آگئی تھیں۔ ان کی پوری زندگی اللہ کے لیے ہوئی، ان کی دوستی، دشمنی، ان کا سلوک اور لین دین سب اللہ کے لیے تھا، انبیاء اور رسولوں کے بعد کوئی جماعت اگر سب سے بہتر ہوسکتی ہے تو وہ یہی صحابہ تھے جن کی تعداد ایک لاکھ سے زیادہ تھی اور جنہوں نے اس بڑی تعداد میں حجۃ الوداع میں عرفات میں جمع ہوکر اپنی محبت وفدائیت اور نبوی مشن سے تاحیات وابستگی کا یقین دلایا تھا، ایمان ان کے دلوں میں راسخ تھا، رسول اللہ ﷺ کے بعد جب خلفائے راشدین ابوبکر وعمر اور عثمان وعلی اور دیگر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے امت کی باگ ڈور سنبھالی تو رسول اللہ ﷺ کی پیشین گوئیاں ان کے ذریعہ پوری ہوئیں۔“

• حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

گفتار میں کردار میں اللہ کی برہان

مولانا عبدالباسط محمد شرف الدین ندوی (المعہد العالی امارت شرعیہ- بہار)

تواضع، خاکساری، انکساری، بے نفسی، سادگی، سادہ مزاجی، دینداری و بزرگی، یہ سب وہ الفاظ ہیں جن سے ہمارے کان مدتوں سے آشنا ہیں اور تحریر و تقریر میں سننے و پڑھنے کا بارہا اور بار بار موقع ملا ہے اور ملتا رہتا ہے، لیکن ان الفاظ کا پیکر نمونہ مجسم شکل میں دیکھنے، سننے، برتنے اور قریب سے فائدہ اٹھانے کا موقع حضرت الاستاذ کی ذات میں ملا، گو کہ حضرت الاستاذ خاموش مزاج، کم سخن کم گفتار تھے، مگر اپنے سے طلبہ کو قریب کرتے پھر ان سے اس طرح کام لیتے کہ ان کے اندر کی صلاحیت اجاگر ہو جائے۔ ہمت افزائی فرماتے اور پوشیدہ صلاحیتوں کو ابھارنے کے لیے ہر طرح کے مشورے دیتے اور ان پر عمل کراتے، اس طرح خاموش انداز میں افراد سازی و مردم گری کا کام انجام دیتے رہتے، ندوہ کے طالب علم کی حیثیت سے یوں تو بارہا دور ہی سے حضرت الاستاذ کو دیکھنے کا موقع ملتا رہتا تھا، مگر استاذ محترم سے میری پہلی واقفیت اس وقت ہوئی جب میں دار العلوم ندوۃ العلماء میں عالیہ رابعہ شریعہ کا طالب علم تھا اور شعبان ۱۴۰۵ھ میں اسی درجہ کا ایک امتحان اختبار شفوی حضرت الاستاذ مولانا ضیاء الحسن صاحب ؒ سابق شیخ الحدیث دار العلوم ندوۃ العلماء اور حضرت الاستاذ مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی رحمہ اللہ کے یہاں دینے کے لیے الرائد کے پرانے دفتر میں حاضر ہوا، یہ میری پہلی ملاقات دونوں حضرات سے تھی، عالیہ رابعہ شریعہ سے فراغت کے بعد تخصص ادب میں داخلہ لیا اور وہاں پھر استاذ محترم سے استفادہ کی راہ کھلی اور درسی کتابوں کے علاوہ بھی استفادہ کا موقع ملتا رہا، تخصص ادب سے فراغت کے بعد میں فضیلت کے درجوں میں آگیا اور فضیلت اول و دوم دونوں درجوں کے منتخب گھنٹوں میں حدیث وفقہ کی کتابیں پڑھتا تھا، ایک گھنٹہ خالی تھا، جس میں استاذ محترم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے دفتر کلیۃ اللغۃ (حضرت مولانا اس وقت صدر شعبۂ عربی تھے) میں حضرت کے حکم سے مختلف کام مثلاً خطوط کا جواب، مضامین کی تبییض اور تصدیق ناموں پر ناموں کا اندراج وغیرہ کیا کرتا تھا، نیز اس درجہ میں پڑھنے کے ساتھ ساتھ اپنے ساتھیوں کی رفاقت میں معہد الدعوہ کے بھی کافی گھنٹوں میں شرکت کا موقع مل جاتا تھا، خصوصاً حضرت مولانا سید ابو الحسن علی ندوی رحمہ اللہ کے تمام دروس میں جو انہوں نے دیئے شرکت رہی کہ وہ عام طور پر تعلیمی اوقات سے ہٹ کر ہی ہوتے تھے۔

اسی سال حضرت الاستاذ مولانا سید محمد واضح رشید صاحب رحمہ اللہ نے بلا کر بعض اخبارات کے تراشے حوالہ کیے اور فرمایا کہ اس کا عربی میں ترجمہ کر کے لاؤ اور رہنمائی بھی فرمائی، میں ترجمہ کر کے لے گیا، آپ نے تصحیح فرما کر "الرائد" میں شائع ہونے کے لیے دے دیا اور شائع ہونے کے بعد ملاقات پر خود ہی اس کی اطلاع دی، اس کے بعد یہ سلسلہ جاری ہو گیا، تخصص دوم کا اپنا سندی مقالہ استاذ محترم ہی کی نگرانی میں لکھ رہا تھا، حضرت ہی میرے مشرف تھے، اس لیے ان دو وجہوں سے خدمت میں حاضری کی سعادت ہوتی رہتی تھی اور استفادہ کا موقع ملتا رہتا تھا۔

ندوہ سے فراغت کے بعد مدرسہ فلاح المسلمین تیندوا رائے بریلی آپ ہی کے مشورہ سے گیا اور وہاں بھی آپ کی شفقت برابر حاصل رہی، عربی میں ترجمہ کے لیے آپ نے سیرۃ النبی جلد ہفتم کے بعض مقالات دیئے، پھر اسے تصحیح کے بعد الرائد میں شائع فرمایا، پھر جستہ جستہ پوری کتاب کا ترجمہ کروایا، اس کتاب کے بعض مقالات استاذ محترم حضرت مولانا سعید الرحمن صاحب اعظمی ندوی دامت برکاتہم نے "البعث الاسلامی" میں تصحیح کے بعد شائع فرمایے، کتاب مکمل ہو جانے پر اس کی اشاعت کی طرف توجہ دلائی

اور جب بھی ملاقات ہوتی اس کا ذکر فرماتے اور طباعت کی طرف توجہ دلاتے، الحمد للہ یہ عربی ترجمہ "الحاکم والحکومۃ فی ضوء الکتاب والسنۃ" کے نام سے شائع ہوگیا ہے۔

استاذ محترم طبعاً گوشہ نشیں، خلوت پسند، اپنی تعلّی وبڑائی اور شہرت سے کوسوں دور تھے، آل انڈیا ریڈیو سے وابستگی کی وجہ سے عالم عرب وعالم غرب کے حالات وکوائف اور وہاں کے بدلتے ہوئے احوال سے بخوبی واقف تھے اور اس پر گفتگو بھی فرماتے رہتے تھے، مولانا کے اندر داعیانہ جذبہ کارفرما رہتا تھا، اسی نہج سے مشورے دیا کرتے تھے اور اس کام کی خاطر عملی وعلمی تیاری کے لیے رہنمائی فرماتے رہتے، مغرب کی اسلام ومسلمانوں کے خلاف چالبازیوں پر خاص نظر رکھتے تھے اور اپنے مضامین وتحریر میں اس کا اظہار فرماتے اور مسلمانوں خصوصاً عربوں کو ہوشیار رہنے کی تاکید کرتے رہتے۔

استاذ محترم حقیقی معنوں میں اللہ والے بزرگ انسان تھے، مگر انہوں نے اس پر اپنی سادگی وخاموشی کے ذریعہ دبیز پردہ ڈال رکھا تھا، اسی دینی جذبہ اور اندر کی کیفیت نے آپ کو آل انڈیا ریڈیو جیسی اونچی واہم ملازمت سے دستبردار ہوجانے پر مجبور کیا، آپ نے جب ریڈیو کی ملازمت سے استعفیٰ دیا تو بقول حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ کسی کو یقین نہیں آرہا تھا کہ اتنی معیاری تنخواہ کو چھوڑ کر معمولی تنخواہ پر محض دین کے جذبہ سے جارہے ہیں، ریڈیو والے کچھ اور سمجھ رہے تھے، اسی لیے انہیں استعفیٰ منظور کرنے میں چھ ماہ لگ گئے۔

وہ بلند اخلاق وکردار کے حامل تھے، قرآن کریم سے والہانہ تعلق تھا، کثرت سے پڑھنے اور سننے کا اہتمام کرتے تھے، اپنی نرم مزاجی میں اس حدیث کے مصداق تھے۔ "إن الرفق لایکون فی شئ إلا زانہ" (صحیح مسلم) وہ صاحب فکر وصاحب بصیرت وفراست عالم دین تھے، ان کے دل میں امت کا درد تھا، قوم کا درد تھا، وہ اس کے لیے فکرمند رہتے تھے، نگہ بلند، سخن دلنواز اور جاں پرسوز کے حامل تھے، صائب الرائے اور معاملہ فہم تھے، مسلمانوں کے حالات سے پوری واقفیت رکھتے اور اصلاح کی فکر اور تدبیر کیا کرتے، جس کا اظہار عموماً ہم شاگردوں کے سامنے گفتگو کرتے ہوئے ہوتا رہتا تھا۔

امیر شریعت سادس حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب رحمہ اللہ کے دور میں استاذ محترم حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کی رفاقت میں استاذ محترم کی آمد ہر سال کم سے کم ایک دو بار پٹنہ ضرور ہوجایا کرتی تھی، حضرت مولانا سید نظام الدین صاحب رحمہ اللہ سے دونوں بھائیوں کو بڑا تعلق خاطر تھا اور حضرت امیر شریعت رحمہ اللہ بھی ان سے بڑی عقیدت ومحبت رکھتے تھے، مجھے بھی پٹنہ میں اپنے دونوں اساتذۂ کرام سے ملاقات وگفتگو کی سعادت ملتی رہتی تھی اور اس طرح استفادہ کا سلسلہ جاری رہتا تھا، سال گزشتہ مارچ ۲۰۱۸ء میں بہار تشریف لائے، سمستی پور، مظفر پور، حاجی پور اور پٹنہ میں پروگرام رہا، مظفر پور وحاجی پور کے پروگراموں میں مجھے بھی شرکت کا موقع ملا، ۱۳/ مارچ کو امیر شریعتؒ کے انتقال کے بعد پہلی بار پٹنہ تشریف آوری ہوئی، پیام انسانیت کے موضوع پر المعہد العالی کے مولانا منت اللہ رحمانی ہال میں پروگرام بعد نماز مغرب ہوا۔ عصر کے ساتھ ہی پورے وفد کی معہد تشریف آوری ہوگئی تھی، پہلے سے طے شدہ پروگرام کے مطابق طلبہ واساتذہ سے خطاب ہوا، استاذ محترم حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی رحمہ اللہ نے خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

"وقت کم ہے، زیادہ تفصیل سے بات نہیں کی جاسکتی، آپ کی پوری توجہ فقہ کی طرف ہے جیسا کہ اس ادارہ کا مقصد ہے کہ اس میں فقیہ پیدا کیے جائیں، فقہ ایک اہم موضوع ہے اور وقت کی ضرورت ہے، ہر دور میں اس کی ضرورت ہے، ہر ماحول میں اس کی ضرورت ہے، جہاں بھی مسلمان رہتے ہیں وہاں اس کی ضرورت ہے، اس دور میں فقہ کی اہمیت بڑھ گئی ہے، دوسرے موضوعات سے اس کی اہمیت بڑھ گئی ہے، اس وقت اسلام پر ہر طرف سے حملہ ہورہا ہے، وہ حملہ مختلف نوعیت کا ہے، وہ سیاسی بھی ہے، عسکری بھی ہے، ثقافتی بھی ہے، وہ فکری بھی ہے، وہ اسلام پر بھی ہے، وہ عالم اسلام پر بھی ہے، وہ مسلمانوں پر بھی ہے، یہ تلخ حقیقت ہے جو لوگ حالات سے واقف ہیں وہ جانتے ہیں کہ حقیقت میں اس وقت

اسلام اور مسلمان حالت حرب میں ہیں، ان پر الزام لگایا جاتا ہے دہشت گردی کا لیکن وہ خود دہشت گردی کا شکار ہیں، ان پر دہشت گردی تھوپ دی گئی ہے، اسلام کو دہشت گرد مذہب ثابت کیا جاتا ہے، جو اسلام "دین سلام" لے کر آیا، "ادخلوا فی السلم کافۃ" لیکن انہوں نے جان بوجھ کر یہ جنگ چھیڑی ہے، صلیبی جنگوں کی ناکامی کے بعد یورپ نے یہ طے کیا، اس کے ایک مصنف نے لکھا بھی ہے کہ ہم جنگ کر کے ناکام ہو گئے، اس لیے کہ جنگ سے مسلمانوں میں ایک نئی طاقت پیدا ہو جاتی ہے وہ طاقت پیدا ہوتی ہے شہادت کے شوق سے، جو قرآن وحدیث اور تاریخ سے شوق پیدا ہوتا ہے، جان دینے کا شوق جان لینے کا شوق نہیں بلکہ جان دینے کا شوق، ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ لوگ مریض سے ملنے گئے اور شفا کی دعا دی تو انہوں نے کہا ایسی دعائیں مت دو ہم تو محمدؐ اور ان کے اصحاب سے ملنے کا شوق رکھتے ہیں، شہادت کے طور پر مرنے کا شوق، اس کا لوگوں نے اعتراف کیا ہے۔ تو انہوں نے طے کیا کہ ہم جنگ کے ذریعہ ان کو شکست نہیں دے سکتے ہیں، اس کا ایک راستہ ہے، تاریخ پڑھیں آپ کو تاریخ میں یہ چیزیں ملیں گی۔

انہوں نے اسلامی علوم کو موضوع بنایا، اسلامی تاریخ کو موضوع بنایا، سیرت کو موضوع بنایا اور پھر اس کی سرپرستی کی، مصنفین کی تعداد پیدا کی کہ وہ اسلام کے خلاف تصور پیش کریں، اسلام کی غلط تصویر پیش کریں، یہ علمی جنگ ہے، فکری جنگ ہے، باقی جنگ کر کے ملکوں پر حملہ کرنا یہ الگ ہے۔

علمی وفکری جنگ زیادہ تیز ہو گئی ہے، اس میں ایک دوسری بات بھی پیدا ہو گئی کہ خود مسلمان دانشور، نام نہاد مسلمان دانشور اسلام کی تحریف میں لگے ہوئے ہیں، آپ لوگ پڑھتے ہوں گے، ایک تعبیر چلی ہے۔ "معتدل اسلام" کی، "لیبرل اسلام" کی، لیبرل کے معنی آزاد کے ہیں، آدمی آزاد ہو، جائز ناجائز، حلال وحرام ان چیزوں کی فکر نہ ہو، ایک "سیکولر اسلام" ہے، سیکولر کے معنی ہیں مذہب اور حکومت وسیاست میں جوڑ نہ ہو، مذہب ایک شخصی معاملہ ہو، جو کلیسا کے ساتھ ہوا کہ کلیسا الگ رہے، حکومت الگ رہے، دین دین والوں کے لیے اور دنیا دنیا والوں کے لیے، تو اسلام میں بھی مذہب کو حکومت سے الگ کر دیا جائے اور مذہب شخصی معاملہ ہو، تو مذہب جب شخصی معاملہ ہے تو پھر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ختم ہو جاتا ہے، اسلام جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا مذہب ہے، "ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ" اور "الدین النصیحۃ" اسلام کی بنیاد ہے، دوسرے مذاہب میں یہ بات نہیں ہے، دوسرے مذاہب میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہیں ہے، جب شخصی معاملہ ہو گا تو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ختم ہو جائے گا، کسی شخص کو ٹوکا نہ جائے، چاہے وہ کسی بھی طرح کی برائی میں مبتلا ہو، اس لیے کہ یہ اس کی شخصی زندگی میں مداخلت ہو گی۔

یہ تعبیرات سب یورپ نے ایجاد کی ہیں، مسلمان جو جدید تعلیم حاصل کرتے ہیں، دینی تعلیم نہیں حاصل کرتے ہیں، جو اسلام کو صحیح طور پر نہیں جانتے ہیں، جنہیں علماء کی صحبت نہیں حاصل رہتی ہے، دینی کتابوں کو نہیں پڑھا ہے، صرف مغربی لٹریچر پڑھا ہے، ان میں سے بہت سے اسی طرح کی فکر کو پیش کر رہے ہیں، اور اسے اسلامی فکر کہا جا رہا ہے، یہ داخلی خطرہ ہے، ہمارے لیے یہ زیادہ خطرناک ہے کہ جو اسلامی لباس اور مسلمانوں کے نام سے اسلام کو غلط انداز میں پیش کر رہا ہے، ہمیں اس سے واقف ہونا چاہیے، فقہ کے اشتغال کے ساتھ ان چیزوں سے واقفیت رہنی چاہیے، آپ اس سے واقف ہوں، آپ مفکر بننے کی کوشش کریں، غلط قسم کے جو مفکر بن رہے ہیں ان کے مقابلہ کے لیے ایسے لوگوں کی ضرورت ہے جو ان کی زبان میں، ان کے اسلوب میں، ان کے غلط فکر کی تردید کر سکیں، وضاحت کر سکیں، اس وقت کوشش کی جا رہی ہے کہ عوام کو علماء سے کاٹ دیا جائے، اسلام کو علماء سے کاٹ دیا جائے اور خود ان نصوص کو پڑھ کر جو مفہوم سمجھ میں آئے، اس کو پیش کیا جائے ایسے بھی مفکر پیدا ہو گئے ہیں، ان کو علماء سے انقباض ہے، وہ علماء سے واقف نہیں ہیں، میری بات کا خلاصہ یہ ہے کہ آپ میں فقہ کے ساتھ اسلام کی فکر، ملت کی فکر، دین کی فکر پیدا ہو، آپ اسی لحاظ سے مطالعہ کریں، تیاری کریں۔"

ستودہ صفات شخصیت

مولانا سید محمد مکی حسنی ندوی (تکیہ کلاں رائے بریلی)

عم محترم (حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی ؒ) بے نفس بزرگ، زہد وتقوی، علم وعمل کے پیکر تھے۔ مولانا نہایت کم گو اور علمی فطرت کے حامل تھے۔ ان کا ظاہر و باطن نیک طینت وطبیعت تھا۔ ملنے والوں کے لیے ان کی شفقت وخیر خواہی کا حصول لازم تھا۔

مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ؒ، اور آپ کی فکر کے حقیقی وارث وامین حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ اور مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی ؒ کی علمی وفکری خدمات کا اعتراف علمی حلقوں میں مسلم ہے، اور اہل عرب اپنی اس صفت میں مزید ممتاز ہیں، یہی وجہ ہے کہ یہ حضرات جب حجاز مقدس کا سفر کرتے تو سعودی چینل والے ان کے خصوصی پروگرام نشر کرتے اور اکثر و بیشتر چینل پر صبح کی تلاوت کے بعد ان حضرات کے فکر انگیز خطابات نشر ہوتے۔

میں نے سعودی چینل پر ان حضرات کی تقاریر نشر ہوتے دیکھی ہیں، اور ان میں بالخصوص عم محترم مولانا محمد واضح رشید ندوی ؒ کے ایک پروگرام کا نقش اب بھی ذہن ودماغ پر مرتسم ہے جس کو ہم نے بڑے شوق سے دیکھا تھا، گرچہ صغر سنی کی وجہ سے کوئی بات سمجھ میں نہیں آئی تھی، لیکن اس اشتیاق کی وجہ والد ماجد رحمۃ اللہ علیہ کا وہ قول تھا جو وہ اپنے بھائی کے لیے اکثر فرماتے تھے: "یہ میرے عزیز بھائی اور بچپن کے دوست ہیں۔"

میں نے والد ماجد ؒ اور مولانا مرحوم کو دوستانہ انداز میں بے تکلف گفتگو کرتے دیکھا ہے، والد ماجد ؒ مولانا مرحوم سے عمر میں ڈھائی تین برس چھوٹے تھے، لیکن دونوں کے مابین عزیز داری کے ساتھ گہرا دوستانہ تعلق تھا، دونوں حضرات جب ملتے تو اپنے بچپن کی یادیں تازہ کرتے، اس گنہگار کو بھی ان حسین لمحات سے محظوظ ہونے کا شرف حاصل ہے، جن کے نقوش ابھی بھی نگاہوں سے اوجھل نہیں ہیں، انہیں یادوں میں ایک خوبصورت یاد یہ بھی ہے جس کا ہم نے بارہا تذکرہ سنا ہے کہ عم محترم اور والد ماجد روزانہ دادا صاحب سید سراج النبی ؒ سے ان کی چکی پر انگریزی پڑھنے جاتے تھے، جو ہمارے گھر سے تقریباً تین کلو میٹر یا اس سے کچھ زیادہ فاصلہ پر واقع تھی، یہ دونوں حضرات راستہ بھر پیدل چل کر سبق یاد کرتے ہوئے چکی پہنچتے اور دادا صاحب کو اپنا اپنا سبق سناتے، ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ والد ماجد پوری طرح سبق نہ سنا سکے، جس پر ان کی تنبیہ ہوئی، لیکن والد ماجد کا عم محترم کے متعلق کہنا تھا کہ وہ کبھی سبق بھولتے ہی نہیں تھے، بلکہ ہمیشہ پختہ سبق یاد کر کے سنا دیتے تھے۔

میں نے گھریلو ملاقاتوں کے درمیان مولانا کو دیکھا کہ آپ گھر کے بچوں سے انتہائی محبت وشفقت سے پیش آتے تھے، اور اکثر ہم چھوٹوں سے اظہار تعلق ومحبت میں یہ بات بھی فرماتے تھے کہ تمہارے والد اور ہمارا گھر ایک ہی ہے، ہم ہمیشہ ساتھ رہا کرتے تھے اور ہمارے بڑے ساتھ مل کر فیصلہ کرتے تھے۔ ظاہر ہے ان سب باتوں سے مولانا ہم جیسے چھوٹوں کی دلجوئی ہی فرماتے تھے۔

میں نے زمانہ طالب علمی میں مولانا کو عوامی اختلاط سے بچتے ہوئے دیکھا ہے، جب وہ "کلیۃ اللغۃ العربیۃ" سے درس دے کر نکلتے تھے تو سڑک سے نیچے راستے پر تیز رفتاری سے مہمان خانہ کی سمت چلتے چلے جاتے تھے، اگر اس وقت کوئی سلام بھی کرتا تو مسکرا کر جواب دے دیتے اور آگے بڑھ جاتے تھے۔

میں نے ذاتی ملاقاتوں میں مولانا کو مختصر کلام میں سب کچھ کہتے ہوئے دیکھا ہے، ندوہ سے فراغت کے بعد ہم نے دارالامور (شریرنگاپٹن، بنگلور) میں داخلہ لینا چاہا تھا، لیکن ہم انگریزی تعلیم حاصل کر لینے کی وجہ سے پس وپیش میں تھے کہ دارالامور جانے سے کچھ فائدہ ہوگا یا نہیں، لہٰذا عم مکرم حضرت مولانا محمد رابع صاحب مدظلہ

سے مشورہ کے لیے ندوہ کے مہمان خانہ پہنچے، جب حضرت مدظلہ سے مشورۃً اپنی بات عرض کی تو آپ نے دل شکنی کے خطرے سے اولاً سمجھانا شروع کیا اور وہاں جانے کے متعلق صراحۃً ہاں یا نہیں میں جواب نہ دیا، اسی دوران لطیفہ یہ ہوا کہ مصباح بھائی فون لائے کہ کسی صاحب کو حضرت سے بات کرنی تھی، حضرت مولانا رابع صاحب مدظلہ کے پاس والے بستر پر مولانا رحمہ اللہ تشریف رکھتے تھے، انہوں نے مجھے اشارے سے بلایا اور کہا: ”وہاں جانے کی ضرورت نہیں ہے، تم نے انگریزی تعلیم حاصل کرلی ہے، لہٰذا وہاں جانے کا کوئی خاص فائدہ نہ ہوگا، تم والدہ کی خدمت کرو اور اپنے قریب ہی میں کچھ دیکھو۔“ ادھر حضرت کے فون رکھتے رکھتے ان کی یہ بات مکمل ہو چکی تھی، اور ان چند جملوں میں ہمیں تشفی بخش مشورہ بھی مل چکا تھا۔

میں نے مولانا کی عزیمت دیکھی ہے، جب مولانا کا داہنا پیر فیکچر ہوا تھا، اس وقت مولانا سے جہاں تک ممکن ہوسکا، آپ نے فرض نمازیں کھڑے ہو کر ادا کیں، البتہ سجدہ اور التحیات کرسی پر بیٹھ کر پڑھ لیتے تھے، اگر ہمدردی ومحبت میں لوگ رخصت کی صلاح بھی دیتے تو مولانا منظور نہیں فرماتے تھے، جب کہ یہ وقت رخصت کا ہوتا ہے، اور ایسے وقت میں معاشرہ وشریعت دونوں ہی طرف سے رخصت سمجھی جاتی ہے۔

میں نے مولانا کا غیر معمولی صبر وتحمل دیکھا ہے، جب کوئی شخص اپنے سے کم عمر قریبی وہر دل عزیز رشتہ دار کو دنیا سے رخصت ہوتا دیکھتا ہے، تو وہ اس کے لیے انتہائی سخت امتحان کا وقت ہوتا ہے، مولانا نے اپنی حیات میں نہ جانے کتنے قریبی رشتہ داروں کے جنازوں کو اپنے کندھوں پر اٹھایا ہے، انہیں لوگوں میں ان کے عزیز بھانجے اور بھتیجے مولانا عبداللہ حسنی ندویؒ کا سانحہ ارتحال تھا، آپ نے ان کی وفات کے موقع پر کسی طرح یہ ظاہر ہونے نہیں دیا کہ آپ پر اس حادثہ فاجعہ کا کس قدر صدمہ ہے، لیکن میں نے تنہائی میں مولانا کو روتے ہوئے یہ کہتا دیکھا ہے کہ چھوٹے جارہے ہیں تو ہمارا کیا بھروسہ۔ اس وقت آپ فوراً ضبط کرکے اپنے آنسو پونچھتے ہوئے ذکر میں مشغول ہوگئے۔

میں نے مولانا کی عبادت دیکھی ہے اور اس کو بے حیثیت کہتے ہوئے بھی سنا ہے، رمضان میں مولانا کے جو معمولات تھے وہ کسی سے بھی مخفی نہیں، حالت ضعف میں بھی رات کی عبادت اور دن کا اکثر حصہ تلاوت میں گذارنا مولانا کا عام معمول تھا۔ مولانا عام دنوں میں بھی انتہائی مشغول اوقات کے باوجود رات میں جو وقت آرام فرماتے تھے، اس کے متعلق خود انہیں کی زبانی سنا جب وہ اپنے بڑے بھائی مولانا رابع صاحب مدظلہ سے کہہ رہے تھے: ”ہم کہاں کوئی مشقت اٹھاتے ہیں، اللہ ہم کو توفیق دے۔“

میں نے مولانا کو طلباء اور ماتحتوں کے لیے علمی طور پر فکر کرتے دیکھا ہے، شاید ہی کوئی ایسا ہو جو مولاناؒ کے قریب ہو اور مولانا نے اس کے اندر علمی وفکری جذبہ نہ پیدا کردیا ہو، مولانا علمی اور فکری موضوع پر ہی بات کرتے تھے، طلباء سے مختصر خیریت کے بعد ان کی تعلیم اور مطالعہ ہی مولانا کی گفتگو کا موضوع ہوتا تھا۔ اسی طرح وہ اپنے گھر والوں کو خاص طور پر اپنی اولاد اور پوتوں کی اس قدر فکر کرتے تھے کہ شاید ہی کوئی ملاقات ہو جس میں ان کی اصلاح وتنبیہ نہ کرتے ہوں، ان کی اس غیر معمولی فکر کا بہترین نتیجہ ان کے صاحبزادہ مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی اور عالم میں منتشر متعدد شاگردانِ رشید ہیں جن کی علمی وفکری بلندی جگ ظاہر ہے۔

میں نے ان کی اپنے بھائی مولانا رابع صاحب مدظلہ العالی سے انتہائی محبت کو بھی دیکھا ہے، ایسی محبت شاید ہی کہیں اور دیکھنے کو ملے، دونوں میں اس قدر باہمی ربط وتعلق اور ہم آہنگی تھی جس کی کوئی مثال نہیں۔ آخری ایام تک مولاناؒ نے اپنے بھائی کا ایسا خیال رکھا جیسے کوئی کسی چھوٹے کا رکھتا ہو، اپنے بھائی سے انتہائی محبت اور فکرمندی کا جذبہ اس حد تک تھا کہ اگر کبھی رائے بریلی آجاتے اور حضرت مولانا رابع صاحب مدظلہ لکھنؤ میں ہوتے تو انہیں کچھ وقت گزارنا بھی مشکل معلوم ہوتا، جب تشریف لاتے تو بتاتے کہ مغرب تک رکیں گے، مگر عصر بعد ہی سخت فکرمند ہو کر لوٹ جاتے۔

مولاناؒ کی مختلف خصوصیات مختلف مضمون نگار اس شمارے میں شامل فرمائیں گے، میرے سامنے جو واقعات پیش آئے، وہ افادۂ عام کے لیے پیش کردیے۔ اللہ مولاناؒ کی قبر کو نور سے بھر دے اور ان کا معاملہ ان لوگوں کے ساتھ ہو جن کے لیے انعام کا وعدہ ہے۔

مولانا محمد ثانی حسنی میموریل ایجوکیشنل سوسائٹی

مولانا محمد ثانی حسنی میموریل ایجوکیشنل سوسائٹی کا قیام ۹ رمضان المبارک ۱۴۰۴ھ مطابق ۱۰ رجون ۱۹۸۴ء کو حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی ناظم ندوۃ العلماء لکھنؤ وصدر آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ عمل میں آیا۔

سوسائٹی کے اغراض ومقاصد: مسلمانوں میں دینی وعصری تعلیم کا فروغ، اسلامی افکار ونظریات کا فروغ اور اس کی اشاعت، دینی شعور کو بیدار کرنا اور ایسے تعلیمی ادارے قائم کرنا جو مسلمانوں کو دینی ودنیاوی میدانوں میں ترقی کرنے اور ان کو ایک مفید عام شہری بنانے میں مددگار ثابت ہوں۔

سوسائٹی کے زیر انتظام ادارے: جامعہ ام المومنین عائشہ للبنات بڑا کنواں رائے بریلی، مدرسہ سید احمد شہید تکیہ کلاں رائے بریلی، صفیہ بانو گرلس جونیر ہائی اسکول رائے بریلی، خالد بن ولید انڈسٹیریل ٹریننگ سینٹر (کڑھائی سلائی برائے طالبات) مولانا محمد ثانی حسنی میموریل پبلک لائبریری علی میاں چوک (کہاروں کا اڈہ) رائے بریلی، مولانا علی میاں رفاہی اسپتال قلعہ بازار رائے بریلی، ایوان فریدی مسافر خانہ رائے بریلی۔

آئندہ کے منصوبے: طبیہ کالج عربی مدارس کے طلباء اور عام مسلم طلباء کی معاشی ترقی کے لیے اور خود کفالت کے لیے ضروری ہے کہ ایسے انتظام کیے جائیں جن سے وہ سرکاری ملازمتوں کے محتاج نہ ہو کر خود اپنی کفالت کر سکیں اور قوم ملت کی خدمت کر سکیں۔

ملت ہاسٹل: مسلمان طلباء اور نوجوانوں کی ذہنی وجسمانی تربیت تاکہ وہ صحیح اسلامی خطوط پر رہیں اور فاسد ماحول سے محفوظ رہ سکیں۔

مولانا محمد ثانی حسنی میموریل ایجوکیشنل سوسائٹی مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمہ اللہ کی نظر میں

مولانا محمد ثانی حسنی میموریل ایجوکیشنل سوسائٹی ہمارے شہر رائے بریلی کی ایک معروف سوسائٹی ہے جو تعلیمی، ثقافتی اور دعوتی میدان میں ایک عرصہ سے نمایاں خدمات انجام دے رہی ہے اس کے افراد صحیح عقیدہ کے حامل تعمیری ذہن کے مالک اور دعوت اسلامی کا جذبہ رکھنے والے ہیں میں نے سوسائٹی کے کاموں کو قریب سے دیکھا اور پسند کیا ہے سوسائٹی اس بات کی بخوبی مستحق ہے کہ اہل خیر اس کے ساتھ مالی تعاون کریں مجھے امید ہے کہ سوسائٹی آئندہ اور مفید ثابت ہوگی اور اس کو استحکام اور قوت نصیب ہوگی۔

صدر
جناب ڈاکٹر سید احمد حسنی ندوی علیگ

جنرل سکریٹری
جناب مولانا محمد حمزہ حسنی ندوی

سکریٹری
سید معاذ حسینی ندوی
9415955780

سکریٹری
محمد امین حسنی ندوی
9616186215

خازن
جناب عطاء الرحمان صاحب
9415190201

FOR FCRA
MAULANA MOHD SANI HASANI
MEMORIAL EDUCATIONAL SOCIETY
UNION BANK BRANCH RAEBARELI
A/c No. 302401010022082
IFSC CODE : UBI0530247

FOR INDIA
MAULANA MOHD SANI HASANI
MEMORIAL EDUCATIONAL SOCIETY
BANK OF BAROADA RAEBARELI
A/c No. 00520200000192
IFSC CODE : BARB0RAEBAR

فکروخبر ڈاٹ کام
www.firkokhabar.com

FIKROKHABAR
Bhatkal

☆ علماء کرام کی زیر سرپرستی چلنے والا واحد اردو، انگریزی اور کنڑا آن لائن اخبار
☆ ملک ہند کے آن لائن اخباروں میں ایک مؤقر ''آن لائن اخبار'' جو آپ کو ساحلی، ریاستی، ملکی، عالمی، خلیجی اور عالم اسلام کی تازہ ترین خبروں سے باخبر رکھے۔
☆ ملک اور عالم اسلام کے موجودہ حالات پر تازہ ترین تبصرے
☆ اصلاحی مضامین کے ساتھ ادبی اور فکری مضامین
☆ ''**ڈیلی ویڈیو نیوز**''، ''**درسِ قرآن**'' اور ہفتہ واری خصوصی پروگرام ''**سچی بات**''

آپ ہمارے وہاٹس اپ گروپ سے جڑ جائیں، روزانہ کے اپڈیٹس، ڈیلی ویڈیو نیوز، درسِ قرآن اور ہفتہ واری خصوصی پروگرام سچی بات کی ویڈیوز آپ کو اپنے وہاٹس ایپ پر حاصل ہو جائیں گی۔
گروپ میں شامل ہونے کے لیے اس نمبر پر رابطہ کریں۔ **+919108080800**
اردو، انگریزی کتابیں پڑھنے کے لیے ہماری آن لائن لائبریری سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔

www.ahlesunnahlibrary.com

فقہ شافعی اور **فقہ حنفی** کے اپنے سوالات کے جوابات حاصل کرنے کے لیے رابطہ کریں: **9916131111**

جمعہ خطبات اور شہر کے **مؤقر علماء کرام کے بیانات** سننے کے لیے ہماری ویب سائٹ اسلامی افکار پر لاگ آن لان کریں۔ **www.islamiafkaar.com**

''**ڈیلی ویڈیو نیوز**''، ہفتہ وار پروگرام ''**درسِ قرآن**'' اور ''**سچی بات**'' یوٹیوب پر ہمارے چینل FikrokhabarTV پر بھی دیکھ سکتے ہیں۔ ہمارا چائنل FikrokhabarTV سبسکرائب کرنا نہ بھولیں۔

اپنے مضامین اور خبریں اس ای میل پتہ پر روانہ کریں۔ fikrokhabaronline@gmail.com

اشتہارات اور لائیو ٹیلی کاسٹ کے لیے اس نمبر پر رابطہ کریں۔ **9886181111**

Urdu/English/kannada:
www.fikrokhabar.com

www.ahlesunnahlibrary.com
www.islamiafkaar.com

Our Address: Nizam Manzil, Haneef Abad, Bhatkal (Karnataka)

پیارے ابا کی پیاری باتیں

مولانا خلیل احمد حسنی ندوی (تکیہ کلاں رائے بریلی)

”ان اللہ لا یقبض العلم انتزاعا ینتزعہ من العباد ولکن یقبض العلم بقبض العلماء حتی اذا لم یبق عالما اتخذ الناس رؤوسا جھالا فسئلوا فأفتوا بغیر علم فضلوا و أضلوا“

(اللہ تعالیٰ علم کو یک مشت بندوں کے دل سے نہیں نکالے گا، لیکن وہ علم کو سلب کرلے گا علماء کو اپنے پاس بلا کر، یہاں تک کہ جب علماء ناپید ہوجائیں گے تو لوگ جاہلوں کو اپنا سردار مان لیں گے، مسائل میں ان کی طرف رجوع کریں گے، وہ بغیر علم کے فتاوی دیں گے، خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کی بھی گمراہی کا سبب بنیں گے)

یہ حدیث شریف ایک طرف اہل علم حضرات کے مقام و مرتبہ پر روشنی ڈال رہی ہے وہیں دوسری طرف ایک خطرہ سے بھی آگاہ کررہی ہے کہ ان کا اس دنیا سے پردہ فرمانا تاریکی کے عام ہونے اور گمراہی کے پھیلنے کا سبب ہے، اگر بعد کے لوگوں نے ان کی جگہ نہ لی اور اس خلا کو پر نہیں کیا تو ناقابل تلافی نقصان سے دوچار ہونا پڑے گا۔

موجودہ دور کی ایک عظیم اور عبقری شخصیت، فکر ابوالحسن کے محافظ اور امین، آپ کا تراشیدہ ہیرہ اور نمونہ سلف حضرت مولانا واضح رشید حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ (ابا) کا سانحہ ارتحال اس حقیقت کو آشکارا کررہا ہے کہ قحط الرجال کے اس دور میں اور فتنہ وفساد کی آماج گاہ اس عالم فانی میں حضرت والا کا وجود قندیل کا کام کررہا تھا، چہار جانب علم کی ضوفشانی کررہا تھا، جو فکر اسلامی کا پرجوش داعی اور اس کا مبلغ تھا، جو اس پرفتن دور میں بے خطر اپنے قلم سے اسلام کی روشن تصویر پیش کررہا تھا، جس کا قلم بشیر اونذیر اکی عملی تفسیر تھا، جس کا طرز زندگی صوفیانہ اور علم جس کا اوڑھنا بچھونا تھا، جس نے کبھی مقصد کو اوجھل نہیں ہونے دیا اور قلم کو کبھی بکنے نہیں دیا، وہ وقت کے ساتھ ساتھ آگے تو بڑھتا رہا، معلومات کو update تو کرتا رہا لیکن وقت کے سامنے سپر نہیں ڈالی، چیلنجوں کا مقابلہ کرتا رہا اور ان سے راہ فرار اختیار نہیں کیا، جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ اپنے زبان وقلم سے زندگی کی آخری سانس تک ادا کرتا رہا۔

لکھنے والوں نے آپ پر خوب لکھا اور لکھ رہے ہیں، میں یہاں آپ کی ان خوبیوں اور صفات حمیدہ پر روشنی ڈالنا چاہوں گا جن کا میں نے مشاہدہ کیا، ہر لمحہ مشاہدہ کیا اور ہر موقع پر مشاہدہ کیا، وہ خوبیاں اور صفات جنہوں نے آپ کو اہل علم طبقہ میں امتیاز بخشا اور خلق خدا کے دلوں میں آپ کی محبت پیدا کی؛

قرآن کریم سے بے انتہا تعلق: قرآن کریم سے آپ کو خاص تعلق تھا، اور اس کو آپ دل کی صفائی کا اصل ذریعہ قرار دیتے تھے، یہ حدیث ہر وقت آپ کی نگاہوں کے سامنے رہتی تھی؛ ”ان ھذہ القلوب تصدأ کما یصدأ الحدید اذا أصابہ الماء قیل یا رسول اللہ، وما جلاؤھا؟ قال کثرۃ ذکر الموت وتلاوۃ القرآن“ (دل بھی زنگ آلود ہوتا ہے جس طرح پانی کے مسلسل گرنے سے لوہا زنگ آلود ہوجاتا ہے، آپ ﷺ سے پوچھا گیا: دل میں لگے اس زنگ کو دور کرنے کا طریقہ کیا ہے؟ فرمایا: موت کی یاد اور قرآن کریم کی تلاوت)

جب تک آنکھوں میں روشنی رہی، آپ خود قرآن کریم کی تلاوت کرتے رہے، قرآن کریم کی تلاوت اور اس کی سماعت آپ کے لیے ویسے ہی تھی جیسے مچھلی کے لیے پانی اور زندگی کے لیے روح۔

یومیہ دو پارے کی تلاوت کرنا یا ان کی تلاوت سننا آپ کے معمولات میں شامل تھا، لیکن رمضان میں پاروں کی تعداد چھ سے سات تک پہنچ جاتی تھی، حالات چاہے جیسے بھی ہوں، طبیعت میں

چاہے جتنا اضمحلال ہو لیکن قرآن کریم کی تلاوت کیے یا سنے بغیر آپ کو قرار اور سکون نہیں آتا تھا، قرآن سنتے وقت آپ کی کیفیت دیکھ کر ہر شخص یہ محسوس کرسکتا تھا کہ بے چین و بے قرار روح کو قرار آگیا، سورج کی تمازت میں کھڑے شخص کو سایہ نصیب ہوگیا، غیر رمضان میں آپ فجر کی نماز کے معاً بعد ایک پارہ سنتے، اور عصر کی نماز کے بعد ایک پارہ سنتے، سنانے والوں سے مسلسل رابطہ رکھتے تھے، ان کا احسان مانتے تھے، اور ان کے ساتھ احسان کا معاملہ کرتے تھے، ان سے کہہ رکھا تھا کہ اگر کہیں جانا ہو تو ایک دن پہلے خبر کردیں تاکہ قرآن کریم کسی اور سے سنا جاسکے، اور جن سے سنتے تھے ان کے علاوہ اگر کوئی سنانے کے لیے آتا تو اس کو بہت محبت سے منع فرمادیتے اور فرماتے کہ روز سنانے والے کو محسوس ہوگا، اور جب آپ کا قرآن کریم ختم ہوتا تو سنانے والے کو مٹھائی کھلاتے تھے۔

مجھ سے اکثر پوچھتے تھے کہ قرآن کریم یومیہ کتنا پڑھتے ہو، کم از کم ایک پارہ روز پابندی سے تلاوت کرنے کی تاکید فرماتے اور فرماتے: نجات و کامرانی قرآن کریم سے مشروط ہے۔ شوق دلانے کے لیے اور تحدیث نعمت کے طور پر فرماتے تھے: جب سے حضرت شیخ الحدیث مولانا زکریا کاندھلویؒ سے تعلق قائم کیا ہے، اس دن سے تلاوت میں کبھی ناغہ نہیں ہوا۔ بلکہ یہاں تک مجھ سے فرمایا کہ الحمد للہ لکھنا پڑھنا تلاوت کے بعد ہوتا تھا، آپ کو سورہ یس، سورہ الفتح، سورہ الحاقۃ، سورہ الملک یاد تھیں اور ان کی تلاوت کا معمول تھا۔

مسجد سے آپ کا تعلق: مسجد سے آپ کا تعلق کسی پر بھی مخفی نہیں تھا، اذان کی آواز جیسے ہی آپ کی کانوں میں پڑتی تھی آپ نماز کی تیاری میں لگ جاتے تھے، وضو کرکے فوراً مسجد کی طرف روانہ ہوجاتے تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اسی چیز کا آپ کو انتظار تھا، ارشاد نبوی ﷺ کثرۃ الخطی الی المساجد وانتظار الصلاۃ بعد الصلاۃ کی آپ عملی تصویر تھے، یہی وہ عمل ہے جس پر گناہوں کی معافی اور رفع درجات کا وعدہ ہے، ارشاد نبوی ہے: "ألا أدلکم علی ما یرفع اللہ بہ الدرجات ویمحو بہ الخطایا کثرۃ الخطی الی المساجد وانتظار الصلاۃ بعد الصلاۃ واسباغ الوضوء علی المکارہ" آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا میں تم کو ایسا عمل نہ بتادوں جس کے نتیجہ میں اللہ تعالی درجات بلند کرتا ہے اور گناہ مٹاتا ہے؟ مسجد کی طرف زیادہ قدم بڑھانا، ایک نماز کے بعد دوسری نماز کا انتظار کرنا اور ناپسندیدگی کے باوجود وضو کرنا۔ آپ مسجد میں نماز پڑھنے کو ترجیح دیتے تھے، بارہا میں نے عرض کیا: ابا! آج ٹھنڈ بہت ہے، آج آپ یہیں نماز پڑھ لیں تو فرماتے: مسجد جاسکتا ہوں، کوئی عذر شرعی نہیں ہے، کس منہ سے یہاں نماز ادا کروں اور تم مجھ کو مسجد جانے سے مت روکا کرو، آخری دور میں گھٹنے میں تکلیف ہوگئی تھی، چلنے سے درد ہونے لگتا تھا، تھوڑا سا چلنے پر سانس کی تکلیف بھی ہونے لگتی تھی، مگر اس حالت میں بھی مسجد جانا ترک نہیں کیا، فجر اور عشاء کی نماز کے علاوہ ہر نماز مسجد میں ادا کرتے اور اکثر عشاء کی بھی مسجد ہی میں ادا کرتے تھے، مسجد میں زیادہ سے زیادہ وقت صرف کرتے تھے، فرض اور سنتوں کے بعد نوافل میں غرق ہوجاتے، نوافل کے بعد وہیں مراقبہ کرتے۔

موت کی یاد: ارشاد نبوی ﷺ ہے: "أکثروا ذکر ھاذم اللذات یعنی الموت" لذتوں کو توڑنے والی چیز موت کو کثرت سے یاد کیا کرو۔ ایک حدیث میں موت کی یاد کو دل کی پاکیزگی اور صفائی کا ذریعہ بتایا گیا ہے، یہی وہ چیز ہے جو دنیا کی حقیقت اور اس کی حیثیت کو آشکارا کرتی ہے، قبر کی زندگی کو اجاگر کرتی ہے، اللہ کے سامنے جوابدہی اور حسابدہی کا احساس کراتی ہے، گناہوں سے بچنے کی طاقت پیدا کرتی ہے، اور نیکی کی طرف لپکنے کا شوق پیدا کرتی ہے، ابا بھی موت کا مراقبہ بہت کرتے تھے، خاص طور پر یہ مراقبہ مسجد میں کرتے تھے۔

حدیث شریف اور سنت سے وابستگی

تخصص آپ نے ادب سے کیا تھا، لیکن وابستگی آپ کی حدیث شریف سے تھی، حدیث سے نسبت رکھنے والوں کا بہت احترام فرماتے تھے، اور ان کا بہت بلند الفاظ میں تذکرہ کرتے تھے، رمضان کے مہینہ میں تکیہ میں ندوہ کے ایک استاذ حدیث تشریف لائے، ابا نے مجھ سے کہا: ان کا بہت خیال رکھنا، مغرب بعد ان کو گھر بلانا اور ان کے لیے کچھ اہتمام کرنا، یہ حدیث شریف کے استاذ ہیں

مجھ کو ایک مرتبہ اسلامی معاشرہ پر چالیس احادیث جمع کرنے کا حکم دیا، اور اس پر نہایت وقیع مقدمہ تحریر فرمایا، انتقال سے کچھ دن قبل ان احادیث کو جمع کرنے کا حکم دیا جو ایمانیات سے متعلق ہیں اور ہر بار فون کرنے پر یہی پوچھتے تھے کہ کام کتنا ہوا؟ جلدی مکمل کرو اور فرماتے تھے؛ تمہارے نیک عمل کا ثواب ہم کو بھی ملے گا۔ میرے بھائی امین کو غزوۂ بدر میں شریک ہونے والے صحابہ کے نام جمع کرنے کا حکم دیا۔

فرماتے تھے؛ تقریر کیا کرو، دین کی بات دوسروں تک پہنچایا کرو، اس سے خود بھی عمل کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور دوسروں کی اصلاح تمہارے لیے صدقہ جاریہ ہے، فرماتے تھے؛ ہر تقریر اور ہر بات قرآن وحدیث کی تفسیر وتشریح کے طور پر ہونی چاہیے۔

اتباع سنت: اتباع سنت آپ کا خاص وصف تھا، ہر کام کو سنت کی نیت سے کرتے تھے، مسواک کا خاص اہتمام تھا، مسواک ہر وقت آپ کی جیب میں رہتی تھی اور ہر نماز سے قبل مسواک فرماتے تھے، اور اس کی تاکید فرماتے تھے، مسواک ہی کی برکت تھی کہ نزع کے عالم میں آپ کی زبان پر کلمہ تھا۔

بارہا ایسا ہوا کہ میں نے غفلت میں موزے کو دائیں پیر سے نکالنا چاہا یا بائیں پیر میں پہنانا چاہا تو فوراً پیر کھینچ لیتے اور کہتے سنت دائیں پیر میں پہنانے میں ہے اور بائیں پیر سے اتارنے میں ہے، چاشت اور اوابین کی نمازوں کا خاص اہتمام تھا، اس میں بھی جہاں تک میں سمجھتا ہوں کبھی ناغہ نہیں ہوا۔

صدقات وخیرات میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینا: آپ کے ہاں صدقہ کا خاص اہتمام تھا، اکثر ایسا ہوا کہ مجھ کو دے کر فرمایا؛ تم صدقہ کر دینا، فرماتے تھے، صدقہ کیا کرو، اللہ تعالی اس سے خوش ہوتا ہے، خود تقشف اور زاہدانہ زندگی کے عادی تھے، کبھی مجھ کو ذاتی خرچ کے لیے دیتے میں عرض کرتا: ابا! میرے پاس ہیں، فرماتے: مجھ کو معلوم ہے، لیکن انفاق کی بڑی فضیلت ہے، رمضان المبارک میں تو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سب کچھ لٹا دیں گے، اپنے بچپن کے ایام کو اکثر یاد فرما کر آزردہ ہو جاتے اور فرماتے کہ میں ان ایام کا تذکرہ تم لوگوں کے سامنے اس لیے کرتا ہوں، تاکہ تم کو معلوم ہو کہ ہمارے رب کا کتنا بڑا فضل ہے، یہ سب دین کے صدقہ میں ملا، عزت، شہرت اور لوگوں کی محبت، اگر دین نہیں تو یہ سب بے معنی اور بے حیثیت ہے، اور اگر دین ہے تو آخرت اس سے کہیں گنا بہتر ہے۔

تواضع: آپ تواضع کے عملی پیکر تھے، اس میں ادنی تصنع کی آمیزش نہیں تھی، یہی وجہ تھی کہ آپ کے شاگردوں کے دلوں میں آپ کی بڑی قدر ومنزلت تھی، "من تواضع للہ رفعہ اللہ" کا آپ مصداق تھے، ہمیشہ سر جھکا کر چلتے تھے، اختلاط سے ہمیشہ مجتنب اور مجمع سے کوسوں دور رہے، جلسہ گاہ میں اسٹیج سے نیچے بیٹھتے تھے، آپ اس شعر کا مصداق تھے؛

ترى الرجل النحيف فتزدريه وفي أثوابه أسد زئير

"تم ایک لاغر اور کمزور شخص کو معمولی نگاہ سے دیکھتے ہو حالانکہ اس کے اندر دہاڑتا ہوا شیر ہے۔" معتمد تعلیم کے عہدہ کو قبول کرنے سے آپ نے انکار کر دیا، لیکن نگاہ انتخاب آپ ہی پر تھی، آپ کو قبول کرنا پڑا اور آپ نے اس عہدہ کے ساتھ انصاف کیا۔

غیبت سے اجتناب: غیبت کو برداشت نہیں کر سکتے تھے، آپ کی نگاہوں میں یہ حدیث رہتی تھی؛ تم دو چیزوں کی ضمانت لے لو میں جنت کی ضمانت لے لوں گا، زبان اور شرم گاہ

غیبت کی مجلس میں بیٹھنا گوارا نہیں تھا، فوراً روک دیتے تھے، کئی بار میرے ساتھ واقعہ ہوا، میں نے کسی کا تذکرہ مذمت سے کیا، فوراً روک دیا۔

مہمان نوازی: مہمان نوازی آپ کا خاص وصف تھی، مہمان نوازی میں اتنا آگے بڑھے ہوئے تھے کہ اکثر تکیہ کے قیام میں میں آپ سے کہتا کہ ابا ناشتہ گھر میں کریں، اچھا لگے گا، راضی ہو جاتے، گھر تشریف لاتے، لیکن پہلے ناشتہ مہمانوں کے لیے باہر بھجواتے اور تاکید کرتے کہ ان کے احترام کی خاطر تم وہیں رہنا، اور جب تک باہر ناشتہ نہیں چلا جاتا آپ کو قرار نہیں آتا، اسی طرح عصر بعد لکھنؤ خاتون منزل تشریف آوری کے موقع پر آپ کے سامنے چائے دیگر لوازمات کے ساتھ پیش کی جاتی، آپ اس کو مہمانوں کے لیے باہر بھیج دیتے اور خود صرف چائے پر اکتفاء

کرتے تھے۔

صلہ رحمی: صلہ رحمی میں بھی آپ بہت ممتاز تھے، خاندان میں جو لوگ مالی لحاظ سے کمزور ہیں ان کی گاہے بگاہے خاموشی سے مدد کرتے رہتے تھے، اور اتنی خاموشی سے کرتے تھے کہ خود آپ کے قریب ترین لوگ نہیں جان پاتے تھے کہ آپ کس کس کی مدد کرتے ہیں، بس ان چند لوگوں کو علم تھا جن کے واسطہ سے آپ ان کی مدد کرتے تھے

اساتذہ کا احترام: آپ کے اساتذہ کو زندہ حالت میں میں نے نہیں پایا، لیکن میرا مشاہدہ یہ ہے کہ آپ ان کے لیے ایصال ثواب کرتے تھے، ان کا تذکرہ خیر کرتے تھے، اور ان کے اپنے اوپر احسانات کا برملا اعتراف کرتے تھے، فرماتے تھے: مجھے عربی زبان میں جو کچھ لکھنا آتا ہے یہ سب فیض ہے مولانا محبوب الرحمن ازہری صاحب ندویؒ کا، ان کے طریقۂ تدریس سے مجھ کو بہت فائدہ ہوا، اسی وجہ سے ان کے فرزندوں کا بہت خیال رکھتے تھے، ان کی خیریت لیتے رہتے تھے، مولانا ابوسحبان صاحب ندوی مدظلہ استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء سے جب بھی ملاقات ہوتی، مولانا محبوب الرحمن ازہری ندویؒ کا تذکرہ بڑے احترام سے کرتے اور ان سے اپنے جذباتی تعلق کا اظہار کرتے، مولانا ابوسحبان صاحب ندوی مدظلہ کی اہلیہ (جو مولانا محبوب الرحمن ازہری ندوی رحمہ اللہ کی صاحبزادی ہیں) کی خیریت پوچھتے، اسی طرح علامہ سید سلیمان ندوی رحمہ اللہ کے فرزند ارجمند مولانا سید سلمان صاحب مقیم افریقہ کا بہت احترام کرتے تھے، جب کہ ان میں اور آپ میں عمر میں زیادہ فرق نہیں تھا، ان سے فرماتے تھے: آپ ہمارے استاذ زادے ہیں، آپ کے والد بزرگوار سے براہ راست تو ہم نے تعلیم حاصل نہیں کی، لیکن وہ کئی بار ہمارے درجہ میں تشریف لائے ہیں، علامہ سید سلیمان صاحب ندوی رحمہ اللہ کا معاملہ یہ تھا کہ ندوہ میں قیام کے دوران درجوں کا بھی دورہ کرتے اور طلباء سے مختلف پہلوؤں پر سوالات کرکے ان کی تعلیمی سطح سے واقفیت حاصل کرتے، ابا کا اشارہ اسی طرف تھا۔

مریض کی عیادت: آپ مریض کی عیادت کو ایک دینی فریضہ قرار دیتے تھے، جاسکنے کی صورت میں خود عیادت کی غرض سے تشریف لے جاتے اور نہ جاسکنے کی صورت میں اپنا نمائندہ وہاں بھیجتے اور خود موبائل پر خیریت لیتے رہتے، بسا اوقات صرف دینی ملاقات کی خاطر سفر کی صعوبتیں برداشت کرتے، آپ اس حدیث کی عملی تفسیر تھے "من عاد مریضا أو زار أخاله فی الله ناداه مناد أن طبت وطاب ممشاک وتبوأت من الجنة منزلا" جس نے کسی مریض کی عیادت کی یا اپنے مسلمان بھائی سے اللہ کے لیے ملاقات کی تو ایک آواز لگانے والا آواز لگاتا ہے کہ تم خوشگوار حالت میں ہو، اور تمہارا جانا خوشگوار اور بابرکت ہے اور تم نے جنت میں اپنا ٹھکانا بنالیا۔

اللہ تعالی سے ملاقات کا شوق: یہ شوق آپ پر اس قدر غالب تھا کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ آپ کو کسی پل قرار نہیں، اکثر نجی مجلس میں فرماتے تھے، اب دنیا میں بہت رہ لیے، اللہ سے ملاقات کا جی چاہتا ہے، کبھی فرماتے: ہماری عمر پوری ہوگئی، ایکسٹرا جی رہے ہیں، "من أحب لقاء الله أحب الله لقاءه" کی آپ سچی تصویر تھے۔

موت کا استحضار: آپ کو بہت تھا، ہر رات کو اپنی آخری رات سمجھتے تھے اور آخری رات سمجھ کر ہی تمام اوراد و وظائف کو پڑھتے تھے، اور اس کا آپ نے بارہا اظہار فرمایا۔

اپنا کام خود کرنا اور خدمت سے اجتناب: اس وصف میں بھی آپ بہت نمایاں تھے، کسی سے خدمت نہیں لینا چاہتے تھے، اپنا کام خود کرنا پسند کرتے تھے، گھر میں تشریف لاتے، کبھی ایسی چیز پر نظر پڑتی جو بے ترتیب ہوتی تو کبھی ہم لوگوں سے نہیں کہا کہ اس کو ٹھیک کردو، خود اس کو ٹھیک کرتے، ہم لوگ دیکھ کر لپکتے تھے، لیکن اکثر آپ کر چکے ہوتے تھے۔

غسل کے بعد کے اپنے استعمال شدہ کپڑے خود جاکر استعمال شدہ کپڑوں میں ڈالتے اور ہم لوگ آکر لینا چاہتے تو فرماتے: ہمارے نبی ﷺ اپنے کام خود فرماتے تھے، اسی طرح خدمت سے کلی اجتناب تھا، اکثر میں پیر دبانے کی کوشش کرتا تو فرماتے: ہمارے نبی ﷺ خدمت نہیں لیتے تھے۔

اس کے علاوہ نہ جانے کتنی صفات کے حامل تھے ابا، میں نے اپنے مشاہدات کو الفاظ کا جامہ پہنایا ہے۔

انتقال سے ایک روز قبل معمول کے مطابق سورۂ آل عمران کا آخری حصہ مجھ سے سنا، ابا کا معمول تھا کہ خاموشی کے ساتھ قرآن کریم سنتے تھے، لیکن اس بار معمول سے ہٹ کر (متاع قلیل ثم مأواھم جھنم) پر بے ساختہ فرمانے لگے: یہ آیت فریم میں کرکے آویزاں کرنے کی ضرورت ہے، کیا کشش ہے کلام الٰہی میں، کیا ادب ہے کلام الٰہی میں، متاع قلیل، چند روزہ زندگی، پھر دشمنان دین کے لیے ہلاکت اور بربادی ہے اور اللہ والوں کے لیے کامیابی ہی کامیابی ہے، لیکن کامیابی مشروط ہے صبر سے، تقوی سے اور اعمال صالحہ پر جمے رہنے سے، اس وقت وہاں اچھے ابا (حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم) انجینئر عبدالرشید صاحب حیدرآبادی مقیم حال مدینہ منورہ اور ان کے فرزند ارجمند تھے۔

ان دونوں سورتوں کی فضیلت کو آپ ﷺ یوں بیان فرماتے ہیں: قیامت کے دن قرآن کریم لایا جائے گا اور قرآن کریم کے پڑھنے والوں کو جو اس پر عمل پیرا تھے، سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران پورے قرآن کریم کے آگے آگے ہوگی، گویا وہ ابر کے دو ٹکڑے ہیں یا ابر کے دو سیاہ ٹکڑے ہیں، ان کے درمیان ایک چمک ہے، گویا وہ پرندوں کی دو ٹکڑیاں صف باندھے ہیں، یہ دونوں سورتیں اپنی تلاوت کرنے والوں کا دفاع کریں گی، یعنی ان کی سفارش کریں گی، ایک حدیث شریف میں آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران کی تلاوت کیا کرو، قیامت کے دن وہ اس حال میں آئیں گی جیسے وہ دو بادل یا دو سائبان یا دو پرندوں کے جھنڈ ہوں اور وہ اپنی تلاوت کرنے والوں کا دفاع کریں گی۔

ابا سورۂ آل عمران ایک دن قبل سن کر اس دنیا سے تشریف لے گئے، اس سورت کے آخر میں ایک آیت ہے: فاستجاب لھم ربھم الخ، یہ آیت ان دعاؤں کے بعد ہے جو اسی سورت کے آخری حصہ میں ہیں، ابا نے ایک دن قبل ہی ان دعاؤں کو بینائی کی کمزوری کی وجہ سے سنا تو "فاستجاب لھم" کو ان کے لیے فال نیک سمجھا جائے گا، یعنی ان کی مانگی گئی دعائیں اللہ تعالی کی بارگاہ میں انشاء اللہ شرف قبولیت پا گئی ہوں گی۔

وفات بھی آپ کی قابل رشک ہوئی، تہجد کے لیے بیدار ہوئے، ٹھنڈے پانی سے وضو فرمایا، معاً بعد تکلیف شروع ہوئی، جس میں اضافہ ہوتا گیا، فجر کا وقت آگیا، اچھے ابا تہجد میں مشغول تھے، ابی قرآن کی تلاوت میں اور میں مسنون دعاؤں میں، مولوی سبحان ثاقب سورۂ یس کی تلاوت میں اور بھائی صاحب نماز میں مشغول تھے، اچانک اذان شروع ہوگئی اور اسی وقت سے آپ پر سکرات کا عالم طاری ہوگیا، اپنے فرزند ارجمند سے فرمایا: قرآن کی تلاوت کرو اور خود کلمہ میں مشغول ہوگئے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ تکلیف ختم ہوگئی، اب سکون ہے، اذان کے ختم ہونے سے قبل روح فانی جسم سے نکل کر پرواز کرگئی۔

اللہ تعالی آپ کی بال بال مغفرت فرمائے، آپ کا حشر انبیاء صدیقین اور شہداء کے ساتھ فرمائے، اپنی رؤیت سے آپ کو سیراب کرے اور شراب طہور سے آپ کی ضیافت کرے، "نزلا من غفور رحیم" کے آپ حقدار ہوں، "جنات تجری من تحتھا الانھار" آپ کا ٹھکانہ ہو۔

طاب حیا وطاب میتا، اللھم اغفرلہ وارحمہ وأکرم نزلہ ووسع مدخلہ وأغسلہ بالماء والثلج والبرد ونقہ من الذنوب والخطایا کما ینقی الثوب الأبیض من الدنس۔

دینی حلقوں میں بے دینی

"آج کے دور میں علم وتحقیق، زبان وقلم اور تقریر وصحافت سب ذرائع آمدنی ہیں، یہ رجحان اگر مادہ پرستوں، سیاسی لیڈروں اور آزاد خیال لوگوں میں پایا جائے تو کوئی تعجب کی بات نہیں ہے، ان سے اس کے سوا کسی اور چیز کی توقع نہیں کی جاسکتی، البتہ تعجب اس وقت ہوتا ہے جب ہم دیکھتے ہیں کہ ہماری دینی وملی تحریکوں، تنظیموں اور دعوت کے ذمہ داروں اور ماننے والوں میں بھی یہ بیماری سرایت کررہی ہے، یہ بھی اب پروپیگنڈہ کا سہارا لینے لگے ہیں، مخالف شخصیتوں کی عزت ووقار کو مجروح کرنا اب ان کا بھی شیوہ بنتا جارہا ہے۔"

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی ﷺ

صاحبِ فکر و نظر عالمِ دین

مولانا محمد نجم الدین ندوی (منی پور)

شہر رائے بریلی شمالی ہند میں لکھنؤ سے ۸۰ رکلو میٹر دور فاصلہ پر واقع ہے، جہاں سے جانب مغرب تین کلو میٹر کی دوری پر سئی ندی کے بائیں کنارے پر ایک گاؤں آباد ہے جو دس بیلھے کے رقبے پر گنتی کے دس بارہ گھروں میں پھیلی ہوئی آبادی ہے، جسے "تکیہ کلاں" کہا جاتا ہے اور گاؤں کے آباد کرنے والے بزرگ ہستی کی طرف نسبت کرکے "دائرۂ شاہ علم اللہ" کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے، یہاں ایک بغیر مینار والی کعبۃ اللہ کی شکل کی ایک مسجد ہے جسے شاہ علم اللہ (رحمۃ اللہ علیہ) نے خود تعمیر کیا تھا، یہ خالص سادات کی بستی ہے، تاریخ بتاتی ہے کہ گیارہویں صدی ہجری کے وسط میں بزرگ ہستی شاہ علم اللہ ترک وطن کرکے یہاں آئے اور اس گاؤں کو آباد کیا، مولانا علی میاں ندویؒ نے لکھا ہے: "اس چھوٹی سی بستی کو جس ذات سے انتساب کا فخر حاصل ہے وہ ہندوستان کی پوری اسلامی تاریخ کے ممتاز ترین شخصیتوں اور صاحب نسبت بزرگوں میں سے ایک ہیں اور جہاں تک اتباع سنت اور بدعات سے نفرت اور عادات واخلاق، تمدن ومعاشرت، جذبات واذواق میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بالارادہ اور بلاارادہ پیروی اور تقلید کا معاملہ ہے اس میں مشائخ طریقت میں بھی ان کی نظیر ملنی اگر ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے"۔ (مقدمہ از تذکرۂ شاہ علم اللہ: ۹)

اسی دائرۂ شاہ علم اللہ میں رفتہ رفتہ خاندان کے دیگر افراد بھی رائے بریلی کے گرد ونواح سے آبسے اور حسنی سادات کا اصل وطن بن گیا اور جو لوگ قدیم وطن قصبہ نصیر آباد میں باقی رہے ہیں وہ بھی تسبیح کے دانوں کی طرح باہم پیوست رہے، اور پورا خاندان شاہ صاحب کی نسبت سے "خانوادۂ علم اللہ" سے موسوم ہوا۔

یہی وہ دائرہ ہے جس کی فضاؤں میں سید احمد شہید کی پرورش ہوئی اور جہاں سے قوم وملت کی دینی واخلاقی اصلاح کی جدوجہد شروع کی، ظالم طاقتوں سے ملک وقوم کو آزاد کرانے کے لیے سپاہ تیار کی اور جہاد فی سبیل اللہ کا پرچم بلند کیا، اسی خاندان میں سید احمد دیوان، علامہ سید ہدایت اللہ، خواجہ سید احمد، شاہ ابوسعید، سید محمد عدل، مولانا سید محمد واضح محدث، مولانا قطب الہدی محدث، مولانا سید محمد ظاہر، شاہ ضیاء النبی، مولانا فخر الدین خیالی، مولانا سید عبدالحی حسنی، مولانا سید محمد امین جیسے ذکر وفکر، درس وتدریس، عبادت وریاضت اور علم وادب کی خدمت کرنے والے روشنی کے مینار رہے ہیں، اخیر دور میں مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی شخصیت وعبقریت عوام وخواص میں تعارف کی محتاج نہیں ہے، ان عباقرۂ زمان میں سے ہر ایک اپنی ذات میں ایک مدرسہ، ایک خانقاہ اور ایک زاویہ اہل ذکر سے کم نہیں، اسی بستی کو عالم اسلام کی مایہ ناز عبقری شخصیت مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے مولد ومسکن اور مدفن ہونے کا شرف بھی حاصل ہے، ہمارے ممدوح مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی (رحمۃ اللہ علیہ) اسی دائرہ کے مایہ ناز فرزند اور عالم اسلام میں بڑی ممتاز شخصیت کے حامل تھے، آپ کے جد امجد امیر سید محمد بن احمد مدنی سب سے پہلے سلطان التمش کے عہد سلطنت میں ہندوستان آئے اور کڑا مانک پور (سابق الہ آباد، حال پرتاب گڑھ) میں آباد ہوئے۔ محبوب ملت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی (مدظلہ العالی) فرماتے ہیں:

"کڑا مانک پور ہمارا جدی وطن ہے، قطب الدین مدنی جو مدینہ منورہ سے آئے تھے جو قطب مدنی کہلاتے ہیں، ہم سب ان کی اولاد میں ہیں، ہمارا یہ رائے بریلی، فتح پور، ہنسوا، مانک پور، الہ آباد پھر پاکستان میں بیسیوں نہیں سیکڑوں ہوں گے، ہمارے خاندان کے یہ سب قطب الدین کی اولاد میں ہیں، کوئی اپنے کو قطبی کوئی حسنی اور کوئی مدنی لکھتا ہے"۔ (مجلہ تعمیر حیات لکھنؤ: ماہ دسمبر ۱۹۹۵، مطبوعہ تقریر سے ماخوذ)

سطور بالا سے خاندان کی تاریخ پر روشنی پڑتی ہے جس سے چند حقائق سامنے آئے کہ خاندان خالص صحیح النسب سادات ہے، اور ہندوستان میں وارد ہونے والے اولین فرد امیر سید قطب الدین مدنی ہیں، اس خاندان کا کڑا مانک پور اور نصیر آباد جیسے مردم آفرید علاقے قدیم ترین وطن ہیں اور تکیہ کلاں کو شاہ علم اللہ نے آباد کیا ہے، یہاں کی خاک سے اصحاب رشد و ہدایت، علمائے ربانی و حقانی اور مجتہدین و مجاہدین پیدا ہوئے، اس خاندان کی نسبت صاحب طرز ادیب مولانا عبداللہ عباس ندوی (مدفون مکہ مکرمہ) نے لکھا ہے کہ

"شاہ علم اللہ اس خاندان کے سرخیل تھے جنہوں نے اپنی نوجوانی میں اس علاقہ کو اللہ کے ذکر سے آباد کیا اور اس کی مقبولیت کے آثار دیکھے گئے اور دیکھے جا رہے ہیں، اب تک ہر دور میں کوئی نہ کوئی اللہ والا فرشتہ صفت مرشد یہاں سے اٹھا اور اس نے دین کا چراغ روشن کیا، ان لوگوں نے محض اللہ کے نام کو آباد کرنے کے لیے اس سرزمین پر پڑاؤ ڈالا، اس کے انعامات سے مستفید ہوتے رہے اور آزمائشوں سے بھی دو چار ہوئے، راحت و آرام کی کچھ ساعتیں بھی ملیں اور افلاس کی سختیاں بھی برداشت کیں۔" (پیش لفظ از؛ خانوادۂ علم الٰہی: ۱۱)

مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی ؒ اسی خانوادہ سے نسبت رکھنے والے ان سیکڑوں افراد میں ایک تھے، جو اخفائے حال اور خلوت پسندی کی صفت میں بہتوں میں ممتاز تھے، مولانا موصوف عالم اسلام کی عبقری شخصیت مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ؒ کے فرزندِ ہمشیرہ تھے، ان کی سرپرستی و نگرانی میں رہ کر تعلیم و تربیت پائی اور کامل بنے۔

انسان کی تعمیر و تشکیل میں اور اس کی ترقی میں بنیادی طور پر تین عناصر اہمیت لیے ہوئے ہیں: (۱) خاندانی پس منظر (۲) ماحول (۳) تعلیم۔ سطور بالا میں خاندان کی نسبت سے علمائے کرام کی شہادتیں ہم درج کر آئے ہیں، گذشتہ صدی کے رجل عبقری علامہ سید سلیمان ندوی ؒ نے خاندان پر خوبصورت اسلوب میں تبصرہ کرتے ہوئے کہا تھا: "مجدد سرہندی اور مجدد دہلوی کے فیض سے خانوادۂ شاہ علم اللہ کی شکل میں ایک سہ آتشہ تیار ہوا" جہاں تک مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی کی مایہ ناز شخصیت کی تشکیل کی بات ہے تو اس میں ان کے علم و عمل اور مزاج و طبیعت کا دخل ہے، اور اس کا بھی دخل ہے کہ اپنی کم عمری میں سیرت و اخلاق کی تربیت ماں اور خالہ سے حاصل کی، دارالعلوم ندوۃ العلماء۔ لکھنؤ کے ماہر اساتذہ سے فیض حاصل کیا، مولانا موصوف اپنے اساتذۂ کرام میں خصوصیت کے ساتھ مولانا محبوب الرحمن ازہری اور مولانا عمران خاں ندوی اور مولانا عبدالحفیظ بلیاوی کا ذکر کرتے تھے، اور ساتھ ہی اپنے زمانہ کے اہل حق مشائخ کرام بالخصوص محدث الہند والعرب مولانا محمد زکریا کاندھلوی کی صحبت پائی، ان سطور بالا عوامل نے ان کی شخصیت کی تشکیل میں خصوصی اثر دکھایا۔

مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی نے اپنا اہم مقصدِ حیات عربی صحافت کے ذریعہ عالم اسلامی کی فکری رہنمائی اور تعلیم و تربیت کو بنایا، ان میدانوں میں عملی زندگی کے آغاز سے وفات تک لگے ہوئے تھے، ان کی عملی زندگی ان دائروں تک محدود نہیں رہی بلکہ تحریر و تقریر (محاضرات) کے ذریعہ مقصد حیات کی تکمیل میں مشغول رہے، مولانا کے دردمندانہ، مخلصانہ اور ہمدردانہ تحریروں اور محاضروں کا نفع عام ہوا۔ جس دور میں مولانا موصوف دہلی میں مقیم تھے میڈیا سے وابستہ رہے، مگر وہاں سے صحیح و سلامت آئے جیسے کوئی فرشتہ پاک صفت انسان کے روپ میں آگیا ہو، دہلی سے آنے کے بعد دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے مختلف شکلوں میں وابستہ رہ کر ادارہ کی علمی و فکری بلندی کی اور طلبہ کو صحیح فکری غذا فراہم کرنے کی مسلسل کوشش میں رہے اور مولانا عبداللہ عباس ندوی کی وفات کے بعد مولانا ممدوح کو دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ میں معتمد تعلیم کا اہم عہدہ سونپا گیا جس پر عمر کی آخری تاریخ تک فائز رہے۔

مولانا موصوف ایک صاحب فکر و نظر عالم دین تھے، مولانا کی نظر عالم اسلام اور مغربی افکار و نظریات پر گہری تھی اور عالم اسلامی میں درپیش مسائل و مشکلات کا حل اپنی صحافتی زبان میں "الرائد" اور "البعث الاسلامی" کے صفحات کے ذریعہ پیش کرتے تھے، مولانا کی متعدد کتب مطبوعہ شکل میں موجود ہیں جن سے ہر کوئی استفادہ کر سکتا ہے، مولانا کی علمی و فکری میراث اس راہ میں قدم رکھنے والوں اور

علماء و دعاۃ اسلام کے لیے منزل تک پہنچنے کے لیے نشان راہ ہے۔

شخصیت کو سمجھنے، احساسات و جذبات اور مقاصد زندگی کو معلوم کرنے کے لیے فکر و خیال کو سامنے لایا جانا ضروری ہوتا ہے تاکہ اس کی روشنی میں اس شخصیت کی اعماق و آفاق معلوم ہوں اور قارئین کے لیے مضمون نگار کے واسطے سے شخصیت کے خیالات و جذبات سے فائدہ اٹھانا آسان ہو۔

نئی نسل میں جو فکری الحاد اور ذہنی ارتداد سیلاب کی طرح آرہا ہے اور اسلام پر اعتماد کی کمی بڑھتی جاتی ہے، مولانا نے وسیع تجربات، وسیع مطالعہ اور ایک صاحب فکر و نظر عالم و داعی کی حیثیت سے اسباب و محرکات کی نشان دہی کی اور اس کے حل، تدارک اور سدباب کے لیے نشان راہ کا تعین کیا ہے، اور فکری انحراف و الحاد اور ذہنی ارتداد کی وجہ اور اس کا علاج بتایا ہے، انھوں نے عالم اسلام کی عبقری شخصیت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے حوالے سے پہلا سبب یہ بتایا ہے کہ ”مسلمانوں کا سب سے بڑا دشمن جدید طبقہ ہے جس نے جدید تعلیم حاصل کی، یہی طبقہ مسلمانوں کے مسائل کا سبب ہے، اس وقت دنیا میں جو کچھ ہو رہا ہے اسی طبقہ کی وجہ سے ہو رہا ہے، عالم اسلام جن مشکلات سے دوچار ہے وہ اسی طبقہ کی وجہ سے ہے، ایک طبقہ اور ہے جو خوشامدی طبقہ ہے جو اگرچہ دینی نظام تعلیم سے نکلا ہے لیکن اپنے مادی فوائد کی وجہ سے ان کا تعاون کرتا ہے، ہماری موجودہ مشکلات کا سبب یہی نظام تعلیم ہے۔“

مولانا نے دوسرا سبب فکری انحراف اور ذہنی ارتداد کا یہ بتایا ہے کہ ”دو نظام تعلیم ہیں، جسے ثنویت سے تعبیر کیا جاتا ہے، جدید نظام تعلیم دین (مذہب) سے بالکل ناواقف رکھتا ہے بلکہ دین سے بغاوت پر آمادہ کرتا ہے جس کو باقاعدہ تیار کیا گیا ہے، مغرب نے ایک ایسی نسل تیار کردی جس کے نام مسلمانوں کے ہیں لیکن دماغ مغرب کا ہے، وہ مغرب کی طرح سوچتا ہے، مغرب کو براہ راست حکومت کی ضرورت نہیں بلکہ نام کے مسلمان مسلم ممالک میں کنٹرول کرسکتے ہیں اور مغرب کے مفاد میں کام کریں گے، عصر حاضر میں دنیا میں فساد و بگاڑ پھیلا ہوا ہے اس کو لوگ اب محسوس کرنے لگے ہیں۔“

مولانا نے اس مرض کا علاج تجویز کرتے ہوئے بتایا ہے کہ ”ایک ایسے نظام تعلیم کی ضرورت ہے جس میں دینی تربیت کے ساتھ عصری معرفت ہو، عصری معرفت کے ساتھ دینی تربیت ہو، اگر دینی تربیت اور عصری معرفت ہوگی تو وہ مسئلہ کا حل ہے۔“ مولانا نے نظام تعلیم میں دو تجربات کا ذکر کیا ہے جن کے نتائج بھی بتائے ہیں؛ ایک یہ ہے کہ مدارس دینی میں عصری تعلیم داخل ہوئی، اور دوسرا تجربہ اس طرح کہ عصری مدارس میں دینی تعلیم شامل ہوئی، دینی مدارس میں عصری تعلیم شامل ہوئی تو عصری تعلیم والے غالب آگئے اور عصری مدارس میں دینی تعلیم داخل ہوئی تو دینی تعلیم والے مغلوب ہوگئے، ان کا ذہن نہ بن سکا۔ اس کے بعد مولانا کہتے ہیں کہ ”ایسا طریقہ اختیار کیا جائے کہ عصری مدارس میں ایسے اساتذہ کا تقرر عمل میں لایا جائے اور ایسا نظام قائم کیا جائے جو دینی ماحول پیدا کر رہا ہو، اس کے لیے ایک شکل یہ ہے کہ دارالاقامے قائم ہوں، اور تربیت کا نظام قائم کیا جائے، تربیتی نظام دینی ہو تو عصری تعلیم حاصل کرنے کے ساتھ طالب علم دیندار بھی ہوگا“۔ مزید کہتے ہیں کہ اس کے لیے علمی و فکری دونوں طریقے سے کام کی ضرورت ہے، اس سلسلہ میں علم ہی کافی نہیں، اس کے ساتھ فکر بھی ہونی چاہیے، کوئی علم دینی حاصل کرے اور فکر غیر دینی ہو تو اس سے فائدہ نہیں ہوگا بلکہ نقصان ہوگا، فکر بھی دینی ہو اور علم بھی دینی ہو تو فائدہ حاصل ہوگا۔

اسلام کے خلاف عصر نو میں اہل مغرب کی ایک خاموش، زبردست اور اندر سے ہی کھوکھلا کرنے والی مہم ہے جس نے تحریک کی شکل اختیار کی ہے کہ اسلام کے خلاف ایسا لٹریچر ان لوگوں کی طرف سے سامنے آیا جو مسلمان ہیں اور جن کے نام مسلمانوں کے ہیں، یہ کام ان سے لیا جاتا ہے، اس کا نتیجہ اس طرح سامنے آتا ہے کہ آدمی مسلمان کی کتاب سمجھ کر پڑھتا ہے، درآنحالیکہ اس میں غیر اسلامی فکر اور اسلام کی تحریف کی کوشش ہو رہی ہوتی ہے۔

دوسری مہم یہ ہے جسے ہم تحریک بھی کہہ لیں کہ اسلام کو علمائے اسلام سے کاٹ دیا جائے اور فکر اسلامی کا ماخذ علماء نہ ہوں بلکہ وہ علماء ہوں جنہوں نے جدید تعلیم حاصل کی ہے، وہ اسلام کی جو تشریح کریں وہ خوب رائج کی جائے، اس کو ہم اسلام کی فکری تحریف کی کوشش

سے تعبیر کرسکتے ہیں، قرآن کی تحریف کی کوشش ناکام ہوگئی، اب فکر اسلامی کی تحریف کی کوشش ہورہی ہے۔

مولانا نے ان کا حل وعلاج پیش کرتے ہوئے بتایا ہے کہ ”اسلامی بنیادوں پر مطلوبہ نصابی لٹریچر تیار کریں، ہم اس لٹریچر سے پہلے واقف ہوں جو اسلام کے خلاف اس وقت نکل رہا ہے، اس کو یونیورسیٹیوں میں پھیلایا جارہا ہے، یہ تحریک جو علمی تحریک ہے، تعلیم کے علاوہ ہمیں اس کا بھی مقابلہ کرنا ہے، اس کے لیے اکیڈمیاں اور تحقیقی ادارے قائم ہوں جو ان کتابوں کا مطالعہ کریں اور ان میں جو غلط اور خراب فکر ہے اس کا معقول علمی جواب دے سکیں، اس کے لیے ایسے محققین پیدا کرنے ہوں گے جو کام کرسکیں اور جو دونوں زبانوں سے واقف ہوں۔“

مولانا نے میڈیا کو علم کے ذریعہ کے طور پر ذکر کیا ہے اور اس کے جو اثرات مرتب ہوتے اور ہوسکتے ہیں ان کا بھی ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ ”علم کا ذریعہ پہلے تعلیم کو سمجھتے تھے، سب سے بڑھ کر کتاب ہے اور استاد ہے، کتاب اور استاد دونوں کا تعلق ختم ہوگیا، اب میڈیا تعلیم کا سب سے بڑا ذریعہ بن گیا ہے، میڈیا کا لوگ استعمال کرتے ہیں، تعلیم حاصل کرتے ہیں، اور مغرب کے افکار ونظریات اور اس کی ثقافت سے واقف ہوتے ہیں اور اس سے متاثر ہوتے ہیں، پھر وہ لٹریچر اور وسائل اعلام جذبات کو متاثر کرتے ہیں۔“

اس اہم مسئلہ کا حل پیش کرتے ہوئے مولانا کہتے ہیں کہ ”میڈیا کی طرف ہمیں توجہ دینے کی ضرورت ہے، یا تو ہم اس کا جواب دیں یا اپنا ایک ایسا میڈیا کا نظام قائم کریں جو ایسے میڈیا کا متابعہ کرے۔“

اسلام کے خلاف جو تحریکات چل رہی ہیں ان کا مقابلہ کرنے کے لیے اور نئی نسل سے ذہنی ارتداد اور فکری انحراف کو دور کرنے کے لیے تین چیزوں کی طرف توجہ دینے کی اشد ضرورت ہے، ایک یہ کہ مدارس کا نظام درست کیا جائے، دوسرے یہ کہ تحقیقی ادارے قائم کیے جائیں اور تیسرے یہ کہ میڈیا کی طرف توجہ دی جائے، اگر ان چیزوں کی طرف توجہ دی جائے گی تو اسلام کے احیاء، بقاء اور حفاظت کے مقصد کو حاصل کرسکتے ہیں۔ مولانا کی فکروں کو سمجھنے کے لیے (۱) ”موجودہ مغربی تہذیب وتمدن اور عالم اسلام“ (۲) ”نظام تعلیم وتربیت“ (۳) ”عالم اسلام پر فکری یلغار“ اور (۴) ”مسئلہ فلسطین“ جیسی اہم کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہیے جن سے عالم اسلام کی صحیح صورت حال کی عکاسی ہوتی ہے اور ان مشکلات ومسائل کو بتایا گیا ہے جن سے عالم اسلام دوچار ہے، اور ان کا حل بھی پیش کیا گیا ہے۔

مولانا موصوف نے ایک اسلامی مفکر وداعی کی حیثیت سے امت مسلمہ کی رہبری کی اور اپنے قیمتی ومؤثر مضامین ومقالات کے ذریعہ عالم اسلام وعالم عربی کی فکری رہنمائی فرمائی ہے، مولانا کے قلم وزبان کا رخ عالم عربی واسلامی کی طرف زیادہ تھا، انہوں نے اپنے مضامین ومقالات میں عالم اسلام میں درپیش یا پیش آنے والے سیاسی اور ثقافتی مسائل کا حل پیش کیا، صحیح تعلیمی نظام کی رہنمائی کی، فکری انارکی دور کرنے کی کوشش کی، تجدد پسند اہل فکر مسلمانوں کے افکار ونظریات اور رجحانات سے پردہ اٹھایا اور مغرب سے پیدا شدہ عالم عربی واسلامی کے مسائل، منڈلاتے خطرات اور خفتہ سازشوں کو واضح کیا اور مسلم قوم کی رہنمائی فرمائی۔

مولانا گذشتہ صدی کی عبقری شخصیت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ سے نسبی قربت کے ساتھ شاگردی کا شرف بھی رکھتے تھے، اور مولانا موصوف حضرت مولانا کے ان تلامذہ میں تھے جن کو خصوصی تربیت حاصل ہوئی، اس لیے مولانا کو حقیقت حال اور مسائل کی نزاکت وغیرہ کو سمجھنے کا خوب موقع ملا، مولانا موصوف آل انڈیا ریڈیو کے شعبۂ عربی سے کچھ عرصے تک وابستہ رہے، اور وہاں سے استعفا دے کر دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ آکر طلبۂ علوم اسلامی اور جویان ادب عربی کے اندر لکھنے پڑھنے اور فن میں مہارت پیدا کرنے کی عملی فکر کرتے رہے، ساتھ ہی مغرب کے فکری حملے اور اعتقادی وتہذیبی ارتداد اور فکری انحراف کا مقابلہ بھی کرتے رہے، مولانا موصوف کی تحریروں اور مضامین میں واقفیت وفکری بصیرت کے ساتھ حقیقت پسندی اور ملی جذبہ کارفرما ہے، اسلوب تحریر علمی اور تجزیاتی ہے، مولانا کی تحریروں میں ایک نمایاں پہلو یہ بھی ہے کہ اعتدال وتوازن ہے اور ہر دور میں اسلام کی قیادت ورہنمائی کا غیر متزلزل ایمان ہے، جس کی اساس قرآن وسیرت اور تاریخ کا گہرائی سے مطالعہ ہے۔ ضرورت ہے کہ مولانا کی تمام علمی وفکری اور ادبی تحریروں کو شائع کیا جائے تاکہ بیاباں کی شب تاریک میں ”قندیل رہبانی“ کا کام دے سکیں۔

ہمت افزائی کے پیکر

مولانا محمد بن یوسف ندوی (کناڈا)

"اگر استاد نالائق بچے میں یقین پیدا کردے کہ وہ لائق ہوسکتا ہے تو بچے کی تقدیر بدل سکتی ہے۔"

یہ وہ کلمات ہیں جن کو پڑھنے سے آج دل اشکبار ہوجاتا ہے اور ہمارے سب سے عزیز و پیارے استادِ محترم حضرت مولانا محمد واضح رشید حسنیؒ کی یادیں تازہ ہوجاتی ہیں اور ان کی صحبت میں گزرے ہوئے لمحات دل و دماغ میں گردش کرنا شروع کردیتے ہیں۔ آج ان کے متعلق "رحمۃ اللہ علیہ" لکھنا یا بولنا بہت عجیب محسوس ہورہا ہے۔ ایک وہ وقت تھا جب ہم شکستہ دل، بے حوصلہ اور کم ہمت تھے، روشنی کی کرن ہی کہیں نظر نہ آتی تھی، جس طرف بھی نظر کو گھماتے، تاریکی کے علاوہ کچھ نظر ہی نہ آتا۔ جس جہت کا بھی رخ کرتے، راہ میں رکاوٹیں ہی پاتے، طعن وطنز کے شکار، ہر طرف سے طعنے اور تنقیدی کلمات ہی سننے کو ملتے، ہمت دلانے والا اور حوصلہ بڑھانے والا ہی کوئی نہیں، زخموں کو اور گہرا کرنے والے تو بہت ملتے، اس پر مرہم لگانے والا ہی کوئی نہیں، ایسا محسوس ہوتا کہ بس ہماری تقدیر ہی ایسی ہے، مستقبل بس تاریک سے تاریک ہی نظر آتا، زندگی کے دھارے کے ساتھ ہم بھی چلے جارہے تھے، بس ایک ایسی زندگی تھی گویا بھٹکا ہوا پیاسا وسط صحراء میں، محبت کے پیاسے، تھکے ہارے، زندگی سے مایوس کہ اللہ تعالی کا خاص فضل و کرم ہوا اور ہماری آمد دارالعلوم ندوۃ العلماء میں ہوئی، پھر کچھ عرصہ گزرنے کے بعد اس اللہ کے پیارے بندہ شخصیت عظمیٰ حضرت مولانا محمد واضح رشید حسنیؒ سے تعلق قائم ہوا اور پھر ایسا تعلق ان سے اور ان کے عظیم خاندان سے ہوا کہ بس ہم انہیں کے ہوکر رہ گئے۔ وللہ الحمد علی ذلك

جب اس ناچیز کا حضرتؒ سے تعلق قائم ہوا، تو ایسا محسوس ہوا کہ جن کی تلاش تھی ایک زمانے سے وہ مل گئے اب ہمیں، دبلے پتلے، متواضع، مخلص، ایک علم کا سمندر اور بے شمار خصوصیات کے مالک لیکن ان سب کے باوجود ان کے اس حقیر، گنہگار، نالائق شاگرد (راقم) سے ایسے پیش آئے گویا کہ وہ بہت لائق ہو، اس کے ساتھ ایسے تکلم فرماتے گویا وہ بھی ایک ماہر فن ہو، اس کے تمام نقائص وعیوب سے واقفیت کے باوجود بار بار ان پر چشم پوشی فرماتے ہوئے اس کی ہمت وحوصلہ میں روح پھونکتے رہتے، بار بار تعریفی کلمات سے نوازتے اور اس کی ہمت افزائی میں کوئی کسر نہ چھوڑتے۔ کبھی کوئی منفی بات نہیں، ہمیشہ اس کے سامنے مثبت باتیں ہی رکھتے اور اس کی توجہ صرف مثبت پہلوؤں کی طرف فرماتے۔ وہ محض ایک استاد نہیں تھے۔ اپنے زمانے کے صف اول کے ماہرین فن میں سے تھے۔ واقعی ایک علم کا سمندر تھے۔ ایک بے مثال شخصیت اور اللہ والے تھے۔

ان کے متعلق کیا کیا لکھا جائے! ایسی شخصیت جو کہ کتنوں کی قسمت جگا کر چل دیے، کتنوں کے اندر حوصلہ و ہمت پیدا کر گئے اور کتنے نالائقوں کو لائق بنا گئے۔ کبھی کوئی بڑائی نہیں، کوئی دکھاوا یا اپنے کمالات کا اظہار نہیں۔ بس سب کچھ صرف "اللہ کے واسطے" کر گئے۔ آج دنیا کے سامنے ان کی شخصیت کھل کر سامنے آرہی ہے کہ کیسے عظیم انسان دنیا سے کوچ فرما گئے۔ چنانچہ ہم بھی ان حقیر نالائقوں میں سے ہیں جن کو حضرتؒ کچھ کام کے قابل بنا کر چل دیے۔ ہمیں یہ پیغام دے گئے کہ ہم بھی کامیاب بن سکتے ہیں۔ ہم بھی بہت کچھ کام انجام دے سکتے ہیں اور ہمارا مستقبل بھی روشن و تابناک بن سکتا ہے۔ حوصلہ و ہمت کیا دے گئے، ہر خیر کو حاصل کرنے کے امکان ہونے کا یقین دلا گئے۔ دل و دماغ میں بٹھا گئے کہ چاہے دنیا کچھ بھی کہے، مستقبل ان کے ہاتھ میں نہیں۔ ہم اپنی جدوجہد کرتے رہیں، منزل مقصود تک پہنچ جائیں گے ہم۔

ہمیں وہ پہلا واقعہ اچھی طرح یاد ہے جس نے ہمیں حضرت

مولاناؒ کا شیدائی و فدائی بنا دیا۔ رمضان مبارک کا مہینہ تھا۔ مسجد شاہ علم اللہ کی خانقاہ میں ہم ٹھہرے ہوئے تھے۔ حضرتؒ نے ایک مضمون لکھ کر لانے کو فرمایا۔ لہٰذا بڑی محنت، بار بار رد و بدل کر کے، لغت میں بار بار دیکھ کر ہم نے ایک مضمون تیار کر کے حضرتؒ کو سنایا جو عربی سوم کے طالب علم کے مضمون کے مانند تھا۔ ہم سنا تو رہے تھے، لیکن اندر سے سہمے ہوئے کہ مولاناؒ کا تاثر کیا ہوگا؟۔ آہ! جیسے ہی ہم نے ختم کیا، مولاناؒ نے انتہائی خوشی میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھائے "ارے شاباش! شاباش! آپ تو بہت بڑے ادیب ہیں!" یقین مانیے، مولاناؒ نے جس انداز سے ہمیں سراہا کہ ایسا لگا کہ واقعی مولاناؒ اسے مان رہے ہیں اور دل کی گہرائی سے یہ بات فرما رہے ہیں۔ ہماری خوشی کی تو انتہاء نہ رہی کہ اتنے عظیم شخص یہ بات فرما رہے ہیں لیکن ان کے اس انوکھے اور حیرت کن طریقۂ کار سے ہم بہت متاثر ہوئے۔ ایسا لگا کہ جس کی تلاش تھی وہی مل گیا۔ حضرتؒ ایسا بھی فرما سکتے تھے کہ "بہت اچھا لکھا، لیکن ابھی بہت محنت کی ضرورت ہے" اس مضمون کو سننے کے بعد رات کو اور حوصلہ افزائی کے لیے ہم سے فرمایا کہ "ہم نے دیکھا کہ آپ کی استعداد بہت اچھی ہے، فلاں کتاب کا مطالعہ کیجیے گا۔"

یہ بھی عجیب بات ہے کہ جب بھی حضرتؒ کسی بات پر سراہتے یا ہمت افزائی فرماتے، تو صرف مثبت باتوں کا پہلو ہی نمایاں ہوتا اور منفی پہلو کا کوئی نام و نشان نہ ہوتا۔ کبھی کوئی ایسا تنقیدی کلمہ نہ فرماتے جس سے دل تھوڑا بھی زخمی ہو بلکہ ہمت افزائی فرما کر ترغیب ہی فرماتے رہتے کہ ایک نہ ایک دن تمام قابل اصلاح چیزوں کی اصلاح خود بہ خود آگے بڑھتے رہنے سے ہو جائے گی اور یہ کامیاب بن جائے گا۔ چنانچہ یہ ان کی ہمت افزائی چھوٹوں تک محدود نہ تھی بلکہ ہم نے دیکھا کہ جہاں بھی کسی جلسہ، مدرسہ یا کسی خاص موقع پر انکی تقریر ہوتی تو منتظمین یا جو بھی اس موقع کے ساتھ خاص ہوں ان کو سراہے بغیر اور ان کی ہمت افزائی کیے بغیر تقریر ختم ہی نہ ہوتی۔ بڑوں کے ساتھ ہمت افزائی بھی ایسی کہ ایک مرتبہ ندوہ کے ایک مؤقر استاد سے ہماری بات ہوئی حضرتؒ کے تعلق سے تو وہ فرمانے لگے کہ "آج کچھ مہمان آئے ہوئے تھے تو حضرت مولانا واضح صاحب نے تو ان سے فرمایا کہ "ان (استاد) کی تو عربی و اردو دونوں یکساں ہیں" یقیناً وہ استاد عربی و اردو میں ایسی کمال کی قابلیت رکھتے ہی ہیں، لیکن بات یہ تھی کہ حضرتؒ نے وہاں بھی ہمت افزائی کا موقع نہ چھوڑا۔

واقعہ یہ ہے کہ حضرتؒ جب بھی ہمت افزائی فرماتے، تو دل کی گہرائی سے فرماتے اور ان کے ہمت افزاں یا تعریفی کلمات ایسے مؤثر ہوتے کہ جس کے متعلق فرماتے، اس کا دل بہت بڑا ہو جاتا اور حضرت مولاناؒ اس کے دل میں جگہ پا جاتے۔ ان کے ہمت افزاں کلمات زبان خرچ نہ ہوتے بلکہ واقعی ایسا لگتا کہ مولانا اسے خود مان رہے ہیں اور دل کی گہرائی سے یہ سب فرما رہے ہیں۔ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ یہ کام ہر کس و ناکس بھی نہیں کر سکتا۔ اس لیے کہ ایک طرف حضرت مولاناؒ کا اخلاص ہوتا اور دوسری طرف مخاطب اچھی طرح سمجھتا کہ یہ کونسی عظیم ہستی ہیں جو اس کے متعلق یہ سب فرما رہی ہیں۔ بہر حال ہر شخص ان کی طرح بننے کی کوشش تو کر سکتا ہے۔

چنانچہ ایک موقع پر حضرتؒ کے ایک شاگرد ندوہ تشریف لائے جن کی شہرت کا پورے عالم میں ڈنکا بجتا ہے تو ہم نے حضرتؒ کے پاس جا کر ان کا تذکرہ کیا اور دریافت کیا کہ "کیا وہ آپ کے شاگرد ہیں؟" تو تواضعاً فرمانے لگے "ہاں! وہ ہم سے آگے نکل چکے ہیں، ایک دن آپ بھی ہم سے آگے نکل جائیں گے" تو ہم نے کچھ ایسے کلمات کہے کہ "ہم کیسے!" تو بڑے جوش سے فرمانے لگے "علم کسی کے باپ کی کنجی تھوڑی ہے" یہ کلمات بھی اس طور پر حضرتؒ نے فرمائے کہ ہمارا دل بہت بڑا ہو گیا حالانکہ ہم نے جانا ہماری نااہلیت کو، لیکن قربان جائیے مولاناؒ کے طرز تربیت پر کہ یہ کلمات اس انداز سے فرمائے کہ ہمارے اندر ہمت پیدا ہو گئی، حوصلہ بڑھ گیا کہ واقعی مولانا جیسی عظیم شخصیت یہ بات فرما رہی ہے کہ ہمارے لیے بھی روشنی آگے منتظر ہے۔ بار بار یہ فرماتے "آپ اپنے اندر ہمت پیدا کیجیے" "حوصلہ بلند کیجیے"۔ کبھی فرماتے: "ابھی تو آپ کو بہت کام کرنا ہے" ایک مرتبہ ہم نے حضرت مولاناؒ سے عرض کیا کہ "ہم بہت غمگین ہیں" تو فرمانے لگے "فلاں فلاں کتاب کا مطالعہ کیجیے گا، ابھی تو آپ کو بہت کام کرنا ہے" ایک مرتبہ کسی بات پر

ہم نے عرض کیا کہ ”معلوم نہیں کہ آپ کی عمر کے قریب پہنچوں گا بھی یا نہیں، مجھے تو لگتا ہے کہ بہت جلد بوڑھا ہو جاؤں گا“ تو فرمانے لگے ”نہیں! آپ تو لمبی عمر جیئیں گے انشاء اللہ، ابھی تو آپ کو بہت کام کرنا ہے“ ہمیشہ ہماری منفی سوچ اور مایوسی کو اپنے انوکھے طرز تربیت سے دور فرماتے رہتے اور ہمارا حوصلہ و ہمت کو بڑھاتے رہتے۔ ایسے شخص سے محبت نہیں تو اور کیا ہو سکتا ہے! جان بھی ان کے لیے قربان ہو جاوے تو کوئی بڑی بات نہیں۔ آج دل کی گہرائی سے ہم یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ اتنی مایوسی اور پست ہمتی کے بعد اگر کسی نے ہمارے اندر خود اعتمادی اور بلند ہمتی کی تھوڑی بھی روح اللہ کے فضل سے پھونکی ہے، تو وہ استاذ محترمؒ کی ذات مکرم ہے۔ آج جب ہمارا کوئی خطاب ہوتا ہے عوام میں اور اللہ کے فضل سے خطاب مؤثر ہوتا ہے جس کا اثر خود ہم پر اور عوام پر بھی پڑتا ہے، تو دل بے ساختہ بول پڑتا ہے ”آہ واضح! آہ رابع!“ یہ دل کی آواز ہوتی ہے۔ آج جب چھوٹے بچوں کو مکتب میں ہم پڑھاتے ہیں، تو کبھی کبھار غصہ کا غلبہ ہو جاتا ہے اور اچانک حضرتؒ کی تصویر سامنے آجاتی ہے۔ ہم نے دیکھا کہ جب بھی ہم غصہ ہوتے ہیں، اس کا کچھ خاص فائدہ نہیں ہوا ہے، لہذا حضرتؒ کے طریقہ کار کو سامنے رکھتے ہوئے بار بار ہماری یہ کوشش ہوتی ہے کہ بچوں کو تعریفی کلمات سے نوازیں اور ان کی حوصلہ افزائی کریں۔ اور الحمد للہ ہم نے اس کے بڑے اچھے نتائج دیکھے۔ یہ وہ چیزیں ہیں جو بچے اپنے ساتھ پوری زندگی رکھتے ہیں۔

چنانچہ جب حضرتؒ کو ہم قرآن کریم سناتے تو بار بار سراہتے، فرماتے ”آپ بہت اچھا پڑھتے ہیں، آپ پڑھتے ہیں تو ہمیں بہت اچھا لگتا ہے“ کبھی اپنے پوتے مولانا خلیل صاحب سے ہمارا ذکر فرماتے کہ ”محمد کو قرآن سے بہت تعلق ہے، پڑھتا ہی جاتا ہے“ بہر حال یہ تو ان کا حسن ظن تھا، کبھی ہم آتے قرآن سنانے کے لیے تو فرماتے ”آپ تو بہت پابند ہیں“ اور کبھی مہمان خانہ کے ملازم سے بھی یہ بات فرماتے حالانکہ ہماری غفلت کی وجہ سے ہمارا سنانے کا کبھی بار نا نہ ہوا۔ لیکن یہ ان کے انوکھے، بے مثال تربیت کا انداز تھا کہ آدمی کا دل کبھی نہ ٹوٹے اور اس کی تربیت بھی ہوتی رہے۔ اللہ اکبر! کیا طریقہ کار تھا۔

چنانچہ حضرتؒ کے اندر یہ بھی عجیب بات تھی کہ کبھی یہ نہ فرماتے کہ ”آپ ایسا کیوں کر رہے ہیں، آپ نے ایسا کیوں نہیں کیا“ ہمیشہ باتوں میں مثبت پہلو ہی نمایاں ہوتا۔ لہذا جب بھی ہماری فون پر بات ہوتی تو بار بار یہی فرماتے ”آپ تقریر کیجیے“ ”آپ خطیب بن جائیے“ ”آپ دین کا کام کیجیے“ ”آپ دین کے کام میں لگے رہیے“ ”آپ دعوت دیجیے“ وغیر وغیرہ۔ جب ہم کسی کام تذکرہ کرتے تو یہی جواب ہوتا ”بہت اچھا، لگے رہیے۔“

یہ طرز تربیت اور ہمت افزائی صرف متعلقین کے ساتھ خاص نہ تھی۔ رشتہ داروں کے ساتھ بھی یہی معاملہ تھا بلکہ اس سے بڑھ کر تھا۔ خاص طور پر اپنے پوتوں کی تو بار بار ہمت افزائی فرماتے رہتے اور ان کی چھوٹی چھوٹی باتوں پر سراہتے۔ چنانچہ ایک مرتبہ مولانا کا پوتا عبد الحی تشریف لایا تو باتوں کے دوران مولاناؒ نے ہم سے فرمایا: ”یہ بہت ہوشیار اور بڑا تیز ہے“ یہ ظاہراً تو محض ایک جملہ ہی تھا لیکن ایسے ہی جملے زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ایک مرتبہ ہم اور عبد الحی مولاناؒ کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے تو فرمانے لگے ”حضرت مولاناؒ اس (عبد الحی) کو بہت چاہتے تھے کہ اس کا نام اور ان کے والد صاحبؒ کا نام ایک ہے“ جب پہلی مرتبہ رائے بریلی حاضری ہوئی تو آپ نے اپنے پوتے مولانا خلیل صاحب کی جانب دیکھ کر ہم سے فرمایا: ”ان کی عربی بہت اچھی ہے، ان سے عربی پختہ کرلو“ یہ ایک طرف تو ہمیں حکم تھا اور دوسری طرف اپنے پوتے کے لیے ہمت افزائی کی بات تھی، ایک مرتبہ قرآن سناتے وقت مولانا خلیل صاحب کا فون آیا اور بات چلی خاندان میں کسی شادی کے متعلق، تو مولانا خلیل صاحب کہنے لگے کہ ”ابو آپ کی توجہات اور دعائیں رہیں جن کے نتیجہ میں سب کچھ اچھا رہا“ تو مولاناؒ بار بار اس کی نفی فرماتے رہے اور فرمایا: ”آپ نے تو بہت اچھا انتظام فرمایا اور سب بہت خوش رہے۔ آپ کو مبارک ہو“ اس سب کو سن کر میں محو حیرت میں رہ گیا کہ کیسی شفقت، کیسی ہمت افزائی اور کیسی حوصلہ افزائی! استاد ہو تو ایسا، باپ ہو تو ایسا اور دادا ہو تو ایسا جس کی باتوں سے دل مضبوط ہو جائے، ہمت بڑھے، حوصلہ بلند ہو جائے، اور خود

اعتمادی بحال ہوجائے اور احساس کمتری خاک میں مل جائے۔
حقیقت تو یہ ہے کہ اپنے پوتوں کی موجودگی اور عدم موجودگی دونوں میں ان کی بہت تعریف فرماتے۔ جب بھی ان کے پوتے مولانا خلیل صاحب تشریف لاتے تو بہت خوش ہوجاتے اور فرماتے "ابھی ہم آپ کے متعلق ہی سوچ رہے تھے۔"

بہر حال جہاں حضرت مولاناؒ کی زندگی ایک نمونہ اور لوگوں کے لیے راہ عمل ہے۔ ایک پیغام بھی دیتی ہے ان حضرات کو جو کتنے چھوٹوں کی زندگیاں اپنے طعنے، تنقیدی کلمات اور منفی باتوں سے برباد کر ڈالتے ہیں۔ اور جو اپنے چھوٹوں کی تعریف اور ان کی ہمت افزائی کرنے سے بھی گریز کرتے ہیں، تکبر کے ڈر سے حالانکہ اخلاص کی ابتداء ہی ریا ہے۔ جب تک کہ چھوٹوں کی تعریف نہ کی جائے اور ان کی ہمت افزائی نہ ہو، اس وقت تک وہ آگے بڑھ ہی نہیں سکتے۔ یہ ایک حقیقت ہے! حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حدیث میں بھی چھوٹوں پر شفقت کا ذکر پہلے ہے۔ جب تک کہ چھوٹوں پر شفقت نہ کی جائے، محبت و ادب چھوٹوں میں پیدا ہونا مشکل۔ "لَیْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ یَرْحَمْ صَغِیرَنَا وَیَعْرِفْ شَرَفَ کَبِیرِنَا" محبت سے پیش آنا پہلے ضروری، پھر دوسری جانب سے محبت کا تصور کیا جاسکتا ہے۔ "لا خیر فیمن لا یؤلف و لا یؤلف" آج کی جدید سائنس بھی یہ بات کہتی ہے کہ جو لوگ تعریفی کلمات اور محبت سے محروم رہ جاتے ہیں، ان میں طرح طرح کی خرابیاں پیدا ہوجاتی ہیں اور بہت سے خیر سے وہ محروم رہ جاتے ہیں۔

بہر حال حضرتؒ ایک ایسی موثر اور قابل رشک زندگی گزار کر گئے جو آج لوگوں کے لیے ایک نمونہ ہے۔ خاص طور پر حوصلہ افزائی وہمت افزائی کے باب میں ہر بڑے اور ہر انسان کے لیے نمونہ ہے کہ کیسے ایک بڑے کو اپنے چھوٹوں کے ساتھ پیش آنا چاہیے اور کیسے ایک انسان کو دوسرے انسان کے ساتھ۔ یہ ان کی طرز تربیت اور ہمت افزائی کا ہی نتیجہ ہے کہ آج ان کے ہزار ہا شاگرد کامیاب ہیں اور کتنے تو اعلیٰ منصب پر فائز ہیں۔

اللہ سے دعا ہے کہ ہمارے پیارے حضرتؒ کو اعلیٰ علیین میں جگہ نصیب ہو اور فردوس اعلیٰ ان کا ماوی وٹھکانہ ہو۔ آمین!

تصنیف وتالیف کا مقصد

"آج کے اس دور میں زندگی کے ہر میدان میں مادیت پرستی کا دور دورہ ہے، ہر قول وفعل کی بنیاد سیاسی وشخصی مصلحت ہوتی ہے، راست گوئی کے مقابلہ میں کذب وافتراء کا بازار گرم نظر آتا ہے، کسی بڑی شخصیت یا کسی بڑی تحریک ودعوت اور ادارہ کا محاسبہ کرنے اور بہتان لگانے کا ہر شخص اپنے کو اہل سمجھتا ہے، چاہے اس کا دامن کتنا ہی داغدار کیوں نہ ہو، آزادیٔ تحریر وتقریر اور وسائل نشر واشاعت نے خاص طور سے وسائل ابلاغ کی کثرت نے اس کام کو اور آسان بنا دیا ہے، تقریر وتحریر کے اس غلط استعمال نے ذہنی بے راہ روی اور لوگوں کے اخلاقی اور فکری انتشار میں اضافہ کر دیا ہے، حیرت تو اس وقت ہوتی ہے جب کوئی صاحب قلم معاملہ کو بالکل پلٹ دیتا ہے، اور اسے وہ اپنا کمال سمجھتا ہے، بعض اہل قلم کی نگارشات کا اگر رکارڈ جمع کیا جائے تو عجیب وغریب ذہنی قلابازیوں کا مظاہرہ نظر آتا ہے۔ بہر حال اس زمانہ میں تصنیف وتالیف کا کام بس ایک پیشہ بن کر رہ گیا ہے جب کہ یہ ایک بڑی ذمہ داری کا کام تھا اور اس کے لیے تحقیق وجستجو اور امانت داری کی ضرورت تھی، لیکن اس وقت وہ پراگندہ خیالی اور ذہنی پریشانی کا سبب بن گیا ہے، یہ رجحان انتہائی خطرناک ہے اس لیے کہ کوئی کتاب، رسالہ یا اخبار اپنی تاثیر میں مہلک ہتھیار سے کسی طرح کم نہیں، کیونکہ وہ ذہن سازی کا رول ادا کرتا ہے، اور ذہن ہی وہ قائد ہے جو انسانوں کو اسلحہ کے استعمال کا صحیح طریقہ بتاتا ہے، تو جب تک اس کے ساتھ بلند اصول، اعلیٰ مقاصد اور صالح رہنمائی کا عظیم عنصر نہیں ہوگا وہ لوگوں میں خون خرابہ اور عناد ودشمنی کا بیج بوتا رہے گا جیسا کہ اس کے اثرات اس وقت ظاہر ہو رہے ہیں۔"

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

کچھ یادیں — کچھ باتیں ابا کی

مولانا محمد امین حسنی ندوی (دائرہ شاہ علم اللہ (تکیہ کلاں) رائے بریلی)

وہ میرے دادا تھے اور ہم بھائی بہن اپنے دادا کو ابا کہتے تھے، ابا کی شخصیت، ان کی فکر، ان کے اسلوب، ان کی صحافتی زندگی، ان کی ادبی خصوصیات، اور ان کے علمی مقام و مرتبہ پر لکھنے والوں نے بہت کچھ لکھا ہے اور آئندہ لکھتے رہیں گے، میں تو یہاں پر ان کی انفرادی زندگی کے پہلوؤں کو سامنے لانا چاہوں گا جو ہماری اخروی زندگی کو بہتر بنا سکتے ہیں۔

قرآن پاک کے بارے میں آتا ہے جب اہل ایمان کے سامنے اس کی آیات تلاوت کی جاتی ہیں تو ان کا ایمان مزید ترقی کرتا ہے اور ان کا اپنے رب پر بھروسہ بڑھتا ہے {إِنَّمَا الْمُؤْمِنُونَ الَّذِينَ إِذَا ذُكِرَ اللَّهُ وَجِلَتْ قُلُوبُهُمْ وَإِذَا تُلِيَتْ عَلَيْهِمْ آيَاتُهُ زَادَتْهُمْ إِيمَانًا وَعَلَى رَبِّهِمْ يَتَوَكَّلُونَ/الانفال/ ۲} ابا کی قرآن کریم سے وابستگی اور اس سے خاص تعلق جس کا مشاہدہ ہم نے اس وقت کیا جب ہم حافظ ہوئے اور ہم نے پہلی تراویح مسجد دائرہ شاہ علم اللہ حسنی رحمہ اللہ میں سنائی، ہم نے قرآن پاک کا حفظ صفحات کے اعتبار سے کیا تھا اور صفحات کے اعتبار سے جب آدمی رکوع کرتا ہے تو کہیں کہیں بات ادھوری ہو جاتی ہے اور مفہوم واضح نہیں ہو پاتا، یہ چیز ابا سمجھتے تھے اس لیے تراویح کے معا بعد ہم کو متنبہ کرتے اور فرمایا کرتے تھے کہ کسی ایسے حافظ کو سناؤ جو عربی زبان سے بھی واقف ہو اور صحیح مخارج بلکہ تجوید سے بھی کچھ نہ کچھ واقفیت رکھتا ہو، جب تک ابا کی آنکھ کی بینائی رہی تب تک قرآن پاک کا معمول خود پڑھنے کا تھا اور کبھی کبھی پارے پڑھنے کا تھا لیکن ادھر چند سالوں سے آنکھ کی بینائی چلی جانے کی وجہ سے قرآن پاک سننے کا معمول تھا، اور اس میں ایسی پابندی تھی کہ شاید ہی کبھی ناغہ ہوا ہو، سفر ہو حضر ہو جہاں بھی ہوں، حتی کہ اگر اس وقت گاڑی سے کہیں سفر کر رہے ہوں یا ٹرین کا سفر ہو تب بھی سنتے تھے، ادھر تین چار سالوں سے احقر کا تقریباً ہر سفر میں ساتھ رہا، وہاں پر بھی پابندی دیکھی، سنانے والا چاہے بھول جائے مگر ابا کبھی نہیں بھولتے تھے، اور ہم کو ایسا لگتا تھا کہ ابا پورے دن اس پر غور کرتے تھے کیوں کہ جہاں تک صبح سنتے شام کو اس کے آگے کا بتا دیتے کہ اس کے آگے سے سننا ہے، جب کہ وہ حافظ نہیں تھے، لیکن اتنی فکر کہ کہیں چھوٹ نہ جائے اور اگر کبھی کوئی سنانے والا نہ ملا تو دوسرے دن یا دوسرے وقت اس کو پورا کرتے، ہم سے کہتے تھے کہ صبح قرآن پڑھنے کا معمول بناؤ اور اس کو پڑھے بغیر کوئی کام نہ کرو، اور فرماتے تھے کہ جب سے حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ سے تعلق قائم ہوا ہے تب سے آج تک کوئی کام بغیر قرآن مجید کی تلاوت کے نہیں کیا، اور یہ معمول تقریباً ۶۰/سال پر محیط ہے، ہم کو ابا ہی نے تفسیر سے تخصص کرنے کا حکم دیا تھا اور فرمایا تھا کہ تم حافظ ہو اس سے تم کو فائدہ ہوگا، کبھی بار ایسا ہوا کہ ہم نے ابا سے قرآن کریم میں کچھ ایسے الفاظ جو کئی معنوں میں استعمال ہوتے ہیں ان کے بارے میں پوچھا تو جہاں جہاں ان کا استعمال ہوا ہے اور کن کن معنوں میں استعمال ہوا ہے اس کے بارے میں بتاتے، کہیں اگر کوئی لفظ زائد ہے یا کم ہے تو اس کے بارے میں بتاتے اور کئی تفسیر کی کتابوں کے نام بتاتے کہ ان میں اس کی تشریح کس طرح کی گئی ہے۔

ابا کے متعلق سب یہی سمجھتے ہیں کہ ان کا اصل موضوع عربی ادب اور فکر اسلامی تھا اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ اس موضوع پر مرجع تھے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ان کو قرآن و حدیث سے غیر معمولی شغف تھا اس کی طرف عام طور پر لوگوں کی نظر نہیں گئی کیوں کہ ابا نے کبھی قرآن کے موضوع پر یا حدیث کے موضوع پر درس نہیں دیا کیوں کہ ابا اس کو بڑی ذمہ داری کا کام سمجھتے تھے ایک مرتبہ ابا عباسیہ ہال میں پڑھا رہے تھے اور دوسرے درجہ میں حضرت مولانا

برہان الدین سنبھلی صاحب کا کشاف کا درس تھا حضرت مولانا اپنے طلباء کے ساتھ عباسیہ ہال آگئے اور ابا سے کہا کہ یہاں ہم کو پڑھانا ہے کیوں کہ دوسری جگہ ہم کو پریشانی ہوتی ہے، ابا نے پوچھا آپ کون سی کتاب پڑھاتے ہیں؟ انہوں نے فرمایا کہ کشاف! ابا فورا اپنی کرسی سے اٹھے اور فرمایا کہ ادب تفسیر کے برابر نہیں ہوسکتا ،قرآن مجید کی عظمت نے ان کو اس جگہ سے اٹھادیا اس طرح کے بے شمار واقعات ہیں، کتنی دفعہ ایسا ہوا کہ لفظ کے معنی نہیں بتائے کہیں غلطی نہ ہوجائے اگر کوئی پوچھ لیتا تو فرماتے کسی دوسرے سے پوچھو، کتنی دفعہ اچھے ابا (حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی) سے معنی پوچھے جب کہ خود ان کو معلوم ہیں لیکن ادب بڑے سے پوچھتے۔

ابا نے قرآن مجید کو اتنا پڑھا تھا کہ اس کی ایک ایک چیز کو ازبر کرلیا تھا، رمضان المبارک میں قرآن پاک کی تلاوت سننے کا معمول بڑھ جاتا غیر رمضان میں جہاں دو پارے سننے کا معمول تھا وہیں رمضان میں پانچ پارے روزانہ سننے کا معمول تھا، ایسا لگتا تھا کہ ابا کو قرآن مجید سے عشق ہے، ہم سے فرماتے کہ سورہ یٰسین روزانہ فجر میں پڑھنے کا معمول بناؤ اور کم از کم دو پارے پڑھے بغیر کوئی کام نہ کیا کرو، اس سے برکت ہوتی ہے، یہ ہمارے لیے خوش قسمتی ہے کہ ابا سے براہ راست استفادہ کا ہم کو موقع ملا، علیا ثانیہ شریعہ میں فکر اسلامی کا گھنٹہ تھا، عام طور پر محاضرہ کی ابتداء قرآن مجید کی تلاوت سے کرتے، کبھی بار ایسا ہوا کہ آیات سن کر ان پر گریہ طاری ہوا، اور اس کا اثر محاضرہ میں صاف محسوس ہوا، قرآن مجید سننے کا معمول انتقال تک جاری رہا، کوئی دن بغیر پڑھے یا سنے نہ گذرا، انتقال بھی قرآن مجید کی آیات سنتے ہوئے ہوا۔

ابا کے اندر مسجد سے خاص تعلق تھا یہ تعلق کم لوگوں میں دیکھنے کو ملتا ہے، ایسا لگتا ہے کہ وہ اس حدیث کے مصداق تھے، رجل قلبہ معلق بالمساجد کتنی بار ایسا ہوا کہ طبیعت کی خرابی کی وجہ سے لوگوں نے روکا کہ آپ گھر میں یا مہمان خانہ میں نماز پڑھ لیں تو فرماتے مسجد میں نماز میں دل لگتا ہے، ایک خاص کیفیت پیدا ہوتی ہے اور بغیر کسی سے بتائے مسجد چلے جاتے، اذان سے کتنی دیر پہلے مسجد جاتے اور نماز ختم ہونے کے کتنی دیر تک مسجد میں رہتے، مسجد سے ان کو ایک خاص لگاؤ تھا، جو دوسروں کو نظر آجاتا تھا ممبئی میں کبھی بار دور کی مسجد میں نماز پڑھنے جاتے تاکہ ثواب زیادہ ملے، وہ بغیر کسی کی پرواہ کیے مسجد اکیلے چلے جاتے تھے، جب کہ ان کو دیکھنے میں پریشانی ہوتی، ان کو اندازہ اتنا ہوگیا تھا کہ کس راستہ سے جانا بہتر ہوگا، اور کون سا راستہ زیادہ آسان ہے، اور کبھی بار راستہ میں ٹھوکر بھی لگی جس سے پاؤں زخمی بھی ہوئے کوشش کرتے تھے کہ زیادہ وقت کی نماز مسجد میں ہو، جب بھی تکیہ کلاں میں رہتے تھے مسجد میں نماز پڑھتے تھے، ندوۃ العلماء میں بھی شاذ ہی کوئی نماز مسجد کے علاوہ کہیں پڑھی ہو۔

ابا کے اندر ایک چیز ایسی تھی جو ان کو سب سے ممتاز بناتی ہے وہ ہے دل کی صفائی یہ ایسی نعمت ہے جس کا کوئی بدل نہیں ہم نے شاذ ہی کبھی دیکھا ہو کہ کسی کے تعلق سے منفی تبصرہ کیا ہو دونوں بھائی جب تنہا کبھی گفتگو کرتے تو علمی باتیں کرتے اور اپنے اسلاف کا ذکر کرتے وہ مجلس نورانی مجلس ہوتی تھی ابا کو اگر کوئی بات خلاف شرع نظر آتی تو کہتے تھے ان کے پاس جس کو بھی بیٹھنے کا موقع ملا ہو اس کو یہ معلوم ہوگا کہ ابا کبھی بھی لایعنی باتیں نہ کرتے تھے اور نہ کرنے دیتے تھے اگر کوئی ان کے پاس کسی کی برائی کرتا تھا تو صاف کہتے تھے جاؤ دوسرا کام کرو، غیبت نہ کرو، وقت کو ضائع نہ کرو، مجلس کو سخت ناپسند کرتے تھے وہ مجلسی آدمی نہیں تھے اور نہ مجلس میں بیٹھتے تھے، بزرگوں سے خاص تعلق تھا حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی رحمہ اللہ سے اپنا تعلق قائم رکھا اور دہلی کے زمانے میں مرکز نظام الدین پابندی سے ہر ہفتہ جاتے تھے کتنی جماعتوں میں وہ حضرت مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی رحمہ اللہ کے ساتھ گئے اور کبھی کبھی دن ان کے ساتھ قیام کیا اس کے بعد حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی رحمہ اللہ کے ساتھ بھی کافی وقت گذارا، وہ کہتے تھے کہ ہم سب کو اپنی اصلاح کے لیے کسی نہ کسی کو اپنا بڑا بنانا پڑے گا

انہوں نے اپنے ماموں حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی رحمہ اللہ کے انتقال کے بعد اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی کو اپنا بڑا اور سرپرست مان لیا تھا اور صرف علمی یا دینی کاموں میں بڑا نہیں مانا بلکہ ذاتی معاملات میں روزمرہ کی

زندگی میں بھی ان کو بڑا مانا اور کوئی کام ان کی اجازت کے بغیر کبھی نہیں کیا، وہ صاف کہتے تھے کہ امیر ایک ہوتا ہے اور میں نے اپنا امیر چھوٹے بھیا (حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی) کو بنالیا ہے، اگر ندوہ سے خاتون منزل جانا ہوتا تب بھی بتا کر جاتے۔

ایک اہم چیز جو ابا کی زندگی میں نظر آتی ہے وہ ہے رشتہ داروں کے ساتھ حسن سلوک، یہ چیز جو آج کی دنیا میں مفقود نظر آتی ہے لیکن ابا اس کا بڑا اہتمام کرتے تھے کبھی کبھی لوگوں کو ناگوار گذرتا تھا کہ کیا ضرورت ہے ان سے ملنے کے لیے جانے کی جب کہ عمر میں اور علم میں ابا ان سے بڑے ہوتے تھے لیکن پھر بھی ملنے کے لیے یا عیادت کرنے کے لیے انکے پاس جاتے اس کا اہتمام ان کی زندگی میں بہت تھا ان کی زندگی ایک پیغام ہے۔

آخرت کی فکر کا احساس ان کے اندر بہت تھا علیا ثانیہ شریعہ کے طلباء میں جو محاضرات ہوتے تھے قرآن مجید کی کسی سورہ سے ابتداء کرتے اور اور اسی سے اپنا محاضرہ شروع کرتے، ایک مرتبہ سورہ "الضحیٰ" تلاوت کروائی اور جیسے ہی وہ طالب علم {وَلَلْآخِرَةُ خَيْرٌ لَّكَ مِنَ الْأُولَىٰ (الضحیٰ / ۴)} پر پہنچا رقت طاری ہوگئی، منگلور کی تقریر جو ان کی شاہکار تقریر تھی اس میں انہوں نے دنیا کی حقیقت کو بیان کیا تھا اور ایسا پر جوش بیان تھا کم ہی سنا ہوا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ عمر کے آخری دور میں یہ سمجھ رہے تھے کہ اب چل چلاؤ کا وقت ہے اور بار بار یہ دہراتے "غدا نلاقی الأحبة۔ محمدا وحزبه" اور یہ کہتے کہتے رو پڑتے اور کہتے کہ ان لوگوں کی کیا زندگیاں تھیں جنہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ساتھ دیا، آپ کی صحبت میں اپنے شب و روز گذارے، اپنی وفات سے ایک دن قبل قرآن مجید کی آیات سن رہے تھے آخرت کا تذکرہ آگیا بس بے اختیار زبان سے نکلا اللھم احفظنا من سکرات الموت بار بار یہ دعا کی اور اپنے پوتے سے فرمایا! دعا کرنا کہ اللہ تعالیٰ موت کی سختی سے محفوظ رکھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا سن لی، موت کی سختی سے ان کو بچا لیا اور بغیر کسی تکلیف کے وہ دنیا سے رخصت ہو گئے۔

ابا کی زندگی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی سے قریب تر تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم جس طرح اپنا کام خود کرتے تھے اسی طرح ابا نے بھی اپنی زندگی کا معمول بنالیا تھا کہ کسی سے کام نہیں لینا حتی کہ اپنے پوتوں سے بھی کام لینا پسند نہ کرتے تھے کبھی بھی کوئی کام خود سے کہا ہو حتی کہ جب گھر آتے تو اپنا سامان خود ترتیب سے رکھتے اگر کسی اور کا ہوتا تب بھی خود ہی سے مرتب کرنے لگتے اگر کوئی دیکھ لیتا اور آجاتا تو اس کو دے دیتے، ندوۃ العلماء کے مہمان خانہ میں بھی کسی طالب علم سے کبھی کوئی کام نہیں لیا اور جن لوگوں سے قرآن مجید سنتے تھے ان کا اعزاز کرتے تھے اور ان کا بہت خیال کرتے تھے بلکہ کچھ ہدیہ بھی دیتے تھے وہ کسی کا احسان نہیں لینا چاہتے تھے، جب معتمد تعلیم کے دفتر سے مہمان خانہ جاتے تو اپنا بیگ خود ہی لیتے، کسی طالب علم کو لینے نہ دیتے، کتنی بار ایسا ہوا کہ خاتون منزل جانا ہوتا تو کسی کی بائیک سے جاتے، خود راقم کتنی بار گھر لے گیا ہے، کبھی اگر کوئی کہہ دیتا کہ ندوہ کی گاڑی استعمال کرلیں تو صاف منع فرماتے، اساتذہ سے ہمیشہ ربط و تعلق رکھا ہر کسی کی باتوں کو سنتے تھے، اور پھر انتظامیہ کے سامنے اس کو پیش کرتے تھے، ہم نے خود دیکھا ہے کہ رمضان المبارک میں کتنے طالب علم جو ثانوی درجات کے ہوتے تھے اگر ابا کو کچھ لکھ کر دکھاتے تو اس کو دیکھتے اور اس کی اصلاح فرماتے تھے آج کتنے لوگوں کو انہوں نے قلم پکڑنا سکھایا ابا کے اندر ہمت افزائی کرنے کا ایک جذبہ تھا وہ ہر طالب علم کو ایک نظر سے دیکھتے تھے۔

ابا کی زندگی عملی تھی انکی زندگی سلف کی آئینہ دار تھی، وہ نماز اس طرح پڑھتے جیسے حدیث میں بیان کیا گیا ہے "أن تعبد الله كانك تراه فان لم تكن تراه فانه يراك"

ابا نے کبھی کسی کے ساتھ برا سلوک نہیں کیا، وہ ہر کسی کے ساتھ بہتر سے بہتر سلوک کرتے تھے، وہ اس آیت کے مصداق تھے، {وَيُؤْثِرُونَ عَلَىٰ أَنفُسِهِمْ وَلَوْ كَانَ بِهِمْ خَصَاصَةٌ (الحشر / ۹)} اپنا نقصان ہی کیوں نہ ہو جائے دوسروں کے ساتھ اچھا ہو، جو ان کے ساتھ کسی طرح اچھا سلوک کر دیتا اس کا احسان زندگی بھر مانتے اور چاہتے کہ اس کے احسان کا بدلہ اس سے اچھا دیا جائے وہ ہر کسی

کی تکلیف کا سن کر پریشان ہوجاتے اگر کوئی ان کے پاس بیٹھ جاتا کچھ پوچھتا تو اس سے کہتے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی سے پوچھو انہوں نے اپنی زندگی کو مٹا دیا تھا، اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے انہوں نے اپنے قلم کو وقف کر دیا تھا، مغربی افکار کا طوفان جس تیزی سے مسلم معاشرہ میں آرہا ہے اس پر ان کی نظر تھی، وہ سمجھ رہے تھے کہ اسلام کی سربلندی کے لیے دشمنوں کی چالوں کو خوب سمجھنا ہوگا، مقابلہ کرنے کے لیے مقابل کی چیزوں سے واقفیت بہت ضروری ہے، وہ ایک ایسی نوجوان نسل کی تربیت کر رہے تھے جس سے ان کو امید تھی کہ اسلام کے لیے یہ نسل اپنے قلم وزبان کا استعمال کرے گی لیکن اس کے ساتھ جب کہ انہوں نے مغرب کو بہت قریب سے دیکھا بلکہ ایک بڑا وقت اسی ماحول میں گذارا ان کا دل ایمانی ونورانی تھا جس میں اللہ سے سچا تعلق اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سچی محبت تھی اور یہ محبت برابر بڑھتی رہی۔

انسان جب چلا جاتا ہے تو اس کی چیزوں کو یاد کیا جاتا ہے تاکہ آنے والی نسل کو اپنے اسلاف کی باتیں یاد رہیں اور وہ ان کی چیزوں کو اختیار کریں ابا کی ہم نے ان چیزوں کو خاص کر تحریر کیا ہے جو ہم نے خود دیکھیں ہیں اور یہ روزمرہ کی چیزیں ہیں تعزیتی جلسوں اور تعزیتی مضامین کا ایک بڑا فائدہ یہ ہے کہ ہم ان کی عملی زندگی سے بہت فائدہ اٹھا سکتے ہیں ابا کی زندگی سے پیغام ملتا ہے کہ انسان اگر اپنے دل کو گناہوں کی آلودگیوں سے پاک وصاف رکھے تو انشاء اللہ دنیا میں سرخروئی ملتی ہے اور آخرت میں بھی کامیابی اس کا مقدر ہے۔

مذہب - مغرب کی نظر میں

”مغربی سامراجیت کے ابتدائی دور میں یہ تصور عام کیا گیا کہ مذہب ترقی کی راہ میں رکاوٹ ہے، یورپ کا دین کے ساتھ کوئی ربط نہیں ہے اور یورپ کی ترقی وبرتری کا راز مذہب سے بغاوت ہے، لیکن اس طویل عہد کے تجربے سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر سطح پر کسی نہ کسی شکل میں یورپ کا مذہب کے ساتھ رابطہ قائم ہے، چاہے وہ کتنا ہی محدود دیکھوں نہ ہو، جو لوگ ترقی پسندی اور آزاد خیالی میں مذہب کا زبانی طور پر انکار کرتے ہیں وہ بھی خاص حالات میں مذہبی تصورات سے کسی نہ کسی طرح منسلک ہیں، جہاں مذہب کے خلاف مسلسل تحریکیں چلائی گئیں، وہاں طویل مدت کے بعد اعتراف کرنا پڑا کہ مذہب لافانی چیز ہے۔

گذشتہ چند سالوں میں مذہب کو ماننے والوں اور نہ ماننے والوں کا تناسب معلوم کرنے کی غرض سے جو اعداد وشمار حاصل کیے گئے ان کے مطابق لوگوں کی ایک بہت محدود تعداد ایسی ہے جو کسی مذہب کو تسلیم نہیں کرتی، مغرب کے مذہب سے کنارہ کش ہونے کا جو تصور عام ہے اس کی حقیقت مندرجہ ذیل حقائق سے سامنے آجاتی ہے

(۱) دنیا میں عیسائیت کی ترویج واشاعت کے لیے مغرب کا بڑھا ہوا جوش اور یورپی ممالک کا غیر یورپی ممالک میں بسنے والے عیسائیوں سے تعلق اور ہمدردی۔

(۲) مذہبی تحریکوں اور اداروں کا ان ترقی یافتہ حکومتوں کی سرپرستی وتعاون میں قیام جو جمہوریت اور آزاد سیاست کی دعویدار ہیں

(۳) مشنری اسکولوں، اسپتالوں اور گرجاؤں کے قیام پر صرف ہونے والی خطیر رقومات، ان کی ترقی کے لیے جدید وسائل کی فراہمی اور مغربی ملکوں کی اس سے بڑھتی ہوئی دلچسپی۔

(۴) راہبوں اور پادریوں کی تعداد میں روز افزوں اضافہ۔

(۵) پاپائے روم کا مغربی ملکوں میں اثر ورسوخ اور سرکاری طور پر ان کا اکرام وضیافت۔

مغرب نے مسیحیت کی ترویج وشاعت کے لیے اپنے تمام ممکنہ وسائل کو اپنا رکھا ہے اور اس غرض کے لیے سرکاری مشنری اور معاشی وثقافتی اداروں کو آلۂ کار بنالیا ہے۔

مسیحی مذہب کی اشاعت کے لیے مغرب کی انتھک کوششیں اور مسیحی دعوت کی سرگرمیوں میں ترقی یافتہ مغربی ملکوں کا تعاون نہ تو کوئی ڈھکی چھپی چیز ہے اور نہ ہی یورپ اس کو چھپانے کی ضرورت سمجھتا ہے۔“

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

یاد آتی ہیں تری باتیں ترے جانے کے بعد

مولانا عبد السمیع ندوی (استاذ مدرسہ ضیاء العلوم-رائے بریلی)

میری آنکھوں نے حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ کو سات سال پہلے قریب سے دیکھا اور پھر خوب دیکھا، اتنا کہ وہ آنکھوں سے اتر کر دل میں سما گئے، سراپا وقار، مجسم متانت، چہرہ سے معصومیت اور شرافت نمایاں، دیکھ کر دل شہادت دیتا تھا کہ ان میں دوسروں کو ایذاء پہچانے اور دل دکھانے کی صلاحیت ہی نہیں، آواز پست جو قرب کے باوجود بغیر قدردانی اور شوق کے سنی نہ جائے، بالعموم کم گو اور بقدر ضرورت بولنے والے، آنکھوں سے حیا اور ذہانت کا اظہار، کچھ نہاں کچھ آشکار!

ندوہ کے دو سالہ تعلیمی دور میں میں نے انہیں بارہا مہمان خانہ سے اپنے دفتر اور پھر دفتر سے مہمان خانہ آتے جاتے دیکھا، کسی گہری سوچ میں غلطاں، دھیرے دھیرے اٹھتے قدم، گرد و نواح سے بے خبر، اکثر تنہا اور کبھی کوئی طالب علم ہمراہ۔ مولانا سے تین ماہ پڑھنے کی سعادت بھی میرے حصہ میں آئی، لیکن کبھی مصافحہ اور کبھی سلام کے علاوہ کوئی باضابطہ ملاقات نہیں رہی۔

خوب یاد ہے کہ "قافۃ المحاضرات" میں "الغزو الفکری" کے عنوان سے ایک محاضراتی نشست رکھی گئی تھی، جس میں پہلے حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم اور پھر مولانا سلمان حسینی ندوی مدظلہ کے بعد مولانا نے اپنے صدارتی کلمات پیش کیے، مجھے یقین ہے کہ وہ پوری نشست قدیم صالح اور جدید نافع کے حسین سنگم کے طور پر ہمارے ساتھیوں کے ذہن میں ہمیشہ ثبت رہے گی۔

ندوہ کے ان دو سالوں میں مولانا سے متعلق بجز چند جھلکیوں کے ذہن میں کچھ نہیں۔

پھر بخت کی یاوری سے میں تکیہ کلاں رائے بریلی چلا آیا، جہاں کی خاک سے یہ ہمائے علم و ادب اٹھا تھا، اور اب وہیں دائمی نیند سو رہا ہے، مولانا وہاں ہفتہ دس دن میں اکثر اپنے برادر مکرم حضرت مولانا رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کی رفاقت میں اور کبھی کبھی تنہا بھی اپنے اہل و عیال سے ملاقات کے شوق میں تشریف لاتے اور سچ مچ بہار آجاتی، ان دونوں کا آنا ہمارے لیے باعث برکت و نور تو تھا ہی، باعث فرحت و سرور بھی تھا، اسی طرح ان کا جانا ہمیں رنجور کر جاتا، کھانے کے دوران میں کوئی موضوع چھڑتا اور دونوں یگانہ فاضلوں کی علمی و ادبی گفتگو قابل شنید ہوتی، مولانا سنجیدہ ضرور تھے لیکن ایسے نہیں کہ سنجیدگی بیوست تک پہنچ جائے، بلکہ وہ بہت ہی خوش مزاج، نہایت سبک روح اور ظریف طبیعت کے مالک تھے، اس بات کی گواہی ہر وہ شخص دے گا جس نے کچھ لمحے ان کی قربت میں گذارے ہوں، مزاح کرتے بھی اور مزاح سے محظوظ بھی ہوتے، لیکن اس میں بھی ایک علمی و ادبی شان نمایاں ہوتی، نماز بغیر کسی شدید عذر کے مسجد کے علاوہ پڑھنے کو انتہائی ناپسند فرماتے، اور جب تک استطاعت رہی کھانا بھی زمین پر بیٹھ کر کھایا اور اس پر بھی اپنی خفگی کا اظہار کیا کہ بغیر عذر کرسی پر کھانا کھایا جائے، اس دن بھی یہی کہا تھا کہ یہ سنت ہے، اور سنت کو کاہلی اور سستی کی وجہ سے ترک نہیں کرنا چاہیے۔

مولانا کو قرآن پاک سے غیر معمولی محبت تھی، ان کے دن کی ابتداء بھی قرآن ہی سے ہوتی اور انتہاء بھی، نظر کی کمزوری کی وجہ سے وہ کسی سے قرآن پاک سنا کرتے تھے، آدھا پارہ بعد نماز فجر اور آدھا بعد نماز عصر، اور اس میں مولانا کی پابندی اس طرح تھی جیسے ہم میں کوئی ناشتہ یا کھانے کی پابندی کرتا ہے، یہی ان کی روح کی غذا اور جینے کا سامان تھا۔

مولانا کے تکیہ کے قیام میں قرآن سنانے کی سعادت میرے

حصہ میں بارہا اور برابر آئی، مجھے گوارا نہ تھا کہ کوئی اور مولانا کو قرآن سنائے اور میں محروم رہ جاؤں، دوران سماعت مولانا کو اکثر آنکھیں بند کیے ہوئے ساکت و صامت ہو کر سنتے پایا، گویا اس رحمت کے جویا ہوں جس رحمت کا وعدہ ہے: {وَإِذَا قُرِئَ الْقُرْآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ} لیکن باوجود اس استغراق کے انہیں خوب معلوم تھا کہ کس آیت پر ربع، نصف یا ثلث ہوا، اور کہاں پارہ یا سورت تمام ہوئی، ایک بار بھی یوں نہ ہوا کہ سجدہ کی آیت پڑھی گئی ہو اور انہوں نے سجدہ کرنے میں تاخیر کی ہو، فوراً سجدہ ریز ہو جاتے حالانکہ وہ حافظ قرآن نہ تھے، اخیر اخیر میں وہ فجر کی نماز (خاص کر سردیوں کے زمانہ میں) بنگلہ ہی پر ادا کیا کرتے تھے، میں نماز کے معاً بعد مسجد سے بنگلہ آجایا کرتا تھا، کبھی تاخیر ہوئی تو مولانا شاہد صاحب کو کہلوا کر بلاتے، مولانا کو اس وقت مولانا شاہد صاحب چائے اور بسکٹ پیش کرتے تھے، مولانا مجھے دیکھتے ہی دریافت کرتے: آپ نے چائے پی لی؟ اور کچھ بسکٹ بچا کر مجھے دیتے، خوب یاد ہے کہ ایک مرتبہ مولانا فجر پڑھ کر لیٹ چکے تھے، مولانا اس وقت بیمار تھے اور بقول مولانا شاہد صاحب "مولانا رات بھر کھانستے رہے" لیکن جب میں پہنچا اور مولانا سے حسب معمول پوچھا کہ آپ کو قرآن سنائیں؟ مولانا جھٹ اٹھ بیٹھے، وضو کیا اور بڑے ہی اہتمام و انہماک سے قرآن سنا، ہر بار سننے کے بعد "شکریہ" کہنا خوب یاد ہے اور یقیناً خوب یاد رہے گا۔ مولانا قرآن مجید سنانے والے کا بڑا خیال رکھتے، اس کے احوال معلوم کرتے اور اسے اپنا محسن گردانتے تھے، ایک دفعہ میں حضرت مولانا رابع صاحب دامت برکاتہم سے ملاقات کے لیے ندوہ حاضر ہوا، حضرت مولانا اس وقت غسل خانہ میں تھے، میں مولانا سے باتیں کرنے لگا، مولانا بھی بڑے خوش گوار موڈ میں تھے، اسی اثناء میں حضرت باہر تشریف لائے، اور آواز سن کر دریافت کیا: "واضح کون ہے؟" مولانا نے کہا: ارے یہ عبد السمیع ہیں، تکیہ سے آپ سے ملنے آئے ہیں،" مزید کہا: "ارے یہ وہی ہیں جو تکیہ میں ہمیں قرآن شریف سناتے ہیں۔"

سال رواں جب "تحریک پیام انسانیت" کا جوڑ تکیہ میں منعقد ہوا، آپ سے بھی خطاب کی درخواست کی گئی، آپ نے قرآن شریف کی آیت "كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ" کی روشنی میں ایک لطیف نکتہ بیان فرمایا، جس سے مولانا کی قرآن فہمی کا ذوق آشکارا ہوتا ہے، فرمایا: اس آیت میں امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا حکم مقدم ہے، اور ایمان لانے کا مؤخر، اس کی حکمت یہ ہے کہ جب ہم اصلاح معاشرہ کا کام کریں گے تو ایمانی ماحول خود بخود بنتا چلا جائے گا۔

مولانا کے نزدیک انسانیت کا بڑا احترام تھا، وہ خوردوں کو بھی "آپ" کہہ کر مخاطب کرتے، اگر خود اوپر بیٹھے ہوں تو ملنے والے کو باصرار اوپر بیٹھنے کو کہتے، مولانا بلاشبہ علم و ادب کے امام تھے، اس پر مستزاد یہ کہ ان کا انداز تفہیم بھی نرالا اور جداگانہ تھا، جس کا رنگ نجی محافل میں اور نکھر جاتا، مولانا سائل کے سوال کو بڑی اہمیت دیتے اور اس کے اعتبار سے مسئلہ کا حل بتاتے، اپنے علمی رسوخ کے باوجود جب کبھی کوئی بات علم میں نہ ہوئی، یا لگا کہ کوئی اور بہتر طریق پر اسے سمجھا جا سکتا ہے، تو سائل کو اس کے پاس بھیجنے میں ذرا تردد نہ ہوتا، اس کا ایک واقعہ سن لیجیے جس سے مولانا کی نجی محفل کا کچھ کچھ اندازہ ہو جائے گا:

ایک صاحب کو کسی آیت کے مفہوم کو سمجھنے میں دشواری تھی، وہ صاحب مولانا کے پاس گئے اور انہوں نے اس آیت کی وضاحت چاہی، مولانا نے حضرت مولانا رابع صاحب دامت برکاتہم کی طرف اشارہ فرمایا جو بغل کے کمرہ میں کچھ طلبہ سے محو گفتگو تھے کہ ان سے معلوم کریں، وہ صاحب مولانا سے بے تکلف تھے، انہوں نے مولانا سے اصرار کیا تو مولانا نے کچھ توقف کیا پھر اچانک بات بدلی اور فرمانے لگے کہ امام اصمعیؒ ایک بہت بڑے عالم، لغوی، ادیب و شاعر تھے، انہیں کے ہمعصر ایک اور عالم تھے ابو عبیدہ فارسی جو تھے تو عجم کے، لیکن ان کی ٹکر کے تھے، اس زمانہ کے خلیفہ نے - غالباً ابو جعفر منصور بتایا تھا - اپنے ایک نفیس گھوڑے کے تعلق سے اعلان کیا کہ جو شخص اس گھوڑے کے ہر ہر عضو پر زمانۂ جاہلیت کے اشعار سنائے گا، وہ اپنے ساتھ یہ گھوڑا انعام میں لے جائے گا، تمام لوگ اکٹھا ہوئے مگر کوئی آگے نہ بڑھا، میدان میں اب یہی دورہ

گئے تھے، ابوعبیدہ نے کچھ دیر کے لیے سوچا، پھر الٹے قدموں سے لوٹ آئے، اصمعیؒ آگے بڑھتے ہیں، اور گھوڑے کی پیشانی پر ہاتھ رکھتے ہیں اور کہتے ہیں: ”قالت العرب“ اور پھر جاہلی شعر، اسی طرح کان، ناک، آنکھ، گردن اور ”قالت العرب“ کی گردان، آخر یہ سلسلہ تمام اعضاء سے ہوتا ہوا دُم پر تمام ہوا، لوگ ششدر رہ گئے اور ان کے علم و ذکاوت کا لوہا مانے بغیر نہ رہ سکے، اعلان کے مطابق گھوڑا اصمعی کے حوالہ کیا گیا، ایسے بڑے عالم سے کسی نے پوچھا کہ ”خبز“ کسے کہتے ہیں؟ اصمعیؒ نے جواب دیا: میں نے نہیں جانتا، سائل نے حیرت سے انہیں دیکھا اور کہا: کیا خبز وہی نہیں جسے ہم اور آپ پکاتے اور کھاتے ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: ہاں، خبز تو وہی ہے، البتہ جو خبز قرآن میں آیا ہے، جسے کوئی سر پر لاد کر جا رہا ہے، اور پرندے اسے نوچ نوچ کر کھا رہے ہیں، اس خبز کی حقیقت مجھے نہیں معلوم، اس قصہ کو بیان کرنے کے بعد مولانا نے فرمایا: ضروری نہیں کہ ہر کوئی ہر چیز کا علم رکھتا ہو، آپ ان کے پاس (حضرت مولانا رابع صاحب) جائیے اور ان سے معلوم کیجیے، ان کا قرآن مجید کا مطالعہ بہت وسیع ہے، حضرت مولانا علی میاںؒ نے ان کو فراغت کے بعد ایک سال اسی میں لگایا تھا۔

عربی ادب کی شہرۂ آفاق کتاب ”کلیلہ و دمنہ“ کا تذکرہ چھڑا تو فرمایا کہ کلیلہ و دمنہ عربی ادب کے عروج کی آخری کتاب ہے، پھر اس کے بعد سے عربی کے زوال کی ابتدا ہوئی۔ اگر کوئی اس کے اسباب کا متلاشی ہو تو اسے چاہیے کہ عہد عباسی اور خاص کر مامون الرشید کے دور خلافت کا جائزہ لے۔

مولانا کا ابن المقفع کے متعلق کہنا تھا کہ وہ ایک مختلف فیہ کردار تھا، بعض اس کے مسلمان تو بعض اس کے زندیق ہونے کے قائل تھے، جس میں اصمعیؒ قابل ذکر ہیں، ساتھ یہ بھی کہا کہ وہ اٹک اٹک کر بولتا تھا، لوگ سمجھتے تھے کہ وہ بہتر اور مناسب الفاظ کو استعمال کرنے کے لیے ٹھہر ٹھہر کر بولتا ہے، لیکن حقیقت یہ تھی کہ عجمی تھا اور اسی وجہ سے اسے بھی بولنے میں دقت تھی۔

اسی ضمن میں مولانا کا سنایا ہوا ایک اور واقعہ بھی سن لیجیے، عصر عباسی میں ابن الرومی نام کا ایک شاعر گذرا ہے، وہ لاولد تھا، جب وہ ساٹھ سال کا ہوا تو اس نے اپنے ایک شعر میں اس کا شکوہ کیا، لوگوں نے کہا کہ یہ شخص خالص عربی النسل نہیں ہو سکتا تھا، کیونکہ ساٹھ سال کی عمر عربوں میں مزے کرنے کی عمر خیال کی جاتی ہے، اور ان میں اگر کوئی اس طرح کا شکوہ کرتا بھی ہے تو اسّی سال کے بعد، جب معلوم کیا گیا تو وہ ماں کی طرف سے فارسی نکلا۔

مولانا نے عربی زبان کے متعلق فرمایا کہ عربی زبان، اس کے ادب، جاہلی اشعار اور وہاں کے کلچر سے ناواقف شخص قرآن کو اچھی طرح نہیں سمجھ سکتا، یہی وجہ تھی کہ مولانا طلبہ کو عربی زبان و ادب کے سیکھنے پر بہت زور دیتے تھے، بلکہ وہ یہاں تک کہتے تھے کہ عربی کتاب کو عربی شرح سے اور عربی لغت سے حل کرو، اردو شروحات دیکھنے یا اردو لغات کی مدد لینے سے علم کا معیار بلند نہیں ہوتا، بلکہ سطحیت آجاتی ہے۔ اسی طرح مصادر اور مراجع پر بھی مولانا خوب زور دیتے تھے کہ اصل سے (خاص کر متقدمین کی کتابوں سے) حوالے دیے جائیں۔ مولانا لمبی تقاریر اور طویل تصانیف کے کبھی قائل نہ رہے، ہمیشہ فرمایا کہ تقریر مختصر اور پر مغز ہونی چاہیے، جو آیات قرآنی و احادیث سے مدلل ہو، اور اسی طرح کتاب بھی مختصر و جامع تشریح کے ساتھ ہو، اب زمانہ (Short & Sweet) کا ہے، لوگوں کا مزاج نہیں رہا کہ وہ ضخیم کتابیں پڑھیں۔

مولانا بلا کے سخن شناس بھی تھے، ایک بار الہ باد کے شاعر انیس پرخاصوی صاحب نے انہیں اپنی ایک نظم سنائی، جس کے کچھ اشعار ملاحظہ ہو:

تڑپ تڑپ کے یہ لمحات زندگی کب تک
کوئی بتائے ملے گی مجھے خوشی کب تک
بغیر کیف و حلاوت یہ زندگی کب تک
خلوص ہی جو ہو عنقا تو بندگی کب تک
انڈیل دے میرے ساقی بہت ہوں میں پیاسا
شراب معرفت حق کی یہ تشنگی کب تک
مزا تو جب ہے کہ سینہ میں نور آجائے

یہ چاند اور ستاروں کی روشنی کب تک

اور مولانا پر جیسے وجد طاری تھا، خوب مست ہو کر سنا اور تقریباً ہر شعر پر مولانا کی داد قابل دید تھی۔

مولانا کو نئی نسل سے گلہ تھا کہ وہ اپنا وقت اور اپنی صلاحیتیں موبائل میں ضائع کر رہی ہے، مولانا کے ایک عزیز کا کہنا ہے کہ مولانا ان کے ہر دم موبائل کے استعمال پر اپنی برہمی اور ناراضی کا اظہار فرماتے اور کہتے کہ تم اپنا وقت اور اپنی صلاحیت اس طرح ضائع کر رہے ہو اور اس کے مفاسد سے (مولانا کا اشارہ اس آپسی نزاع سے تھا جو ہر گزرتے دن کے ساتھ ہمارا مزاج بنتا جا رہا ہے) اپنا اور ہمارا دونوں کا ذہن منتشر رکھتے ہو، ایک طرف وہ اس کے مفاسد سے بے زار تھے تو دوسری طرف اس کے منافع کے معترف بھی، ایک بار مولانا کچھ بے تکلف احباب کے ساتھ گفتگو کر رہے تھے، دوران گفتگو مولانا نے عرفی کے ضرب المثل مصرعہ "زیر قدمت ہزار جان است" پڑھا، پھر مولانا نے حضرت مولانا علی میاںؒ کے حوالہ سے فرمایا: ماموں جان نے ایک دفعہ صحافیوں کے سامنے اس مصرعہ کو معمولی سی لفظی تحریف کے ساتھ یوں پڑھا تھا: "زیر قلمت ہزار جان است" پھر موجودین سے مولانا کہنے لگے کہ اس شعر کو مکمل کیجیے، کسی کے ذہن میں شاید وہ شعر نہ تھا، میں نے فوراً انٹرنیٹ پر سرچ کر کے بتا دیا ؎

آہستہ خرام بلکہ نہ خرام زیر قدمت ہزار جان است

مولانا سن کر بہت شاد ہوئے، پوچھنے لگے: آپ کو معلوم تھا؟ میں نے عرض کیا: ابھی انٹرنیٹ پر سرچ کیا ہے، مولانا کہنے لگے: یہ بھی کیا خوب چیز ہے!

اسی سال کے آغاز میں کچھ طلبہ عشاء بعد حضرت مولانا کی مجلس میں شرکت کی غرض سے حاضر ہوئے، اسی دوران میں مولانا تشریف لائے اور حسب عادت قریب کے بستر پر لیٹ گئے، مجلس میں حضرت مولانا کے دریافت کرنے پر انہوں بتایا کہ وہ یہاں شعبۂ علوم القرآن کے طلبہ ہیں جس پر مولانا نے ان کو قرآن اور علوم القرآن کے متعلق چند بیش قیمت افادات سے مستفید فرمایا، مجلس ختم ہوئی اور حاضرین مجلس جانے لگے، میں ابھی وہیں تھا مولانا نے آنکھیں کھولیں اور مجھ سے پوچھنے لگے "وہ لڑکے جو ابھی آئے تھے، ہیں یا چلے گئے؟" میرے اثبات میں جواب دینے پر مولانا نے انہیں بلانے کو کہا اور ان کے قریب آنے پر کئی کتابوں کے نام گنائے اور فرمایا کہ ان کا ضرور مطالعہ کرنا چاہیے، ان میں سرفہرست سید قطب کی مشہور کتاب "التصویر الفنی فی القرآن" تھی، اس گنہ گار کو بھی ایک سے زائد مرتبہ مذکورہ کتاب کے پڑھنے کا مشورہ دیا، نیز یہ بھی فرمایا کہ قرآن فہمی کے لیے یہ کتاب نہایت مؤثر ہے۔

مولانا کسی کو کچھ لکھنے کو کہتے تو صرف عنوان دینے پر اکتفا نہ کرتے، بلکہ اس سے متعلق تمام لوازمات کی مکمل رہنمائی فرماتے اور پھر وقتاً فوقتاً اس سے پوچھا کرتے کہ آپ کے مضمون کا کیا ہوا، کہاں تک پہنچا؟ ایک مرتبہ اپنے ایک عزیز کو "مال" پر لکھنے کو کہا اور کئی کتابوں کی طرف رہنمائی کی، اس کے علاوہ کچھ ایسے اہم نکات بتائے کہ موضوع سہل کے ساتھ ساتھ منفرد بھی ہو گیا۔

مولانا کے لائق فرزند مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی زید مجدہ نے مولانا کے انتقال سے تقریباً ایک ہفتہ پہلے مجھ سے مولانا کے اسلوب تدریس کے متعلق بتاتے ہوئے کہا کہ ابی (مولانا) کا اسلوب یہ تھا کہ طالب علم ان کو جب اپنی تحریر دکھاتا تو وہ بس اسی حرف پر قلم رکھتے جو غلط ہوتا، یہ نہیں کرتے کہ جملہ ہی کاٹ کر اپنا جملہ لکھ دیں، حتی کہ کسی نے "ی" کے بجائے "ت" لکھا تو صرف نقطے بدل دیے، حوصلہ بڑھانے کا یہ طریقہ اتنا کارگر رہا کہ آج ہندوستان کے بڑے بڑے ادباء مولانا کے مرہون منت ہیں۔

مولانا کی سب سے نمایاں خصوصیت جس نے دلوں کو اپنا گرویدہ بنا لیا تھا، وہ ان کی سخن دل نوازی اور صاف گوئی تھی، جو ان کے دل کی پاکیزگی کی غماز تھی، مولانا نہ کبھی کسی کی غیبت کرتے، نہ کسی سے غیبت سنتے، بدکلامی تو دور لایعنی سے بھی مکمل اجتناب ہوتا، ان کو دیکھنے والی ہر آنکھ گواہی دے گی کہ وہ مخموم القلب تھے، ان کو سننے والا ہر کان شہادت دے گا کہ وہ صدوق اللسان تھے، پاک تن اور پاکیزہ من لیے وہ اپنے رب سے جا ملے، اور بعد والوں کو پیغام دے گئے کہ جو زبان کی حفاظت اور قلب کی طہارت کا اہتمام کرتا ہے، دونوں جہاں میں سرخرو اور سرفراز ہوتا ہے۔

میری محسن شخصیت

مولانا فراز کوثر ندوی (جامع ازہر-مصر)

میرا اس خانوادۂ علم اللہی یا کہہ لیجئے کہ حسنی خاندان سے تعلق اس وقت ہوا جب میں جامعہ اسلامیہ مظفر پور اعظم گڑھ میں درجہ سوم کا طالب علم تھا اور میں نے جامعہ کے مولانا شبیہ الحسن ندوی، مولانا سید جاوید احمد ندوی اور مولانا فیروز اختر ندوی مدظلہم العالی جیسے ان تین مؤقر ومحترم اساتذہ کی زیر نگرانی اس تعلیمی سال کا آغاز کیا، جنہوں نے میرے اندر خارجی کتابوں کے مطالعہ کا ذوق وشوق پیدا فرمایا اور مسلسل میری رہنمائی فرماتے رہے۔ انہوں نے کتابوں کے اختیار کے سلسلہ میں حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کی نصیحت کی کہ ہر کتاب میری میز پر رکھے جانے کے قابل نہیں ہے، کیونکہ مطالعہ دو دھاری تلوار ہے، اس لیے یہ انسان کو بنا بھی سکتا ہے اور بگاڑ بھی سکتا ہے۔ انہوں نے میری سمجھ اور استعداد کے مطابق حضرت مولانا کی "سیرت رسول اکرم" نامی کتاب کے مطالعہ کی نصیحت فرمائی۔ اس کتاب سے فراغت کے بعد حضرت مولانا اور ان کے خاندان سے متعلق مزید معلومات مولانا فیروز اختر ندوی اور مولانا سید جاوید احمد ندوی سے حاصل ہوئیں اور حضرت مولانا کی ساری کتابوں کو ایک جگہ دیکھنے اور چھونے کا موقع اس وقت ملا جب مجھے مولانا سید جاوید ندوی اور مولانا حسان اختر ندوی دامت برکاتہم کے ساتھ جامعہ کے مولانا ابوالحسن میوزیم میں جانے کا موقع ملا، جہاں حضرت مولانا اور ان کے خاندان کے علماء کی تمام کتابیں بہت ہی خوبصورت اور پرکشش الماریوں میں رکھی ہوئی ہیں اور خاص طور پر عربی کی بیشتر کتابیں بیروت وغیرہ سے اچھے اوراق اور پرکشش طباعت میں آراستہ ہیں۔ میں نے ان اساتذہ کی نگرانی میں اس خاندان کے علماء کی کئی کتابیں پڑھیں اور اچھے جملے اور تعبرات کو اپنی کاپی پر لکھ کر "النادی العربی" اور "انجمن الاصلاح" کے ہفتہ واری پروگراموں میں اپنی تقریر وتحریر میں ان کا استعمال بھی کیا۔

اس طرح اس علمی خاندان کی علمی شخصیات سے میرا دلی لگاؤ ہو گیا اور ان سے مزید استفادہ کرنے کا شوق پیدا ہوا، پھر اسی شوق ومحبت کی وجہ سے "الرائد" پرچہ جاری کرایا اور مسلسل اپنے اساتذہ کی زیر نگرانی ان علماء کی تحریروں سے استفادہ کرنے لگا۔

جب میں درجہ چہارم میں پہنچا تو جامعہ اسلامیہ میں ایک بہت بڑی ایسی کانفرنس منعقد ہوئی جس میں ملک اور بیرون ملک کی عظیم شخصیتوں کی شرکت ہوئی اور اس کانفرنس میں مجھے اسٹیج کی ذمہ داری دی گئی، جہاں مجھے تمام عظیم شخصیات کو دیکھنے اور ان سے ملاقات کرنے کا موقع ملا اور اس کانفرنس میں حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی اور مولانا محمد واضح حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کی شرکت ہوئی تھی اور میں تو ان حضرات سے ملاقات کا ایک زمانہ سے منتظر تھا، آخر کار یہ خواب شرمندۂ تعبیر ہوا اور دونوں مولانا کو قریب سے دیکھنے کا موقع ملا۔ کانفرنس تین دنوں تک مسلسل جاری رہی اور ان عظیم شخصیات کی صحبت میں میرا دل اچھل پچھل کا شکار تھا، کتابوں کے ذریعہ ندوہ وعلمائے ندوہ اور اس خاندان اور اس کے علماء کو جان چکا تھا، اب خواہش یہ تھی کہ کیسے ان علماء کی صحبت میں اپنی زندگی گزاروں اور کیسے ان جیسا عظیم بنوں، اسی دوران یہ معلوم ہوا کہ کانفرنس ختم ہونے کے بعد فوراً تعلیم شروع نہیں ہوگی ایک یا دو دن لگ جائیں گے، بس کیا تھا میں نے ندوہ جانے کا فیصلہ کر لیا، اسی دوران معلوم ہوا کہ کانفرنس میں آئے ٹینٹ والوں کی ایک گاڑی رات کو لکھنؤ جانے والی ہے، بس کیا تھا ڈوبنے والے کو ایک تنکے کا سہارا چاہیے، ایک ساتھی کے ساتھ بے سروسامان ندوہ کے لیے روانہ ہو گیا۔ لکھنؤ پہنچ کر وہاں موجود ندوہ کی تمام شاخوں کا دورہ کیا، وہاں کی انتظامیہ، ماحول اور لائبریری وغیرہ کے بارے میں معلوم کیا، لیکن کسی بھی شاخ کے سلسلہ میں دل مطمئن نہیں ہوا، کیونکہ جامعہ

اسلامیہ میں جو ماحول اور فضا مجھے ملی کہیں نہیں ملی، خاص کر وہاں کی لائبریری تو ایک خزانہ ہے اور وہی میرے دل کا مسکن بھی تھا، کیونکہ تھوڑا سا وقت ملتا نہیں کہ فوراً وہاں پہنچ جاتا، امتحان ہو یا غیر امتحان ہو درجہ کے بعد جو وقت ملتا وہ وقت لائبریری ہی میں گذارتا اور وہاں ہمیشہ اساتذہ بھی رہتے تھے، کسی مسئلہ یا کسی عبارت کے سمجھنے میں کوئی دشواری ہوتی فوراً کسی استاذ سے معلوم کرلیتا۔ میں نے لکھنؤ کے سفر کے بعد رائے بریلی کا سفر کیا، کیونکہ میرے اساتذہ نے مجھے بتایا تھا کہ اس شہر میں حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ کا گھر ہے اور اسی گاؤں میں ندوہ کی ایک شاخ ہے جہاں تعلیم بہت اچھی ہوتی ہے اور یہاں کے اساتذہ بہت ہی مشفق ومہربان ہیں۔ اس مدرسہ میں جب پہنچا تو یہاں میرے ایک ساتھی سے ملاقات ہوئی انہوں نے مجھے پورے ادارہ کا تعارف کرایا، اساتذہ، تعلیم وتربیت کے بارے میں بتایا، دارعرفات کی مکمل تفصیل بتائی کہ یہی وہ جگہ ہے جہاں اس خانوادہ کے تمام علماء اور دانشوران آتے تھے، پھر میں اپنے ساتھی کے ساتھ تکیہ کلاں گیا اور انہوں نے وہاں کی تمام تفصیلات سے مطلع کیا، مسجد اور اس کی شکل وصورت کے بارے میں بتایا، مسجد کے ارد گرد کی جگہیں سید احمد شہید رحمۃ اللہ علیہ کے مشق کا میدان تھیں اور میں تو اس مسجد اور ندی کے بارے میں "القراءۃ الراشدۃ" میں پڑھ بھی چکا تھا، خلاصہ یہ کہ اس ادارہ کے سلسلہ میں میرا دل بالکل مطمئن ہو چکا تھا، ایسا لگ رہا تھا کہ میری کھوئی ہوئی چیز مجھے مل گئی۔

ایک سال کے بعد عالیہ اولی میں میرا داخلہ مدرسہ ضیاء العلوم میں ہوگیا اور یہاں کے اساتذہ سے براہ راست استفادہ کرنے کا موقع مل گیا، یہاں کے قیام کے دوران میں مولانا بلال عبدالحی حسنی ندوی، مولانا عبدالسبحان ناخدا ندوی سے منسلک ہوگیا، ان سے تعلیمی اور اصلاحی مشورہ کرتا رہا، انہیں کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرتا رہا۔ اسی طرح میں تکیہ کلاں سے بھی مربوط ہوگیا، مغرب کی نماز اکثر وبیشتر تکیہ کی مسجد میں ادا کرتا اور جمعہ کے دن جب حضرت مولانا محمد رابع صاحب اور مرحوم مولانا محمد واضح صاحب تشریف لاتے تو میرا زیادہ وقت وہیں گذرتا، ان کی مجلسوں میں شریک ہوتا، ذکر کی مجلسیں لگتیں اس میں شریک ہوتا، یہاں گذارے دو سال کی مدت کے دوران مرحوم مولانا واضح صاحب سے ذاتی طور پر علمی اور فکری استفادہ کرنے کا بہت موقع ملا، انہوں نے اپنی مختلف علمی مجلسوں اور مختلف پروگراموں کے ذریعہ مجھے زندگی گذارنے کا صحیح طریقہ سکھایا، مجھے شروع دور سے ہی ہندوستان سے باہر جاکر تعلیم حاصل کرنے کا شوق تھا، میں نے اس سلسلہ میں مولانا سے کئی مرتبہ دریافت فرمایا، ہمیشہ ہمت افزائی فرمائی۔

مولانا کی چند باتیں ہیں جو میں اپنے الفاظ میں پیش کرتا ہوں، مولانا فرماتے تھے کہ ہماری نگاہ ہمیشہ اپنے بنیادی اصول پر ہونی چاہیے، کبھی بھی کسی چیز کے حصول میں غلط طریقہ نہیں اختیار کرنا چاہیے، آپ یہ بھی فرماتے کہ آج دنیا میں میڈیا کی حکومت ہے وہ جو ہمیں دکھاتا ہے وہی ہم دیکھتے ہیں جبکہ حقیقت کچھ اور ہوتی ہے، اس لیے اس دور میں ہر قدم بہت سوچ سمجھ کر اٹھانا چاہیے، آپ ہمیشہ طلبہ اور علماء کو ان کے حقیقی اہداف ومقاصد کی طرف متوجہ فرماتے۔

اسی طرح آپ سے ندوۃ العلماء کے تعلیمی سالوں میں بھی استفادہ کرنے کا موقع ملا، خاص طور پر جب میں نے عربی زبان وادب میں تخصص کرنے کے لیے داخلہ لیا تو آپ نے ہمیں عربی زبان وادب کے مصادر سے آگاہ فرمایا، نقد کے بنیادی امور کی تعلیم دی، اسی زمانہ میں آپ نے ہمیں عالم اسلام کے علماء وادباء سے متعارف کرایا، آپ اپنی گفتگو میں ہمیشہ اس بات کا لحاظ فرماتے کہ طلبہ کو موجودہ دنیا کے اندر ہونے والی کشمکش سے آشنا کرایا جائے، آپ نے ہمیں مصر وشام اور عراق کے علماء وادباء سے روشناس کرایا اور یہ بھی بتایا کہ عربی زبان وادب میں بھی اسلامی ادباء کو حاشیہ پر رکھنے کی کوشش کی گئی ہے، اختلافی امور کے سلسلہ میں ذاتی مجلس میں آپ نے فرمایا کہ اس سلسلہ میں گفت وشنید اور ڈائلاگ کا انداز اختیار کرنا چاہیے اور ٹکرانے کے طریقہ سے اجتناب کرنا چاہیے، کیونکہ ٹکرانے سے کوئی چیز حاصل نہیں ہوتی ہے بلکہ بسا اوقات اپنا ہی نقصان ہوتا ہے۔ عربی زبان وادب میں اختصاص پیدا کرنے کے سلسلہ میں جب میں نے سوال کیا تو آپ نے فرمایا کہ عرب ادباء کی کتابیں خوب پڑھیں اور ان کے جملے اپنی کاپی پر لکھیں اور ایک ایک مضمون کو کئی بار پڑھیں، جب آپ اس مضمون یا کتاب پر حاوی

ہو جائیں تو تلخیص لکھنا شروع کریں پھر اپنی تحریر اور کتاب کی عبارت میں موازنہ کریں، اس طرح آپ خود بخود تحریر کے ساتھ ساتھ عربی زبان سیکھنے لگیں گے، کسی استاذ سے سیکھنے کی ضرورت نہیں ہوگی، کتاب ہی آپ کا استاذ ہوگی، آپ نے مجھے عربی اشعار کی طرف بھی متوجہ فرمایا، کیونکہ عربی اشعار عربی زبان کی اصل ہے، آپ نے مجھے اسلامی دائرہ میں رہتے ہوئے اپنی زندگی گزارنے کا طریقہ سکھایا، ندوہ سے فراغت کے بعد جب میں تعلیم کے لیے جامعہ ازہر آیا تب بھی آپ سے مربوط رہا، جب سفر ہوتا آپ سے ملاقات کرتا، آپ مصر کے حالات کے سلسلہ میں دریافت فرماتے اور مصر کے قیام کے دوران آپ اپنا قصہ بھی بیان فرماتے کہ آپ کا قیام اسی کیمپس میں ہوا تھا جہاں ابھی ہم لوگ قیام کرتے رہے ہیں، آپ یہاں کے کھانے پینے اور رہنے سہنے کے طریقہ کے سلسلہ میں گفتگو فرماتے۔

پہلے سفر کے بعد جب ہندوستان جانا ہوا تھا تو آپ سے ملاقات ہوئی تھی اور اس موقع سے اخوان المسلمین کے بارے میں بھی گفتگو ہوئی، کیونکہ مجھے ان کو بہت قریب سے دیکھنے کا اور ان کے ساتھ رہنے کا بھی موقع ملا، میں نے عرض کیا کہ میرے بہت سے دوست ہیں جن کا تعلق اس جماعت سے ہے، وہ دیندار ہوتے ہیں، اچھے اخلاق کے حامل ہوتے ہیں، دینی علوم کے ساتھ عصری علوم میں امتیاز پیدا کرنے کا ان کو شوق ہوتا ہے، ایک طرف ڈاکٹر اور انجینئر ہوتے ہیں تو دوسری طرف حافظ قرآن اور دین کے امور اور حلال وحرام سے واقف ہوتے ہیں، میڈیا میں بھی ان کی بڑی تعداد ہے اور یہی کیفیت اس جماعت سے منسلک خواتین میں بھی ہوتی ہے کہ وہ حافظ قرآن کے ساتھ ساتھ عصری علوم میں بھی ممتاز ہوتی ہیں، میں نے عرض کیا کہ میرا ان کے گھروں میں جانا ہوا ہے، ان کو قریب سے دیکھنے کو ملا ہے، میں نے یہ بھی ذکر کیا کہ جب میں یہاں اپنے اخوانی بھائیوں کے ساتھ بیٹھتا اور مصر کے حالات پر گفتگو شروع ہوتی تو پوری رات گذر جاتی لیکن ہماری گفتگو ختم نہیں ہوتی، میں نے ان سے یہ بھی ذکر کیا کہ ان تمام خوبیوں کے باوجود حکومت سے ٹکرانے کا فیصلہ غلط ہے۔ مولانا نے یہ ساری باتیں سن کر نصیحت فرمائی کہ آپ وہاں تعلیم حاصل کرنے کے لیے گئے ہیں، ان کے داخلی امور میں شامل نہ ہوں، آپ ان سے استفادہ کریں، حکومت حاصل کرنے کے علاوہ ان کے جو افکار ہیں اسے حاصل کریں، کیونکہ حکومت سے ٹکرانے میں ہمارا ہی نقصان ہے اس سے کچھ حاصل نہیں ہوتا ہے۔ چار ماہ قبل بھی میرا سفر ہوا تھا تو آپ حضرات سے ملنے کا موقع ملا بلکہ ندوہ کے مہمان خانہ میں حضرت مولانا ناظم صاحب، مولانا واضح صاحب اور مولانا نذر الحفیظ صاحب کے ساتھ ایک ساتھ کھانا کھانے کا موقع ملا، اس مناسبت سے بھی مصر کے موجودہ حالات کے بارے میں گفتگو ہوئی، میں نے یہاں کی درد بھری داستان سنائی کہ اب تو جو ہونا تھا ہو چکا، اخوان المسلمین کے بچوں اور بچیوں کی بڑی تعداد سلاخوں کے پیچھے ہے، اس جماعت کے تمام بڑے رہنما جیل میں ہیں، میں نے یہ بھی عرض کیا کہ جیل کے اندر ہماری کتنی بہنیں ہیں جن کی عزت وآبرو کو تار تار کیا گیا ہے۔

مجھے مولانا کی صحبت سے بہت کچھ ملا، میں نے آپ سے ایک فن میں مکمل دسترس حاصل کرنے کا طریقہ سیکھا، عربی زبان وادب کے ساتھ انگریزی زبان میں مہارت پیدا کرنے کی اہمیت کو جانا، آپ نے مجھے یہ بھی بتایا کہ جب بھی اپنے کسی مخالف سے سابقہ ہو تو گفتگو دلائل کی روشنی میں سکون واطمینان کے ساتھ ہو اور ان سے ٹکرانے کا طریقہ نہ اختیار کیا جائے، اپنے آپ کو ہمیشہ بڑے بزرگوں سے وابستہ رکھنا، یقیناً ان تمام باتوں سے مجھے مصر کے قیام کے دوران بہت فائدہ ہو رہا ہے، کیونکہ میں یہاں تعلیم کے ساتھ "الشرق الاوسط" عربی میگزین میں بھی ہوں، ہر طرف اپنے مخالفین ہیں، طبیعت ان سے نہیں ملتی ہے لیکن پھر بھی اپنی ذمہ داری کی ادائیگی ہو رہی ہے، ان کے سامنے اپنی بات پیش کرنے کا موقع بھی ملتا ہے اور نئی نئی چیزیں سیکھنے کو بھی مل رہی ہیں، صحافتی زبان بھی سیکھ رہا ہوں اور میرے سامنے مولانا کی وہ بات بالکل سچ ثابت ہوئی کہ آج دنیا میں میڈیا کی حکومت ہے، میں اپنی گفتگو اس نیت کے ساتھ ختم کر رہا ہوں کہ میں مولانا کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کروں گا اور ان کی طرح اپنے آپ کو قوم وملت کے لیے مفید بنانے کی کوشش کروں گا۔ ربنا تقبل منا انک انت السمیع العلیم

प्राकृतिक गुणों से भरपूर मसाले

सिक्का नं. 1 मसाले



SIKKA TRADING CO. INDIA

NEAR SIKKA BIDI CO., KAIPERGANJ. RAEBARELI

CUSTOMER CARE MOBILE NO. 9415071570

پیام عرفات

کے اس خصوصی اشاعت کے موقع پر، آیئے ہم
فخر العلماء حضرت مولانا سید محمد واضح حسنی ندویؒ کے
دعوت وتبلیغ کے مشن کو لے کر آگے بڑھیں، یہی داعی
اسلام کے لیے بہترین خراج عقیدت ہے۔

منجانب

محمد طارق اینڈ برادرس

روشن ٹریڈرس، کھویا منڈی، کیپر گنج، رائے بریلی

کس قدر غم ناک ہے یہ سانحہ
جرعہ جرعہ زہر غم کو پیجئے

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ کی وفات نہ صرف اہل خانہ کے لیے بلکہ پوری امت محمدیہ کے لیے عظیم ایک خسارہ ہے، آپ کا وجود سراپا خیر وبرکت تھا، اللہ تعالی ہم سب کو آپ کے ادھورے کاموں کی تکمیل کا حوصلہ اور جزبہ عطا فرمائے اور ہمیں آپ کو نعم البدل عطا فرمائے۔ آمین!

BAKKAN

Raebareli-Kanpur Transport Co. (Regd.)
Head Office: Gulab Road, Raebareli
B. O. 133/242-F, Juhi Ratu Purwa,
T. P. Nagar, Kanpur

فخر العلماء حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

علم وصحافت کا ایک مرد مجاہد رخصت ہوا۔ اللہ تعالیٰ اصحاب علم ودانش کو آپ کا بدل عطا فرمائے۔ آمین

منجانب

مناسب قیمتوں پر دینی، دعوتی، علمی وفکری کتابوں کا قابل اعتماد مرکز

ابراھیم بک ڈپو

IBRAHIM BOOK DEPOT

مدرسہ ضیاء العلوم، میدانپور، تکیہ کلاں، رائے بریلی (یو. پی.) Mobile:9919331295

ایک مثالی معلم کی وفات- ایک عہد کا خاتمہ

مولانا اعظم شرقی ندوی (استاذ مدرسہ مظہر الاسلام-لکھنؤ)

روشنی بانٹتا پھرتا ہے سورج کی طرح
ڈوبتا خود ہے ستاروں کو جنم دیتا ہے

یہ دور علمی قحط الرجال کا ہے، مسند درس استاد بامراد اور معلم کامیاب سے اب خالی ہو رہا ہے، تعجب اس بات سے نہیں کہ ہر چیز کو فنا نہیں ہے بلکہ اس بات پر ہے کہ جو شخص دنیا سے جا رہا ہے اس کی اپنی ایک دنیا آباد تھی، ایک طرف علم تھا، جس کی شمع سے علم و دین و ادب کے متوالے اس سے روشنی حاصل کر رہے تھے، دوسری طرف تربیت کا وہ ناصحانہ انداز تھا جن کے سایہ عاطفت میں بچے تربیت پا رہے تھے، جن کے مفید مشوروں سے تعلیم یافتہ نوجوان اپنے علمی اسفار کی راہیں طے کر رہے تھے۔ اکیڈمیاں، علمی اور دعوتی و تعلیمی ادارے جن کے مشوروں اور خطوط پر اپنے مقاصد کی تکمیل میں لگے ہوئے تھے، ایک طرف تصنیف و تالیف نئے نئے عنوانات کے ساتھ اہل قلم و اصحاب علم تک پہنچ رہی تھیں تو دوسری طرف علم و ادب کی مجلس بھی تھی جس سے ہر با توفیق اور علم دوست انسان فائدہ اٹھا رہا تھا۔ ایک طرف ادب اسلامی کے قافلہ سالار تھے جہاں سے ادب کو اسلامی اقدار و افکار سے ہم آہنگ کر رہے تھے تو دوسری طرف صحافت و ذرائع ابلاغ بھی اہم عنوان تھا جہاں بے لاگ جائزہ تھا، تبصرے تھے، نقد و نظر اور فکر و آراء شامل تھی۔

غرض کل تک وہ ایک زندہ، متحرک اور فعال تھے لیکن آج ان کے اٹھ جانے سے ایک اداسی اور افسردگی ہے؛

عجب قیامت کا حادثہ ہے کہ اشک ہے آستیں نہیں ہے
زمین کی رونق چلی گئی ہے افق پہ مہر مبین نہیں ہے
تیری جدائی پہ مرنے والے وہ کون ہے جو حزیں نہیں ہے
مگر تیری مرگ ناگہاں کا مجھے ابھی تک یقیں نہیں ہے

واقعۃً یقین کیوں ہو، وہ ابھی جانے والوں میں سے نہیں تھے، ان کا وجود ہم سب کے لیے ایک شجرہ سایہ دار درخت کا سا تھا، لیکن موت کے آگے کس کو رستگاری ہے، جہاں سے ان کا جسد خاکی اٹھا اسی درسگاہ کے کبھی وہ طالب علم بھی تھے، استاد بھی تھے، شعبہ عربی کے عمید بھی رہ چکے تھے، اسی دانش گاہ سے نکلنے والے عربی کے دو معروف جریدے کے مدیر اعلی بھی تھے اور سب سے بڑھ کر وہ اس ادارہ کے معتمد تعلیمات تھے جہاں کی ہر چیز شہ پارہ اور جہاں کا ہر فرد سیارہ ہوتا ہے، آج اس کے اٹھ جانے سے محفل علم و ادب پر سناٹا ہے، جہاں روز و شب و ماہ و سال گزرے، وہ بے زبان در و دیوار بھی اپنے اس ممتاز فرزند پر ماتم کناں ہیں۔

مولانا اعلی صفات کے حامل انسان تھے، وہ اخلاق میں بے مثال تھے، اور علم و عمل کے جامع تھے، قدیم و جدید کا حسین سنگم تھے، ندوہ سے فراغت نے ان کے اندر اعتدال اور وسطیت پیدا کر دی تھی، یہی ان کی تحریر اور یہی ان کی باتوں میں نمایاں تھیں، وہ علی گڑھ کے بھی طالب علم رہے جس سے نظم و ضبط اور ڈسپلین ان کی زندگی میں دکھتا تھا، وہ سادہ زندگی گزارتے تھے لیکن سوچ عالمی رکھتے تھے، وہ صحیح معنوں میں Live simply think globally کا آئینہ تھے۔ لکھنے والوں نے لکھا ہے کہ وہ زہد و توکل، ایمان و یقین کی مکمل تصویر تھے، تواضع و خاکساری، الفت و محبت، صدق و وفا اور تمام اعلی اسلامی قدروں کا پیکر جمیل تھے، ان کی زندگی فنائیت اور نفس کشی سے عبارت تھی، وہ بالغ نظر عالم، ناقد و صحافی تھے، ادیب و انشا پرداز تھے۔ لیکن میں سمجھتا ہوں کہ ان سب میں جو چیز نمایاں ہو کر سامنے آئی وہ یہ تھی کہ وہ بہترین استاد معلم و مربی تھے، وہ تعلیمی عمارت کے اہم ستون تھے، وہ طلبہ و اساتذہ کے لیے باب علم و دل کی طرح کشادہ رکھتے تھے، وہ منارۂ علم تھے جہاں سے علم و اخلاق کی روشنی مل رہی تھی، وہ عظیم مربی تھے، اپنے شاگردوں کو

اپنی اولاد سے زیادہ عزیز رکھتے تھے، وہ جوہر شناس تھے، وہ شخصیت سازی کے ہنر سے واقف تھے اور شخصیت سازی کے اجزائے ترکیبی سے واقف، وہ مربیوں کے بھی مربی تھے۔ انہوں نے مسند درس وتدریس سے وابستہ رہتے ہوئے اپنی عمر کا نصف حصہ لگا دیا، ۴۵ سال انہوں نے نسلوں کی تعلیم وتربیت پر صرف کیا، ان کی کتاب ''نظام تعلیم وتربیت اندیشے تقاضے اور حل'' سامنے آئی، تعلیم وتعلم سے وابستہ لوگوں کو یہ کتاب پڑھنی چاہیے۔

مولانا کے انتقال کی خبر جیسے ہی ملک و بیرون ملک میں پھیلی تو ان کے ہزاروں شاگردوں تک پہنچی، اور اس کے بعد تاثرات وتعزیت اور مضامین کا سلسلہ شروع ہو گیا، ان کے شاگردوں کی ایک بڑی تعداد تھی جنہوں نے اپنے استاد مربی کا ذکر خیر کر کے احسان شناسی اور قدر شناسی پر مبنی اپنے احساسات و تاثرات کا اظہار کیا۔ قدیم وجدید ندوی فضلاء بتاتے ہیں کہ مولانا ہی تھے جنہوں نے قلم پکڑنا سکھایا، یہ صحیح بات ہے کہ استاد وہ ہوتا ہے جو پڑھاتا نہیں سکھاتا ہے، جو سمجھاتا نہیں ذہن نشین کراتا ہے، اپنے شاگردوں سے کلام نہیں کرتا بلکہ دلوں اور ذہنوں پر دستک دیتا ہے، استاد اپنے طالب علم کو امتحان میں کامیابی و کامرانی کے طریقے نہیں بتاتا، بلکہ زندگی کے ہر میدان میں سرخرو ہونے کی صلاحیت پیدا کرتا ہے، مولانا کے شاگردوں نے اس کا اعتراف کیا کہ کلاس میں زبان سے کبھی کسی کے خلاف ہرزہ رسائی یا تیز لہجہ یا کسی پر تبصرہ تو درکنار کوئی خفیف یا ہلکا جملہ بھی نہیں نکلتا تھا، وہ اپنے شاگردوں سے لکھنے کا کام لیتے تھے جس سے ان کا فائدہ ہو، طلبہ کی ہر تحریر کو قدر کی نگاہ سے دیکھتے تھے، زبان واسلوب کو سادہ اور عام فہم بنانے کی کوشش کرتے اور اشاعت کے قابل بناتے، اپنے طلبہ کو جدید تعبیرات الفاظ وتراکیب کی تشریح کرتے اور زبان و ادب کے نکتے سمجھاتے۔ وہ طلبہ کی حوصلہ افزائی کرتے، ان کی غلطیوں کو نظر انداز کرتے، ان کے مضمون کو اپنی میگزین میں جگہ دیتے جس سے ان کے شاگردوں میں محنت کرنے اور آگے بڑھنے کا حوصلہ ملتا۔

شیخ مکتب ہے اک عمارت گر جس کی صنعت ہے روح انسانی

وہ کلاسوں میں طلبہ کو جدید عرب ادباء اور ان کی تحریروں سے اور کتابوں سے روشناس کراتے، وہاں کے علمی وفکری اور دعوتی تحریکات کے عروج پر روشنی ڈالتے اور تاریخ سے واقف کراتے، وہ لکھنے، سوچنے اور سمجھنے کی صلاحیت پیدا کرتے تھے۔ وہ ایک وسیع فکر ومطالعہ کے حامل استاد تھے، وہ طلباء کی ذہنی سطح اور ان کی عمر کے مراحل کے مطابق مختلف کتابوں کے پڑھنے کا مشورہ دیتے، وہ مغربی فکر وفلسفہ کے قبح کو بیان کرتے اور اسلامی افکار ونظریات پر مدلل گفتگو کرتے، آج ان کے کچھ شاگرد ایسے بھی ہیں جن کے علم کا ستارہ اقبال عروج پر ہے، جن کا لکھنا پڑھنا ہی اوڑھنا بچھونا ہے۔ وہ کم گو تھے، انہوں نے اپنے شاگردوں کو یہ سکھایا کہ زیادہ باتیں کرنا یہ خوبی کی بات نہیں، انہوں نے خاموش رہنا، غور وفکر کرنا سکھایا۔ وہ استاذ الاساتذہ تھے، ایک موقع پر ان کے ایک شاگرد نے جب ان سے ان کے تدریسی تجربات کی روشنی میں یہ سوال کیا کہ آپ ایک استاد کو کیا مشورہ دیں گے تو ان کا کہنا تھا کہ ''تدریس میں سمجھتا ہوں کہ محنت، وسعت مطالعہ، طالب کے ذہن کی رعایت اور اچھا نمونہ ثابت ہونے کی کوشش، تواضع، دعا سب سے کارآمد ذریعہ ہے'' انہوں نے یہ عمل کر کے دکھایا اور بتایا کہ ایک استاد کو اپنے شاگردوں کے ساتھ کس طرح پیش آنا چاہیے، وہ نہ طیش میں آئے، نہ سریع الغضب ہو، نہ وہ اپنی تعریف کرے اور نہ بڑائی، نہ غرور و تمکنت، نہ اپنی علمیت اور فضل وکمال کا اظہار کرے، وہ اپنے فن پر عبور رکھتا ہو، اس میں نہ خودستائی ہو، نہ خودنمائی، وہ عالی ظرف ہو اور متواضع ہو، وہ صالح بھی ہو اور مصلح بھی، وہ درس سے کبھی ہٹ کر طلبہ کے سامنے علم وفکر کے نئے گوشے لائے اور ان کی سوچ کو نئی جہت اور وسعت عطا کرے، وہ جہاں بھی رہے اپنی علمی وادبی مجلس سے کچھ نہ کچھ سیکھاتا بتاتا رہے۔ فی الحقیقت مولانا مرحوم نے یہ چیزیں کر کے دکھائیں، کیونکہ وہ اس بات کو اچھی طرح جانتے تھے کہ ایک استاد شاگرد کے لیے رول ماڈل ہوتا ہے، شاگرد استاذ کی پیروی کرنے کی کوشش کرتا ہے، ایک مثالی استاد کی جو صفات بخوبی ہو سکتی ہیں مولانا ان میں کامل اور مکمل تھے، ان میں تقوی اور خشیت تھی، وہ اپنے علم پر عامل تھے، وہ محبت الٰہی سے سرشار

تھے، اخلاص نیت سے متصف تھے، وہ اعلیٰ اخلاق سے مزین تھے، وہ اپنے آپ کو ہمیشہ طالب علم سمجھتے تھے۔

یہ سچ ہے کہ انہوں نے جس گھر میں آنکھیں کھولیں، وہاں علم تھا، کتابیں تھیں، لائبریری تھی، بزرگوں کے واقعات تھے، مجاہدین اور انبیاء وصلحاء و اتقیاء کے ایمان و ایقان افروز تذکرے تھے، جب شعور کی آنکھیں کھلیں تو گھریلو ماحول پر نانی صاحبہ (والدہ مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ) اور لکھنؤ میں دوران تعلیم اپنے دونوں ماموں ڈاکٹر سید عبد العلیؒ اور مولانا سید ابو الحسن علی ندویؒ کی رہنمائی اور تربیت غالب رہی۔

وہ زندگی بھر لکھتے پڑھتے رہے، وہ جب دنیا سے گئے تو لکھتے پڑھتے چلے گئے، ان کی وفات بھی علم کے تاج محل ندوہ میں ہوئی، وفات سے چند روز قبل ان کی کتاب "صحابۂ کرام کی مثالی زندگی" آچکی تھی، جسے دیکھ کر ان کی طبیعت خوش ہوگئی تھی، ان کو لکھنے پڑھنے اور مطالعہ سے عشق کی حد تک وابستگی تھی، ان کو اسی سے راحت ملتی تھی، آپ اس بات سے اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جب نگاہ کمزور ہوگئی اور پڑھنے سے معذور ہو گئے تو دوسروں سے مقالات و مضامین و اخبارات پڑھواتے اور لکھواتے، آپ اس سے بھی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جب بھی کوئی شاگرد ان سے ملتا تو وہ یہی سوال کرتے کہ تمہارا علمی میدان کیا ہے؟ مشغولیت کیا ہے؟ ان کے گھر کے بچے جب اندرون و بیرون ملک سے واپسی پر ان سے مطالبہ کرتے کہ آپ ہمارے لیے کیا لائے ہیں؟ تو وہ کتابیں ان کے ہاتھوں میں تھما دیتے، وہ گویا امام ابو یوسفؒ کے اس قول پر عامل تھے کہ "میں نے علم اس طرح حاصل کیا کہ دوسروں کے استفادہ سے باز نہیں رہا اور دوسروں کو فائدہ پہنچانے سے کبھی دریغ نہیں کیا" ان کا قلم ہر دم رواں دواں رہتا تھا، وہ کسی منزل پر قیام کو خودکشی کے مرادف سمجھتے تھے، وہ علمی مشغولیات میں جمود سے متنفر تھے، وہ اپنے شاگردوں کے علمی انہماک نہ رکھنے پر افسوس کرتے اور ان کو کچھ لکھتے رہنے اور پڑھتے رہنے کی ترغیب دیتے۔ وہ ایسے باکمال استاد تھے جنہوں نے کمزور ذہن کو تیز و اخاذ ذہن بنا دیا، کتنے متاروں نے ان سے روشنی حاصل کی اور کتنے ذروں کو انہوں نے آفتاب بنا دیا۔

دست نازک میں لوح و قلم دیتا ہے
نونہالوں کو قندیل حرم دیتا ہے

افسوس ان کے جانے سے ہم نے ایک فقید المثال استاذ کھو دیا، ایک عہد کا خاتمہ ہوگیا۔ ان کی موت بھی بہت اعلیٰ ہوئی، وہ جب اس دنیا میں آئے تو سب سے پہلے جو چیز ان کے پردۂ سماعت سے ٹکرائی وہ اذان تھی اور جب دنیا سے گئے تو سب سے آخری چیز جو انہوں نے سنی وہ بھی اذان ہی تھی، اللہ اکبر! اللہ ایسی موت نصیب کرے! ضروری ہے کہ ان کی خوبیوں کو اپنایا جائے اور ان کی فکر کو اپنے اندر اتارا جائے، یہی ان کے لیے صحیح خراج عقیدت ہوگی۔ اللہ استاذ بے مثال کو غریق رحمت کرے، اعلیٰ علیین میں جگہ عطا فرمائے۔ آمین!

اسلامی ذرائع ابلاغ کی ضرورت

"آج اسلامی معاشرہ کو ایسی صحافت کی ضرورت ہے جو نہ مغربی صحافت کی طرح شتر بے مہار ہو کہ قلم کاروں، کالم نگاروں کے دل میں جو آجائے اس کو کورے کاغذ پر اتار دے اور نہ ہی اشتراکی صحافت کی طرح بے دست و پا ہو کہ بیرونی دنیا کو تاریکی میں رکھنے، معاشرہ کے غیر واقعی حالات کو پیش کرنے کے سوا کوئی کام نہ کر سکے اور ایک خبر نامہ کی حیثیت اختیار کر لے بلکہ وہ صحافت ایسی ہو کہ دنیا کو باور کرائے کہ وہ پاکیزگی و احتساب، اصول پسندی، احساس ذمہ داری پر یقین رکھتی ہے، تعمیری تنقید سے کام لیتی ہے اور اپنے قاری کے جذبات کا احترام اس وقت تک کرتی ہے جب تک کہ انفرادی یا اجتماعی کسی حیثیت سے فکر اسلامی سے متصادم نہ ہو۔ وہ ایسی صحافت ہو جس کے اندر احساس ذمہ داری ہو، اپنا ایک پیغام رکھتی ہو، چند اصولوں اور ضابطوں کی پابند ہو۔"

• حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

میرے محسن و مربی

مولانا سید شعیب حسینی ندوی

انسان اپنی مختصر سی زندگی میں بے شمار لوگوں سے ملتا ہے، سیکڑوں سے شناسائی رکھتا ہے، لیکن ان میں سے معدودے چند کو دل میں خاص مقام دیتا ہے اور ان سے متاثر ہوتا ہے، ان کی صحبت میں انس بلکہ لطف محسوس کرتا ہے، احقر کے لیے ان چند شخصیات میں سے ایک دلآویز ہستی میرے محسن و مربی حضرت مولانا سید محمد واضح رشید ندوی رحمہ اللہ کی تھی، اللہ ان کو غریق رحمت کرے اور کروٹ کروٹ چین نصیب فرمائے۔

مجھے نہیں سمجھ آرہا کہ میں ان پر مضمون لکھتے ہوئے کہاں سے بات کو شروع کروں اور کیسے ان کی گوناگوں صفات کا احاطہ کروں، آپ کی خاندانی نسبتوں اور آپ کی تعلیم و تربیت، نشو ونما اور تفصیلی سوانحہ حیات سے میں صرف نظر کرتا ہوں، کیونکہ اس پر کافی کچھ لکھا جاچکا ہے اور خوب لکھا جائے گا، میں اپنے ان تاثرات کو قارئین کے سامنے پیش کرنا چاہتا ہوں جو میرے نہاں خانہ دل سے نکل رہے ہیں، اور جو انمٹ نقوش میری قرطاس خرد پر ثبت ہو چکے ہیں، یقیناً اعتراف صدق میں مجھے یہ کہتے ہوئے کوئی باک نہیں ہے کہ میری معمولی سی فکر کے تانے بانے بننے میں جن کی زبان و قلم کا ہاتھ ہے، اس میں بڑا حصہ مولانا مرحوم کا بھی ہے، مولانا کی شخصیت کو جو شہرت ملی وہ بحیثیت ادیب اور صحافی کے تھی، ان کی ادبی نگاہ اور صحافتی قابلیت کا لوہا طویل عرصہ سے مانا جاتا رہا، آپ کے ادبی شہ پارے رسالوں کی زینت بنتے رہے، یقیناً مولانا مرحوم نے ندوۃ العلماء کی صحافت اور اس کے ادب کو نئی سمت دی، جدید ادب کا تعارف کرایا، نئی عربی اصطلاحات سے روشناس کیا، صحافتی دنیا کے بیس سالہ طویل تجربہ سے فائدہ اٹھا کر طالبان علوم نبوت کو نئی دنیا سے باخبر کیا، اور اپنے اسلوب نگارش سے دنیائے ادب میں بڑا نام حاصل کیا، جدید تعلیمی ادارے اور جامعات اور مدارس اسلامیہ سب آپ کے فیض سے بہرمند ہوئے اور آپ کے فضل و کمال کے معترف رہے۔

مولانا مرحوم تدریس اور تربیت میں بھی اپنی مثال آپ تھے، جب مسند درس پر ہوتے ایسا محسوس ہوتا کہ علم کا ٹھاٹھیں مارتا سمندر ہے، جس کی ہر اگلی موج پچھلی سے بڑھ کر ہے، ایسا واضح نکھرا ہوا اور علمی اسلوب کم دیکھنے کو ملتا ہے، ہر بات ایسی پختہ اور جچی تلی ہوتی کہ قید قرطاس میں آجائے تو گرانقدر علمی سرمایہ بن جائے، مولانا کی یادداشت اخیر وقت تک غیر معمولی تھی، بات کرتے تو لگتا دیبوں کتابیں نگاہ کے سامنے کھلی ہوئی ہیں، ساتھ ہی انداز میں گداز اور سلوک میں شفقت دل میں اتر جاتی تھی، چھوٹوں کی ہمت افزائی کوئی مولانا مرحوم سے سیکھے، غلطیوں سے پُر مضمون بھی مولانا کے سامنے پیش کریں تو ایسی قدر کی نگاہ ڈالتے کہ بندہ دوسرا مضمون لکھ کر دکھانے کے فراغ میں رہتا، کوتاہیوں پر تنبیہ بھی کرتے اور اپنوں کو صریح انداز میں متنبہ کرتے، لیکن اس میں بھی الفت کا ایسا رنگ غالب ہوتا کہ آدمی میٹھی دوا کی طرح اسے قبول کرلیتا۔

ایک چیز جو مولانا اپنے ساتھ ہی لے کر چلے گئے اور جس کی مثال دنیا میں نایاب نہیں تو کمیاب ضرور ہے وہ بے نفسی اور حد درجہ تواضع کی انمول صفت ہے، جس میں مولانا کا ثانی ڈھونڈنا مشکل ہے، اپنے چھوٹوں کو اپنے سے بڑا بنا کر پیش کرنا، نام و نمود سے کوسوں دور بھاگنا، بعض اوقات میں نے دیکھا کہ مولانا مرحوم اپنے آپ کو نیچا ظاہر کررہے ہیں مولانا عبداللہ حسنی ندوی مرحوم کے سامنے، اور اپنے پر ان کو ترجیح دے رہے ہیں، ایک دفعہ مولانا کے حکم سے میں نے ایک مضمون تحریر کیا جو کسی پرچہ میں مولانا کو دینا

تھا، مضمون سن کر مولانا نے فرمایا کہ اگر میں لکھتا تو بھی اتنا اچھا نہ لکھتا، اس نااہل کی کوتاہ تحریر پر مولانا کا یہ تاثر صاف بتاتا ہے کہ مولانا نے نفس کو اپنے اندر سے نکال دیا تھا، بلاشبہ یہ جملہ بطور ہمت افزائی تھا، لیکن تجمیع میں بھی ایسا جملہ کون بولتا ہے؟

مولانا کی علمی شخصیت کا ایک پہلو جس سے میں بے پناہ متاثر ہوا اور مجھے اس کسب فیض پر فخر ہے، وہ ان کی فکری اپج تھی، عالی نظری، دقیقہ سنجی، معاملہ فہمی، آفاقی نگاہ بینی، دوررس نتائج کا ادراک، حالات کا منصفانہ اور ماہرانہ تجزیہ، عالم اسلام کی دگرگوں صورت حال کی نبض شناسی، واقعات کو غیر جذباتی ہو کر پورے پس منظر کے ساتھ سمجھنا، یہ باتیں مولانا کی امتیازی شان کو ظاہری کرتی ہیں۔

مغربی افکار و نظریات کا بھی مولانا کا وسیع مطالعہ تھا، مولانا نے ان کو ان کے اصل مصادر سے سمجھا تھا، کیونکہ مولانا کو انگریزی زبان پر بھی گہری دسترس حاصل تھی، اس لیے مولانا نے مغربی مفکرین کی کتابوں سے براہ راست فائدہ اٹھایا تھا، "الغزو الفکری" کے عنوان سے مولانا کے دیے ہوئے محاضرات (لکچرز) جن میں سے متعدد کو کتابی شکل بھی دے دی گئی ہے، مولانا کے عمیق مطالعہ اور ناقدانہ و مبصرانہ اسلوب کے غماز ہیں، مغربی تہذیب کی بنیاد جن اصولوں پر قائم ہے اور جو نظریات اس کی ریڑھ کی ہڈی جیسی حیثیت رکھتے ہیں، مولانا ان پر جب تیشے چلاتے تو ان کی بخیاں بکھرتی ہوئی نظر آتیں، ایسا جذباتی اسلوب کی وجہ سے نہیں ہوتا، بلکہ جو علمی دلائل اور تجزیاتی مطالعہ پیش کرتے وہ حقیقتوں سے پردہ اٹھا دیتا۔

تہذیب یورپ کی بیخ کنی میں مولانا خط اعتدال سے تجاوز نہیں کرتے تھے، ان کا موقف وہی تھا جو مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنی کتاب "اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش" میں تیسرا معتدل موقف پیش کیا ہے، مولانا کو بارہا یہ فرماتے سنا کہ "ہمارا یورپ سے اختلاف وسائل میں نہیں بلکہ غایات اور اہداف میں ہے۔"

یقیناً مولانا اپنے بعد وہ خلا چھوڑ گئے ہیں جس کو پُر کرنا آسان نہیں، اللہ مولانا کو غریق رحمت فرمائے اور ہمیں ان کے لیے صدقہ جاریہ بنائے۔ آمین!

مغربی تہذیب اور انسانی اقدار

"مغربی تہذیب ایک ترقی پذیر تہذیب ہے، جس میں سکون اور ٹھہراؤ نہیں، اس کی ترقی کی راہ میں کوئی چیز رکاوٹ نہیں بن سکتی ہے، اخلاقی اور انسانی قدریں اس کی نگاہ میں کوئی اہمیت نہیں رکھتیں، اگر وہ ترقی کی راہ میں رکاوٹ بنیں تو انہیں قربان کیا جاسکتا ہے، بلکہ حق تو یہ ہے کہ انسانی قدریں ایک فرسودہ تصور ہے، جو ترقی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ ہے، اس لیے موجودہ تمدن میں سب سے بڑی جو قربانی پیش کی جاتی ہے وہ انسان اور اقدار زندگی کی قربانی ہے۔

مغربی تہذیب اپنے علاوہ ہر انسانی معاشرہ اور ہر نظریہ اور تصور حیات کو ناقابل تسلیم اور ناقابل احترام سمجھتی ہے، بلکہ ناقابل بقاء، وہ انسان کو کس نظر سے دیکھتی ہے، اس کا اندازہ اس سے بھی ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے نظام کی بقاء کے لیے دوسرے انسانوں کے خلاف مہلک اور تباہ کن ہتھیار تیار کرنے میں مصروف ہے اور ان کا ڈھیر لگا رہی ہے، جن کا مصرف انسان کی تباہی ہے، اس طرح پر کہ صنعتی اداروں اور مراکز کو اس سے کسی قسم کا نقصان نہ ہونے پائے، اس کی واضح دلیل نائیٹرون بم کے موجد کا وہ بیان ہے جو انہوں نے ایک ٹیلیویژن انٹرویو میں دیا تھا، انہوں نے کہا کہ ان کا بم صرف انسانوں کو فنا کرے گا، صنعتی اداروں کو اس سے کوئی نقصان نہیں ہوگا، انہوں نے یہ بھی کہا کہ انسان چونکہ جنگ کرتا ہے، اس لیے وہی قتل کا مستحق ہے، ان اداروں کی کوئی خطا نہیں ہے، جس کی پاداش میں ان کو تباہ و برباد کیا جائے۔"

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

زمیں کی تہوں میں میں آفتاب ڈھونڈتا ہوں میں

مولانا طارق اکرمی ندوی (استاد مدرسہ خیر العلوم۔ بھٹکل)

۹؍جمادی الاولی ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۶؍جنوری ۲۰۱۹ء کی صبح روشن ہونے سے پہلے ایک آفتاب عالم حکمت کئی دہائیوں تک علم و آگہی کی، زبان و ادب کی، فکر اسلامی کی ترویج و اشاعت کر کے بندگان خدا میں احساس و شعور کی چنگاری بیدار کرنے کی سعی پیہم کر کے اس زوال پذیر اور فانی دنیا سے ہمیشہ کے لیے غروب ہوگیا، حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کے فکر کی گہرائی، نظر کی رسائی، زبان و ادب پر مہارت، بے باک لیکن شفاف نقد و تبصرہ اور مختلف علوم میں آپ کی رائے سے کون ناواقف ہوگا؟ بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ آپ کے قلم کے آگے دنیائے عرب نے بھی گھٹنے ٹیک دیے، مولانا کی نوک قلم سے ایسی کتابیں نکلیں جن سے مغربی فکر پر لرزہ طاری ہوگیا، دوسری طرف اپنوں میں بیداری کی لہر پیدا ہوئی۔

وہ صبح بھی کیا صبح تھی جس نے آفتاب کو نگل لیا، وہ لمحہ بھی کیا لمحہ تھا جس نے چراغ کو بجھا دیا، اب ذہن و دماغ کے نہاں خانوں میں صرف اس کی روشنی کی جھلک رہ گئی، کبھی سال کا عرصہ کمتر از ساعتے نظر آیا، ٹوٹے خواب کے مانند، بکھری یادوں کے مانند، سہانے ماضی کے دلکش تصورات کی طرح، اب دیکھنے اور سوچنے کو رہا ہی کیا ہے؟! بیتے دنوں کے دلربا خیالات کے لعل و گوہر کو سمیٹنے کے لیے اور آئندہ کے لیے ان کو محفوظ رکھنے اور زاد راہ کے طور پر اختیار کرنے کے لیے، ان لمحات کو سپرد قرطاس کرنا باعث عافیت بھی ہے اور تذکرہ اور یاد دہانی کا سبب بھی۔

مولانا مرحوم کا انتقال تنہا ایک فرد کا انتقال نہیں ہے، بلکہ فکر اسلامی کے ایک شہسوار کا انتقال ہے، دریائے ادب عربی کے ماہر ترین شناور کا اٹھ جانا ہے، ماہرین تعلیم کے درمیان سے انتہائی صائب الرائے، بلیغ النظر شخصیت کا انتقال ہے، علمی حلقوں، فکری عمیق وادیوں کے ایک بڑے ناخدا کا اٹھنا ہے، یقیناً یہ امت مسلمہ ہندیہ خاص کر ایک عظیم خلا ہے۔

وما كان قيس هلكه هلك واحد
ولكنه بنيان قوم تهدما

یہ سچ ہے کہ سہانے ماضی کے لمحوں کو بھلانا کھیل نہیں:

زمانہ طالب علمی اور اس کے مابعد کے دور میں حضرت والا سے جو قربت کے مواقع ملے، بالیقین وہ ہمارے سرمایۂ حیات بھی ہیں، اور ان شاء اللہ ذخیرۂ آخرت بھی، آپ کی وہ بے پناہ محبتیں اور شفقتیں تھیں جس نے ہمیں یہ مواقع دیے، جس کی وجہ سے حضرت والا کی زندگی کے مختلف دریچے نظروں کے سامنے وا ہو گئے، آپ کی زندگی میں پیش آنے والی مختلف النوع باتوں کا تذکرہ ہوا، آپ کے سامنے پیش آئے بہت سارے تغیرات اور انقلابات اور ان کے پیچھے کارفرما اسباب و عوامل اور اس سے ظاہر ہونے والے نتائج کا ذکر ہوا، عربی ادب کی باریکیاں بھی بتائیں، تعریب و ترجمے کے اصول و نہج سے آگاہ فرمایا، نیز عام طور پر مرور زمانہ کے ساتھ زبانوں پر مرتب ہونے والے آثار، اسباب اور نتائج کا تذکرہ ہوا، اس قلیل عرصے میں بندہ نے (حسب استطاعت) آپ کی زندگی میں شعر و شاعری کا اعلی ذوق دیکھا، معیاری زبان و ادب کا بلند ترین نمونہ پایا، نقد و تبصرے کی شفافیت اور بے باکی محسوس کی، فکر کی گہرائی کا اندازہ ہوا، قلم کی روانی، زبان کی سلاست دیکھی، عربی زبان سے محبت بلکہ عشق دیکھا، اس کے اسباب معلوم کرنے کی کوشش کی، تواضع اور محبت کی مجسم صورت نظر آئی، علاوہ ازیں بعض خصوصی باتوں کا بھی تذکرہ فرمایا، اجتماعی زندگی کی ان خوب صورت جھلکوں

کے ساتھ دوسری طرف آپ میں مسجد سے محبت دیکھی، قرآن کریم کی تلاوت کی پابندی بلکہ تلاوت وسماعت کا ذوق دیکھا، براہ راست آیات قرآنیہ سے تاثر لینا دیکھا، حسن صوت اور موزوں ادائیگی حروف نیز اوقاف ورکوع کی رعایت کے ساتھ تلاوت پر بے ساختگی سے جھومنا دیکھا، حلاوت قرآنی سے لطف اندوز ہونا دیکھا، اب یہ باتیں ایک خواب سی لگتی ہیں، جس کو تلاش کرنا جوئے شیر لانے کے مترادف ہے ع

جنہیں سحر نگل گئی وہ خواب ڈھونڈتا ہوں میں

براہ راست زبان سیکھنا:

آپ کے زمانۂ طالب علمی میں ادب عربی کے موضوع پر نوعمر طلبہ کے لائق کوئی خاص کتاب موجود نہیں تھی، ''القراءۃ الراشدۃ'' اور ''قصص النبیین'' اس زمانے میں نہیں آئی تھی، البتہ ''القراءۃ الرشیدۃ'' مصر سے چھپ کر آچکی تھی، لیکن جس نہج سے مولانا کی تعلیم ہوئی، اس سے زبان کا اثر راست طور پر آپ کے ذہن و دماغ پر مرتب ہوا، بقول عربی شاعر:

أتاني هواها قبل أن أعرف الهوى
فصادف قلباً خالياً فتمكنا

اس زمانے میں عربی اول کے درجہ میں ''ادیب کامل'' کا گھنٹہ ہوتا تھا، مولانا محبوب الرحمن صاحب ازہریؒ اور مولانا عمران خان صاحبؒ کے گھنٹے ہوتے تھے، کبھی کبھی حضرت مولانا علی میاں رحمۃ اللہ علیہ بھی درجے میں آتے تھے، مولانا محبوب الرحمان صاحب کی ''المحاورۃ العربیۃ'' بھی چھپ کر نہیں آئی تھی، اس وقت مولانا طلبہ کو کبھی باغات میں، کبھی نہر کے کنارے لے جاتے اور براہ راست اشیاء کا تعارف کراتے تھے، چیزوں کو دکھا کر فرماتے کہ ''ھذا حجر، ھذا شجر، ھذا شاطئ'' وغیرہ، اسی وجہ سے مولانا مرحوم فرماتے تھے کہ ''ہم نے عربی واقع سے سیکھی'' اس وقت ندوہ میں عربی میڈیم کا گویا تجربہ ہو رہا تھا، درجہ میں بھی عربی میں بات کرنے پر زور دیا جاتا تھا۔

پھر فراغت کے بعد مستقل زبان و ادب کے لیے یکسو ہوئے، انساب عرب جاننے کے لیے اور قبائل کے آپسی تعلق کو پہچاننے کے لیے مولانا نے ایک لمبا عرصہ گزارا، مولانا فرماتے تھے کہ اگر یہ معلوم نہ ہو کہ ایک قبیلے کا دوسرے قبیلے سے کیا تعلق ہے ؟ کیا وہ آپس میں حریف تھے یا حلیف؟ تو ادب عربی میں بہت ساری پیچیدگیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، نیز اس ناواقفیت یا کم واقفیت کے نتیجہ میں بڑے بڑے ادباء شعر فہمی اور ترجمہ میں غلطی کر بیٹھے۔ بطور مثال فرماتے تھے کہ:

لو كنت من مازن لم تستبح إبلي
بنو اللقيطة من ذهل بن شيبانا

اس شعر میں اگر بنو مازن کا صحیح تعارف نہ ہو، ذہل بن شیبان قبیلے کی تمام تر شاخوں کا اور ان کے آپسی تعلق کا علم نہ ہو، اور بنو لقیطہ کا تعارف اور اس نام کی وجہ تسمیہ معلوم نہ ہو تو اس سلسلے میں بڑی دشواریوں کا سامنا ہو سکتا ہے۔

فن میں پختگی کا راز:

مولانا کی تعلیم میں درسیات کی کتابیں مختصر رہیں اور آج نصاب تعلیم میں ایک ایک فن کی کئی کئی کتابیں مقرر ہونے کے باوجود عام طور پر طلبہ کو خاطر خواہ فائدہ حاصل نہیں ہو رہا ہے، اور اکثروں کی حالت (خرجت منه كما دخلت) کی سی ہو جاتی ہے، لہذا ایک موقع پر ہم نے سوال کیا کہ ایسی حالت میں نصاب مختصر کر کے ایک دو کتابیں پڑھانا مفید ہو سکتا ہے؟ فرمانے لگے کہ ممکن ہے، البتہ فن کی پختگی کے لیے متعدد کتابیں پڑھنا ضروری ہے، پھر تذکرۃً فرمایا کہ ہم نے علم نحو میں کئی ایک کتابیں پڑھی ہیں، اکثر کتابیں درس کے علاوہ خارج میں پڑھی ہیں۔

اشعار یاد کرنے کا مشورہ:

ایک موقع پر فرمایا کہ اشعار یاد کرنا چاہیے، اس سے زبان کا بڑا فائدہ ہوتا ہے، خاص کر پرانے اشعار، اس پر ہم نے تذکرۃً ان پوچھ لیا کہ آپ کو کتنے اشعار یاد ہوں گے؟ فرمانے لگے کہ اب سب بھول گئے ہیں، پہلے بہت یاد تھے، ہم نے پوچھا کہ پھر بھی؟ فرمایا کہ ہوں گے کئی ہزار! (غالباً چار یا پانچ ہزار فرمایا۔) ہمیں حیرت

ہوئی اب بھول جانے کے بعد کا یہ عالم ہے تو جوانی کا کیا عالم رہا ہوگا؟!

سیر صحابہ پڑھنے کی تاکید:

ایک موقع پر خصوصی طور پر فرمایا کہ صحابہ کی سیرت کا خاص طور پر مطالعہ کرنا چاہیے، لوگ سمجھتے ہیں کہ دیگر بزرگوں نے دین کی بڑی خدمتیں کیں، لیکن دین کے لیے سب سے زیادہ مجاہدے کرنے والے صحابہ ہی تو تھے، ان کی زندگیاں پڑھنی چاہیے۔

اہل فن سے رجوع کی عملی تاکید:

ایک مرتبہ حضرت گفتگو فرمارہے تھے، زبان وادب کی باتیں چل پڑیں، بڑے انشراح سے حضرت والا نے باتیں بتائیں، اسی ضمن میں آیت قرآنی (ولقد مكناهم فيما إن مكناكم فيه) کے بلاغی پہلو کے بارے میں سوال کیا کہ سمع، بصر، فواد کی نعمت تو عام ہے تو اس سیاق میں مخاطب کے لیے کیا خصوصی بات ہوئی؟ فرمایا کہ چھوٹے بھیا (حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ) سے پوچھو، تفسیر ان کا موضوع ہے، ہم نے کہا کہ ہمیں صرف اس کا بلاغی پہلو درکار ہے، تفسیری نہیں، بار بار سوال پر بھی آپ نے نہیں بتایا، بلکہ یہی فرماتے رہے کہ یہ سوال چھوٹے بھیا سے کرو، اس کا تعلق تفسیر سے ہے اور تفسیر ان کا موضوع ہے، پھر ایک واقعہ بیان کیا کہ امام اہل لغت امام اصمعی رحمۃ اللہ علیہ سے ایک شخص نے آیت قرآنی (إني أراني أحمل فوق رأسي خبزاً تأكل الطير منه) میں "خبز" کے معنی دریافت کیے، امام اصمعی نے فرمایا کہ ہم نہیں جانتے، اس شخص کو نہایت تعجب ہوا کہ امام لغت اس ایک عام فہم لفظ سے بھی ناواقف ہے؟ امام اصمعی نے فرمایا کہ گیہوں پیس کر آٹا گوندھنا اور پھر اس کے ٹکوے کرکے روٹی بنا کر کھانا، اس کو عرب "خبز" کہتے ہیں، لیکن اس آیت میں خبز کے کیا معنی ہیں وہ کسی مفسر سے پوچھ لیں، وہ ہمارا موضوع نہیں ہے۔

اس واقعہ سے ایک طرف حضرت والا کا تواضع بھی معلوم ہوا اور دوسری طرف ذہن ادھر بھی منتقل ہوتا ہے کہ حضرت والا اس زمانے کے اصمعی تھے، اللہ پاک آپ کو غریق رحمت فرمائے۔ امانت ہے وہ اللہ کی، وہ اسی کے حضور حاضر ہوئے، اپنے پیچھے پسماندگان کی ایک طویل تعداد چھوڑ چلے، کیا قریب کیا بعید؟ کیا رشتے دار کیا شاگرد؟ سبھی آپ کے فراق کے غم میں رنجور معلوم ہوتے ہیں۔

عربی زبان سے محبت:

مولانا کے ادبی ذوق کو جلا بخشنے اور فنی عنصر کو پروان چڑھانے اور آپ کی علمی شخصیت کو نکھارنے اور سنوارنے میں بنیادی طور پر تین اسباب نظر آتے ہیں، مختلف حیثیتوں سے آپ اپنے شاگردوں کو اس کی طرف متوجہ فرماتے تھے، اور اپنی مختلف نجی اور عمومی مجلسوں میں اس کا ذکر فرماتے تھے، اور ان باتوں کی اہمیت کا احساس دلاتے تھے: (۱) فن کا پختگی اور گہرائی سے مطالعہ اور اس موضوع پر لکھی گئی متعدد کتابوں کو پڑھنا۔ (۲) ادب عربی میں انساب عرب سے واقفیت۔ (۳) حفظ متون ونصوص ادبیہ۔ بظاہر یہی وہ اسباب ہیں جن سے آپ کی شخصیت کو جلا ملی اور دنیا کو "تاريخ الأدب العربي (العصر الجاهلي)" اور "أعلام الأدب العربي في العصر الحديث" اور "مصادر الادب العربي" اور "أدب اهل القلوب" جیسی شاہکار کتابیں نصیب ہوئیں۔

آپ اپنے شاگردوں کو اس بات کی ترغیب دیتے تھے کہ عربی زبان کو بطور وسیلہ ہی سیکھنا چاہیے، زبان کو مقصود نہیں بنانا چاہیے، زبان وسیلہ اور خادم ہے، زبان سے مقصود فہم شریعت بنانے نیز قرآن وحدیث سے براہ راست اشتغال رکھنے کی تاکید فرماتے تھے، عموماً لوگوں نے مولانا کو بحیثیت ایک ماہر ادیب اور مفکر کے ہی جانا، آپ کی زندگی کے دوسرے پہلو اکثر مخفی رہے، زبان و ادب پر گہری دسترس کی وجہ سے تلاوت قرآن کا آپ پر وہ اثر ہوتا تھا جس کا تصور ناممکن نہ سہی مشکل ترین ضرور ہے، کبھی کبھی بے اختیارانہ کوئی بات زبان سے نکل جاتی، ورنہ اپنی کیفیت کو بہت ہی مخفی رکھتے تھے۔

عربی زبان وادب کا یہی وہ صاف ستھرا ذوق تھا جو آپ کو بار بار سماع آیات قرآنیہ بھی مزید سننے پر مجبور کرتا تھا، اور ہر مرتبہ کے سماع

پر اپنا نیا اثر ظاہر کرتا، رمضان کی راتوں میں کھڑے ہو کر تراویح ادا کرنے کے بعد کچھ دیر آرام کر کے تہجد میں اٹھتے، کمرے میں دیر تک نمازیں پڑھ کر پھر بنگلے کے باہری کمرے میں کسی حافظ کو بلا کر پھر قرآن پاک نماز میں کھڑے ہو کر سنتے تھے۔

اسلوب قرآنی کی قوت اور پختگی، اور اس کی زبان کے زور سے متعلق بارہا حضرت والا سے باتیں سنیں، اسی ضمن میں ایک موقع سے سوال کیا کہ اس ذوق کو پیدا کرنے میں کون سی کتاب ابتدائی طور پر مفید ثابت ہو سکتی ہے، فرمانے لگے: "التصوير الفني في القرآن الكريم" اور دوسری کتاب "مشاهد القيامة في القرآن" (یہ دونوں کتابیں سید قطبؒ کی ہیں) قرآن پاک کی صوتی ہم آہنگی اور کلمات کی صحیح ادائیگی پر دلوں پر مرتب ہونے والے اثر سے متعلق بھی بار بار تذکرہ فرماتے تھے۔

عربی زبان سے آپ کو کس قدر محبت تھی، وہ اس واقعہ سے بھی اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ ایک بار آپ کی طبیعت مکدر تھی، بنگلے (تکیہ کلاں رائے بریلی) میں تشریف فرما تھے، الگ تھلگ ایک کونے میں سر جھکائے بیٹھے تھے، ہم قریب جا کر بیٹھ گئے، نظر اٹھا کر دیکھ لیا پھر نگاہیں نیچی کیں اور کچھ دیر تک سر جھکائے بیٹھے رہے، پھر ایک عجیب کیف ونشاط کے ساتھ عربی زبان اور قدیم شعراء کا تذکرہ کرنے لگے، نقائض فرزدق وجریر کا تذکرہ فرمانے لگے، بہت دیر تک اسی طرح کھل کر بات کرتے رہے، فرزدق کے اس شاہکار قصیدے کا ذکر آیا، جس میں وہ کہتا ہے ؎

ترى إن سرنا يسيرون خلفنا
وإن نحن أومأنا إلى الناس وقفوا

فرمایا کہ فرزدق نے یہ قصیدہ جریر کے اس قصیدے کے جواب میں لکھا تھا، جس میں وہ کہتا ہے ؎

إذا غضبت عليك بنو تميم
حسبت الناس كلهم غضابا

فرمایا کہ فرزدق کو اس قصیدے کے تیار کرنے میں بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑا تھا، اس کا تذکرہ کرتے ہوئے بات کا رخ شعراء کے ہم زاد اور جنات کے الہام کی طرف مڑ گیا، بہت دیر تک فرزدق کی باتوں کے حوالے سے بات ہوتی رہی، آپ نے اس تصور کو واضح کیا، بہت ہی لطف لے کر اس واقعہ کو بیان فرما رہے تھے، کافی دیر ہو چکی تھی اور کھانا بھی لگ گیا تھا، بلانے والے نے بلایا کہ کھانا لگ چکا ہے تو یہ کہتے ہوئے مجلس برخاست فرمائی کہ "اب طبیعت منشرح ہوئی، ادب کی باتیں کرنے سے طبیعت میں انشراح پیدا ہوتا ہے۔"

حضرت مولانا ﷺ کے فکر کی نمایندگی:

آپ نے اپنے ماموں جان (حضرت مولانا علی میاں) کے افکار ونظریات، اور آپ کی زندگی کی نمایاں خوبیوں اور صفات کو بہت ہی عمدہ نہج اور بہترین اسلوب کے ساتھ لوگوں کے سامنے پیش کیا، بلکہ اگر یوں کہا جائے تو ان شاء اللہ ادنی مبالغہ کی بات نہیں ہوگی کہ آپ نے اپنے ماموں جان کے افکار کو اوڑھ لیا تھا، آپ کی دو کتابیں اس سلسلے میں بہت ہی نمایاں مقام کی حامل ہیں؛ (۱) الشيخ أبو الحسن قائداً حكيماً (۲) اور آپ کے ادبی مقام کی وضاحت کے لیے "المسحة الأدبية في كتابات الشيخ أبي الحسن الندوي"

مذہب ایک انسانی ضرورت

"مذہب ایک انسانی ضرورت ہے، اور کوئی بھی انسان اس سے بے نیاز نہیں ہو سکتا، مذہب ہی انسان کے لیے کامیابی وکامرانی اور روحانی سکون کا سرچشمہ ہے، اور اس روحانی سعادت سے محروم کوئی بھی معاشرہ حقیقی سعادت حاصل نہیں کر سکتا، مذہب ہی انسان کو اعلیٰ مقام عطا کرتا ہے، اور مادی انتحصال کو ختم کرتا ہے، اور برائی سے بچنے کا شعور پیدا کرتا ہے، مذہب کے ذریعہ جو ذہنی انقلاب پیدا کیا جا سکتا ہے، وہ سیاسی اور سماجی تحریکات سے زیادہ پائیدار اور وسیع ہوتا ہے، اسی وجہ سے اب مختلف ملکوں میں مذہب کے ساتھ رشتہ استوار کرنے کا احساس پیدا ہو رہا ہے۔"

● حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی ﷺ

وہ جو بیچتے تھے دوائے دل وہ دکان اپنی بڑھا گئے

مولانا ابوسفیان ندوی علیگ (شعبۂ عربی مسلم یونیورسٹی-علی گڑھ)

آج جب ہم سب کے مرشد و مربی اور ہر دل عزیز استاذ الاساتذہ، میدان علم وادب کے شہسوار، آبروئے صحافت، معتمد تعلیم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ حضرت مولانا سید واضح رشید حسنی ندویؒ ہمارے بیچ نہیں رہے، اس سے ہمارا دل مغموم وافسردہ ہے، بے چین وبے تاب ہے، بے قرار ومضطرب ہے، سمجھ میں نہیں آرہا ہے کیا لکھوں، مولانا کی جامع ترین شخصیت کے کس پہلو پر قلم اٹھاؤں، ان کی شخصیت تو ایک انجمن تھی، اس لیے کس گوشہ کو بیان کروں اور کس گوشہ کو چھوڑ دوں یہ بات میرے لیے پریشانی کا باعث بن رہی ہے۔

میں نے زمانہ طالب علمی میں مولانا کو جتنا دیکھا ہے، جتنا مولانا کی شخصیت کو دیکھ کر محسوس کیا ہے، اس کے لیے ایک دفتر درکار ہے، چند سطروں میں اسے بیان کرنا مشکل وناممکن ہے، بہر حال وہ چند نقوش جو مولانا سے متعلق میرے ذہن ودماغ کے گوشے میں ثبت ہیں بیان کرنا چاہوں گا، کیونکہ مولانا کو میں نے بارہا بہت قریب سے دیکھا ہے، ان کے محاضرات میں بیٹھ کر اور سن کر، موقع موقع سے ان کے آگے پیچھے پھر کر، مسجد میں ان کے اگل بغل میں بیٹھ کے نماز پڑھ کر، دارعرفات میں ان کے محاضرے سے مستفیض ہو کر، ضیاء العلوم کے "قامۃ المحاضرات" میں مولانا کے پند ونصائح سے مستفید ہو کر، تکیہ کی مسجد میں فضلائے ندوہ کے ساتھ ان کی مجلسوں میں بیٹھ کر میں نے بہت کچھ سیکھا ہے، اور موقع بموقع مختلف مقامات پر ان کی جامع ترین شخصیت نے مجھے بہت متاثر کیا ہے۔

میں اس زمانہ میں ضیاء العلوم میدان پور تکیہ کلاں رائے بریلی کا طالب علم ہوا کرتا تھا، کیونکہ یہ مدرسہ مولانا کے خاندان کے بالکل جوار میں واقع ہے اور یہ مدرسہ خود اسی خاندان کی دین ہے، پوری دیکھ ریکھ اور ذمہ داری اور تعلیم وتربیت پر پوری نظر رکھنا اسی خاندان کے ذمہ ہے، جس کی بنیاد مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ندوی رحمۃ اللہ علیہ نے رکھی اور موجودہ دیکھ ریکھ کی پوری ذمہ داری ہمارے انہیں اکابر مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور مولانا مرحوم پر تھی اور ہے جس کو مولانا سلمان حسینی ندوی اور مولانا بلال حسنی ندوی نے اپنی دینی فہم وفراست اور اعلی ذکاوت وذہانت سے ترقی کی راہ پر لے کر چل رہے ہیں اور رواں دواں ہیں۔

جمعرات کو اکثر ناظم صاحب حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اور مولانا مرحوم سید واضح رشید حسنی ندویؒ رائے بریلی تشریف لے آتے جس سے ہم طلبائے ضیاء العلوم کو جا بجا استفادے کا موقع مل جاتا، ہم طلباء جمعرات کو بعد نماز عصر یا مغرب مولانا سے ملنے کی کوشش کرتے، اگر جمعرات کو الاصلاح کے پروگرام کی وجہ سے موقع میسر نہ آتا تو جمعہ کے دن بعد نماز جمعہ ملنے کے لیے ہمارے پاس پورا وقت ہوتا، مولانا سے ملنے کے لیے نماز کے بعد کچھ دیر انتظار کرنا پڑتا، کیونکہ نماز کے بعد کچھ دیر مولانا ذکر واذکار میں مشغول رہتے پھر اس سے فارغ ہو کر جب مولانا نکلنے والے ہوتے تو طلباء مسجد میں مولانا سے ملنے کی کوشش کرتے لیکن مولانا سے بہت کم ہی مل پاتے، کیونکہ ذکر واذکار کے بعد مولانا فوراً بنگلہ کی طرف نکل پڑتے، مولانا زیادہ سے زیادہ اس چیز سے پرہیز کرتے کہ ان کی وجہ سے مسجد میں مصافحہ کرنے والوں کی بھیڑ جمع ہو اور نماز پڑھنے والوں کو دقت کا سامنا کرنا پڑے اور لوگوں کو گمان ہو کہ کوئی بڑی شخصیت مسجد میں تشریف رکھتی ہے اور اس سے ایک طرح کی بڑائی کا شبہ پیدا ہو، بلکہ وہ اس طرح سادگی کے ساتھ مسجد میں آتے اور اس طرح سادگی سے مسجد سے نکل جاتے کہ احساس ہی نہیں ہوتا کہ حضرت مولانا واضح صاحب دامت برکاتہم مسجد میں تشریف رکھتے تھے، ملنے والوں اور ملاقات کرنے والوں کو تاک اور فراق میں رہنا پڑتا، تب جا کے وہ مل

پاتے اور مولانا سے ملاقات ہو پاتی، اسی طرح جن طلباء کو مولانا سے کچھ پوچھنا رہتا انہیں بھی بہت محتاط رہنا پڑتا، وہ اپنے سوالات اکثر مسجد سے لوٹتے وقت چلتے چلتے راستہ میں ہی پوچھ پاتے، کیونکہ وہ مسجد میں کبھی بات کرنے کے قائل ہی نہیں تھے، وہ مسجد میں ہمیشہ ذکر و اذکار ہی میں مشغول رہتے اور راستہ میں جو بھی جو سوال لے کر مولانا کے پاس جاتا وہ ان کا تشفی بخش جواب دیتے اور جو جس طرح کی رہنمائی چاہتا ان کی دل کھول کر رہنمائی کرتے، بہت پیار و محبت کا سلوک اور بہت ہی الفت و انسیت کا برتاؤ کرتے، ان کو کبھی یہ گلہ نہیں ہوتا کہ یہ بھی ملنے اور کچھ پوچھنے کا کوئی طریقہ ہے، کبھی بھی نہیں۔ بلکہ ان کی شخصیت "اس سادگی پہ کون نہ مر جائے اے خدا!" کا جیتا جاگتا نمونہ اور "لو لا التشهد كانت لاءه نعم" کی عملی تصویر تھی

وہ فطرتاً سادگی پسند اور تواضع پسند تھے۔ بہت ہی آرام سے چلتے، نگاہیں نیچی رکھتے، سر ہمیشہ خم ہوتا، ایسا محسوس ہوتا کہ وہ کسی فکر میں ڈوبے ہیں اور کسی مسئلے کے حل کی تلاش میں ہیں اور یہ بات بھی سچ ہے کہ امت مسلمہ کے مسائل کے حل کے لیے اور ان کے تدارک و تعالج کے لیے وہ ہمیشہ فکر مند رہتے، عالمی صحافت اور عالم اسلام پر ان کی گرفت بہت مضبوط تھی اور دور حاضر کے صحافتی مزاج اور صحافتی احوال و کوائف سے آشنا ہی نہیں بلکہ اسے صالح فکر سے ہم آہنگ کرنے کے لیے ہمیشہ تگ و دو میں لگے رہتے، اگر یوں کہا جائے کہ وہ آبروئے صحافت تھے اور صحافت کی آبرو ان سے وابستہ تھی تو مبالغہ نہ ہوگا، ان کی تحریر اتنی سلجھی ہوئی ہوتی کہ قاری پڑھ کر عش عش کرتا، پر خطر موضوع پر بھی قلم اٹھا کر وہ موضوع سے ہٹے بغیر حل بتاتے ہوئے بہت آرام سے گزر جاتے اور پڑھنے والا سر دھنتا رہ جاتا، کبھی بھی وہ جذبات سے مغلوب نہیں ہوتے اور حقیقت کا دامن کبھی بھی ہاتھ سے چھوٹنے نہیں دیتے، مولانا کی سب سے بڑی خوبی یہ تھی کہ مولانا کسی بھی مسئلہ پر لکھنے سے پہلے وہ اس چیز کی نشاندہی کرتے کہ یہ مسئلہ کس وجہ سے اور کیوں کر پیدا ہوا پھر اس کے تدارک کی سبیل بتاتے اور حل پیش کرتے، خصوصاً ان کی تحریروں میں مغرب پر اٹیک اور اسلام کی حقانیت کا اثبات ہوا کرتا تھا، مگر مغرب پر نکتہ چینی کے باوجود بھی اس کی اچھی چیزوں کی تعریف و توصیف سے انحراف نہیں کرتے، بلکہ کھلے دل سے اس کا اعتراف کیا کرتے تھے اور "خذ ما صفا ودع ما كدر" کے اصول کا اتباع کرتے ہوئے اس کی اچھی چیزوں اور عمدہ عادتوں کو اپنانے کی تلقین کیا کرتے اور ان کی بری عادتوں سے اجتناب کرنے کو کہتے، الغرض یہ کہ علمی و عقلی دلائل سے اسلام کی حقانیت ثابت کرنا مولانا کی زندگی کا جزء لاینفک تھا۔

مولانا نماز سے پہلے مسجد کے اندر ہمیشہ ذکر و اذکار اور تلاوت کلام اللہ میں مشغول رہتے اور اتنی سادگی اور عاجزی سے نماز پڑھتے کہ لگتا کوئی عام سا بندہ اپنے آقا کے سامنے سراپا مطیع و فرماں برداری کا مجسمہ بنا ہوا ہے، مولانا کی نماز پڑھنے کی کیفیت، مولانا کا سادگی کے ساتھ چلنے، نرم گفتاری، کم گوئی اور محتاط انداز و ادا نے مجھے بے حد متاثر کیا ہے اور میں ذہنی و فکری طور پر مولانا کی ان اعلی صفات سے بے حد متاثر ہوا ہوں اور جہاں تک مولانا کے محاضرے کی بات ہے تو مولانا محاضرے کے اندر اتنا سادہ اور عام فہم انداز و اسلوب اپناتے کہ بڑی سی بڑی اور پیچیدہ سے پیچیدہ بات بھی ایک عام فہم سامع بآسانی سمجھ جاتا، اسے کسی بھی طرح کی دقت کا سامنا کرنا نہیں پڑتا، کوئی دقیق علمی موضوع پر بھی اگر ان کا محاضرہ ہوتا تو پھر وہ موضوع دقیق نہیں رہ جاتا، بلکہ ان کے منفرد اسلوب و ادا اور انفرادی انداز گفتگو سے وہ موضوع بہت ہی سہل اور آسان ہو جایا کرتا تھا، مولانا اپنے محاضرے میں content پر توجہ مرکوز رکھتے اور بہت ہی کم وقت اور کم الفاظ میں اپنی پوری بات کہہ ڈالتے، کبھی بھی زیادہ وقت نہیں لیتے بلکہ تھوڑی دیر میں اپنی پوری بات کہہ کر سامعین کو مطمئن کر دیا کرتے تھے۔

مولانا کا ایک نمایاں وصف یہ تھا کہ وہ طلباء سے دوستانہ اور ہمدردانہ برتاؤ کیا کرتے تھے، وہ اس طرح سے کہ وہ کبھی بھی طلباء کو نصیحت کرتے تو طلباء ہی کو متوجہ نہیں کرتے بلکہ اپنے آپ کو بھی متوجہ کرتے، کبھی کوئی نصیحت کرتے تو ان کا انداز یہ ہوتا گویا وہ اپنی کمیاں اور کوتاہیاں اور کسل مندی و کاہلی کا تذکرہ کر رہے ہیں یعنی وہ اپنی طالب علمی کی زندگی اور اس میں برتی گئی کوتاہیوں، کسل مندیوں اور کمیوں کا تذکرہ کرتے اور اس پر کف افسوس ملتے اور رویا کرتے، ایسا ہی ایک واقعہ ہماری فراغت کے سال ہوا جب ہم تمام طلبائے

عالمیت (عالیہ رابعہ) ندوہ کی مسجد کے تہہ خانے میں الوداعی تقریب کے لیے جمع تھے تو جناب ناظم صاحب اور مہتمم صاحب کے ساتھ ساتھ مولانا مرحوم حضرت مولانا واضح صاحبؒ بھی ہمارے بیچ تشریف فرما تھے، جب مولانا کی گفتگو کی باری آئی تو مولانا ہم طلباء سے بات کرتے کرتے اپنی طالب علمی کی زندگی یاد کرنے لگے اور زار وقطار رونے لگے اور افسوس کرنے لگے جس سے ہم تمام طلباء کو بہت تعجب اور حیرت ہوئی کہ مولانا کے اندر کون سی کمی ہے جو مولانا اس طرح رو رہے ہیں اور اپنی طالب علمی کی زندگی پر افسوس کر رہے ہیں، مولانا تو ہر اعتبار سے ہماری نظروں میں کامل ہیں پھر ایسا کیوں؟ مولانا نے اپنی طالب علمی کی زندگی کی کوتاہیوں کو یاد کرتے ہوئے ہم تمام طلباء کو یہ نصیحت کی کہ "میرے پیارو! ہم نے اپنی طالب علمی کی زندگی میں بہت کوتاہیاں کیں لیکن تمہارے پاس ابھی پورا وقت ہے اس لیے تم اسے اپنے کام میں لاؤ، تم ابھی فارغ نہیں ہوئے ہو، اب تو تم اور بھی ذمہ دار بن چکے ہو اور مشغولیت و ذمہ داری کا پہاڑ تمہارے سر پر ہے، اس لیے اپنی ذمہ داری کا احساس کرتے ہوئے اپنے فرض کی ادائیگی کے لیے کمر بستہ ہو جاؤ وقت کو بیجا ضائع اور برباد نہ کرو، یہ اللہ کی امانت اور قوم کا مستقبل ہے۔"

مولانا کی اس نصیحت سے دل پر چھری چل رہی تھی کہ مولانا جس نے انتھک محنت ولگن کے ساتھ پڑھائی پر توجہ مرکوز رکھتے ہوئے اپنی طالب علمی کی زندگی گزاری ہوگی اور بڑی جہد مسلسل کے ساتھ اپنی طالب علمانہ زندگی گزاری ہوگی وہ اس طرح افسوس کرتے ہوئے رو رہے ہیں تو ہمیں کتنا رونا اور کف افسوس ملنا چاہیے، بلکہ ہمیں چاہیے کہ ہم خون کے آنسو روئیں، مولانا کی اس نصیحت نے ہمارے اوپر وہ اثر ڈالا جسے ہم آج بھی اپنے اندر محسوس کر رہے ہیں اور یہ ہماری زندگی کا ایک عظیم سرمایہ ہے۔ مولانا محترم اور حضرت ناظم صاحب کی مزاج شناسی، ہم آہنگی، باہمی الفت ومحبت اور بے تکلفی بہت عام تھی، دونوں ایک دوسرے سے بہت ہی زیادہ بے تکلف تھے، دونوں بھائی آپس میں لطیف مذاق بھی کیا کرتے اور ایسے مسکراتے جیسے لگتا موتی جھڑ رہے ہوں اور چہرہ ایسے چمکتا جیسے چاند سا نورانی چہرہ ہو، اس طرح کا ایک واقعہ اس وقت دیکھنے کو ملا جب میں ضیاء العلوم میں ہی زیر تعلیم تھا، مولانا کے خاندان کے کسی فرد کا انتقال ہو گیا تھا جس میں حضرت ناظم صاحب اور مولاناؒ بھی تشریف لائے ہوئے تھے، ہم طلباء بھی تدفین کے عمل میں شریک ہونے کے لیے پہنچ گئے تھے، جنازے سے فراغت کے بعد تدفین کے عمل میں ابھی کچھ وقت تھا، لوگ جنازے کو قبر میں اتارنے کے عمل میں مصروف تھے اور دونوں بھائی قبرستان پر ایک کنارے پر تشریف فرما تھے، ایک بڑے مجمع نے حضرت ناظم صاحب اور مولانا کو گھیر رکھا تھا، میں بھی اس مجمع میں موجود تھا اور حضرت ناظم صاحب اور مولانا کے بالکل پیٹھ کے پاس کھڑا تھا تو باتوں ہی باتوں میں مولانا حضرت ناظم صاحب سے کہنے لگے کہ "بھیا! اب ہم لوگوں کا بھی وقت قریب ہے آپ تو ماموں کے حظیرہ میں ماموں (حضرت مولانا علی میاں ندوی) کے پاس آسودہ خاک ہوں گے اور میں تو یہیں ہوں گا، وہ جو خالی جگہ ہے وہ میرے ہی لیے ہے۔" یہ بات میں نے اپنے کانوں سے سنی، پھر دونوں بھائی اپنے خاندان کے مرحومین کا تذکرہ کرنے لگے کہ وہ رہی ان کی قبر اور وہ رہی ان کی قبر، اور اس کے بعد میں بھی بھیڑ سے نکل آیا اور بھیڑ بھی چھٹنے لگی اور حضرت ناظم صاحب اور مولانا بھی میت کو سپرد خاک کرنے کے لیے چل پڑے۔

مجھے مولانا کی بات سن کر کچھ بھی عجیب سا نہیں لگا اور نہ تعجب و حیرت ہوئی کیوں کہ یہ بات ان کی فطرت کے مطابق تھی، کیونکہ مولانا نہایت تواضع پسند، سادگی پسند اور عاجزی و انکساری کے پیکر تھے، دنیاوی جاہ وحشم سے تبتلا نہ برتا، ان کی زندگی کا خاص وصف تھا اور نام ونمود سے تو ان کو بیر تھا، وہ اپنے کو expose کیے بغیر پردے کے پیچھے سے ہی کام کرنے پر یقین رکھتے تھے، یہی وجہ ہے کہ وہ جلسوں اور کانفرنسوں میں زیادہ شریک نہیں ہوتے تھے، بس حضرت ناظم صاحب کی رفاقت کی حد تک ساتھ رہتے اور اسی وجہ سے شریک جلسہ وکانفرنس ہو جایا کرتے تھے، مولانا زیادہ سے زیادہ علمی وادبی اور صحافتی کاموں پر توجہ دیتے اور یہی ان کی زندگی کی خاص مشغولیت تھی، الغرض یہ کہ مولانا کی شخصیت گوناگوں صفات و اوصاف کا ایک انمول گلدستہ ہے، ان کی زندگی کا ہر پہلو اپنے اندر ایک انجمن ہے، ایک پیغام ہے، ایک vision ہے، ایک تحریک ہے۔

فخر العلماء حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ کی حیات وخدمات پر

ماہنامہ ”پیام عرفات“ کی اس خصوصی اشاعت کا ہم تہہ دل سے استقبال کرتے ہیں۔

ماہنامہ بچوں کا پھول، بھٹکل



☆صحت مند معاشرہ کی تشکیل نسل نو کی تعمیر پر موقوف ہے۔

☆علمی و دینی ماحول بچوں کی کردار سازی میں شاہ کلید ہے۔

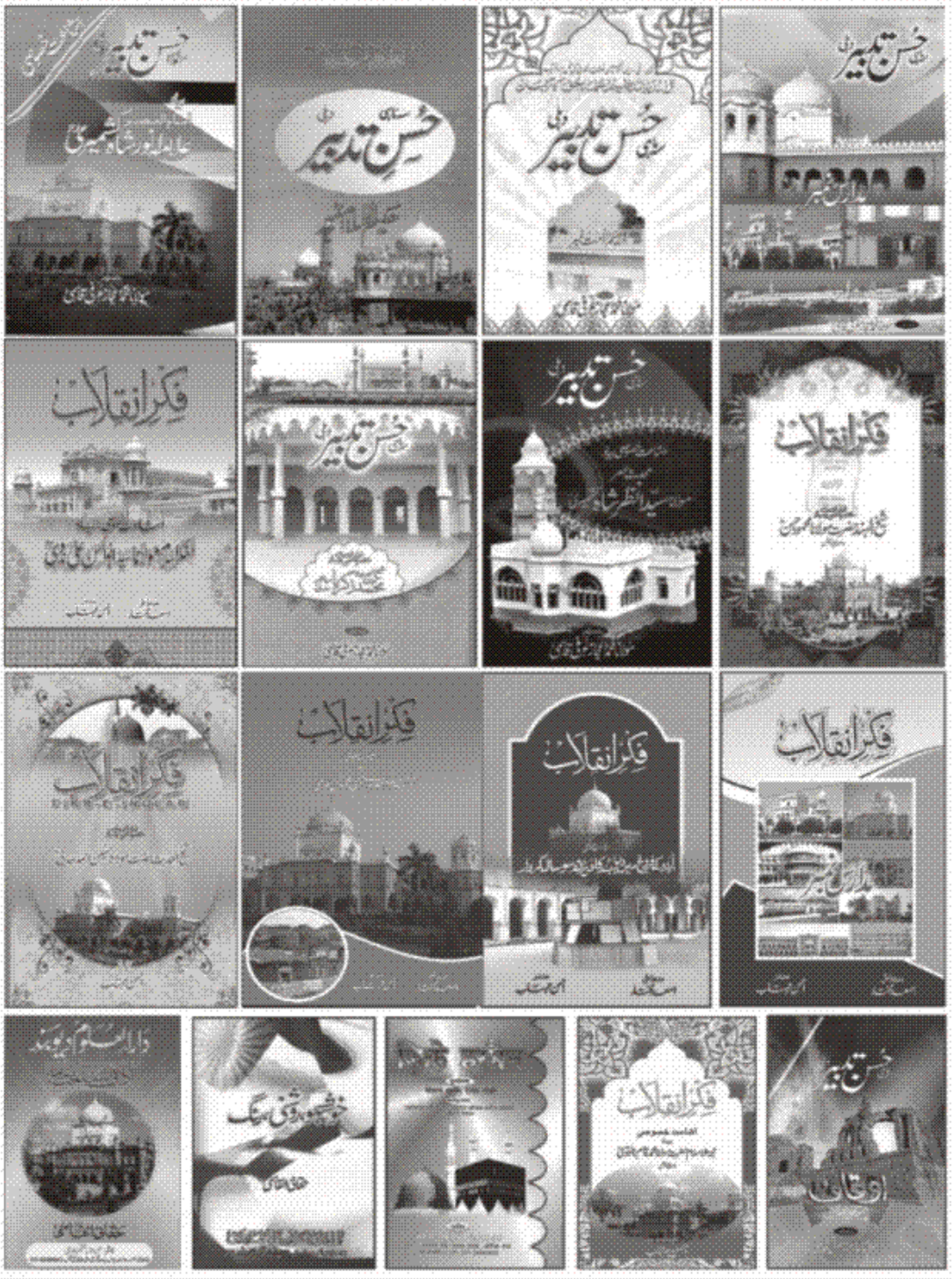
☆جدید نسل کی صلاحیتوں کا ارتقاء اعلیٰ تعلیم میں مضمر ہے۔

اسی لیے ماہنامہ ”بچوں کا پھول“ بھٹکل بچوں کی علمی، فکری اور اخلاقی آبیاری میں سرگرم عمل ہے۔

Monthly “Bachon Ka Phool”
Bhatkal

ابن حسنہ بھٹکلی

ہماری دیدہ زیب علمی، ادبی اور اصلاحی مطبوعات



Copy Right Reserved (Regd. No. L-22873/2205)

ALL INDIA TANZEEM ULMA-E-HAQUE TRUST
Q-25, Batla House, Jamia Nagar, Okhla, New Delhi-25
Web: www.aitulamaehaq.org, E-mail: aitulemaehaq@gmail.com,
A/c No.: 004601053825, ICICI Bank, IFSC Code: ICIC0000046

پیکرِ زہد و عمل

مفتی عرفان حنیف ندوی

بلاشبہ حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ "درک جام شریعت درک سندان عشق" کی حقیقی تصویر تھے، آپ ایک باعمل عالم دین تھے، اور آپ کی پوری زندگی سادگی وللہیت، اخلاص اور قناعت سے عبارت تھی، عنفوان شباب سے لے کر عمر کے آخری مرحلہ تک آپ نے تمام عمر عبادت و ریاضت میں گزاری، سچی بات یہ ہے کہ وہ اپنے دور میں سلف صالحین اور علمائے رفتہ کا نمونہ لیے ہوئے تھے، ہمہ وقت امت مسلمہ کی فکر فرماتے اور اپنی فکر انگیز تحریروں سے مشکل مسائل کا عمدہ حل پیش کرتے۔

مولانا کی علمی مشغولیات کے ساتھ ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ آپ اپنے ذکر و اذکار کے یومیہ معمولات کی پوری پابندی کرتے تھے، یہاں تک کہ وفات کے دن بھی ان معمولات میں کوئی فرق نہیں آیا، اللہ تعالی ہم کو بھی ایسی استقامت نصیب فرمائے۔ آمین

حضرت مولانا ؒ کی شخصیت و خدمات کے بے شمار گوشوں کو اہل قلم مختلف انداز میں لکھ کر پیش کریں گے۔ چونکہ راقم سطور کو زمانہ طالب علمی ہی سے تکیہ ہی میں رمضان کا مہینہ گزارنے کی سعادت حاصل رہی ہے اور مولانا ؒ کو بہت قریب سے دیکھنے کا موقع ملا ہے، اس لیے درج ذیل سطور میں مولانا ؒ کے رمضان المبارک کے معمولات پیش کرنے کی ایک ناتمام کوشش ہے؛

حضرت مولانا واضح رشید ندوی ؒ حضرت شاہ عبدالقادر رائے پوری ؒ سے بیعت تھے، اور آپ کو حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی ؒ کی تربیت سے بہت کچھ فائدہ حاصل ہوا تھا، اس کے علاوہ خاص طور پر مفکر اسلام حضرت مولانا علی میاں ؒ کی سرپرستی و تربیت میں آپ نے اپنی زندگی کا ایک طویل عرصہ گزارا، نیز آپ کی نانی صاحبہ (حضرت مخدومہ سیدہ خیر النساء بہتر ؒ)، خالہ صاحبہ (محترمہ سیدہ امۃ اللہ نسیم صاحبہ ؒ) اور والدہ محترمہ (حضرت سیدہ امۃ العزیز صاحبہ ؒ) کی خصوصی شفقت و تربیت کا بھی آپ پر خاص اثر تھا۔ اور ان تمام حضرات کے یہاں رمضان کے معمولات کا بہت زیادہ اہتمام ہوتا تھا، لہٰذا آپ نے ان حضرات سے رمضان کے اس اہتمام کا شوق و جذبہ پوری طرح اخذ کیا تھا۔

رمضان المبارک کا مہینہ نیکیوں کی بہار کا موسم اور بزرگان دین و مشائخ عظام کے لیے روحانی ترقیات کی معراج ہے، اسی لیے یہ حضرات ایک ایک لمحہ کی حفاظت فرماتے ہیں اور عبادت کا خوب اہتمام کرتے ہیں۔ بلاشبہ حضرت مولانا سید محمد واضح رشید رحمۃ اللہ علیہ کی شخصیت کا شمار بھی انہیں بزرگان دین میں ہے، رمضان المبارک کی آمد پر آپ بہت خوش ہوتے اور اپنے تعلق والوں سے بھی اس کا اظہار فرماتے، آپ رمضان المبارک کے دن رات عبادت و ریاضت میں گزارتے اور عام دنوں کے مقابل ان مبارک ایام میں آپ کے معمولات مزید بڑھ جاتے۔

رمضان کے چاند کا اعلان ہونے کے بعد ہی سے آپ کی مشغولیات شروع ہوجاتیں، عام دنوں میں تلاوت کلام پاک کا اوسط تقریباً دو پارے تھا، مگر رمضان میں چھ سے سات پارے ہوجاتا، اس کے علاوہ منتخب سورتوں کا بھی اہتمام فرماتے۔

نماز تراویح مسجد میں ادا کرتے، اور کبر سنی اور گھٹنوں میں شدید تکلیف کے باوجود کھڑے ہوکر نماز ادا کرنے کی کوشش کرتے تھے، اخیر عمر میں جب گھٹنوں کی تکلیف زیادہ بڑھ گئی تھی تو رکوع و سجود کے لیے کرسی پر نماز ادا کرنے کا معمول ہوگیا تھا۔ نماز تراویح میں قرآن مجید اس انہماک سے سنتے کہ اگر حافظ قرآن سے کوئی آیت چھوٹ جاتی یا آیت کے کچھ حروف کی ادائیگی رہ جاتی تو سلام کے فوراً بعد یاد دلاتے کہ فلاں آیت دوبارہ پڑھ لی جائے۔

نماز تراویح کے بعد بنگلہ میں حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب

مدظلہ کی کچھ دیر مجلس لگتی تھی، اس دوران اگر آپ کی طبیعت میں نشاط رہتا تو کسی حافظ قرآن کے ساتھ مسجد ہی میں نفل نماز کے لیے کھڑے ہوجاتے، اور کچھ دیر بعد آرام کے لیے بنگلہ تشریف لاتے، ورنہ تراویح کے فوراً بعد بنگلہ آجاتے اور مجلس سے فارغ ہوکر کچھ دیر آرام کے لیے لیٹ جاتے۔ یہ آرام مشکل سے ایک سے دو گھنٹہ ہوتا تھا، اس کے بعد آپ انتہائی اخفا کے ساتھ شب بیداری میں مصروف ہوجاتے، جس کا علم بسا اوقات ہم لوگوں کو بھی نہ ہوتا، آپ طویل رکعتیں ادا کرتے، منتخب سورتوں کی تلاوت کرتے، اور دعا میں مشغول رہتے، اور کبھی کبھی حافظ قرآن کی اقتدا میں نفل نماز کی نیت باندھ لیتے اور یہ سلسلہ شب کے آخری حصہ تک جاری رہتا۔

آپ عبادت میں اس قدر غرق ہوجاتے تھے کہ سحری کا خیال ہی نہ رہتا تھا، اور کب دسترخوان لگ جاتا، آپ کو اس کا پتہ ہی نہیں چلتا تھا، آخر کار انتظار کرتے کرتے کبھی ایسا بھی ہوتا کہ سحری میں صرف پانچ سے دس منٹ باقی رہ جاتے اور خدام کو یہ خطرہ محسوس ہونے لگتا کہ سحری کا وقت نکل جائے گا، چنانچہ مجبوراً کمرہ کا بلب جلانا پڑتا اور اشارہ سے یہ بتانا ہوتا کہ وقت ختم ہونے والا ہے، اس پر بھی آپ اکثر تعجب کے ساتھ پوچھتے کہ کیا سحری کا وقت ہوگیا؟ جب یہ بتایا جاتا کہ حضرت! سحری کا وقت صرف دس منٹ باقی ہے تو بہت جلدی جلدی ایک پیالی دودھ کے ساتھ (Corn Flakes) اور ایک چائے اور کبھی ایک انڈا فرائی تناول فرماتے، اگر کوئی مزید اصرار کرتا تو کہتے کہ زیادہ نہیں کھانا چاہیے، نفس موٹا ہوتا ہے۔

حضرت مولاناؒ سحری سے فارغ ہوکر اول وقت میں فجر کی نماز ادا کرتے اور کچھ دیر آرام کرتے، پھر اشراق کے وقت اٹھ جاتے، اشراق کی نماز ادا کرتے، تلاوت سے محظوظ ہوتے، مراقبہ کرتے اور تسبیحات پڑھتے، حتی کہ چاشت کی نماز ادا کرکے اٹھتے۔ پھر ذہنی استراحت کے واسطہ کچھ دیر کے لیے گھر تشریف لے جاتے اور ظہر سے گھنٹہ دو گھنٹہ قبل واپس آجاتے، اور ظہر کے لیے تیاری کرتے۔ ظہر کے وقت موسم نہایت سخت ہوتا، تیز لو اور دھوپ کا ایسا عالم ہوتا کہ صحت مند و توانا شخص کا پیمانہ صبر بھی لبریز ہوجائے، لیکن ایسی شدت کی گرمی کے باوجود آپ حضرت مولانا رابع صاحب مدظلہ کے ساتھ ایرکنڈیشنڈ گاڑی میں مسجد جانے کے لیے تیار نہ ہوتے، بلکہ اکثر پیدل اکیلے ہی نکل جاتے اور پیدل ہی واپس بھی آتے۔ اگر ظہر سے قبل حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب مدظلہ العالی کا درس قرآن کریم ہوتا تو آپ ضرور شرکت فرماتے، ورنہ تلاوت کلام پاک یا ذکر و فکر میں مشغول رہتے۔ ظہر کی نماز کے بعد تعلیم ہوتی، آپ بغور سماعت فرماتے اور تعلیم سے فارغ ہوکر قرآن مجید کا کچھ حصہ سنتے، بعدہٗ بنگلہ آرام کے لیے تشریف لاتے۔

عصر کی نماز میں بھی وقت سے پہلے تیار ہوجاتے، اور عصر بعد ختم خواجگان میں شرکت کرتے، پھر ذکر اور تلاوت میں مشغول ہوجاتے، راقم سطور کو بھی بارہا عصر کی نماز کے بعد قرآن مجید سنانے کی سعادت حاصل ہوئی ہے۔ آپ افطار کے وقت تک مسجد ہی میں رہنا پسند کرتے، اور بوقت افطار اگر حضرت مولانا سید محمد رابع صاحب مدظلہ مسجد میں افطار کرتے تو وہیں ساتھ میں بیٹھتے، ورنہ بنگلہ تشریف لے آتے اور انہیں کے ساتھ افطار کرتے، عصر بعد جو مہمان حضرت مولانا سے ملنے آتے، ان کے اہتمام کا خاص خیال رکھتے اور خدام کو بھی اس کی طرف متوجہ کرتے۔

بہت معمولی افطار کے بعد مغرب کی نماز ادا کرتے اور دیر تک نوافل میں مشغول رہتے، عموماً کھانا عشا بعد تناول فرماتے اور مغرب بعد ایک پیالی چائے پر ہی اکتفا کرتے، لیکن تمام مہمانوں کے کھانے کا مکمل خیال رہتا۔ مغرب بعد کچھ دیر گھر پر یا بنگلہ پر ہی آرام کرتے، اور عشاء کی اذان سے دس منٹ پہلے وضو اور استنجاء سے فارغ ہوکر اکیلے ہی مسجد چلے جاتے۔

اخیر عشرہ میں مسجد دائرہ شاہ علم اللہ میں اپنے بڑے بھائی کے ساتھ ہی اعتکاف کرتے، اور گزشتہ دو عشروں کے مقابل اس عشرہ میں عبادت و ریاضت میں اور اضافہ ہوجاتا، اور دیگر ایام کے مقابلہ میں انفاق فی سبیل اللہ کا جذبہ بھی بڑھ جاتا، اور جب رمضان کی آخری تاریخ ہوتی تو آپ کی طبیعت پر ایک خاص اثر صاف نظر آتا، اور آپ بڑے شوق و ذوق سے اپنے مرحوم بھائی مولانا سید محمد ثانی حسنیؒ کی نظم "الوداع اے ماہ رمضاں الوداع" سنتے اور خوب محظوظ ہوتے۔

کہکشاں فکر و نظر کے بدر منیر

محمد ارمغان بدایونی ندوی

اس میں کوئی شک نہیں کہ حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی ؒ اکیسویں صدی کے ربانی عالم اور دین و دنیا کی جامع شخصیت تھے، آپ آسمان علم و فضل کا روشن ستارہ اور علم و عمل کے جامع پیکر تھے، سادگی و نفاست آپ کی طبیعت ثانیہ، کم گوئی آپ کے مزاج کا حصہ اور خلوت پسندی آپ کی فطرت ثانیہ تھی۔

ظاہر کو دیکھنے والی آنکھیں یہی سمجھتیں کہ آپ محض ایک ستودہ صفات بزرگ ہیں، کامیاب مدرس ہیں، روزہ نماز کے پابند، ذکر و اذکار کے عامل اور ایک مبارک خاندان کے چشم و چراغ ہیں، البتہ دنیا کی ترقیات سے ناواقف، مغربی پالیسیوں سے بے بہرہ، یہود و نصاری کی سازشی چالوں سے نابلد ہیں اور میڈیا کے سلبی و ایجابی پہلوؤں سے نا آشنا ہیں، لیکن حقیقت حال اس کے بالکل برعکس تھی، مولانا رحمۃ اللہ علیہ زمانہ کی مشکلات کے بہترین نبض شناس تھے، حالات حاضرہ پر تنقیدی نگاہ رکھتے تھے، اور عالمی مسائل سے اچھی طرح واقف تھے، آپ کی خصوصیت یہ تھی کہ معمولی باتوں سے بھی بڑے نتائج اخذ کر لیتے تھے، اور اصل خطرہ کی صحیح نشاندہی کر دیتے تھے، گویا مولانا کے نزدیک دنیا کی حیثیت اس سے زیادہ کچھ نہ تھی کہ

ع بازیچۂ اطفال ہے دنیا مرے آگے

مولانا کے قلم کی ایک بڑی خصوصیت یہ تھی کہ آپ کی تحریر ملحدانہ شکوک و شبہات کا ازالہ کرتی، اور اسلامی تہذیب پر اعتماد بحال کرتی تھی، مولانا اسلامی تہذیب کو موجودہ دور کی تمام مشکلات کا حل سمجھتے تھے، اور کہتے تھے کہ یہ وہ حقیقت ہے جس کا اعتراف مغربی مفکرین بھی کرتے ہیں اور اسی اندیشہ کے پیش نظر وہ ایسے عناوین منظر عام پر لاتے ہیں، جس سے لوگوں کی توجہ اسلام سے ہٹ جائے، اور انسانی سماج میں اس کا تعارف انسانیت کے دشمن کی حیثیت سے ہو۔ آپ کا نظریہ تھا کہ اسلام کو ایک دہشت گرد مذہب بتانا، اور اہل اسلام کو تشدد پسند اور متعصب و متصلب کی حیثیت سے مشہور کرنا منصوبہ بند سازش ہے، اور ترقی پسند دنیا کی آنکھوں پر پٹی باندھنے کے مرادف ہے، تاکہ مغربی تہذیب کا بودا پن واضح نہ ہو، اور لوگوں کا رجحان مذہب اسلام کی طرف عام نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ مغربی میڈیا اسلامی تہذیب کی شناعت بیان کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتا۔

آپ فرماتے تھے کہ مذہب اسلام اپنی تہذیب رکھتا ہے، اپنے قوانین رکھتا ہے، اور زندگی گذارنے کے لیے ایک خاص معیار کی دعوت دیتا ہے، جب کہ اس کے بالمقابل مغربی تہذیب کے معیارات زندگی اور قوانین دوسرے ہیں، گویا یہ ایک نظریاتی اختلاف ہے، لیکن اس بنا پر مذہب اسلام کو تشدد پسند اور دہشت گرد کا عنوان دینا یقیناً ناانصافی اور کم ظرفی کی دلیل ہے۔

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی ؒ پر اسلامی تہذیب کی حقانیت ایسی آشکارا تھی کہ مغربی افکار و نظریات سے مرعوبیت کا چھو کر بھی گذر نہ تھا، اسی لیے آپ میڈیا کے ہر بیان میں پوشیدہ پالیسی کو فوراً بے نقاب کر دیتے تھے، اور اسلام کے صحیح تصور کو حسین اسلوب میں بیان کرتے تھے، اور یہ سب کچھ ایسے دلکش پیرایہ میں کرتے کہ بسا اوقات انسان محو حیرت رہ جائے، اس کی بنیادی وجہ یہ تھی کہ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کو ایمان کی حقیقی حلاوت نصیب تھی۔

مولانا کا کہنا تھا کہ جو لوگ آج اسلام کو ظلم و بربریت کا مذہب بتاتے ہیں، اور اسے مخصوص نظریات کے دائرے میں محدود سمجھتے ہیں، درحقیقت وہی لوگ ظلم و بربریت کے علم بردار، کوتاہ بیں اور انسانیت کے حقیقی دشمن ہیں، اور افسوس کی بات یہ ہے کہ وہ لوگ جمہوریت کا عنوان دے کر اپنے افکار و نظریات کا دوسروں کو پابند

بناتے ہیں، اور آزادیٔ فکر کا نعرہ بلند کر کے اپنے محکومین پر عرصۂ حیات تنگ کر دیتے ہیں، لیکن حیف ہے کہ آج ایسے دانشور نظر نہیں آتے جو ان کے پُر فریب نعروں پر علمی و عقلی نقد کریں، اور کتاب و سنت نیز تاریخ کے آئینہ میں یہ واضح کر دیں کہ اسلام زور و زبردستی، تشدد پسندی اور دہشت گردی کا قائل یا حامی ہرگز نہیں ہے۔ مولانا کا فرمانا تھا کہ دورِ حاضر میں آزادیٔ رائے کا نعرہ بلند کیا جا رہا ہے، امن و سلامتی اور حقوق انسانی کے تحفظ کے منصوبے بنائے جا رہے ہیں، اور روشن دماغ مفکرین ان موضوعات کو زیر بحث بھی لا رہے ہیں، لیکن ان تمام کوششوں کے باوجود انسانیت روبہ زوال ہے، اس لیے کہ وہ حقیقی سعادت کے سرچشمہ یعنی اسلام سے محروم ہے۔

مولاناؒ کے نزدیک "صحافت" انسانی سماج کا ایک اہم شعبہ تھا، جس سے قوموں میں بالغ نظری پیدا ہوتی ہے اور ان کا ذہنی معیار بلند ہوتا ہے، لیکن موجودہ صحافت پر حضرت کی طبیعت بہت کڑھتی تھی، جس کا وہ جا بجا اظہار بھی فرماتے تھے۔ ذرائع ابلاغ کے متعلق آپ کا نظریہ تھا کہ وہ انسانیت بیزار ظالمین کی ملکیت ہیں، اور وہ ایسی ہی خبروں کو نشر کرتے اور اہمیت دیتے ہیں جن سے ان کی سیاسی ساکھ مضبوط ہو اور ان کا تسلط برقرار رہے، اسی لیے مولاناؒ کے نزدیک اخبارات کی خبریں ایک کھیل سے زیادہ نہ تھیں۔

مولانا رحمہ اللہ کہتے تھے کہ آج کل اخبارات محض دو باتوں کا مجموعہ رہ گئے ہیں، گویا اس کے سوا ان کے پاس اور کوئی مواد ہی نہیں جسے وہ فراہم کر سکیں؛ پہلی بات یہ کہ وہ ایسی خبریں شائع کرتے ہیں جن سے انسانی ضمیر برانگیختہ ہو، اور درد و تکلیف سے کراہ اٹھے، یومیہ خبروں کے جلی عنوانات چوری و غصب، ظلم و جور، فرقہ وارانہ فسادات اور خون ریزی کی خونچکاں داستانوں سے عبارت ہوتے ہیں، جن کو پڑھتے پڑھتے انسانی ذہن و دماغ بے حس ہو چکے ہیں، گویا کربناک مناظر کا مشاہدہ ان کی پر لطف زندگی کا ایک حصہ بن گیا ہے۔ اور دوسری بات یہ کہ اخبارات کا ایک بڑا حصہ ایسی لغو خبروں پر مشتمل ہوتا ہے، جن کا سوائے وقتی لذت کے کچھ حاصل نہیں ہوتا، اور چونکہ اصل مقصود نوجوان نسل کو ذہنی طور پر مفلوج کرنا ہے، اسی لیے چند صفحات فلمی اداکاروں اور کھلاڑیوں کی تصاویر اور ان کی داستانوں سے بھرے رہتے ہیں، اور اس طرح پوری قوم سیاسی شعور سے کوری، مقصد حیات سے غافل اور بلند عزائم سے عاری ہوتی جا رہی ہے جس کا نتیجہ ہے کہ قیادت کی زمام ایک دائرے میں سمٹ کر رہ گئی ہے، اور پورا انسانی سماج انہیں چند ضمیر فروشوں کی جاگیر بن گیا ہے۔

مولاناؒ اکثر کہتے تھے کہ عصر جدید کا عجیب فلسفہ ہے، اس دور میں وہی شخص دہشت گرد اور رجعت پسند ہے، جو ظلم کے خلاف آواز بلند کرتا ہے، مغربی تہذیب کی ناکامی کا ذکر کرتا ہے، اعلیٰ اخلاق کی دعوت دیتا ہے، خوف خدا کا جذبہ پیدا کرتا ہے، اور انسانیت دوستی کا پیغام دیتا ہے۔ حضرت رحمہ اللہ کا ماننا تھا کہ یہ نعرے اس لیے بلند کیے جاتے ہیں تاکہ انسانیت حقیقی خطروں سے لاعلم رہے، اور انہیں فلسفات کی عقدہ کشائی میں زندگی کے حسین لمحات گذر جائیں۔

ہندوستان میں بڑھتی ہوئی مذہبی منافرت اور سیاسی زبوں حالی پر مولانا کو سخت کوفت اور کڑھن ہوتی تھی، آپ کہا کرتے تھے کہ اب ہندوستانی قائدین اپنے ذاتی اغراض و منافع کے حصول میں نفرت کی سیاست کرنے لگے ہیں، اور عوام کی توجہ بنیادی پریشانیوں سے ہٹا رہے ہیں، جن کا استحضار سیاسی اتھل پتھل کا سبب بن سکتا ہے، اسی لیے میڈیا میں حساس موضوعات پر مکمل خاموشی چھائی رہتی ہے، اور مذہبی منافرت کا بازار گرم رہتا ہے، اور بسا اوقات ایسے نعرے بھی دیے جاتے ہیں کہ تمام ملک کو ایک ہی روایت کا پابند ہونا لازمی ہے، اس کی خاطر تاریخ میں دروغ گوئی کی جاتی ہے، نظام تعلیم و تربیت کو مسخ کیا جاتا ہے اور دستورِ ہند کی خلاف ورزی کی جاتی ہے۔ مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا نظریہ تھا کہ اگر اقلیتوں پر ظلم کی داستان نشر کی جائے، تعلیمی معیار کی پستی کا چرچا کیا جائے، فرقہ وارانہ فسادات کے پس پشت ہاتھوں کا جائزہ لیا جائے، ہندوستانی عوام کی معاشی پریشانیوں کا تذکرہ کیا جائے، انتخابات میں کی جانے والی جعل سازیوں پر گرفت کی جائے، اور مذہبی مقدسات کے خول میں سیاسی قائدین کی خانہ تلاشی لی جائے تو یقیناً ہندوستان کی سیاسی بساط کو ایک نیا رخ نصیب

ہوسکتا ہے، اور ہندوستانی سیکولرزم کی حفاظت بھی ممکن ہوسکتی ہے۔

جدید چیلنجز کے مقابلہ میں تعلیم اور میڈیا کو مولانا ایک مؤثر ہتھیار سمجھتے تھے، اور دعوت و اصلاح کے کام کو ملت اسلامیہ کے لیے حصار بتاتے تھے، جس کے بغیر مسلمانوں کا تحفظ ممکن نہیں ہے۔

حضرت مولانا واضح رشید حسنی ندویؒ کے افکار و نظریات کو پیش کرنے کی یہ ایک ناتمام کوشش ہے، جس کو راقم نے آپ کے دروس و محاضرات اور مضامین کی روشنی میں مختصراً جمع کیا ہے، آپ کے افکار و نظریات آپ کی شخصیت کے حقیقی آئینہ دار ہیں، لیکن آپ کی زندگی کی ایک نمایاں خوبی اخفاء تھی، جس نے آپ کی بزرگی کو علم پر غالب کردیا، اور آپ نے تمام عمر گوشۂ خمول پر ہی اکتفا کیا۔ جن حضرات کو آپ سے استفادہ کا موقع ملا ہے، وہ آپ کی عبقریت کے قائل و معترف ہیں، اور آپ کے افکار و نظریات کے امین بھی، دور حاضر میں ضرورت ہے کہ فکرِ واضح کے ورثاء اس علمی و فکری وراثت کا حق ادا کریں، اور جدید چیلنجز کے لیے سدِ سکندری ثابت ہوں۔

ہندوستان اور مسلمان

”ہندوستان میں مسلمانوں پر الزام لگایا جارہا ہے کہ انہوں نے طاقت کا استعمال کرکے اسلام کو پھیلایا، جیسا کہ ان پر مغربیوں نے الزام لگایا تھا، اس بہانے ان کے خلاف طاقت کا استعمال کرکے اسلام مخالف افکار اور تہذیب کو پھیلایا جارہا ہے، اور مسلمانوں کو اسلامی تشخص سے دست بردار ہونے پر مجبور کیا جارہا ہے، یہ کہہ کر کہ مسلمانوں نے غیر مسلموں کے ساتھ ایسا ہی کیا تھا جب کہ سینکڑوں برس حکومت کرنے کے بعد اقلیت میں رہنا اس کا سب سے بڑا عقلی ثبوت ہے کہ مسلمانوں کا عمل اس کے خلاف رہا، اور وہ رواداری برتنے میں حدود سے تجاوز کرگئے۔ یہ بھی الزام لگایا جارہا ہے کہ انہوں نے عبادت گاہوں کو ڈھایا تھا اور ان کی جگہ مسجدیں بنائی تھیں، اس کے نتیجہ میں اب مسجدیں منہدم کی جارہی ہیں، جب کہ بڑی تعداد میں موجود قدیم مندر اور مسلمانوں کے دیے ہوئے اوقاف اس دعویٰ کے خلاف ہیں۔ مسلمانوں پر یہ بھی الزام لگایا جارہا ہے کہ ان کے دورِ حکومت میں دینی اقلیتوں کے ساتھ دوسرے درجہ کے شہری کا معاملہ کیا گیا، لہٰذا مسلمانوں کے ساتھ بھی موجودہ غیر مسلم حکومتوں میں اکثریت کی طرف سے دوسرے درجہ کے شہری کا معاملہ کیا جارہا ہے، جب کہ تاریخ اس کی گواہ ہے کہ مسلمانوں کے عہد میں غیر مسلم اہم ترین عہدوں پر فائز تھے، مسلمانوں پر یہ بھی الزام لگایا جارہا ہے کہ وہ انتہا پسند، رجعت پسند اور کٹر ہیں، اس بہانے غیر اسلامی قانون، غیر اسلامی تہذیب تھوپی جارہی ہے، اور ہزاروں سال پرانی تہذیبوں کو زندہ کیا جارہا ہے، مسلمانوں کی مخالفت میں کٹر انتہا پسند جماعتیں وجود میں آرہی ہیں، اور حکومت ان کے ساتھ تعاون کرتی ہے، اسلام سے کئی صدیوں پہلے کی ثقافتوں کو زندہ کرنے کی تحریکیں چل رہی ہیں، اور یہ تمام تحریکیں اسلام اور مسلمانوں پر حملہ کررہی ہیں، اسلام اور مسلمانوں کے خلاف تقریر و تحریر کی اجازت ہے، بلکہ مقدس ترین ذات بھی اس عداوت سے محفوظ نہیں۔ مسلمانوں پر عسکریت پسندی کا الزام ہے، اس الزام کے ساتھ غیر مسلم عسکری نیم عسکری تنظیمیں علی الاعلان کام کررہی ہیں، اور ان کے لیے اسلحہ رکھنے، مالی وسائل بڑھانے پر کوئی روک نہیں لگائی جاتی، مسلمان اگر کہیں حقوق کا مطالبہ کرتے ہیں تو ان کو علیحدگی پسند کہا جاتا ہے، اگر مسلمان ملکوں میں غیر مسلم کوئی تحریک چلاتے ہیں تو اس کو آزادی کی تحریک کہا جاتا ہے، یہ سب اسلام دشمنی اور حق مبین سے عداوت رکھنے کی ذہنیت کا ایک حصہ ہے، جو ذہنیت زبان و وطن کے بدلنے سے بدلتی نہیں، کیونکہ نفرت و حقد اور انکار کی ذہنیت یکساں ہوتی ہے، اس ذہنیت کے حل اور علاج کا راستہ بھی ایک ہے؛ وہ ہے صبر و تحمل اور ایجابی دعوت، اس کا حل صرف یہ ہے کہ اسلام کو ایجابی پہلو سے پیش کیا جائے، تعلیمات اسلامی کی تشریح کی جائے، اسلامی اخلاق کا اچھا مظاہرہ کیا جائے، دشمنوں کے خرافات اور دوسرے نظاموں کی کمزوریوں، اور دوسری قوموں کی تاریخ کے تاریک گوشوں کو واضح کیا جائے۔

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

لوح و قلم جس کے لیے نوحہ کناں ہیں

محمد نفیس خاں ندوی

تقدیر الٰہی کے رازہائے سربستہ کی نقاب کشائی انسان کے بس میں نہیں ہے، اس کا علم ناقص، اس کی نظر کوتاہ اور اس کا علم محدود ہے، اس سے انکار نہیں کہ وہ تاروں پر کمندیں بھی ڈال سکتا ہے اور سورج کی شعاعوں کو گرفتار بھی کرسکتا ہے لیکن انسان کی اس شخصیت کا ادراک نہیں کرسکتا جو کائنات کا سب سے پوشیدہ راز ہے، ہوا میں اڑنا، پانی پر چلنا، پہاڑ کی چوٹی سر کرنا اور سمندر کی تہوں کو کھنگالنا تو آسان ہے لیکن کسی انسان کی شخصیت کو سمجھنا اور سمجھ کر دوسروں کو سمجھانا ایک دشوار ترین فریضہ، اور پھر اگر وہ شخصیت حضرت مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی ؒ جیسی جامع حیثیات و مجمع الکمالات ہو تو اس دشواری کا کیا ٹھکانہ! نہ قلم میں روانی نہ زبان میں قوت گویائی! جی ہاں مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی کی زندگی کا بیان دراصل ایک قوم کے حال اور ایک ملت کے استقبال کی تفسیر ہے!

۱۶/ جنوری کو ملنے والی حضرت مولانا کے وفات کی خبر ایسی نہ تھی کہ اپنا اثر ظاہر کیے بغیر رہتی، آپ کی شخصیت ایک عالم سے لوہا منوا چکی تھی، اس لیے ایک عالم نے آپ کا ماتم کیا، ملک و بیرون ملک جہاں جہاں آپ کا نام اور آپ کی شہرت پہنچی تھی وہاں آپ کی وفات پر ماتم ہوا، تعزیتی نشستیں ہوئیں اور اہل قلم و اہل زبان نے اپنے دل کا درد اور مولانا کی شخصیت کے علمی و فکری گوشوں کو اجاگر کیا، البتہ مولانا کی وفات سے خاص کر ندوۃ العلماء کے قلب و جگر پر ایک گہرا زخم لگا ہے، ایسا زخم جو مدتوں مندمل نہ ہوسکے گا۔

مولانا مرحوم ان علماء میں سے تھے جو ندوہ کے مقاصد کو اپنا مقصد حیات سمجھتے تھے، دبستان ندوہ ان کی ذات میں پوری طرح جلوہ گر تھا، وہ بزم شبلی کے ترجمان اور فکر سلیمانی کے راز داں تھے، وہ ندوہ کو ایک عظیم تحریک، ایک اعلیٰ نصب العین کا ترجمان، اور ایک علمی میراث کا امینہ دار سمجھتے تھے، اپنی صبح و شام کی مختصر و جامع گفتگو میں وہ ندوہ کے اعلیٰ مقاصد سے دل و دماغ کو سرشار کر دیتے تھے۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ ندوۃ العلماء کی وسیع و جامع فکر اور اس تحریک کے اعلیٰ مقاصد کو بہتوں نے اپنا مقصد حیات بنایا ہے، بہتوں کو ندوی فکر کی ترجمانی کا دعویٰ بھی ہے، لیکن واقعہ یہ ہے کہ ندوۃ العلماء کی تحریک اور اس کا اعلیٰ نصب العین جس قربانی کا مطالبہ کرتا ہے اس پر کھرے اترنے والوں کی تعداد بہت ہی کم ہے، اور انہیں گنی چنی شخصیات میں مولانا مرحوم کی ذات گرامی بھی تھی۔ آپ نے آل انڈیا ریڈیو میں ہزاروں کی ملازمت پر ندوہ کے چند سیکڑوں کو ترجیح دی، وہاں کے اعلیٰ مقام و مرتبہ کو چھوڑ کر دارالعلوم ندوۃ العلماء کی عام استاذی کو اختیار کیا اور اس جذبہ ایمانی کے ساتھ اختیار کیا کہ پھر پوری زندگی میں کبھی اس فیصلہ کو خلاف عقل و دانشمندی نہ سمجھا۔

مولانا مرحوم کا ذہنی نشوونما ندوۃ العلماء کے ماحول میں ہوا تھا، ندوہ سے ان کی تین چار پشتوں کا تعلق تھا، وہ اس کے مقاصد اور دعوت سے بچپن سے ہی آشنا و مانوس تھے، پھر جیسے جیسے ان کا مطالعہ بڑھتا گیا ان پر اس کا اذعان اور اس کی صداقت کا یقین بڑھتا گیا، جس کا اندازہ ان مضامین سے بخوبی ہوتا ہے جو انھوں نے 'الرائد' اور 'البعث' کے مستقل کالم کے تحت لکھے ہیں۔

مولانا ایک باکمال مدرس اور ایک کامیاب شخصیت ساز تھے، طلباء کے ذہن و فکر کو صحیح سمت میں موڑ دینا اور طالب علم کی فکر و تدبر کے لیے ایک وسیع میدان مہیا کر دینا مولانا کی خصوصیت خاصہ تھی، وہ اپنے شاگردوں اور خوردوں کو بڑی اہمیت دیتے، ان کے حوصلے بڑھاتے حتی کہ ان کی مرتب و غیر مرتب تحریروں کو بھی یاد رکھتے اور مناسب موقع پر اصلاح کی جانب متوجہ کرتے۔ مولانا جب

کسی موضوع پر گفتگو کرتے تو وہ گفتگو نہایت ٹھوس اور جامع ہوتی، اور مولانا کے جملے ایسے گٹھے ہوتے کہ ہم طلباء انھیں "متن المتون" کہا کرتے تھے، اور اس میں کوئی مبالغہ نہیں کہ مولانا کی چند جملوں کی باتیں دسیوں کتابوں کے مطالعہ پر بھاری ہوتی تھیں۔

مولانا مرحوم کو دارالعلوم کے تعلیمی نظام کو بہتر بنانے اور ترقی دینے کی بڑی فکر رہتی تھی، وہ اس سلسلہ میں صرف اپنے ہم منصب رفقاء سے ہی مشورہ پر اکتفا نہیں کرتے تھے، بلکہ اپنے خوردوں سے بھی بعض وقت تبادلہ خیال کرتے تھے ۔

حاصل رہا ہے مجھ کو ملاقات کا شرف
مٹی کا اک چراغ تھا سورج سے فیض یاب

مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی ؒ کے فکر وفن کا اصل سرچشمہ اور شخصیت کا تخلیقی عنصر خود ان کے گھر کا ماحول ہے، مولانا ایک ایسے گھرانہ کے چشم وچراغ تھے جس کی تاریخ جہاد بالسیف اور جہاد بالقلم سے وابستہ رہی ہے، حضرت سید احمد شہید ؒ کی داستان جہاد آج بھی دلوں کو مہمیز کرتی ہے اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ؒ کا سوز دروں، ان کی فکرمندی ودردمندی، ملت کے لیے ان کی تڑپ واضطراب اور اسلامی نشاۃ ثانیہ کے لیے ان کی تگ و دو ایک لائحہ عمل کی طرح تابندہ وروشن ہے۔

مولانا ؒ نے اپنے ماموں (حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ؒ) سے سب سے زیادہ اکتساب کیا، اسلوب کی روانی وسحر خیزی، اہل فکر واہل قلم کی رہنمائی، دعوتی طریقہ کار سے واقفیت، عالم اسلام کے حالات پر گہری نظر، غرض ہر چیز میں انھوں نے مولانا ندوی کے مکتبہ فکر سے خوشہ چینی کی اور ان کے افکار واغراض کے آئینہ دار بن گئے۔

مولانا واضح صاحب ؒ کا اصل میدان عربی تحریر وانشاء تھا، یہی ان کی جولان گاہ اور ان کے تفوق وامتیاز کا نشان ہے، ابتداء ہی سے عربی زبان وانشاء سے غیر معمولی مناسبت تھی، مطالعات میں اضافوں کے ساتھ آپ کا زور قلم بھی بڑھتا ہی رہا، آپ اہم ترین و حساس ترین موضوعات پر برجستہ لکھنے کے قادر تھے، چنانچہ بہت جلد ہی آپ کو اپنی تحریر وانشاء کے لیے ایک نئے اور مستقل میدان کی ضرورت محسوس ہونے لگی، خدا کا فیصلہ کہ آپ کے خاندان میں آپ ہی کے ہمدم رفیق، ہم خیال وہم مشرب عزیز مولانا محمد الحسنی علیہ الرحمہ کی ذات بھی تھی، جن کو اللہ تعالیٰ نے سیماب وش ومحو تب وتاب بنایا تھا، ان کا انقلابی ومتحرک مزاج انھیں بے چین کرنے اور وسیع خطوط پر سوچنے کو مجبور کرتا تھا، وہ عالم اسلام کے حالات پر نہ صرف تنقیدی نگاہ رکھتے تھے بلکہ عالم اسلام کے حوصلہ مند اور اسلام پسند نوجوانوں کی تنظیم کے لیے کوشاں بھی رہا کرتے تھے۔

۱۹۵۲ء کا سال اس لحاظ سے ناقابل فراموش ہے کہ اسی سال مصر کی سرزمین ایک زبردست سیاسی وفکری انقلاب سے دوچار ہوئی، حکومت وقت کا تختہ پلٹ ہوا اور زمام اختیار وقیادت جمال عبدالناصر کے ہاتھ میں آئی، اور پھر اس انقلاب کی جڑوں سے "قومیت عربیہ" کا زبردست فتنہ اٹھا جس کی تیز وتند آندھی کے سامنے عرب نوجوانوں بلکہ پختہ کار ادیبوں وصحافیوں کے بھی پاؤں اکھڑ گئے، علم وادب کی کوہ پیکر شخصیتیں اس طوفان میں پتہ کی طرح اڑتی اور سیلاب میں تنکے کی طرح بہتی نظر آنے لگیں، یہ وہ سحر سامری تھا جس کے سامنے عربی صحافت زرد پڑ چکی تھی، اور اس کا مزاج ایسا بگڑ چکا تھا کہ جو لوگ اس فتنہ پر آشوب سے متاثر نہیں تھے اور قومیت عربیہ اور مصری قیادت پر تنقید کرنا چاہتے تھے، عربی اخبار ورسالے میں ان کے مضامین کو چھاپنے کی جرأت نہیں تھی، سوئے اتفاق اس وقت پورے تحتی براعظم میں بھی کوئی عربی کا رسالہ نہ تھا، ایسے نازک حالات میں عربی صحافت کو اس جوش ایمانی وغیرت دینی کی ضرورت تھی جو اس طوفان بلاخیز کے سامنے سد سکندری بن جائے، مشیت ایزدی کہ یہ شرف مولانا محمد الحسنی کو نصیب ہوا۔

مولانا محمد الحسنی نے ۱۹۵۲ء کو "البعث الاسلامی" کے نام سے ایک عربی رسالہ کا آغاز کیا، حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی، مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی اور مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی بھی ان کے ساتھ اس رسالہ کی اشاعت وطباعت میں شریک ہوگئے، چاروں نے ایک ٹیم کی طرح مل کر کام شروع کیا، مولانا محمد الحسنی کو سب زیادہ مناسبت مولانا واضح حسنی ندوی ہی سے تھی، وہ عربی زبان وصحافت کی پختہ صلاحیت کے ساتھ انہیں جذبات وخیالات

سے سرشار تھے جو مولانا محمد الحسنی کے سینہ میں موجزن تھے، ان دونوں کی دلی محبت، فکری یگانگت اور تعلق فی اللہ کا اندازہ اس سے لگائیے کہ انھوں نے ایک دسرے سے وعدہ کیا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک جس کا مقام بلند ہوگا وہ دوسرے کو بھی اس مقام تک اپنے ساتھ لے کر جائے گا۔

یہ بھی سنا گیا کہ ایک مرتبہ خود مولانا واضح صاحبؒ نے خواب دیکھا کہ حضرت مولانا علی میاںؒ فرمارہے ہیں کہ محمد میاں کے بغل میں ہی واضح کا محل تعمیر کرادو۔

بہر حال البعث الاسلامی نے اُس تحریک کے خلاف محاذ قائم کیا جو اپنے وقت کے ان تمام اسلحوں سے لیس تھی جو کسی جابر حکومت یا شاطر قیادت کو حاصل ہوتی ہے، لیکن البعث الاسلامی کے صفحات پر ان نوجوانوں کا خون جگر نقش ہورہا تھا جن کے سینوں میں علوم نبوت کا نور، آنکھوں میں عزم ویقین کی چمک اور پیشانیوں پر ستارۂ اقبال وہوشمندی ہویدا تھا، چناچہ مولانا محمد الحسنی کے آتشیں اداریوں اور خاص کر مولانا محمد واضح رشید حسنی ندویؒ کے فکر انگیز مقالوں کی بدولت بہت جلد البعث الاسلامی نے اسلام پسند حلقوں میں اپنی گرفت مضبوط کرلی، اور اس کے مضامین ومقالوں کی گونج مصر وشام کے ادبی وصحافی حلقوں اور حکومت کے ایوانوں میں بھی سنائی دینے لگی۔

البعث الاسلامی میں ''صور وأوضاع'' کے عنوان سے مستقل ایک کالم ہے جس میں حالات حاضرہ کا جائزہ اور مسلمانوں کے لیے ٹھوس علمی وفکری لائحۂ عمل پیش کیا جاتا ہے، اس کالم کو مولانا محمد الحسنی لکھا کرتے تھے، ان کی وفات کے بعد سے یہ کالم مولانا واضح صاحب کے سپرد تھا، جس میں مولانا وہ اسلوب اختیار کرتے جس میں بیک وقت آبشار کا شور اور طوفان کا زور دونوں موجود ہوتا، ہم طلباء کے درمیان یہ بات مشہور تھی کہ جس نے مولانا کی البعث کی تحریر حل کرلی گویا اسے عربی کی سمجھ حاصل ہوگئی اور جس نے مولانا کے مضمون کے مندرجات اور اس کے تقاضوں کو سمجھ لیا سمجھو اسے فکر اسلامی پر گفت وشنید کا حق حاصل ہوگیا۔

مولانا مرحوم کا قلم دوسرے ادباء وانشاء پردازوں کی طرح محض بے باک وناقد نہ تھا، بلکہ وہ باکار، متین ومنجیدہ بھی تھا، چنانچہ اپنے ہر مضمون میں مسلمانوں کے حالات پر نقد وتبصرہ کے ساتھ مسئلہ کا حل اور اس کا علاج بھی بتاتے تھے، ایک کامیاب ادیب وصحافی کی یہ ذمہ داری ہے کہ حالات ونتائج کا صحیح اندازہ لگا کر قارئین کو باخبر کرے، ان کو دوراہے پر چھوڑنے کے بجائے ان کے سامنے ان کے فرائض وذمہ داریوں کی وضاحت بھی کرے، اور ان کے احساسات وجذبات کو سرد ہونے نہ دے۔

یہ فضل وکمال، تحریر وانشاء، مطالعہ ووسعت نظر تو الگ چیز ہیں، مولانا مرحوم کی زندگی کا اصلی جوہر آپ کے اخلاق تھے، اپنے علمی، فکری وادبی کمالات کے ساتھ انسانی عظمت کے تمام پہلوؤں میں آپ یکتائے روزگار تھے، اخلاق کی بلندی، کردار کی پاکیزگی، گفتار ورفتار کی سنجیدگی، اور مزاج کی نرمی آپ کا خاص وصف تھا، سرتاپا انکسار، سراپا تواضع، حد درجہ فروتن! آپ کے چہرہ کی بشاشت اور خندہ جبینی؛ آپ کی لطافت طبع وپاکیزگی قلب کی ترجمان تھی، آپ کم سخن لیکن وسیع النظر عالم تھے، آپ کی ذات سے علم وادب کی نہ جانے کتنی انجمنیں زندہ تھیں! آپ کی مثال اس سمندر کی سی تھی جس کی اوپر کی سطح ساکن لیکن اندر کی سطح موتیوں کے گراں قیمت خزانوں سے معمور تھی۔

مولانا مرحوم نے ۸۵ سال کی عمر پائی، عمر کا یہ طویل حصہ آپ نے دین کی خدمت کے لیے وقف کردیا، فرزندان ندوہ کے اندر آپ نے ایک حیات تازہ پیدا کردی، خدمت گذاران قوم کی ایک جماعت کو میدان میں لاکھڑا کیا، آپ نے ملت ہندیہ بلکہ زیادہ واضح الفاظ میں عالم اسلام کی ایسی گراں بہا خدمات انجام دیں جو رہتی دنیا تک یاد کی جاتی رہیں گی۔

مولانا مرحوم آج ہمارے درمیان نہیں ہیں لیکن آپ کے کارنامے ہمیشہ زندہ جاوید رہیں گے، آپ بھلائے سے بھی نہیں بھلائے جاسکتے، جس ہراول دستہ کے آپ سپاہی بلکہ صف اول کے رہنما تھے وہ محاذ ابھی بھی گرم ہے، حق وباطل کی کشمکش ابھی بھی قائم ہے، دین اور لادینی کی جنگ ابھی بھی برپا ہے، اور ایسے معرکوں میں آپ کے کارنامے وہ سنگ میل ہیں جنھیں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا!

آج آپ کا پیکرِ آب وگل نہیں لیکن آپ کی شخصیت زندہ ہے، لوگ اعزاز واحترام سے آپ کے کارنامے سنیں گے اور آپ کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کریں گے، جن لوگوں نے آپ کی عظیم ہستی کو نہیں دیکھا وہ حسرت کریں گے کہ کاش ان کی آنکھوں نے آپ کی زیارت کی ہوتی، جو آنکھیں شرف زیارت سے ممتاز ہو چکی ہیں ان کی آرزو ہوگی کہ کاش انھیں فخر کلامی حاصل ہوتا، اور جو خوش بخت ہے اس سے بھی مستفید ہو چکے ہیں ان کی تمنا ہوگی کہ کاش یہ نعمت عظمیٰ ہم سے ابھی اور نہ چھینی جاتی لیکن مشیت ایزدی پوری ہو کر رہی، آپ کی گراں مایہ ہستی ہم سے رخصت ہو گئی، اب آپ کے روشن وزریں کارنامے ہیں جو ہماری تسکین ورہنمائی کے لیے کافی ہیں۔

۱۶/ جنوری کی وہ صبح کیسی تڑپا دینے والی صبح تھی اور وہ لمحہ کیسا دل خراش لمحہ تھا جب ایک طرف عالم مادی کا سورج طلوع ہوا چاہتا تھا اور دوسری طرف علم وفکر کا آفتاب غروب ہونے کو تھا، وہ سورج طلوع ہوا کیونکہ اسے طلوع ہونا ہی تھا اور یہ آفتاب بھی غروب ہوا کیونکہ یہی خدا کی مرضی تھی، مشیت الٰہی کے فیصلے ضروری نہیں کہ ہماری سمجھ میں بھی آجائیں، حضرت کی وفات ایسا ناگہانی واقعہ تھا کہ نعش سامنے رکھی تھی لیکن کسی کا دل قبول کرنے کو تیار نہیں تھا، ایک سکتہ کا عالم تھا، پھر تھوڑے ہی وقفہ میں یہ خبر برق رفتار وسائل کے ذریعہ ملک و بیرون ملک پھیلتی چلی گئی، کسی کا ذہن اسے قبول کرنے کو تیار نہ تھا، لیکن کب تک؟ بالآخر تحقیق وتصدیق ہوتی رہی اور متعلقین و منتسبین غم واندوہ میں ڈوبتے رہے، صرف خاندان ہی نہیں بلکہ پوری اسلامی برادری متاثر وغمگین ہو گئی، اور انہیں غمزدہ قلوب میں رہ رہ کے تڑپتا اور سنبھلتا ہوا ایک پاکیزہ دل محبوب ملت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی کا بھی تھا۔ آہ!

آہ! اِس بوڑھے لیکن جواں ہمت بھائی کی کیا کیفیت ہوئی ہوگی جس کے آپؒ دست راست تھے، دل کی طاقت اور وجہ شکیبائی تھے، دونوں بھائیوں کی داستان محبت کیسی کچھ مشہور ہے؟! حضرت رابع کے دل نے سچ ہی کہا ہے، واضح ان کے بھائی بھی تھے، بازو بھی تھے، دم ساز بھی تھے، غمگسار بھی تھے!

پہلی نماز جنازہ دارالعلوم کے احاطہ میں ادا کی گئی، ہزاروں سوگوار وغم گسار موجود تھے، مانوس لوگ بھی تھے اور اجنبی چہرے بھی، شہر کے بھی لوگ تھے اور باہر سے بھی عقیدت مند حاضر ہو چکے تھے، محسوس ہوتا تھا کہ مولانا کی محبت کا صور پھونک دیا گیا ہو، رائے بریلی کے لیے جنازہ کے ساتھ پورا قافلہ روانہ ہوا، اسّی کلو میٹر کی مسافت ایسی سمٹی ہوئی تھی کہ محلہ کا جنازہ معلوم ہوتا تھا، ہر ہر منزل پر سوگوار موجود تھے، آخرش اہل خاندان اور عقیدت مندوں کے جلو میں آپ کی نعش تکیہ کلاں (دائرہ شاہ علم اللہ) لائی گئی اور تشنہ کامان زیارت آخری زیارت سے مشرف ہوئے۔ حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے نماز جنازہ پڑھائی اور ہزاروں نم نگاہوں اور بے کل دلوں کے ساتھ آپ کو آخری آرام گاہ تک پہنچا دیا گیا۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔

جسم کو جو عروج نصیب ہوا سب نے دیکھا، روح کو جو مقام حاصل ہوا ہوگا کس کو اندازہ؟ جسے لوگ کاندھوں پر اٹھا کر لائے اسے سب نے دیکھا، جسے نور کے فرشتے ہاتھوں ہاتھ لے گئے، اس کے درجہ اور مرتبہ کو کون جانے؟ رہے نام اللہ کا!

سیاسی قتل

”سیاسی قتل یہ ہے کہ کسی مقبول ومعروف شخصیت کو اس طرح داغدار ومجروح کر دیا جائے کہ اس کی شہرت اور مقبولیت کا آفتاب بدنامیوں اور ناکردہ گناہوں کے بادلوں میں چھپ جائے، کبھی تو یہ عمل اس چابکدستی اور ہوشیاری سے انجام دیا جاتا ہے کہ اس شخصیت کو بھی اس کا احساس نہیں ہوتا، مثلاً اسے کوئی بڑا منصب دے دیا یا پارلیمنٹ کا ممبر منتخب کر دیا یا کسی شعبہ یا ادارہ کا ذمہ دار بنا دیا وغیرہ، اس کا افسوس ناک پہلو یہ ہے کہ اغوا اور قتل کے شکار وہ لوگ ہوتے ہیں جو کسی فکر ونظریہ کے حامل ہوتے ہیں اور اس پر ان کا یقین ہوتا ہے۔“

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ

الوداع اے عالم آب وگل الوداع!

مولانا سید محمود حسن حسنی ندوی (دائرہ شاہ علم اللہ (تکیہ کلاں) رائے بریلی)

۸ر جمادی الاولی ۱۴۴۰ھ مطابق ۱۵ر جنوری ظہر کا وقت نماز ظہر ادا کی جاچکی تھی، حضرت مولانا واضح رشید حسنی ندوی ؒ نے معمول کے مطابق قرآن مجید سننا شروع کیا، وہ صبح دوپہر شام تینوں وقت قرآن مجید سنا کرتے تھے، گھر پر تھے، آپ کے بڑے پوتے مولوی خلیل احمد نے قرآن کریم کی سورۂ آل عمران شروع کی، آخری آیات کہیں یا آخری رکوع، عجیب کیفیت ان پر طاری ہوئی، وجد سا آگیا، فرمانے لگے؛ سب کچھ اس میں کہہ دیا گیا، سورہ ختم ہوئی تو فرمایا: جی چاہتا ہے آخری ان آیات کو آویزاں کردیا جائے، یہ آیات تھیں:

{لاَ يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِيْنَ كَفَرُواْ فِي الْبِلاَدِ ★مَتَاعٌ قَلِيْلٌ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمِهَادُ ★لَكِنِ الَّذِيْنَ اتَّقَوْاْ رَبَّهُمْ لَهُمْ جَنَّاتٌ تَجْرِي مِن تَحْتِهَا الأَنْهَارُ خَالِدِيْنَ فِيْهَا نُزُلاً مِّنْ عِندِ اللّهِ وَمَا عِندَ اللّهِ خَيْرٌ لِّلأَبْرَارِ ★وَإِنَّ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ لَمَن يُؤْمِنُ بِاللّهِ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْكُمْ وَمَا أُنزِلَ إِلَيْهِمْ خَاشِعِيْنَ لِلّهِ لاَ يَشْتَرُونَ بِآيَاتِ اللّهِ ثَمَناً قَلِيلاً أُوْلَـئِكَ لَهُمْ أَجْرُهُمْ عِندَ رَبِّهِمْ إِنَّ اللّهَ سَرِيعُ الْحِسَابِ ★يَا أَيُّهَا الَّذِيْنَ آمَنُواْ اصْبِرُواْ وَصَابِرُواْ وَرَابِطُواْ وَاتَّقُواْ اللّهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُونَ}

کہ اہل دنیا، اہل کفر ونفاق کے دور دورے، غلبہ واقتدار، طاقت وشکوہ سے دھوکہ میں نہیں آنا چاہیے، یہ تو ان کی دنیا چاہی پر بہت تھوڑا اور فوراً ختم ہوجانے والا مل رہا ہے، اہل ایمان کو اس میں دل نہیں لگانا چاہیے، یہ سب جو بڑے نام ٹرمپ وغیرہ آتے ہیں، ان کی کوئی حیثیت نہیں، ان کا انجام تو خراب ہی ہے، ہاں ایمان والے اور اللہ والے لوگ جو ہیں، انہیں جو ملے گا وہ باقی رہنے والا اور بہت خوب ملے گا، اہل ایمان کے لیے ان آیات میں جو پیغام دیا گیا ہے وہ صبر کا اور تقوی کا ہے، اور اہل ایمان کی ترقی اور کامیابی اسی سے جڑی ہوئی ہے، کیا معلوم تھا کہ انہیں اپنا ملنے والا اعزاز، دائمی اور حقیقی انعام بالکل نظر آرہا تھا، اور وہ گویا اپنی آنکھوں سے اس کا نظارہ کررہے تھے جو انہیں چند گھنٹوں کے بعد دن گزرنے کے ساتھ رات گزرتے ہی اس استقبال کے ساتھ ملنا تھا جو اہل ایمان، اہل صبر وتقوی کے ساتھ ہوتا ہے، جب وہ اپنے رب کے حضور حاضر ہوتے ہیں۔ مدینہ منورہ سے مسجد نبوی کی جدید تعمیرات کے نگراں انجینئر عبد الرشید صاحب حیدرآبادی کی دعوت گھر میں مدینہ پاک کی نسبت سے کی تھی، مدینہ پاک سے انہیں عشق تھا، اور یہ دعا بھی حرم پاک میں کی تھی کہ بقیع ان کا مدفن بنے، مگر آدمی جاتا وہیں سے ہے جہاں سے جانا لکھ دیا گیا ہے؛ {وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوتُ} ہاں اگر قلبی تعلق مضبوط اور سچا ہوتا ہے تو وہ اندر ہی اندر وہاں پہنچا دیا جاتا ہے، یہ عجیب مناسبت تھی کہ مدینہ پاک کی مبارک ہستی ان کے استقبال کے لیے لکھنؤ میں موجود تھی، اور ان کے وقت آخر میں بھی رات گزرتے وقت بھی ان کے پاس موجود تھی، سب سے پہلے انہیں نے ان کی طرف سے صدقہ کیا کہ صحت ہوجائے اور شفاء عاجل حاصل ہوجائے، اور اس سے بلند طریقہ سے ان کا یہ عمل مقبول ہوا کہ تمام کدورتوں، دنیوی آلائشوں کے افکار وہموم، امراض واعذار، سبھی سے مکمل شفا حاصل ہوگئی ہے، اور ایک بہترین انداز سے وہ اپنے مالک حقیقی سے جاملے، جب فجر کی اذان شروع ہوچکی جو انہیں کو قرآن مجید سنانے والے مولوی عبد الصمد ندوی ٹونکی دے رہے تھے، یس شریف مولوی سید سبحان ندوی پوری کرچکے تھے، صاحبزادہ احب واعز مولانا جعفر مسعود حسنی ندوی بھی انہیں اعمال خیر تلاوت وغیرہ میں مشغول تھے، اور انہیں کے گود میں عظیم باپ کا مبارک ومقدس سر تھا، آس پاس ہم لوگ بھی تھے، وہ فرماتے تھے؛ ایسے حالات ہوں تو دعا نماز میں مشغول ہوجانا چاہیے، ان کی اپنے لیے وصیت اور ان کی

مناسبت سے بھی بہترین موقع سمجھ کر میں نماز میں مشغول ہوگیا، معلوم ہوا بڑی سہولت سے روح پرواز کرگئی، چار بجے جب وہ اٹھے تھے تو حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی سے پوچھا تھا: چھوٹے بھیا کیا بجا ہے؟ فرمایا: چار بجے ہیں، انہوں نے اٹھ کر شب گزاری کی تیاری شروع کی، وضو کر کے آنے کے بعد سینہ میں تکلیف بڑھی اور بڑھتی گئی، فرمایا: محمود! پڑھ کر دم کرو، سات بار سورۂ فاتحہ پڑھ کر دم کیا، کانوں میں، سینہ میں دم کیا، پھر حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی مدظلہ کی مرتبہ دعاء سیدنا انس بن مالک رضی اللہ عنہ پڑھی اور مولوی خلیل حسنی نے بھی پڑھی، مولوی عین الحسن نے تلقین کلمہ سے اپنا عمل جاری رکھا، مولوی سبحان بھٹکلی نے ان کو سہارا دے کر پڑھنا پڑھانا جاری رکھا، اور قریب ہی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی اپنی تمام تر توجہات باطنی وظاہری سے متوجہ اور مشغول تھے، اور اپنے تجربات سے بہت کچھ محسوس کر چکے تھے، ڈاکٹر سید عرفان قدیر کو لینے کے لیے مصباح بھائی نے ڈرائیور ناظم کو بھیجا، مگر ان کے ندوہ کے کمپاؤنڈر جو مولانا کے دفتر کے ملازم بھی ہیں پہلے پہنچے اور وہ جان جان آفریں کے سپرد کر چکے تھے، ڈاکٹر عرفان قدیر صاحب نے تصدیق کی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون!

ہجری سنہ کے اعتبار سے آپ نے اٹھاسی (۸۸) سال اور عیسوی سنہ کے مطابق چھیاسی (۸۶) سال کی عمر پائی۔ اس لحاظ سے آپ نے عمر میں اپنے مشفق ماموں مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی علیہ الرحمہ کی مشابہت پائی۔

حضرت مولانا واضح رشید حسنیؒ نے ایسی کامل توجہ الی اللہ کے ساتھ اپنے رب کے حضور حاضری دی جس کی اولیاء اللہ تمنا کرتے رہے ہیں اور وہ "طاب حیا طاب میتا" کا مصداق بنے، ان کی جوانی بھی قابل رشک تھی اور بڑھاپا بھی قابل رشک تھا، ۱۹۶۲ء کی بات ہے کہ حضرت مولانا عبدالقادر رائے پوری کا سفر پاکستان تھا جو سفر آخرت بھی ہوا، رائے پور میں مجمع امنڈ پڑا تھا، کہتے کہ میں وہاں بڑے بھائی مولانا محمد ثانی حسنی کے ساتھ حاضر تھا، دعا کے لیے کہا اور پھر ملاقات کی خواہش ظاہر کی، فرمایا: یہاں کی ملاقات کیا اصل ملاقات تو وہاں کی ہے یعنی جنت کی، اس چیز نے مولانا کا حال عجیب بنا دیا تھا، انہوں نے از شباب تا شیخوخت ہر دن آخری دن، ہر رات آخری رات سمجھی اور ان کا دل دنیا میں کبھی نہیں لگا، اللہ سے لقاء کا شوق ہمیشہ غالب رہا، جنت کا ان کو یقین حاصل تھا، اپنے بڑی مناسبت والے اور بے تکلف بھائی (ماموں زاد) و برادر نسبتی مولانا سید محمد الحسنی جو آپ سے صرف پونے دو سال چھوٹے تھے، کہنے لگے کہ ہم میں تم میں جسے زیادہ اونچا مقام حاصل ہو وہ دوسرے کو اپنے ساتھ اوپر بلا لے کہ وہاں بھی تم ہم ساتھ ہی رہیں گے، عجیب بات یہ ہوئی کہ ان کے انتقال سے پہلے یہ خواب دیکھا بھی گیا کہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کہہ رہے ہیں کہ واضح کو محمد میاں کے پاس ٹھہراؤ، انتقال کے بعد راقم نے خواب دیکھا کہ وہ معتکف ہیں، اور راقم سطور سے بات کر کے ایک تبلیغی اجتماع سے آنے کا تذکرہ کر رہے ہیں کہ وہاں مولانا محمد الیاس صاحب بھی آئے تھے، ان کا تبلیغ میں قابل رشک حد تک وقت لگا، اکابر تبلیغ مولانا محمد یوسف صاحب کاندھلوی، مولانا انعام الحسن صاحب کاندھلوی کے ساتھ وقت لگا تھا، اور دونوں کی ہی بہت توجہ ان کو حاصل تھی، حضرت مولانا محمد یوسف کاندھلوی کے درد وسوز، فکر وتڑپ کے بڑے قائل تھے اور حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی کی خموشی، توجہ الی اللہ اور علمی رسوخ کے بہت قائل رہے، ایک بار راقم سے کہا: مجھے دو لوگوں کے علمی تجرد وتوسع نے خاص طور پر بہت متاثر کیا، ایک ماموں جی حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی اور ایک حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی، جب انہوں نے دہلی کے قیام پر لکھنؤ کے قیام کو ترجیح دینے کا فیصلہ لیا اور حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی کو لکھا تو حضرت شیخ نے ان کو لکھا کہ علمی مشغلہ معمولی دنیوی نقصان کے ساتھ ہی نہیں، بڑے دنیوی نقصان کے ساتھ بھی اختیار کر لینا چاہیے، مگر اس مشورہ دینے کے بعد حضرت مولانا انعام الحسن کاندھلوی کو حضرت شیخ نے خط لکھا کہ واضح نے میرے کہنے سے اتنا بڑا فیصلہ لیا ہے، تم دعا کرو کہ وہ کسی آزمائش میں نہ پڑیں، اور واقعی اللہ نے ہر آزمائش سے بچایا اور دوسرے کا انہیں محتاج نہیں بنایا، اپنا کام خود کرتے کراتے ہی دنیا سے گئے، جس کے ہم سب خدام شاہد ہیں، خدمت لینا انہیں ہمیشہ گراں بار رہا، نہانا ہو تا بالٹی خود بھرتے، کپڑے

میں کچھ لگ جاتا تو خود دھوتے اس رات بھی آپ نے ایسا ہی کیا

۱۹۷۳ء میں جیسے ہی دہلی سے لکھنؤ آئے اللہ نے حج کا غیب سے انتظام فرمایا، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے ساتھ حج کو گئے، حضرت مولانا محمد منظور نعمانی بھی تھے، ان کے ساتھ ان کے صاحبزادے مولانا خلیل الرحمن سجاد نعمانی ندوی بھی، اور قربانی ان دونوں نے منی میں خود کی، فرماتے تھے؛ اللہ نے بڑی حفاظت فرمائی، چھری اور جانوروں پر سے گذرنا آسان نہ تھا، اسی میں منی میں ایک نشست شاہ فیصل شہید نے اعلام عالم اسلام کی رکھی تھی، شیخ بن باز اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی اپنے پہلو میں ہی نشست رکھی تھی تو مولانا واضح رشید حسنی ندوی کے ساتھ بھی یہ تکریم فرمائی کہ وہ حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے ساتھ بطور مرافق آئے تھے، حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی بینائی بہت متاثر تھی، حضرت شیخ کے حکم سے حضرت شاہ اسماعیل شہید کی کتاب "تقویۃ الایمان" کا عربی میں ترجمہ "رسالۃ التوحید" کے نام سے مسجد نبوی میں شروع کیا تو مولانا واضح حسنی ندوی علیہ الرحمہ کو املا کرا کر شروع کیا۔

انہوں نے بڑی تنخواہ چھوڑ کر چھوٹی تنخواہ پر محض لوجہ اللہ قناعت و اکتفا کیا پھر جب معتمد تعلیم کے منصب پر فائز ہوئے اور تدریسی گھنٹے آخر تک رہے مگر تنخواہ ترک کردی، یہ عرصہ بھی دس بارہ سال گذرا، حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی نے بشارت دی تھی کہ واضح سے ندوہ کو فائدہ پہنچے گا اور وہ پوری ہوئی اور ندوہ نے ان کی توجیہات میں بڑی ترقی کی اور وہ خود اس کے بڑے منصب پر فائز ہوئے۔ بیت اللہ شریف کی حاضری کی سعادت بھی حاصل کی، کعبۃ اللہ کے اندر کچھ تعمیراتی کام اور کھدائی حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے زمانہ کی کھدائی تک ہوئی تھی، یہ ۱۹۹۵-۱۹۹۶ء کی بات ہے، بھائی عبدالرشید صاحب کی کوشش کارگر ہوئی اور حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ، ان کے بڑے بھائی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم اور حضرت مولانا سید ابوالحسن علی حسنی ندوی اور ان کے تاعمر خادم سفر و حضر الحاج عبد الرزاق صاحب بھی تھے اور وہ عظیم سعادت و شرف حاصل کیا کہ قدیم بناء ابراہیم میں ان کے قدم مبارک پہنچے اور خوب دعا مناجات کی، نماز پڑھی، تضرع، الحاح وزاری کی۔

باتیں لکھنے کی تو ہزار ہیں، مگر بات آخری دن کی ہے، آخری دن ۸ رجمادی الاولی کی طلوع فجر سے ہوتا ہے، نماز کے بعد مولوی عبدالصمد ندوی مؤذن مسجد ندوۃ العلماء سے قرآن مجید سنا، جو ان کا روز کا معمول تھا، جسے مختلف سالوں میں مختلف لوگ کرتے آرہے تھے، جب سے آنکھ کا آپریشن کرایا تھا، مولوی سبحان ندوی سے آغاز ہوا پھر اس قافلہ میں مولوی دانش، مولوی سید احسان اللہ، مولوی میر فاد بھٹکلی، مولوی سفیان بھٹکلی، مولوی معاذ عثمان ندوی اور مولوی سعد مہاراشٹری، مولوی محمد ثانی بھٹکلی، رائے بریلی کے قیام میں مولوی عبدالسمیع اور گھر میں ہوتے تو مولوی محمد میاں حسنی، مولوی سعید حسنی، مولوی سید محمد امین حسنی، مولوی عبدالحی، مولوی حبیب، مولوی خبیب۔ اور سب سے بڑھ کر نہایت عاشقانہ انداز اور والہانہ طریقہ سے تلاوت کرنے والے محب صادق مولوی محمد یوسف ندوی پنج بیا کنا ڈا کا نام بھی ہے جنہیں سیری ہی نہ ہوتی اور مولانا بھی خوب لطف لیتے۔ کبھی راقم کو بھی سعادت حاصل ہوتی، ایک بار مولوی اصطفاء الحسن کاندھلوی نے سنایا، خوش ہوئے اور تعریف کی، وہ قرآن مجید کے ماہر تھے، غلطی فوراً پکڑتے اور تنبیہ کرتے تھے، ریڈیو میں بڑے بڑے قراء کا انتخاب کرتے تھے، ان کی اس خصوصیت کا علم بہت کم لوگوں کو ہے۔

معمول کے بعد دفتر بھی گئے اور شریف کہتے ہیں کہ دنیا کی بے ثباتی، زندگی کی فنائیت، موت کی حقیقت کے بارے میں باتیں کیں، ہم لوگوں کو تھوڑی حیرانی ہوئی کہ آج مولانا ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں، دفتر کے سکریٹری مولانا وثیق ندوی افسوس کہ سفر بحرین پر تھے، اور مولانا عثمان ندوی، عبدالکریم ندوی ان کی کمی پوری کرنے دفتر آجاتے تھے۔

انجینئر عبدالرشید صاحب مدینہ منورہ کے لیے دعوت کو اپنے صاحبزادے مولانا جعفر حسنی ندوی سے پہلے ہی کہہ چکے تھے، دفتر سے ظہر سے قبل ہی حضرت مولانا محمد رابع حسنی ندوی اور راقم سطور مولوی خلیل کے ساتھ گھر چلے گئے، جہاں ظہر بعد عبدالرشید صاحب ان کے بیٹے اور مصباح بھائی پہنچ گئے تھے۔

عصر بعد مولوی سفیان نے ندوہ میں قرآن مجید سنایا، اور یہ آخری سماعت تھی، باقی اپنے قرآنی معمولات اور دعا واذکار وغیرہ کے معمولات صبح، دوپہر، عصر، شام کے سب پورے کیے، ایک دو دن پہلے شہر کے تعلق والے ارسلان سبزی والے کچھ بات وغیرہ کرنے لگے تو ان سے سبزی وغیرہ کے بارے میں پوچھنے لگے، پھر نصیحت کی اور حدیث یاد کرائی "من غش فلیس منا" اسی طرح حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ کی آڈیو کے بارے میں جو اسمارٹ فون کے بارے میں تازہ آیا تھا بتایا کہ انہوں نے فرمایا ہے جن کو اپنے اوپر کنٹرول نہ ہو ان کے لیے اس کا استعمال جائز نہیں اور دنیا کی تھوڑی زندگی کے لیے آخرت کی دائمی زندگی کا سودا کرنا کون سی عقل مندی ہے، یہ بات مولانا علیہ الرحمہ کو بہت پسند آئی اور اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا محمد رابع حسنی کو سنائی کہ ہم لوگوں کو بھی اپنا جائزہ لینا چاہیے کہ ہم سب کیسی غفلت میں ہیں۔

ایک معمول اوقات کے اعتبار سے سورتوں کی تلاوت کا تھا، فجر میں یس شریف، ظہر میں سورۂ فتح، عصر میں سورۂ نبا، مغرب میں سورۂ واقعہ، عشاء میں سورۂ ملک، وہ سب پوری استقامت سے تاعمر اور آج بھی پورے کیے۔ اور مغرب کے معمولات پھر رات کو سونے سے پہلے کے معمولات بھی حسب سابق پورے کیے اور کچھ اشارے بھی دیے جو دنیا سے اکتاہٹ اور لوگوں سے وحشت کے ساتھ اللہ کے ساتھ انس وتعلق اور الوداع کہنے کے تھے۔

دعاؤں کے تعلق سے ان کا یقین اس قدر بلند تھا کہ فرماتے اللہ کا ہم پر یہ بڑا فضل ہے کہ ہم اپنی بیماری کا علاج دعاؤں سے کر لیتے ہیں، مسنون دعاؤں کا ان کو بڑا اہتمام تھا، پورے یقین کے ساتھ معافی تلافی بھی کی، اپنے صاحبزادے مولانا جعفر صاحب سے کہا: مجھے معاف کرنا، اور وہ چیک اپ، اسپتال وغیرہ سے بہت وحشت کھاتے تھے، اللہ نے ان کو اپنے پاس بلاتے وقت اسپتال کی منزل سے محفوظ رکھا، اپنے بستر پر ہی سفر آخرت کیا۔

خبر آناً فاناً ایسی پھیلی کہ براعظموں میں پہنچ گئی، ہم نے تو سب سے پہلے جا کر مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء مخدومی مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی کو مسجد میں جا کر اطلاع دی، وہ اسی وقت آنے لگے مگر نماز تیار تھی، وہ اس کے بعد حضرت کی خدمت میں آئے، مولانا عبد العزیز بھٹکلی نائب مہتمم ندوۃ العلماء صاحب مکہ مکرمہ میں تھے ان کو فون کیا، عمرے طواف فوراً شروع ہو گئے اور بعد میں خوب ہوئے، اور غائبانہ نماز جنازہ کی اطلاعات بھی جگہ جگہ سے آئیں، مولوی یوسف حسینی قطر میں تھے، بتایا کہ علامہ یوسف قرضاوی نے نماز جنازہ غائبانہ قطر میں پڑھائی، حضرت مولانا تقی الدین ندوی مصر گئے تھے، خبر دی کہ ان کی نماز جنازہ جامع ازہر میں پڑھائی گئی، دوسرے ملکوں سے بھی لوگ تعزیت میں حاضر ہوئے، حضرت مولانا عبید اللہ افغانی بلخ سے آ گئے مگر بعد میں پہنچے، اس لیے کہ ویزے اور ریزرویشن میں وقت لگا، محترمی جناب ضیاء عبد اللہ صاحب جدہ سے اسی دن پہنچ گئے، ملک بھر سے جنہیں فلائٹ مل گئی آ گئے، نظام الدین تبلیغی مرکز دہلی کا قافلہ شریک جنازہ ہوا، حضرت مولانا محمد ولی رحمانی امیر شریعت بہار، حضرت مولانا احمد لاٹ ندوی گجرات، اگرچہ اسی دن چل دیے مگر شریک جنازہ نہ ہو سکے، پھر تو تانتا بندھا رہا، کس کس کا نام لیا جائے، سبھی اہل تعلق نے تعلق کا خوب ثبوت دیا، جو نہیں آ سکے ان کے خط اور پیغام آئے۔

غسل اور تجہیز وتکفین دار الشفاء ندوہ میں ہوئی، مولانا جعفر حسنی اور ان کے صاحبزادگان مولوی امین، مولوی عبد الحی کے علاوہ مولانا بلال حسنی ندوی، ان کے ساتھ سید احسان اللہ، مصباح الدین بھائی، سید سبحان ثاقب اور حافظ فضل الرحمن صاحب شریک تھے، جنازہ تیار ہوا، ان کے بھتیجے مولانا سید محمد حمزہ حسنی ندوی بھی وہاں موجود تھے، اور انہیں کے ساتھ سب سے پہلے لوگوں نے اٹھایا۔

پھر اخیر میں دیدار والوں کا تانتا بندھا رہا، سیاسی جماعتوں کے لوگ بھی آتے رہے، علماء، قائدین، عمائدین اور خواص وعوام، اہل دین اور اہل دنیا سبھی نے عقیدت کے پھول نچھاور کیے، حقیقی پھول نہیں اس لیے کہ وہ بدعت کی رسم ہے، محبت وعقیدت کے جذبات جن سے روکا نہیں جا سکتا، سنت کے دائرہ اور شریعت کے سایہ میں رہ کر۔ نماز جنازہ بڑے مجمع کو بڑے میدان میں مہتمم دار العلوم ندوۃ العلماء مولانا ڈاکٹر سعید الرحمن اعظمی ندوی نے ادا کرائی، حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی پہلے ہی رائے بریلی روانہ

ہو چکے تھے، برابر وہاں لوگوں کی آمد و رفت تھی، عصر بعد جنازہ مولد و موطن تکیہ شاہ علم اللہ پہنچا، پروانہ وار لوگ ٹوٹ پڑے، مگر احترام اور سنت کا پاس سبھوں نے پورا ملحوظ رکھا، جذبات تھے کہ ع

عاشق کا جنازہ ہے ذرا شان سے نکلے

باہر بھی برابر دیدار کے لیے مجمع امڈ پڑ رہا تھا، آخری دیدار حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم نے کیا، اور پھر بڑے کثیر مجمع کو نماز جنازہ پڑھائی، اور حضرت مولانا سید عبداللہ حسنی کے پہلو میں دفن کیا گیا۔ قبر میں اترنے والوں میں محبوب صاحبزادہ مولانا سید جعفر مسعود حسنی ندوی صاحب اور محبوب بھتیجے مولانا سید بلال حسنی ندوی نیچے اترے، جنازہ کو عین سنت کے مطابق داہنی کروٹ قبر میں رکھا گیا، بڑی سہولت سے یہ سنت ادا ہوئی، جس میں عموماً لوگ دشواری میں پڑ جاتے ہیں، قبر میں حضرت مولانا کے حافظ قرآن پوتے مولوی محمد امین حسنی ندوی اور حافظ سید احسان اللہ بھی تھے جن کا قرآن مجید سنانے کا ایک پورے سال معمول رہا تھا، آس پاس اور اہل تعلق افراد خاندان اور ہم سب لوگ تھے، مجمع کسی طرح کم نہیں ہو رہا تھا، یہاں تک کہ عشاء کی اذان ہوئی، فجر کی اذان کے ساتھ انہوں نے آخری سانس لی تھی اور عشاء کی اذان کے ساتھ آخری مٹی دی گئی اور سپرد خاک ہوئے، اذان کی دعا کے ساتھ مستجاب وقت میں وہاں ہم باقی بچے لوگوں نے رفع درجات اور مغفرت و قبولیت اعمال کی دعا کی۔ ان مناسبتوں کے حوالہ کے ساتھ جو زبان پر آگئے:

اللھم اغفر لہ وارحمہ وأکرم نزلہ ونور مرقدہ وبرد مضجعہ واحشرہ مع النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین وحسن أولئک رفیقا۔ اللھم تقبل حسناتہ وخدماتہ للاعلاء کلمتک ونصرۃ دینک ولمقاومۃ أعدائک مجاہدا وساعیا فی الغزو الفکری مدافعا للاسلام والمسلمین۔

ان کے ایمانی قلم نے دشمنان اسلام کے اسلام مخالف حقائق، مسلمانوں کے خلاف دسیسہ کاریوں، سازشوں کو بے نقاب کیا، اور پوری واقعیت کے ساتھ بار بار پیش کیا کہ یہ یہودی دماغ، عیسائی وسائل کس طرح امریکہ کی سرپرستی میں جمع ہو گئے ہیں اور عربوں کے خلاف اپنا حقد نکالنے میں لگے ہیں، وہ جاگ رہے ہیں اور ہم سو رہے ہیں۔ فانتبھوا یا أولی الأبصار۔

انہیں مسجد سے بہت لگاؤ تھا، سفر میں بھی کہیں ہوتے مسجد تلاش کرتے، نمازوں کے اوقات کے علاوہ ایک ڈیڑھ گھنٹہ تنہائی میں مسجد کا دینا ایک قدیم معمول تھا، فرماتے تھے کہ حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا کاندھلوی نے انہیں بتایا تھا، جس کا بڑا فائدہ محسوس ہوتا ہے، یوں بھی ان کا دل مسجد اور نماز میں معلق رہتا تھا، یہ ایسا عمل ہے جس پر عرش الٰہی کا سایہ کا وعدہ ہے، آخری کسی تقریب میں ان کی شرکت مسجد کی مناسبت سے ہی رہی، انتقال سے تقریباً دو ماہ قبل ۱۱ ربیع الاول ۱۴۴۰ھ کو اپنے وطن رائے بریلی جاتے ہوئے مولوی فیضان نگرامی ندوی کی خواہش کے احترام میں نگرام میں "افضل المساجد" کا سنگ بنیاد اپنے بڑے بھائی حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم کے ساتھ رکھا، دار العلوم زاہدان ایران کے مولانا عبد القادر عارفی بھی ساتھ تھے، ہے یہی کہ جو جن کاموں میں رہتا ہے انہیں کاموں میں اٹھایا جاتا ہے، اللہ تعالیٰ ان کے کاموں کو ان کے لیے صدقہ جاریہ فرمائے۔ آمین!

تاریخ اسلامی کا المیہ

"اسلامی تاریخ کا یہ بڑا المیہ ہے کہ شرعی علوم (تفسیر، حدیث اور فقہ) سے اشتغال کی وجہ سے مؤرخین اور مصنفین نے تاریخ پر کوئی خاص توجہ نہیں دی، نتیجۃً تاریخ کے موضوع پر ایسے لوگوں نے قلم اٹھایا جنہوں نے تاریخی روایات وواقعات کے سلسلہ میں اس اصول و معیار کا خیال نہیں رکھا جو روایت حدیث میں اختیار کیا گیا، صرف روایات اکٹھا کر دی گئیں اور ان کی چھان بین نہیں کی گئی، خود اصفہانی نے اپنی مشہور زمانہ کتاب "الاغانی" میں اس کا اعتراف کیا ہے۔ ان مؤرخین میں ایسے لوگ بھی گھس آئے جو روایات کے نقل میں محتاط نہیں تھے۔"

● حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی

تعزیت نامے

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندویؒ کے انتقال پر ملک و بیرون ملک کی مؤقر شخصیات نے تعزیتی خطوط ارسال کیے، یہ خطوط مولانا مرحوم کے برادر اکبر محبوب ملت حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی دامت برکاتہم (ناظم ندوۃ العلماء) کے نام لکھے گئے ہیں، ذیل میں چند اہم خطوط کے اقتباسات پیش کیے جاتے ہیں۔ (ادارہ)

نہایت غم اور افسوس کے ساتھ مجھے یہ خبر ملی کہ الاخ الکریم العلامۃ الاستاذ محمد واضح رشید الندوی رابطہ ادب اسلامی کے معاون جنرل سکریٹری کا انتقال ہوگیا ہے جو ندوۃ العلماء کا ایک مضبوط رکن تھے، اور دعوت الی اللہ اور نیکی اور اصلاح کے میدان میں سرگرم تھے، جنہوں نے اپنی زندگی خدمت علم و دین کے لیے وقف کردی تھی، دعوت دین کے پرچم کو وہ تھامے ہوئے تھے، ان کی وفات ایسا حادثہ ہے جس سے امت آسانی سے ابھر نہیں سکے گی، اور ایسا شگاف ہے جو آسانی سے پر نہیں ہوسکے گا، اللہ تعالی ہم تمام کو صبر کی توفیق دے اور مرحوم کے ساتھ لطف و کرم کا معاملہ فرمائے اور جنت الفردوس میں ان کو ٹھکانہ دے۔ یہی اللہ کی سنت ہے، کسی کو اس سے فرار نہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اخوکم المخلص احمد بن حمد الخلیلی
(مفتی عام سلطنت عمان)

نہایت غم اور افسوس کے ساتھ مجھے یہ خبر ملی کہ الاخ الکریم العلامۃ الاستاذ محمد واضح رشید الندوی رابطہ ادب اسلامی کے معاون جنرل سکریٹری کا انتقال ہوگیا ہے جنہوں نے رابطہ ادب اسلامی کے آغاز سے ہی اس کے قافلہ میں شمولیت اختیار کرلی تھی، اور اس کی ہر کانفرنس میں ان کی شرکت رہی، اور آپ اور شیخ مولانا واضح رشید ندوی حضرت مفکر اسلام کے لیے دو بازو کا درجہ رکھتے تھے۔

غم اور افسوس کے بادل ہم پر سایہ فگن ہیں، مسلسل علماء اور اعلام الامۃ ہم سے رخصت ہورہے ہیں، خاص طور پر رابطہ ادب اسلامی کی شخصیات اور عمومی طور پر پورے عالم اسلامی کی شخصیات اس دنیا سے مسلسل رخصت ہورہی ہیں، ہم آپ سے اور رابطہ ادب اسلامی کے جمیع کارکنان، ذمہ داران اور تمام کے لیے تعزیت مسنونہ پیش کرتے ہیں، دعاگو ہیں کہ اللہ تعالی مرحوم پر رحمت اور رضوان کی بارش نازل فرمائے، جنت الفردوس میں ان کو ٹھکانہ دے، آپ کو اور گھر والوں کو صبر اور تسلی دے، اور ہم سب کو اجر جزیل سے نوازے، ہم اللہ کے فیصلہ پر راضی ہیں، انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ڈاکٹر عبد القدوس ابو صالح
(صدر عالمی رابطہ ادب اسلامی)

نہایت غم اور افسوس کے ساتھ مجھے یہ خبر ملی کہ الاخ الکریم العلامۃ الاستاذ محمد واضح رشید الندوی رابطہ ادب اسلامی کے معاون جنرل سکریٹری کا انتقال ہوگیا ہے جنہوں نے رابطہ ادب اسلامی کے آغاز سے ہی اس کے قافلہ میں شمولیت اختیار کرلی تھی، آپ کے ساتھ ان کا بھی بھرپور حصہ اس کی کانفرنسوں میں رہا ہے۔

ہم ان کی سرگرمیوں اور ان کی تحریروں اور امت اسلامیہ کے مسائل پر ان کی دوررس نگاہ سے خوب واقف ہیں، دعاگو ہیں کہ اللہ تعالی ان کے تمام اعمال کو ان کے میزان عمل میں قبول فرمائیں، اور آپ کو اور تمام مسلمانوں کو اس کا بدل عطا فرمائیں۔

ڈاکٹر عبد الباسط بدر
(نائب صدر عالمی رابطہ ادب اسلامی)

موصوف سے مجھے قلبی و روحانی تعلق تھا، اپنے آپ کو تسلی دے رہا ہوں کہ جب دنیا میں نبی نہیں رہے تو ولی کیا رہیں گے، جانا سب کو ہے لیکن بعض خوش نصیبوں کا جانا بہت قابل رشک ہوتا ہے، موصوف محترم بھی چلتے پھرتے باوضو دنیا سے تشریف لے گئے۔ عیشة نقیة و میتة سویة۔

والسلام
شریک غم
(حضرت حکیم) محمد کلیم اللہ عفی عنہ

مولانا مرحوم عالم اسلام کے مشہور مقبول عالم دین اور قد آور صحافی تھے، آپ نے ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیم کی حیثیت سے ایک عرصہ تک خدمت انجام دی، صحیفہ "الرائد" کے رئیس التحریر اور مجلہ "البعث الاسلامی" کے شریک ادارت، جنرل سکریٹری رابطہ ادب اسلامی جیسے عہدوں پر فائز ہونا آپ کی قابلیت اور علمی خدمات کو نمایاں کرتا ہے۔ آپ نے درجنوں عربی اور اردو کتابوں کی تصنیف فرمائی ہے۔

والسلام
(مفتی) ابوالقاسم نعمانی غفرلہ
(مہتمم دارالعلوم دیوبند)

اس حقیقت کی صداقت میں کوئی کلام نہیں ہے کہ حضرت مولانا سید واضح رشید حسنی ندوی نوراللہ مرقدہ سابق معتمد تعلیم دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ، اپنی علمی رفعت اور مزاجی و خاندانی تواضع اور اپنے عظیم تر علمی و تعلیمی اور ملی و اصلاحی خدمات کے سبب ملکی و بین الاقوامی علمی اجتماعات میں ایک مخصوص مقام عظمت کی حامل شخصیت کے مالک تھے، جن کے حادثہ وفات کا صدمہ محض ندوۃ العلماء سے وابستہ اہل علم و عوام میں ہی نہیں بلکہ تمام ہی دینی و ملی طبقات میں یکساں شدت کے ساتھ محسوس کیا گیا۔

والسلام
(مولانا) محمد سفیان قاسمی
(مہتمم دارالعلوم وقف - دیوبند)

مولانا موصوف عہدہ و مرتبہ اور مال و منال سے دور، سستی شہرت سے نفور، اصحاب دانش و بینش کے منظور نظر، ارباب سلوک و طریقت کے معتمد اور مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندویؒ کے چہیتے، پیارے اور لاڈلے تلمیذ اور بھانجے تھے، وہ رجال ساز اور مردم گر فرد تھے، انہوں نے خاموشی اور گمنامی کو اپنی طبیعت ثانیہ بنالیا تو نتیجہ یہ ہوا کہ آج انہیں عالم ایسے جانتا ہے جیسے گویا وہ گھر کے ہی ایک فرد ہوں۔

مختلف رسائل و مجلات میں ان کے عربی، اردو و انگریزی مضامین و مقالات شائع ہوتے، لوگ ان کی تحریروں کے منتظر رہتے، ان کا اسلوب اور طرز نگارش انوکھا تھا، انہیں صہیونیت اور صہیونی سازشوں کا مکمل درک تھا، اسی لیے اس موضوع پر ان کی تحریریں حوالہ اور دلیل تصور کی جاتی تھیں۔

العبد
(مولانا) محمد سعیدی
(ناظم و متولی مدرسہ مظاہر علوم - وقف)

ان کی شخصیت صرف ندوہ و دارالمصنفین ہی نہیں پوری ملت اسلامیہ کے لیے بیش قیمت سرمایہ تھی۔ افسوس امت ایک عظیم نعمت سے محروم ہوگئی۔ تعلیم و تدریس، افراد کی ذہن سازی اور تربیت نفس اور قلم و قرطاس کے ذریعہ اسلامی تعلیمات کو عام کرنے اور وقت کے فتنوں کو پہچاننے اور ان سے مقابلہ کرنے کی ان کی خدمات یقیناً ناقابل فراموش ہیں۔ مولانا مرحوم گوشہ گیر اور خلوت پسند تھے، لیکن عجب بات ہے کہ ہر جگہ ذکر ان کا بڑی عقیدت سے ہوتا تھا، ان کی خاموشی سمندر کے سکوت کے مانند تھی۔

والسلام
(پروفیسر) اشتیاق احمد ظلی
(دارالمصنفین، اعظم گڑھ)

ان کے انتقال سے علم و ادب کی دنیا میں بڑا خلا پیدا ہوا ہے۔ مولانا ممدوح کو عربی اور اردو زبان و ادب پر غیر معمولی قدرت

حاصل تھی۔ دار العلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ سے شائع ہونے والا "الرائد" اور "البعث الاسلامی" ان کی قلم ریزیوں کے شاہد عدل ہیں۔

مولانا ممدوح ایک بے لوث داعی، باکمال مصنف اور ماہر تعلیمات تھے، وہ دار العلوم ندوۃ العلماء کے تعلیمی و انتظامی امور میں نہ صرف آپ کے کامیاب و مددگار ساتھی تھے بلکہ زندگی کی راہوں میں بہترین رفیق و ہمراز تھے، مولانا مرحوم جمعیۃ علماء اور اس کے اکابر سے بھی تعلق رکھتے تھے، اس کا پتہ اس بات سے چلتا ہے کہ گزشتہ ماہ گرچہ وہ مولانا سید محمد میاں رحمہ اللہ کے سیمینار میں بیماری و کمزوری کے باعث حاضر نہ ہو سکے، مگر مقالہ تحریر فرمایا اور اسے پڑھنے کے لیے اپنا نمائندہ بھیجا۔

والسلام

(مولانا) محمود اسعد مدنی

(ناظم عمومی جمعیۃ علماء ہند)

مرحوم بڑی خوبیوں کے مالک تھے، ان کی ذات گرامی نہ صرف ندوہ، بلکہ ملت اسلامیہ ہند کے لیے بڑا سرمایہ تھی، انہوں نے ادب، صحافت اور تعلیم و تدریس کے میدان میں اہم خدمات انجام دیں اور کئی نسلوں کی تربیت کی، ان کے مضامین اور مقالات سے استفادہ کا موقع ملتا رہا، وہ مغربی افکار و تہذیب اور اس کی خامیوں سے بخوبی واقف تھے اور اس کے مقابلہ میں اسلامی فکر کی بہترین ترجمانی فرماتے تھے، ان کی وفات ملت کا بہت بڑا خسارہ ہے۔

دعا کا طالب

(مولانا) سید جلال الدین عمری

(امیر جماعت اسلامی ہند)

ان کی وفات سے نہ صرف ندوۃ العلماء نے ایک سرگرم اور بے لوث خادم کھو دیا ہے، بلکہ یہ ملک و ملت کی علمی دنیا کا بھی عظیم خسارہ ہے، جس کی تلافی بظاہر ممکن نظر نہیں آتی، کیونکہ ان کی پوری زندگی تعلیم و تربیت، تصنیف و تالیف اور بحث و تحقیق سے عبارت ہے اور ان کی ہمہ جہت علمی خدمات کا دائرہ بے حد وسیع ہے۔

انہوں نے دار العلوم ندوۃ العلماء کے فیوض و برکات سے اپنا دامن بھرا اور پھر طویل عرصہ تک جی جان سے اس کی خدمت کی، ان کا تعلیم و تدریس، صحافت و اعلام، تصنیف و تالیف سے شغف، نکتہ سنجی، علمی بصیرت، علم دوستی، طالبان علوم نبوت سے محبت و شفقت اور اہل علم کی قدر دانی بڑی معروف تھی۔ وہ قوم و ملت کے بے لوث خادم تھے، انہیں ان کی علمی و دینی خدمات کے لیے ہمیشہ یاد کیا جاتا رہے گا۔ نیز ان کے سانحہ ارتحال سے ایسا علمی خلا واقع ہو گیا ہے جس کا پر ہونا مشکل نظر آتا ہے۔

دعا گو

(مولانا) اصغر علی امام مہدی سلفی

(امیر مرکزی جمعیت اہل حدیث ہند)

مولانا مرحوم عربی زبان و ادب کے عظیم خدمت گاروں میں سے تھے، انہوں نے زبان و ادب کی مختلف زاویوں سے نمایاں خدمات انجام دیں، ان کے مضامین جہاں ان کی طرز نگارش کی انفرادیت کی جانب مشیر ہیں، وہیں ان کی فکری بلندی کو بھی محیط ہیں، انہوں نے عالم اسلام کے مسائل، ان کے اسباب و علل کو بخوبی اپنی تحریروں میں پیش کیا، مغرب کی اسلام دشمنی کے وجوہات و اسباب پر روشنی ڈالی، مغربی تہذیب و تمدن کے کھوکھلے پن کو عیاں کیا، مغربی فکر کی آزادی اور بے راہ روی کو موضوع گفتگو بنایا، اس کی صحیح صورت حال سے قارئین کو باخبر کیا، آزادی رائے کے کھوکھلے پن کی حقیقت کو عالم آشکارا کیا۔

مرحوم ایک عظیم ماہر تعلیم تھے، جدید نظام تعلیم اور اس کی قباحتیں و مضرتیں، قدیم نظام تعلیم اور اس کی خوبیاں و خصوصیات، نظام تعلیم میں مغربیت کی اندھی تقلید، اس کی خامیاں اور اس نظام کا مقصد، ان تمام پہلوؤں سے آپ بخوبی آگاہ تھے۔ تغمدہ اللہ

بو اسع رحمته و أسكنه فسيح جناته۔ آمین

شریک غم

(مولانا) ڈاکٹر عزیر احمد قاسمی

(ناظم عمومی مرکزی جمعیۃ علماء ہند)

حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی برصغیر کے ان گنتی کے علماء میں تھے جو اعلیٰ درجہ کی ثقاہت، زہد و تقوی اور بے مثال روحانی و باطنی کیفیات کے ساتھ عالم اسلام کے حالات، جدید نظریات اور خاص طور پر عالمی ذرائع ابلاغ پر گہری اور ناقدانہ نظر رکھتے ہیں، یہی وجہ ہے کہ ان کے قلم سے نکلنے والی ہر تحریر اپنے موضوع پر نہایت جامع بھی ہوتی تھی اور غور و فکر کے متعدد گوشے کھولنے والی بھی ہوتی تھی، ان کی رحلت کے بعد اس طرح کے علمائے کرام کو شمار کرنے کے لیے بار بار ذہن دوڑا رہے ہیں، لیکن ایک دو کے علاوہ کوئی بڑا نام ذہن میں نہیں آرہا ہے، جو نام ذہن میں ہیں، ان میں بھی حضرت مرحوم کی شخصیت سب سے بلند و ممتاز تھی، ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیم، عالمی رابطہ ادب اسلامی برصغیر کے جنرل سکریٹری، البعث الاسلامی اور الرائد کے کلیدی مقالہ نگار، مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ، مرکز الامام أبی الحسن الندوی رائے بریلی اور المعہد العالی للفکر الاسلامی لکھنؤ جیسے علمی و فکری اداروں کے سربراہ کی حیثیت سے ان کی عظیم خدمات ہمیشہ یاد کی جائیں گی، سچ یہ ہے کہ ہم نے مفکر اسلام حضرت مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کا تراشا ہوا ایک قیمتی ہیرا ہی نہیں کھویا ہے، بلکہ ہم ایک عظیم علمی، فکری اور روحانی شخصیت سے محروم ہو گئے ہیں۔

طالب دعا

ڈاکٹر محمد منظور عالم

(چیئرمین انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز)

علی الصباح اندوہ خیز، ملالت آمیز اطلاع سے ہم لوگوں پر وہ کیفیت طاری ہوئی جو اپنے محسنوں کی جدائی پر طاری ہوتی ہے، کیونکہ چشمہ برکت اور منبع رحمت جب خشک ہوں تو تحتی زراعتوں و نفوس پر مصائب کا سحاب چھا جاتا ہے، جانے والوں کے واسطے الم غم سے نجات، رہنے والوں کے لیے ہموم میں اضافات ہیں۔

لکھنؤ حاضری کے دوران اس حقیر کو جس عنایت و مہربانی سے نوازا گیا، اس میں حضرت والا کی ذرہ نوازی کے ساتھ حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی صاحب کے لطف و کرم نے منجملہ نوازشات کے اس عاجز کو رائے بریلی تکیہ متبرک مقام کی حاضری سے مستفید فرمایا، جو میری بڑی تمنا تھی، یہ سب احسانات اس قلب حزین پر نقش ہیں۔

مخلص

(مولانا) محمد سراج الحسن مجددی

(خانقاہ مجددیہ پیر گیٹ بھوپال)

حضرت مرحوم کا شمار صف اول کے علماء میں ہوتا تھا۔ آپ ہندوستان میں اپنے علم و فضل، نقد و نظر، وسعت نظری، فکری اعتدال اور ادب و انشاء کے سبب منفرد شخصیت کے مالک تھے، حضرت مولانا کو اللہ تعالیٰ نے گوناگوں اوصاف و کمالات کا حسین مرقع بنایا تھا۔ مولانا مرحوم کی زندگی سادگی، تواضع، فنائیت اور نفس کشی سے عبارت تھی۔

عصر حاضر میں حضرت کا وجود ہم لوگوں، اہل ندوہ اور پوری ملت اسلامیہ کے لیے غنیمت کبری اور نعمت عظمی تھا۔ نہ جانے کتنے فتنوں کے لیے سد باب تھے، اب اللہ تعالیٰ ہی ہماری حفاظت فرمائے اور ہمیں حضرت کا نعم البدل عطا فرمائے۔

فقط والسلام

أملاه العبد احمد عفی عنہ خانپوری

(جامعہ اسلامیہ تعلیم الدین، ڈھابیل- گجرات)

بلاشبہ حضرت نور اللہ مرقدہ نے اپنی علمی، تحریری اور تقریری صلاحیتوں سے علم وعمل کی جو روشنی پھیلائی ہے وہ قابل تحسین ہے۔ دار العلوم ندوۃ العلماء کے معتمد تعلیم رہتے ہوئے آپ کی خدمات تاریخ کا حسین باب ہے، آپ کی تصنیف کردہ کتابیں نیز عربی مجلہ "الرائد" کے مدیر التحریر اور "البعث الاسلامی" کے شریک مدیر ہونے کی حیثیت سے لکھے ہوئے آپ کے مضامین ملت اسلامیہ کے لیے ایک علمی ذخیرہ کی حیثیت رکھتے ہیں جو اہمیت کے حامل ہونے کی وجہ سے عالم عرب کے بہت سے مجلات واخبارات میں بھی شائع ہوتے تھے۔ اس کے علاوہ بے شمار اردو مجلات و اخبارات میں بھی آپ کے مضامین شائع ہو کر لوگوں کی علمی و روحانی پیاس بجھاتے تھے، اس لیے یہ کہنا بجا ہوگا کہ حضرت نور اللہ مرقدہ کا انتقال علمی دنیا کے لیے بالخصوص اور ملت اسلامیہ کے لیے بالعموم ایک عظیم خسارہ ہے۔

دعاؤں کا خواستگار
(مولانا) بدر الدین اجمل قاسمی
(ممبر آف پارلیمنٹ)

احقر کو خاندان حسنی کے عظیم سپوت، جلیل القدر عالم دین، عربی زبان کے بے باک ادیب وصحافی وستودہ صفات شخصیات کے مالک؛ حضرت مولانا سید محمد واضح رشید حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ رحمۃ واسعۃ کے انتقال کی غم ناک خبر ملی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

یقیناً حضرت مولانا رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال تمام مسلم امت کے لیے ایک عظیم خسارہ ہے، پورا عالم اسلام سوگوار وغمگین ہے، بندہ بھی اس حادثہ فاجعہ پر دلی قلق محسوس کرتا ہے اور اس نازک موقع پر آپ حضرات کے غم میں برابر کا شریک ہے۔

بندہ؛ محمد زہیر الحسن
(بنگلہ والی مسجد، حضرت نظام الدین دہلی)

مولانا واضح رشید حسنی ندوی رحمۃ اللہ علیہ کا انتقال پوری امت مسلمہ میں ایک بڑا نقصان ہے۔ مرحوم نہ صرف ندوۃ العلماء بلکہ پوری ملت اسلامیہ کے لیے ایک بڑا سرمایہ تھے۔

خادم
ڈاکٹر ظفر الاسلام خان
(چیئرمین دہلی اقلیتی کمیشن)

چند دنوں پہلے عالم اسلام کے مشہور عالم دین، ندوۃ العلماء کے قدیم استاذ ومعتمد تعلیم، مشہور عربی مجلہ "الرائد" کے رئیس التحریر اور آپ کے برادر عزیز حضرت مولانا سید واضح رشید ندوی صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال کی خبر ملی، اس خبر سے قلق وصدمہ ہوا۔

اللہ رب العزت مرحوم کی مغفرت فرمائیں، جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرمائیں، ان کی دینی، علمی وملی خدمات کو شرف قبول عطا فرمائیں، دار العلوم ندوۃ العلماء کو بالخصوص اور امت کو بالعموم نعم البدل عطا فرمائیں۔

والسلام
بندہ؛ محمد سلیم عفی اللہ عنہ
(خادم اسلامک دعوہ اکیڈمی- لیسٹر)

میں مولانا مرحوم کی خوبیوں سے کما حقہ واقف تھا، مولانا کی یہ خوبی میرے لیے بڑی عظمت کی قابل تھی کہ وہ کما حقہ حالات حاضرہ پر نظر رکھتے تھے اور ہر وقت ملت کی رہنمائی فرماتے رہتے تھے، مولانا کی یہ خصوصیت منفرد تھی کہ بہ یک وقت عربی اور اردو دونوں زبانوں میں اظہار خیال فرماتے تھے، حالات حاضرہ پر نظر رکھنا اور بروقت رہنمائی کا فریضہ انجام دینا مرحوم کا خاص وصف تھا، عرب ممالک کو بھی مولانا ہندوستان کے حالات سے باخبر رکھتے تھے، ایک ماہر استاد، مخلص رہنما ومربی، اور بے باک فن گو عالم سے ندوہ محروم ہوگیا اور اب دور دور تک کوئی امکان نظر نہیں آرہا ہے کہ مولانا

کی جگہ پُر ہو سکے گی، تاکہ ندوہ کے طلبہ اور اہل ہند ان کی رہنمائی سے محروم نہ ہوں۔

والسلام
شریک غم
(مولانا) نظام الدین اصلاحی
(استاذ تفسیر جامعۃ الفلاح، اعظم گڑھ)

لاریب مولانا سید واضح رشید ندوی علیہ الرحمہ اپنے علم و کمالات اور مثالی خدمات کے طفیل ہمیشہ یاد کیے جاتے رہیں گے، وہ ایک عبقری معلم اور مشرق و مغرب سے جنم لینے والے افکار و نظریات پر ثاقب نظر رکھتے تھے، ان کی خاموش شخصیت میں فکر و سنجیدگی اور جہاں بینی کا احساس نمایاں رہتا تھا، اخبارات و رسائل میں بھی ان کے فکر انگیز کالم نہایت اہتمام و توجہ سے پڑھے جاتے جس سے قاری کو ملت کے بہت سے مسائل کا تحلیل و تجزیہ کرنے میں غیر معمولی حوصلہ و شعور ملتا تھا، تعلیم و تربیت کا ستھرا ذوق رکھنے کے ساتھ احسانی نسبتوں سے بھی انہیں حظ وافر حاصل تھا، ان کے معمولات زندگی سے بھی اس کا بخوبی ادراک ہوتا ہے، بلاشبہ ان کا سانحہ رحلت "موت العالم موت العالم" کا مصداق ہے، اللہ قادر و قیوم ان کی مغفرت کاملہ فرمائے۔

مفتی خالد سیف اللہ گنگوہی
(مہتمم جامعہ اشرف العلوم رشیدی۔ گنگوہ)

مرحوم ایک صاحب طرز ادیب، ایک ماہر انشاء پرداز، کئی وقیع کتابوں کے مصنف اور عالم عربی پر گہری نظر رکھنے والا فرد فرید، دنیائے اسلام میں ہونے والی سیاسی تبدیلیوں کا درست تجزیہ نگار اور ایک دیدہ ور و کہنہ مشق و زمانہ شناس صحافی کھو دیا ہے، ان کی ناگہانی وفات سے دار العلوم ندوۃ العلماء میں پیدا ہونے والا یہ خلا مستقبل قریب میں پُر ہونے کی امید نہیں ہے، ان کی گہری دینی و سیاسی بصیرت مسلم تھی۔

آپ کا ناچیز شاگرد
(مولانا) شمیم احمد ندوی
(ناظم جامعہ سراج العلوم سلفیہ، نیپال)

مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی ؒ۔ قدیم و جدید کا سنگم

حضرت مولانا سید محمد رابع حسنی ندوی مدظلہ العالی (ناظم ندوۃ العلماء۔ لکھنؤ)

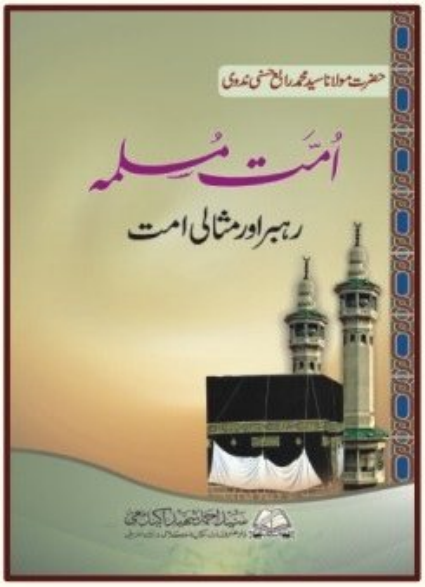
"مولانا محمد واضح رشید حسنی ندوی صاحب صرف علم دین کے حامل اور دینی شخصیت ہی نہیں، بلکہ انہوں نے جدید تعلیم بھی ضروری حد تک حاصل کی اور جدید تعلیم کے حلقہ میں ایک خاصا وقت گذارا اور ان کو اس طرح عالمی حالات اور موجودہ عہد کے تقاضے اور مشکلات کو سمجھنے کا موقع ملا اور اس ضمن میں مغربی فکر اور سامراجی وغیر سامراجی منصوبہ بندیوں سے واقفیت حاصل ہوئی، بلکہ اس سلسلہ میں عالم اسلام کو جن مشکلات کا سامنا ہے، اس کو گہرائی سے انہوں نے سمجھا۔ انہوں نے مغربی نظام تعلیم کا گہرا مطالعہ کیا ہے اور علوم اسلامیہ کی تحصیل کے ساتھ مغربی افکار کے مطالعہ سے مغربی تمدن، مغربی نظام حیات، مغربی فکر و فلسفہ اور مغربی نظام تعلیم سے اچھی واقفیت پیدا کی ہے۔"

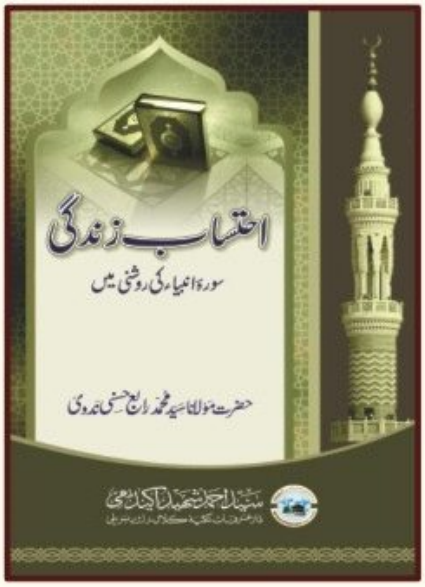
R.N.I. No.
UPURD/2009/28748

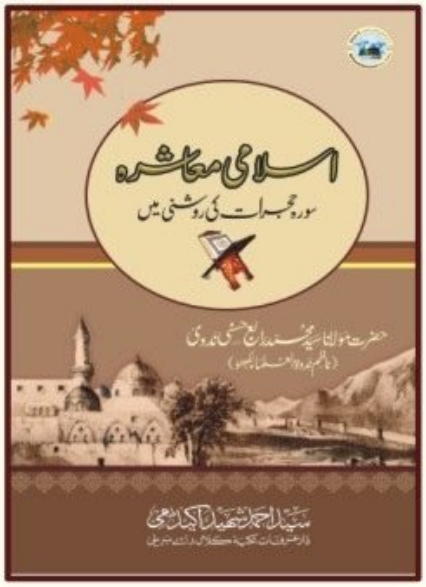
Monthly
Payam-e-Arafat
Raebareli

Postal Reg. No.
RBL/NP -19

Volume: 11 ✦ FEBRUARY - APRIL 2019 ✦ Issue: 02-04







DECLARATION OF OWNERSHIP AND OTHER DETAILS
FORM 4 RULE 8

Name of Paper: Payam-e-Arafat **Place of Publication: Raebareli**

Periodicity of Publication: Monthly **Cheif Editor: Bilal Abdul Hai Hasani**

Address: Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi
Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001

Printer/Publisher: Mohammad Hasan Nadwi

Address: Maidanpur, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001

Ownership: Markazul Imam Abil Hasan Al- Nadwi

I, Mohammad Hasan Nadwi, printer/publisher declare that the above information is correct to the best of my knowledge and belief. (March 2019)

Editor: Bilal Abdul Hai Hasani Nadwi
MARKAZUL IMAM ABIL HASAN AL-NADWI
E-Mail: markazulimam@gmail.com - Dare Arafat, Takiya Kalan, Raebareli (U.P.) 229001 - Mobile: 9565271812
Printed & Published by: Mohammad Hasan Nadwi, On Behalf of Markazul Imam Abil Hasan Al-Nadwi.
Printed at S.A. Offset Printers, masjid ke Peeche, Phatak Abdullah Khan, Sabzi Mandi, Station Road, Raebareli (U.P.)